ازالة الريب
عن عقيدة
علم الغيب
شیخ الحدیث امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ
مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم
گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

قال اللہ تعالیٰ

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (قرآن حکیم)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وَلَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (مستدرک ج ۱ ص ۷ علی شرط مسلم)

وانشد الامام احمد بن حنبلؒ فی السجن ؎

تبارک من لا یعلم الغیب غیرہ ومن لم یزل یُثنیٰ علیہ ویذکر

(اجتماع جیوش الاسلامیہ ص ۱۲۳ لابن القیمؒ)

اِزَالَۃُ الرَّیبِ

عن عقیدۃ

علم الغیب

جس میں بڑی تحقیق و جستجو اور محنتِ شاقہ سے قرآنِ حکیم، صحیح احادیث، صحابہؓ، تابعین، فقہاء کرام، محدثین اور متکلمین اور بزرگانِ دین وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی واضح اور روشن تر عبارات اور اقوال، ٹھوس حوالجات سے مستحکم دلائل اور مضبوط براہین کے ساتھ یہ مسئلہ ثابت کیا گیا ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور بس، کسی ولی اور بزرگ، کسی نبی اور فرشتہ حتیٰ کہ جناب امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی علمِ غیب نہیں تھا اور اس کے برعکس عقیدہ سراسر غیر اسلامی ہے اور اس عقیدہ کے مخالف حضرات کے تمام نقلی اور عقلی شبہات کے مسکت جواب دے کر بفضلہ تعالیٰ اس مسئلہ کے مثبت اور منفی پہلو کی علمی بحث کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ کتاب پڑھنے سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اور ذاتی اور عطائی وغیرہ کی تمام دور از کار بحثیں بیک نظر سامنے آجاتی ہیں

ناشر: مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

طبع دہم (۹) .... مارچ ۲۰۱۱ء

نام کتاب .... ازالۃ الریب عن عقیدہ علم الغیب

مؤلف .... امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ

مطبع .... مکی مدنی پرنٹرز لاہور

تعداد .... بارہ سو پچاس (۱۲۵۰)

قیمت .... ۳۱۰/- (تین سو دس روپے)

ناشر .... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

☆ کتب خانہ صفدریہ، حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

☆ ادارہ الانور بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

☆ مکتبہ صفدریہ چوہڑ چوک راولپنڈی

☆ مکتبہ سلطان عالمگیر اردو بازار لاہور

☆ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد

☆ مکتبہ عثمانیہ میانوالی روڈ تلہ گنگ

☆ اقبال بک سنٹر نزد صالح مسجد صدر کراچی

☆ مکتبہ علمیہ جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک

☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور

☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی

☆ مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ الحسن اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان

☆ مکتبہ حلیمیہ درہ پیزو لکی مروت

☆ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

☆ مکتبہ الاظہر بانو بازار رحیم یار خان

☆ مکتبہ فاروقیہ ہزارہ روڈ حسن ابدال

☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد

☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ ادارہ نشرواشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ☆ ظفر اسلامی کتب خانہ جی ٹی روڈ گکھڑ

فہرست مضامین

انتساب

ہر مؤلف کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنی تالیف کو کسی اُستاد اور بزرگ یا کسی اور محترم ہستی کی طرف منسوب کیا کرتا ہے۔ یہ ناچیز اپنی اس کتاب کا انتساب حضرت مولانا سید قاری، حافظ، مفتی محمود الحسن صاحبؒ (فاضل دیوبند اور حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ المتوفی ۱۳۶۲ھ کے خلیفہ) کی طرف کرتا ہے جن کو ۱۱ مئی ۱۹۵۷ء کو لورالائی (کوئٹہ) میں رمضان مبارک کے مہینہ میں جامع مسجد کے اندر ایک بدبختِ ازلی اور شقی القلب نے محض اس لیے خنجر سے شہید کر دیا تھا کہ حضرت مولانا مرحوم نے یہ فرمایا تھا کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور اس کے بغیر اور کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔ اس کے برعکس قاتل کا خیال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی غیب دان اور عالم الغیب تھے۔ اور اس معاملے نے ایسا طول پکڑا جو بالآخر مولانا مرحوم کی شہادت پر منتج ہوا۔ (اخبار نوائے وقت ۱۲ مئی، الاعتصام ۱۷ مئی اور طلوعِ اسلام جون ۱۹۵۷ء وغیرہ اخبارات میں یہ اندوہناک واقعہ مذکور ہے) جس پر گویا مرحوم کی قبر کا ایک ایک ذرّہ بزبانِ حال قاتل کو پکار پکار یہ کہہ رہا ہے کہ ؎

قریب ہے یار روزِ محشر، چھپے گا کُشتوں کا خُون کیونکر
جو چُپ رہے گی زبان خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

یوم الخمیس ۱۶ محرم الحرام
سنہ ۱۳۷۹ھ
۲۴ جولائی ۱۹۵۹ء

احقر الناس ابو الزاہد گکھڑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ فِیْ ذَاتِہٖ وَلَا فِیْ صِفَاتِہٖ وَلَا فِیْ اَفْعَالِہٖ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ لَا یَعْزُبُ عَنْہُ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ط وَھُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ط وَھُوَ بِکُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمٌ ط وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا ھُوَ ط وَلَہٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَنَبِیِّہٖ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَصَاحِبِ قَابَ قَوْسَیْنِ عَبْدِہٖ وَرَسُوْلِہٖ اَلَّذِیْ بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لِتَعْلِیْمِ الْکِتَابِ وَالْحِکْمَۃِ (وَھِیَ السُّنَّۃُ بِاِتِّفَاقِ السَّلَفِ) مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَاَحْمَدَ نِ الْمُجْتَبٰی اَلَّذِیْ نَفٰی عَنْ نَّفْسِہِ الْکَرِیْمَۃِ نِسْبَۃَ عِلْمِ الْغَیْبِ وَصِفَاتِ الْاُلُوْھِیَّۃِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَجَمِیْعِ اُمَّتِہٖ اِلٰی یَوْمِ التَّنَادِ اَلَّذِیْنَ اعْتَقَدُوْا وَاَقَرُّوْا بِاَنَّہٗ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَقُوْلُ بِلِسَانِیْ وَاَعْتَقِدُ بِقَلْبِیْ وَاَکْتُبُ بِقَلَمِیْ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی مُتَفَرِّدٌ بِصِفَاتِہِ الذَّاتِیَّۃِ وَالْفِعْلِیَّۃِ وَاِنَّ صِفَۃَ عِلْمِ الْغَیْبِ مُخْتَصَّۃٌ بِہٖ تَعَالٰی لَا یَجُوْزُ اَنْ یُّطْلَقَ عَلٰی غَیْرِہٖ عَالِمُ الْغَیْبِ وَاِنْ کَانَ مَلَکًا مُّقَرَّبًا اَوْ نَبِیًّا مُّرْسَلًا ط

سخنہائے گفتنی

(۱)

دینی اور مذہبی، سیاسی اور اقتصادی طور پر اختلاف تو ہمیشہ ہی سے بنی نوع انسان میں چلا آرہا ہے مگر کسی صاحبِ فہم و دانش پر یہ بات ہرگز مخفی نہیں ہے کہ جو اختلاف مذہبی اور دینی نقطۂ نظر پیدا ہوتا یا پیدا کر لیا جاتا ہے، اس میں اتنی قوت اور طاقت ہوتی ہے جو کسی اور اختلاف میں تصور نہیں کی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب سیاست ہمیشہ سے عوام النّاس کو مذہب کے نام پر اُبھار کر اور مذہب کو بطور افیون کے استعمال کرا کر اپنی سیاسی برتری اور اقتدار کو حاصل کرتے رہے اور کرتے رہتے ہیں اور تاریخ اسلام کا یہ ایک انتہائی تکلیف دِہ باب ہے جس کے پڑھنے سے دِل شق ہو جاتا ہے۔ آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں، جسم پر لرزہ طاری ہوتا ہے اور کلیجہ منہ کو آجاتا ہے۔ اور دورِ حاضر میں بھی ایسے لوگوں اور ایسے نظریات کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اطرافِ عالَم میں جس طرف بھی نگاہ دوڑ لیجئے، اس کا بخوبی اندازہ اور مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ حرص و آز کی شراب تو وہی پرانی چلی آرہی ہے۔ مگر ہاں بوتل اور لیبل کا رنگ ضرور بدلتا رہتا ہے۔ شکار کا طریقہ تو وہی پرانا ہے لیکن بسا اوقات جال نیا تلاش کیا جاتا ہے۔ بقول شخصے کہ

نیا جال لاتے پُرانے شکاری

بلاشک سیاسی زندگی سے تعلق بھی ایک ناگزیر امر ہے مگر مفید سیاست تو وہی ہوسکتی ہے جو انسانی زندگی پر خوشگوار اثر ڈال کر اسے امن و چین کی دولت سے مالا مال کر دے اور انسانی قدریں اس قدر اُجاگر ہو جائیں کہ ہر فرد و بشر ان کو اپنانے کی تڑپ اور ضرورت محسوس کرے۔ اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی کا بیشتر حصہ ایسا گزرا ہے جس میں مسلمانانِ عالَم کی دینی اور سیاسی، اقتصادی اور علمی، معاشی اور معاشرتی زندگی انتہائی خطرہ میں مبتلا تھی۔ کوئی دن اور کوئی رات اُن کو چین اور امن کا نصیب نہیں ہوسکا۔ ادھر ہر طرف

اور ہر سمت سے نسیم سحری اور ٹھنڈی ہواؤں کے بجائے ظلم و ستم کی آندھیوں اور جبر و استبداد کی گرم ہواؤں نے ان کے نرم و نازک جسموں کو جھلس دیا تھا۔ دیگر دول یورپ کی تعدی اور زیادتی کے علاوہ جابر برطانیہ کا تسلط بر ربع مسکون کے اکثر حصوں پر تھا جس کی قوت و شوکت کا اندازہ مسٹر گلیڈسٹون کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ ہماری حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ کہیں رات ہے اور کہیں دن ہے۔ اور نیز متکبرانہ لہجہ میں یہ بھی کہا کہ اگر آسمان ہمارے سروں پر گرنا چاہے تو ہم اس کو اپنی سنگینوں کی نوکوں پر تھام سکتے ہیں (محصلہ)۔ اس نازک ترد دور میں تمام اکناف عالم میں جو طغیان و بربریت مسلمانوں پر روا رکھی گئی اس کی مثال دنیا کے ظلم و جور کی داستانوں میں بالکل ناپید ہے اور چراغ لے کر ڈھونڈھنے سے بھی اوراق تاریخ پر اس کی ادنیٰ مثال بھی نہیں مل سکتی۔ درد دل رکھنے والے مسلمان ہر ملک اور ہر خطۂ ارضی میں برطانیہ اور اس کے ہمنوا اور کاسہ لیسوں کے خلاف نفرت کے جذبات کا اظہار کرنے پر مجبور ہوئے اور غداران قوم و ملت کے خلاف صدائے حق بلند کرنے میں انہوں نے ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز ہو کر اپنا مذہبی اور سیاسی فریضہ ادا کیا۔ ان اساطین حق و حریت نے اپنی اپنی شعلہ نوائیوں سے ظلم و جور اور استبداد و استعمار کے مضبوط قلعوں میں آگ لگا دی اور جمود و خمول کی راکھ میں دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دے دے کر شعلے بنائے اور اقوام عالم پر یہ واضح کر دیا کہ دول یورپ اور علی الخصوص ظالم برطانیہ نے کبھی امن و چین کی گھنٹی نہیں بلکہ ہمیشہ جنگ و جدال کا بگل ہی بجایا ہے اور ان حضرات کی نیک مساعی نے نام نہاد تہذیب و امن کے پرخچے اڑا کر فضائے آسمانی میں بکھیر دیئے جن کی خانہ ساز تہذیب و امن کا جنازہ زمانۂ حال میں بیدار اقوام نے پڑھا ہے اور جس کی گور کے نشان اب بھی موجود ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب کہ خلافت عثمانیہ کے مرد بیمار اور سخت جان مریض پر عالت نزع میں برطانیہ کے نمک خوار غسال اور گورکن بڑی ہمدردی اور دلسوزی کے ساتھ اس کے کفن دفن کی تیاریاں کر رہے تھے اور سادہ لوح مسلمانوں سے داد سخاوت حاصل کرنے کے درپے تھے اور بہت سے قاصر النظر حاجتمند اس کی جھولی میں پڑ بھی گئے تھے۔ آہ ؎

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات ... جب جھکا تو غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

(۲)

ہندوستان کی سرزمین میں دیگر اہل دل اور غیور مسلمانوں کی طرح اکابرین علماء دیوبند شکر اللہ مساعیہم اور وہ علماء جو ان کے ہمنوا تھے، انگریز کے خلاف ہر قسم کے جہاد میں سب سے پیش پیش تھے اور ان کو نہ

صرف یہ کہ ہندوستان ہی کے مسلمانوں کی جان و مال اور ایمان و عزت کا احساس تھا بلکہ وہ سیماب کی طرح مضطرب دل اور شاخِ نازک کی مثل بے قرار روح کی بدولت تمام عالمِ اسلام کے لیے برطانیہ کی حکومت اور اس کی ابلیسانہ پالیسی کو جو بلاواسطہ اور بالواسطہ مختلف ممالک میں رائج تھی، اشد خطرہ سمجھتے تھے۔ وہ مصر و عرب، شام و فلسطین، ایران اور آزاد قبائل وغیرہ وغیرہ تمام اسلامی ممالک میں جابر برطانیہ کے پاؤں کمزور، اس کی استبدادی گرفت کو ڈھیلا اور مسلمانوں کے پاؤں کو مضبوط اور ان کے خود اعتمادی کو مستحکم کرنے کے بے انتہا خواہشمند تھے ——— اور نہ صرف خواہشمند ہی تھے۔ بلکہ اس کے لیے اپنی بساط کے مطابق کوشاں بھی تھے۔ ریشمی دستاویز کی کہانی آخر کیوں پیش آئی تھی؟ ۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) اور شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد صاحب مدنیؒ (المتوفی ۱۳۷۷ھ) اور حضرت مولانا عزیز گل صاحب دام مجدہم کو آخر مالٹا میں کس نظریے نے سالہا سال تک قید و بند کے لیے مجبور کیا تھا؟ اور حضرت مولانا ابو الحامد محمد بن عبد اللہ انصاریؒ (المتوفی ۱۳۶۶ھ) کو جلاوطن ہو کر کابل میں کیوں رہنا پڑا؟ اور حضرت مولانا عبید اللہ صاحبؒ سندھی (المتوفی ۱۳۶۴ھ) کو زندگی کا بیشتر حصہ جلاوطنی میں گذارنے پر کن حالات نے اکسایا تھا؟ اور علماءِ دیوبند و من حذا حذوہم کو دورِ برطانیہ میں کال کوٹھڑیوں میں کن افکار و عزائم نے محبوس کیا تھا؟ جہاد ۱۸۵۷ء میں برطانیہ کے خلاف پانی پت، سونی پت اور دہلی و سہارنپور وغیرہ کے اطراف و اکناف میں ہتھیلی پر جان رکھ کر کس نے علمِ جہاد بلند کیا تھا؟ اور زنداں میں محبوس ہو کر سزائے موت کی خبر سن کر کس نے خوشی کے مارے چھلانگیں لگائی تھیں؟ کہاں تک اس درد بھری کہانی اور داستان کا تذکرہ کیا جائے۔ کسی اہلِ علم اور صاحبِ ذوق و منصف مزاج تاریخ دان سے یہ تاریخی حقائق کیونکر اوجھل اور مخفی ہو سکتے ہیں؟ اور سینوں اور سفینوں سے تاریخ اسلام کے یہ سنہری حروف اور نقوش کیسے مٹ سکتے ہیں؟ جو اپنی تابانی لہروں میں پکار پکار کر یہ صدا بلند کر رہے ہیں کہ ؎

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اک حرفِ غلط لیک اُٹھے بھی تو نقش اپنا بٹھا کے اُٹھے

(۴)

اِس ظلم و عدوان کے دور میں ان اکابر کے لیے اگر ایک طرف برطانیہ کے طوق و سلاسل، زنداں اور کال کوٹھڑیاں تیار تھیں اور ہر وقت تختہ دار ان کے شوقِ ملاقات کے لیے بیتاب نظر آتا تھا، تو

دوسری طرف برطانیہ کے ایما پر بہت سے اغراض و مقاصد اور مخفی مصالح کے پیشِ نظر ہندوستان کے نہ صرف کلمہ پڑھنے والوں بلکہ مفتیوں اور پیروں، مولویوں اور گدی نشینوں نے ان اکابر پر تکفیر و تفسیق کے تیر برسائے اور مختلف قسم کے دیگر الزامات[1] لگائے مثلاً یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کو جھوٹا کہتے ہیں، اس کی قدرت کے قائل نہیں ہیں، ناموس رسالت کے دشمن ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے خلاف گستاخیاں کرتے ہیں۔ شیطان کا علم سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مانتے ہیں۔ چوپایوں کے ساتھ علم میں آپ کی برابری کرتے ہیں، بزرگانِ دین کی توہین کرتے ہیں۔ اور اولیائے عظام کی تحقیر کرتے ہیں، ختمِ نبوت کے منکر ہیں، وغیرہ وغیرہ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) اس لیے یہ لوگ خدا اور رسول کے دشمن ملحد، بے دین، زندیق اور مرتد ہیں اور مرتد کی سزا اسلام میں قتل ہے اور پھر یہاں تک لکھ دیا کہ "بے شک امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی فرقوں کے حق میں فرمایا ہے کہ حاکم کو ان میں سے ایک کا قتل ہزار کافروں کے قتل سے بہتر ہے کہ دین میں ان کی مضرت زیادہ سخت تر ہے۔"

(بلفظہٖ حسام الحرمین ص۱۷) پھر کیا تھا سادہ لوح اور جاہل مسلمانوں کی مجاہدانہ یلغار، قولاً و فعلاً و مالاً ہر طریق سے ان اکابرین کے خلاف طوفانِ بدتمیزی برپا ہوا اور ان کو وہابی اور گلابی وہابی کے بے خطا ہتھیاروں سے صفحۂ ہستی سے مٹانے اور صفِ اسلام سے نکالنے کی از حد کوشش اور کاوش کی گئی مگر مشہور ہے جس کو خدا رکھے اس کو کون چکھے۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۝ بتلایئے کیا حال ہوگا امتِ مسلمہ کی کشتی کے اس ملاح اور ناخدا کا جو موجوں کے اندرونی اور بیرونی تھپیڑوں کا مقابلہ کرتا رہا اور بزدلی کم ہمتی، سستی اور کاہلی کو قریب بھی نہ آنے دیا۔ مگر تھا تو وہ آخر انسان ہی، اِس لیے یہ کہنے پر بھی مجبور ہوا کہ: ؎

حملے مری کشتی پہ کیا کرتے ہیں طوفاں   دریا کی طرف سے کبھی ساحل کی طرف سے

بانیانِ دارالعلوم دیوبند قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے دین اسلام کی بقاء اور احیاء کے لیے جس للّٰہیت اخلاص اور ہمت و ایثار کے پیشِ نظر جو مرکز علومِ اسلامیہ قائم کیا تھا (جو تادمِ تحریر باحسن وجوہ قائم ہے وخلدہ اللہ تعالیٰ الیٰ قیامِ الساعۃ) اس سے سالانہ سینکڑوں شعلہ بیان اور روشن ضمیر عالم تیار ہو کر

---

[1] ان اصولی اعتراضات کے جوابات میں راقم کی تازہ تالیف عباراتِ اکابر پہلا حصہ طبع ہو چکی ہے۔

ممالکِ اسلامیہ میں تقریر و تحریر، تدریس و خطابت، ذکر و فکر اور تالیف و تصنیف وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں کی رہنمائی کرتے رہے اور اب بھی بفضلہٖ تعالیٰ کر رہے ہیں جو اپنی خوش بیانی اور حسنِ کردار اور تبلیغ کے ذریعہ سینکڑوں کے اسلام لانے کا سبب بنے ہیں اور جو برطانیہ کے لیے مصیبتِ عظمیٰ اور دردِ سر بنے رہے جنھوں نے ہر آنے والی تکلیف و مصیبت کو خندہ پیشانی اور ہمت و استقلال کے ساتھ برداشت کیا اور اپنے اسلاف کے بہترین نمونوں پر قائم رہ کر طوفانِ حوادث کو یوں خطاب کیا کہ ؎

ہم کو طوفانِ حوادث کیا ڈرائے گا حمید — جب سے ہم پیدا ہوئے یہ آندھیاں دیکھا کئے

ان اکابر کی بے لوث خدمت، اولوالعزمی اور تمام کارکردگی حکومت برطانیہ کے سامنے تھی۔ اس نے ان پر جو مظالم بلاواسطہ ڈھائے، ان کا تو کہنا ہی کیا ہے، مگر جو الجھنیں ان کے لیے ابنائے وطن نے لبادۂ اسلام اوڑھ کر پیدا کیں، وہ زہرہ گداز ہیں۔ کسی نے تو جہاد کی منسوخیت کا باطل دعوےٰ کیا اور ختمِ نبوت پر کاری ضرب لگا کر قصرِ ختمِ نبوت کو متزلزل کرنا چاہا اور کسی نے ہندوستان کو دارالسلام قرار دے کر برطانیہ کو بالواسطہ عادل اور منصف حکمران بنا کر اس کے مخالفوں کو قابلِ گردن زدنی اور قابلِ صد نفرین قرار دیا اور اپنی ساری ناکام اور بے مراد زندگی ہی اکابرین علماء دیوبند و من حذا حذوہم کے خلاف زہر اگلنے میں صرف کر دی اور بیسیوں مسائل میں ان کی تکفیر و تفسیق کی گئی بلکہ علماء حرمین شریفین کو مغالطہ دے کر ان کی تکفیر کرائی گئی حتّٰی کہ زمانے نے پالنسہ بدلا اور حالات نے پلٹا کھایا اور سچ اور جھوٹ اصل و نقل اور بے لوث خدمت اور طمع و لالچ کی حقیقت آشکارا ہوئی اور ہر صاحبِ ذوق پر صداقت منکشف ہوئی۔ آخر ؎

ہر ذرۂ ہستی میں تڑپ ہو گئی پیدا — جب درد کی اک موج اٹھی دل کی طرف سے

(۴)

ان تمام مخالفین میں مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) پیش پیش تھے چنانچہ انہوں نے اپنی متعدد کتابوں میں ان اکابر کے خلاف صریح کفر کے فتوے صادر کئے ہیں۔ ہم سردست ان کے صرف دو ہی حوالے درج کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"رشید احمد گنگوہی و اشرف علی تھانوی اور ان سب کے مقلدین و متبعین و پیروان و مدح خوان باتفاق علمائے اعلام کافر ہوئے اور جو ان کو کافر نہ جانے، ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی بلاشبہ کافر ہے۔"

(عرفانِ شریعت حصہ دوم ص۲۹)

اور نیز لکھتے ہیں کہ کیا علماء کرام حرمین شریفین کے مبسوط و مفصل فتاویٰ مبارکہ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین کے بعد کسی اور تفصیل کی ضرورت ہے اس میں نانوتوی و دیوبندیوں کی نسبت صاف صریح تصریح ہے کہ مَنْ شَكَّ فِیْ كُفْرِهٖ فَقَدْ كَفَرَ جو ان کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے۔" (عرفان شریعت حصہ اول ص۲۴)

اور مفتی احمد یار خان صاحب (المتوفی ۱۳۹۱ھ) عالم جذب و جنون میں بزعم خود یہ ثابت کرکے کہ حضرت مولانا محمد اسماعیل (المتوفی شہید ۱۲۴۶ھ) کو سکھوں نے نہیں بلکہ سرحد کے پٹھانوں نے قتل کیا تھا یہ لکھتے کہ " ان کے معتقدین دو گروہ ہیں غیر مقلدین وہابی اور دوسرے وہ جنہوں نے دیکھا کہ اس طرح اپنے کو ظاہر کرنے سے مسلمان ہم سے نفرت کرتے ہیں انہوں نے اپنے کو حنفی ظاہر کیا نماز روزہ میں ہماری طرح سامنے آئے ان کو کہتے ہیں گلابی وہابی یا دیوبندی (الحمد للہ کہ غالی مشرک تو نہیں کہتے۔ صفدر) بھلا میرے آقا و مولیٰ محبوب کبریا صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تو دیکھو کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہاں سے قرن الشیطان یعنی شیطان کا گروہ نکلے گا، اردو میں قَرْنُ الشَّیْطَانِ[1] کا ترجمہ ہے دیوبند" (بلفظہٖ جاء الحق ص۵)

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ " لیکن موجودہ زمانہ میں بمقابلہ غیر مقلدین کے زیادہ خطرناک دیوبندی ہیں۔" (بلفظہٖ جاء الحق ص۷) شاید اس لیے کہ ان کے علم و تقویٰ، امانت و دیانت، متانت اور سنجیدگی اور مستحکم اور مضبوط دلائل کے سیلاب میں مفتی صاحب اور ان کی جماعت کی خود تراشیدہ دلیلوں کی کاغذی کشتیاں بہ جاتی ہیں، ضرور خطرہ ہونا چاہیئے اور غم و حزن اور خوف نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں ہے کیونکہ ؎

جس سمت نگاہ اٹھی اک حشر بپا دیکھا — جو شکل نظر آئی غمگین نظر آئی

---

[1] مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرن الشیطان کے مضمون کی جملہ حدیثیں صرف دجال لعین اور اس کے چیلوں سے متعلق ہیں موارد الظمآن ص۴۶۱ کی روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یخرج الدجال من ھا ھنا و اشار نحو المشرق کہ دجال مشرق کی طرف سے نکلے گا یہ روایت مستدرک ج ۴ ص۵۲۸ میں بھی ہے امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں فرماتے ہیں کہ صحیح ہے۔ راقم الحروف اس پر ایک مستقل رسالہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حقیقت بالکل واشگاف ہو جائے گی۔ قرن الشیطان کے معنی ہیں شیطان کا سینگ اور شیطان کا معاصر وغیرہ اور دنیا جانتی ہے کہ شیطان کا سینگ کون ہے؟ مگر افسوس کہ بریلویوں کی سمجھ ہی الٹی ہے مشہور محاورہ ہے۔ الٹا بانس بریلی کو۔

اور پھر آگے دیوبندیوں پر مزید برستے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اور ان کے ہمیشہ حملے مسلمانوں پر خاصکر اہل حرمین پر ہی ہوتے" (بلفظہٖ جاء الحق ص۳)۔ مفتی صاحب! ذرا انصاف اور خوفِ خدا کو ملحوظ رکھ کر اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر یہ تو فرمایئے کہ دورِ برطانیہ میں ترکوں اور مصریوں عربوں اور شامیوں افغانوں اور آزاد قبائل کے مسلمانوں پر کس گروہ کے مولویوں اور پیروں اور گدی نشینوں کے مرید ان باصفا ان مظلوموں پر گولیاں برسانے، ان کے سینوں کو چھلنی کرنے اُن کی عورتوں کو بیوہ کرنے اور ان کے بچوں کو یتیم کرنے اور ان کی ماؤں کے قیمتی لعل چھیننے کے لیے بھرتی ہوئے تھے؟ مفتی صاحب! جنگِ عظیم میں بغداد شریف پر (بزعم خود گیارھویں والے کے روضہ پر) کس کے مریدوں نے بھرتی ہو کر حملہ کیا تھا؟ ذرا علامۂ کبیر اور مجاہدِ وقت امیر شکیب ارسلانؒ کی کتاب اسبابِ زوالِ اُمت ہی ملاحظہ کر لیجئے کہ ان مقاماتِ مقدسہ پر حملہ آور کس فرقے سے متعلق تھے؟ اور مدینہ طیبہ میں روضۂ اقدس پر کس نے گولیاں برسائی تھیں؟ اور مکہ مکرمہ پر کس گروہ نے بمباری کی تھی؟ اور سلطان عبدالحمید خان ترکی مرحوم کی بہو کو حرم کعبہ کے گرد سر کے بالوں سے پکڑ کر کس نے گھسیٹا تھا۔ اور اس کے برعکس برطانیہ نے شریف مکہ کے توسط سے ترکوں کے خلاف جنگ کرنے کے جواز پر کس سے فتویٰ حاصل کرنا چاہا تھا اور کس نے اس کا انکار کر کے سالہا سال تک مالٹا میں اسیری کی زندگی بسر کی تھی؟ اور کس کو مالٹا کے زنداں میں گھر کی سی لذت محسوس ہوتی تھی؟ جنہوں نے شاید بزبانِ حال یہ بھی کہا ہو کہ: ؎

نئی دُنیا بنا دی لذتِ ذوقِ اسیری نے قفص میں رہنے والوں کو خیالِ آشیاں کیوں ہو!

مفتی صاحب! آپ کو تاریخ عالم سے بھی کچھ اُنس اور لگاؤ ہے؟ آپ نے کس سادگی اور دجل سے یہ کہہ دیا ہے کہ اُن (دیوبندیوں) کے ہمیشہ حملے مسلمانوں پر خاصکر اہلِ حرمین پر ہی ہوتے۔ مفتی صاحب! اس غلط بیانی اور افترا۔ آفرینی سے شائد آپکے ناخواندہ حواری تو مطمئن ہو جائیں۔ مگر تاریخ عالم سے ادنیٰ ترین تعلق اور مس رکھنے والے اس دروغگوئی سے کیونکر؟ کیسے؟ اور کب متاثر ہو سکتے ہیں؟ خصوصاً اس طائفہ منصورہ اور ظاہرین علی الحق گروہ کے خلاف جن کی عزیز زندگیاں ہی اسلام کی والہانہ اُلفت اور عقیدت میں مسلمانانِ عالم کی خیر خواہی اور ہمدردی میں اور برطانیہ کے خلاف تختۂ دار سے لے کر اسیری تک کے مظالم میں گزری ہیں اور جو آخر تک بہ بانگِ دہل یہ کہتے رہے کہ ؎

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی کٹی ہے برسرِ میداں مگر جھکی تو نہیں

جہاں اور بہت سے مسائل میں ان اکابر کی تکفیر اور پُرزور تردید کی گئی ہے ان میں ایک مسئلہ علم غیب بھی ہے جو اس پیشِ نظر کتاب کا موضوع و مبحث ہے ۔ قرآن کریم، صحیح احادیث، حضرات صحابہ کرامؓ، ائمہ اسلامؒ اور بزرگانِ دینؒ اور اکابرینِ علماء دیوبند کا مسئلہ علمِ غیب کے متعلق کیا بیان اور عقیدہ ہے؟ یہ تو اس کتاب کے مختلف ابواب سے انشاء اللہ العزیز علیٰ وجہ الاتم ظاہر ہوگا ۔ سردست فریقِ مخالف کا نظریہ خود ان کی اپنی عبارات میں ملاحظہ کر لیجئے تاکہ آپ پر بھی یہ حقیقت منکشف ہو جائے کہ اس نازک ترین دَور میں جس میں لوگ اسلام ہی کو سلام کہہ رہے ہیں یہ ضخیم کتاب کیوں لکھی گئی ہے؟ اور اس کے لکھنے کا داعیہ کیا پیش آیا ہے ع شاید کہ اُتر جائے ترے دِل میں مری بات!

(۱) قائدِ فریقِ مخالف مولوی احمد رضا خاں بریلی قرآن کریم کی ایک آیت سے بشمول اثر و شانِ نزول از حضرت مجاہدؒ (کہ اگر کسی شخص کی اونٹنی گم ہوگئی تھی الخ ابنِ جریر ج ۱۰ ص ۱۰۵ و درمنثور ج ۳ ص ۲۵۴ وغیرہ میں یہ روایت مذکور ہے مگر فریقِ مخالف نے اس کی سند اور سند کا حال نہیں بتلایا، اور بتلاتا بھی بھلا وہ کیسے؟ آخر ع "کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے" ! باقی رہا اونٹنی کا واقعہ اور حضرت مجاہدؒ کے اقوال کی تشریح، تو یہ اپنے مقام پر عرض کی جائے گی انشاء اللہ العزیز) یہ حکم کشید کرتے ہیں کہ یہاں اللہ عزوجلّ یہ حکم لگا رہا ہے کہ "جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی سے منکر ہو وہ کافر ہے" الخ (بلفظہٖ خالص الاعتقاد ص ۲) اور دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں کہ "مگر مغیبات کا مطلق علم تفصیلی بعطائے الٰہی ضرور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ثابت ہے ۔ انبیاء سے اس کی نفی مطلقاً ان کی نبوت ہی سے منکر ہونا ہے" بلفظہٖ (احکامِ شریعت حصہ سوم ص ۱۹۵)

(۲) اسی سابق مستدل پر بنیاد رکھتے ہوئے مولوی سلطان محمود صاحب پپلوی (ضلع میانوالی) لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے منکر کو کافر فرمایا ہے، اگرچہ کلمہ شریف پڑھتا ہو" الخ (بلفظہٖ نجم الرحمٰن ص ۱۲) نیز لکھتے ہیں کہ "اہل السنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے (کون سے اہل السنت والجماعت ؟ اور ثبوت و اتفاق کہاں؟ یہ تو اس کتاب سے روشن ہوگا، انشاء اللہ العزیز، صفدر) اور اعتقاد ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ آقائے نامدار سید الابرار احمد مختار ختم الانبیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ نے اپنے فضل و کرم سے اوّلین و آخرین ——

وعلم ماکان و مایکون وعلم ما فی السّمٰوٰت و ما فی الارض عطا فرمایا ہے اور ایسا اعتقاد رکھنے والا مومن ہے۔ (کب اور کیسا؟ مفصل بحث آرہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ صفدر) اور جو شخص یہ اعتقاد نہ رکھتا ہو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے" اھ (بلفظہٖ نجم الرحمٰن صفحہ ۵) نیز وہ لکھتے ہیں کہ "پس انکارِ علم غیب نبی کا عین انکار نبی کا ہے۔ پس وہابی لوگ نبی کے منکر ہیں" (بلفظہٖ نجم الرحمٰن صفحہ ۹)

(۳) مولوی امام الدین صاحب کوٹلی لوہاراں (ضلع سیالکوٹ) مذکور مستدل کی بنا پر لکھتے ہیں کہ "مسلمان ہوکر تم یہ بات کہنے سے کہ محمد غیب کیا جانیں کافر ہوگئے" الخ (حاشیہ نصرۃ الحق صفحہ ۳۱) اور پھر متعدد پنجابی کے اشعار میں اس کو بیان کرکے یہ بھی لکھتے ہیں کہ ؎

غیبی علم نبی نوں ہیسی ثابت ہوگیا بھائی　　جیہڑا اوسنوں منّتے ناہیں کافر شک نہ کائی

(۴) مولوی محمد عظیم صاحب گکھڑوی (ضلع گوجرانوالہ) لکھتے ہیں کہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے صفت علم غیب باتفاق اہلِ حق (بزعم خود، صفدر) بنص قطعی قرآن ثابت ہے اور منکر منصوص مکذب نصِ قرآن کافر ہے" (بلفظہٖ علم حبیب صفحہ ۱)

(۵) اور مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ: "اے امتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دیوبندی وہابی کی اقتداء میں اپنے ایمان کو نہ کھو بیٹھنا یہ عقیدہ نہ بنا لینا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب ماکان و مایکون یعنی اگلا پچھلا نہیں ورنہ یاد رکھو کملی والے کا دامن ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ جو پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ آپ کی سفارش سے بھی محروم رہو گے اور وہ تو اس عقیدے پر اپنے اعمال بھی ضائع کر چکے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھ کر علی الاعلان ماکانَ و مایکونُ کا علم غیب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھا دیں۔ (کس دلیل سے۔ صفدر) اور تم سرے سے آپ کی ذاتِ عالمہ کو اس سے بے خبر کہہ دو تو تمہارے اس ایمان کو اللہ تعالیٰ قصرِ دیوبند میں ہی رکھے تاکہ دوسرے سادہ لوح بھولے بھالے مسلمانوں کو قعرِ جہنم میں نہ لے جاؤ" انتہی بلفظہٖ (مقیاسِ حنفیت صفحہ ۶۵۴)

شیعہ حضرات کی مستند کتاب میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات ماکان و مایکون کا علم مرحمت ہو چکا تھا۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اسری بہ لم یہبط حتی اعلمہ اللہ جل ذکرہ علم ماکان و مایکون۔ (اصولِ کافی مع الصافی حصہ اول جزو سوم کتاب الحجۃ صفحہ ۲۱۶) (کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج پر لے جایا گیا تو آپ اس وقت تک نیچے تشریف نہیں لائے۔

جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام ماکان و مایکون کا علم نہ عطا فرما دیا۔) اور اس کی شرح میں علامہ خلیل قزوینی مشہور شیعی عالم لکھتے ہیں کہ "بدرستیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ چوں بردہ شدہ در شب از مسجد الحرام بسوئے مسجد اقصےٰ و از آنجا بآسمان فرو دنیامدہ تا وقتیکہ اعلام کرد اُورا۔ اللہ جل ذکرہ ہرچہ بتحقیق شدہ وہرچہ خواہد شد" (الصافی حصہ اول جز سوم صلا۱۱۶ طبع نولکشور)

مگر فریقِ مخالف کے نزدیک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم غیب کب حاصل ہوا تھا؟ اس سے متعلق بھی ان کے دو حوالے سُن لیجئے تاکہ کسی کے دل میں ارمان نہ رہے:۔

(۱) مولوی محمد صالح صاحب میترانوالی (ضلع سیالکوٹ) لکھتے ہیں کہ "عباسؓ سے مروی ہے[۱] کہ آنحضرت نے فرمایا لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سُنتا تھا فرشتے عرش کے نیچے پروردگار کی تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی آواز سُنتا تھا حالانکہ میں ان دنوں ماں کے پیٹ میں تھا الیٰ ان قال اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابتدائے خلق سے علم غیب حاصل ہے لوح محفوظ ان کے روبرو لکھی گئی آپ کو شکم مادر میں ہی علم غیب حاصل تھا" (علمِ غیب رسول صلا۲۴)

(۲) اور مفتی احمد یار خان صاحب نے اپنے مُفتیانہ لہجہ میں تحقیق و تدقیق کے جو دریا بہائے ہیں وہ ان تمام سے انوکھے اور نرالے ہیں اور اس قابل ہیں کہ کسی عجائب گھر میں آویزاں کئے جائیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اول ہی سے قرآن کے عارف تھے مگر قرآنی احکام نزول سے قبل جاری نہ فرمائے (اللہ تعالیٰ تو ارشاد فرماتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ الآیۃ کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ قرآن کو پہلے نہیں جانتے تھے۔ صفدرؔ) اسی لیے بخاری کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے غارِ حرا میں پہلی بار آکر عرض کیا اِقْرَاْ پڑھیئے یہ نہ عرض کیا فلاں آیت پڑھیئے اور پڑھوا اسی سے کہتے ہیں جو جانتا ہو (سبحان اللہ اگر کسی بچہ سے عہدِ طفولیت میں یہ کہا جائے کہ پڑھو تو وہ اس سے قبل سب کچھ جانتا ہی ہوگا؟ صفدرؔ) حضور علیہ السلام نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں نہیں پڑھنے والا، یعنی میں تو پڑھانے

---

[۱] امام الصابونیؒ لکھتے ہیں کہ غریب سنداً و متناً یہ روایت سند اور متن کے لحاظ سے غریب ہے اور امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اسکی سند میں احمد بن ابراہیم حبلی راوی مجہول ہے لہذا یہ روایت قابلِ اعتبار نہیں ہے (دلائل النبوۃ بیہقی ج) اور معنوی طور پر بھی اس پر کلام کیا گیا ہے (دیکھیئے سیرۃ النبی ج۳ ص۵۵۱) از سید سلیمان ندوی مرحوم۔ اس بے سروپا روایت سے شکم مادر میں علمِ غیب ثابت ہو رہا ہے! فوا اسفا!!

والا ہوں۔ پڑھ تو پہلے ہی لیا ہے لوح محفوظ میں (مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسی حدیث کے بعض طرق میں آتا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اِقْرَأْ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، کَیْفَ اَقْرَءُ ؟ میں کس طرح پڑھوں ؟ اور ایک روایت میں یوں آتا ہے مَاذَا اَقْرَأُ ؟ میں کیا پڑھوں ؟ اور علماء اسلام نے تین دفعہ کے تکرار کا یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ پہلی مرتبہ کا فرمانا امتناع قرأت اور دوسری دفعہ کا کہنا اخبار بنفی المحض اور تیسری بار کا ارشاد استفہام پر محمول ہے دیکھئے فتح الباری ج ا صلا وغیرہ) لوح محفوظ میں قرآن ہے اور لوح محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں پہلے ہی سے ہے آپ ولادت سے پہلے نبی صاحبِ قرآن ہیں بغیر وحی کے نبوت کیسی ؟ (واہ رے مفتی صاحب سبحان اللہ ؟ صفدر) لہذا ماننا پڑے گا کہ قبل ولادت[1] ہی قرآن کے عارف تھے إلی ان قال حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے امت کی شفاعت کی (دلیل ؟ مگر یہ نہ پوچھئے۔ صفدر) حالانکہ سجدہ اور شفاعت حکم قرآنی ہے۔ حضور غوثِ پاک نے ماہ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا ، یہ بھی حکم قرآنی ہے " (بلفظہ جاء الحق ص۱۳۰) سبحان اللہ ! مشہور محاورہ کے پیشِ نظر آمدم برسرِ مطلب ، مفتی صاحب ، صاحبِ قرآن اور معصوم ہستی صلوات اللہ علیہ وتسلیماتہ ، سے ایک ہی جست لگا کر گیارھویں شریف والے کی طرف چلے گئے ہیں اور بے سروپا کہانی سے ان کی یہ منقبت اور فضیلت ثابت کی جا رہی ہے کہ غوث پاک نے ماہِ رمضان کا دودھ نہ پیا یہ بھی حکم قرآنی ہے ، یہ کس قرآن میں ہے کہ غوث پاک نے رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا ؟ اور یہ بھی نہ بتایا کہ وہ پیدا کب ہوئے اور وفات کب پائی ؟ اور کس آیت قرآن میں یہ حکم ہے کہ شیر خوار بچہ بھی ماہ رمضان میں اس امر کا مکلف ہوتا ہے کہ ماں کا دودھ چھوڑ دے ؟ اور اگر کسی بیماری وغیرہ سے ترک کر دے تو یہ حکم قرآن کیسے ہو گیا ؟ اور یہ قرآن کریم کے کس مقام میں ہے کہ سیدنا شیخ عبدالقادر غوث پاک ہیں ؟ یہ اور اس قسم کی اور کئی قابل توجہ باتیں مفتی صاحب ہی جانیں کیونکہ مشہور ہے المعنی فی بطن الشاعر۔ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۔ یہ وہ مفتی صاحب ہیں جو بزعم خویش اور بخیال معتقدین رہبر کامل مفتی اور صوفی اور واصل باللہ ہیں فوا اسفاہ ۔ اکمؔ نے عوام الناس کی زبان سے ایسے ہی لوگوں کے بارے کیا ہی خوب کہا ہے کہ ؎

رہزن سے تو ہر گام پہ رہتا ہوں میں ہشیار   خطرہ ہے مگر رہبر کامل کی طرف سے

---

[1] حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ اس باطل نظریہ کی پرزور تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بلاشبہ یہ ایک افتراء ہے جس کی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ تکذیب کرتی ہے (الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ المنفعۃ مع امام الکلام ص۲۶۸)

یہ ہیں وہ حالات جنکی وجہ سے ہم علم غیب سے متعلق اپنا عقیدہ بیان کرنے اور اس کو دلائل سے مبرہن اور مستحکم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اور فریق مخالف کی طرف سے پیش کردہ دلائل کا جائزہ بھی قدرے تفصیل سے لیا گیا ہے تاکہ عوام الناس کے سامنے فریقین کے دعاوی اور دلائل سامنے آجائیں اور حق و باطل نمایاں ہو جائے۔ پھر سمجھنے کے بعد جس کا جی چاہے جو راستہ اختیار کرے۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ گرمے

حق ابھرتا ہی رہا نقش بقا بن کے نظیر مٹ گیا آپ ہی حق کو مٹانے والا

یہ بحث تو بسط و تفصیل کے ساتھ اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ العزیز۔ مگر یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ صرف ذاتی اور عطائی اور بالذات و بالواسطہ کے فرق سے اللہ تعالیٰ کی صفات میں غیر اللہ کو شریک کرنا شرک سے بچا سکتا ہے اور نہ کسی طرح سے مستحسن ہے۔ چنانچہ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (جن کی تحقیق پر فریق مخالف کو کلی اعتماد ہے) ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

"از ہے علم رسول بشری یا ملکی را مساوی علم الٰہی دانستن و فقط در بالذات و بالواسطہ تمیز انگاشتن بعید است از صواب قال اللہ تعالیٰ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ" (بلفظہ اعلاء کلمۃ اللہ ص۱۴۲)

مطلب بالکل واضح ہے کہ فرشتہ اور رسول کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی سمجھ کر صرف یہ فرق کرنا کہ خدا تعالیٰ کا علم بالذات ہے اور فرشتہ اور رسول کا علم بالواسطہ اور عطاء الٰہی ہے بالکل غلط اور بعید از صواب ہے بلکہ یوں فرق ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ماکان و مایکون کو محیط ہے اور رسول بشری وغیرہ کا علم اِلَّا بِمَا شَآءَ میں داخل ہے کیونکہ جمیع ماکان و مایکون کے دعوے سے ایک تو اس آیت کا خلاف ہوتا ہے اور دوسرا دیگر نصوص قطعیہ کا رد لازم آتا ہے جس میں رسول بشری وغیرہ سے علم کی نفی ثابت ہے۔ دیگر فرشتوں کا تو کہنا ہی کیا صرف وہ رسول ملکی اور فرشتے جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اعمال اور اقوال پر عالم اسباب میں محافظ اور نگران بنایا ہے۔ وہ انسان کے متعلق بہت کچھ علم رکھتے ہیں مگر جو علم غیب خاصۂ خداوندی ہے اس سے وہ بھی آگاہ نہیں ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فالملك يعلم ما يهم به العبد من حسنة وسيئة وليس ذٰلك من علمهم بالغيب الذى اختص الله به (شرح حديث النزول ص۸۰ طبع امرتسر)	فرشتہ ان خیالات کو بھی جو انسان میں نیکی اور بدی کے پیدا ہوتے ہیں جانتا ہے مگر یہ وہ علم غیب نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔

کیونکہ اس کی ذات کے ساتھ جو علم مختص ہے وہ محیط تفصیلی اور علم جمیع ماکان و مایکون ہے اور اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ مامور فرشتہ کو ایک آدمی کے خیالات کا

علم ہو جانا تمام انسانوں اور جنّوں کے دلوں کے راز اور بھید جاننے کا موجب اور اس کو مستلزم نہیں ہے۔ پھر بخاری وغیرہ کی صحیح اور صریح روایات سے ثابت ہے کہ فجر سے عصر تک جن فرشتوں کی اعمال ضبط کرنے کی ڈیوٹی ہوتی ہے وہ اور ہوتے ہیں اور عصر سے فجر تک کے اور ہوتے ہیں۔ (محصلہ بخاری ج ۱ ص۷۹ و ص۱۰۹)

(۷)

بعض اہلِ علم حضرات بھی دیانتۃً اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ شرک کی زد سے بچنے کے لیے یہ کافی ہے کہ یوں کہہ دیا جائے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اگرچہ تمام ماکان وما یکون کا علم حاصل تھا مگر ذاتی نہیں بلکہ عطائی تھا، بالذّات اور بالاستقلال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صفت آپ کے لیے ثابت نہ ہوئی تو پھر یہ شرک کیسے ہوا؟ کیونکہ علمِ غیب اور اسی طرح حاضر و ناظر اور ما فوق الاسباب تصرّفات وغیرہ کی صفات تو آپ کی ذاتی نہیں اور نہ خانہ زاد ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص اور خالص عطیہ ہیں۔ اور علمِ عطائی اللہ تعالیٰ کی صفت ہی نہیں ہو سکتی اس لیے یہ شرک نہیں ہے مگر یہ ایک نہایت ہی سطحی قسم کا مغالطہ ہے۔ پوری بحث تو اپنے مقام پر آئے گی ان شاءاللہ تعالیٰ کہ جب موصوف کا خود اپنا وجود ہی ذاتی نہ ہو۔ بلکہ عطیہ خداوندی ہو تو پھر اس کی کسی صفت میں یہ احتمال کیسے پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ بھی بالذات ہو سکتی ہے۔ اور جب اس کے بالذّات ہونے کا تصوّر ہی نہیں تو پھر اس کی نفی کیونکر صحیح ہوگی؟ اور بھلا اس کی ضرورت بھی کیا ہے؟ جن حضرات نے بالذّات اور بالاستقلال وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں وہ بالذّات اور بالاستقلال کا مطلب ہرگز یہ نہیں لیتے اور نہ کرتے ہیں کہ یہ صفت ان کی ذاتی اور خانہ زاد ہے بلکہ وہ بالذّات اور بالاستقلال کا یہ معنیٰ مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ قوت اور طاقت عطا فرما دی ہے اور قدرت ان کی ذوات میں ودیعت کر دی ہے۔ کہ وہ جب چاہیں کسی چیز کو معلوم کر لیں اور جب چاہیں تصرف کر لیں اور جزئی جزئی اشیاء میں وہ اس کے محتاج نہیں کہ فیضان الٰہی ہو تو وہ کچھ کر سکیں، اور عطائی اور غیر مستقل کا یہ مطلب وہ لیتے ہیں کہ معجزات اور کرامات کی طرح جزئی جزئی معاملہ میں وہ قدرت خداوندی کے محتاج ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان کو ان میں اتنا اختیار بھی نہیں ہوتا جتنا کہ عباد کے افعالِ اختیاریہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً قلم کاتب کے ہاتھ میں لکھتا تو ہے مگر ایک ایک حرف میں وہ کاتب کی تحریک کا محتاج ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ کاتب نے اپنا فعلِ کتابت قلم سے ظاہر کیا ہے نہ یہ کہ قلم میں انسان کی طرح لکھنے کی طاقت ہی آگئی ہے۔ کیونکہ قلم جب تک انسانی صفات کا حامل نہ ہو کاتب نہیں ہو سکتا۔

بخلاف افعالِ عباد کے، کیونکہ ان میں انسان کو مستقل اور بالذات قدرت حاصل ہے اگرچہ یہ قدرت و اختیار وغیرہ خدا تعالیٰ ہی کا عطیہ ہے۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں اس پر مفصل بحث نقل کی گئی ہے۔ ہم اختصاراً دو عبارتیں عرض کرتے ہیں :۔

" دانستن مغیبات کہ در بعض اوقات از انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام رومیدہد ہم ازیں قبیل است یعنی متفرع بر قوتے و قدرتے و شانے و صفتے نیست کہ در ذوات طیبۂ ایشاں ودیعت نہادہ باشند بلکہ محض فعل خاصہ الٰہی است کہ ایں جا جلوہ میکند مثل حرکت قلم بہ فعل کاتب " (فتوی رشیدیہ حصہ سوم ص۱۳)

اور نیز لکھا ہے کہ :۔

" آنکہ لفظ علم ذاتی و تصرف استقلالی و مثل آں کہ در کلام بعض علماء مثل مولانا شاہ ولی اللہؒ و شاہ عبد العزیزؒ نسبت بکفار واقع شدہ مراد ازاں ہمیں اثبات قدرت و اختیار از درگاہ پروردگار است کہ موجب شرک کفار نا بکار است ورنہ مشرکین عرب ذات و صفاتِ اصنام را مخلوقِ خدا و قدرت و اختیار آنہا عطا فرمودۂ جناب کبریائی میدانستند کما ہو تحقیقہ، و وجہ اطلاق لفظِ استقلال ظاہر است زیرا کہ مشرکین بدیں آں افعال خاصۂ الٰہیہ را بہ سبب اعتقادِ تفویضِ قدرت و اختیار در افعال اختیاریہ و اعمال مقدوریہ داخل نمودند و بر افعال اختیاریۂ بندگان جمیع احکام استقلال جاری میشود و استحقاق مدح و ذم طاری گو کہ ہمہ افعال عباد بر قوت خداداد مبنی "۔ (بلفظہٖ ج ۳ ص۲۴)

مطلب بالکل واضح ہے کہ وہ بالذات اور بالاستقلال کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ جیسا انسانوں کو نیکی اور بدی ایمان و کفر، طاعت و عصیان وغیرہ وغیرہ میں مستقل قدرت حاصل ہے جس پر مدح و ذم اور ثواب و عقاب کا ترتب ہوتا ہے۔ اسی طرح مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو علم غیب وغیرہ کی صفات عطا کر دی ہیں اور ان میں وہ افعالِ اختیاریہ کی طرح تصرف کرنے میں مستقل ہیں۔

اور حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ " اور مستقل بالتاثیر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام اس کے سپرد ایسے طور پر کر دیئے ہیں کہ وہ ان کے نافذ کرنے میں حق تعالیٰ کی مشیت خاصہ کا محتاج نہیں ہے گو اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ اس کو اس تفویض و اختیارات سے معزول کر دے " (بوادر النوادر ج ۲ ص۶۱)

اس کی ایک ناقص سی مثال یوں سمجھیئے جیسا کہ موجودہ دور میں ماتحت عدالتیں ہوتی ہیں، ان کے تمام اختیارات حکومت وقت کے قانون ہی سے حاصل ہوتے ہیں لیکن وہ فیصلہ صادر کرنے میں مستقل ہوتی ہیں حتیٰ کہ بعض

اوقات حکومت کی مرضی کے برعکس وہ حکومت کے خلاف بھی فیصلہ صادر کر دیتی ہیں حالانکہ کرسیٔ عدالت پر ان افسروں کا رسائی حاصل کرنا قانونِ وقت کا رہین منت ہوتا ہے۔ حکومت جب چاہے ان کو معزول اور معطل یا عہدہ میں کمی یا اضافہ کر سکتی ہے۔ اس لحاظ سے فریق مخالف نے بالذات علم غیب کی نفی یا بالاستقلال تصرفات کی نفی یا ذاتی طور پر حاضر و ناظر کی نفی کی دُورازہ کار بحث چھیڑ کر جس عذرِ لنگ یا گلو خلاصی کا بہانہ تلاش کر رکھا ہے وہ سب بے سُود و بے کار ہے مگر فریق مخالف کو کیا؟ ؂

صراطِ عشق میں جو تیز گام ہو نہ سکا پہنچ سکا نہ کبھی منزلِ حقیقت پر

اگر ذاتی اور عطائی کا یہی دُور از کار بہانہ شرک سے بچانے کے لیے کافی ہے تو بتایئے کہ عیسائیوں کا کیا قصور ہے؟ وہ بھی تو بالآخر یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو آسمانی باپ کی طرف سے تمام اختیارات سونپ دیے گئے تھے۔ جن میں علمِ غیب بھی شامل ہے، چنانچہ انجیل متی میں ہے کہ "یسوع نے پاس آکر ان سے باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے"۔ (باب ۲۸ آیت ۱۸) اور نیز یہ بھی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے فرمایا کہ "میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا" الخ (متی باب ۱۱ آیت ۲۷) اور کرنتھیوں کے نام پولس رسول کا پہلا خط۔ میں ہے کہ "لیکن ہم پر خدا نے اُن کو (یعنی حکمت کی باتیں اور خدا کی پوشیدہ حکمت کے بھید باب ۲ آیت ۷،۱) رُوح کے وسیلہ سے ظاہر کیا کیونکہ رُوح سب باتیں بلکہ خدا کی تہ کی باتیں بھی دریافت کر لیتا ہے"۔ (باب ۲ آیت ۱۰)

صد افسوس ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہود اور نصاریٰ کی جس تقلید کا خطرہ اپنی اُمت کے لیے محسوس کیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔ آپ نے فرمایا تھا لتتبعن سنن من قبلکم (بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۱ و مسلم ج ۲ ص ۳۳۹ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۵۸ وغیرہ) اور آخر کیونکر پورا نہ ہوتا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

—— دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کی تمام لغزشوں اور گناہوں کو معاف کرے اور تمام اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح معنی میں اُمتِ مرحومہ بننے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین! اور یہی دلِ بیقرار کی دیرینہ آرزو ہے ؂

یہ ہی تو ہے وہ قطرہ کہ دریا کہیں جسے دل کو نہیں حقیقتِ دل کو بغور دیکھ

(۸)

اس کتاب میں کچھ حوالجات اکفار الملحدین مصنفہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) سے اور چند حوالجات حضرت مرشدنا و مولانا حسین علی صاحبؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) کی املائی تقریر بلغۃ الحیران اور نیز ان کی تفسیر بے نظیر سے اور کچھ بوارق الغیب مصنفہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی سے ماخوذ ہیں۔ بقیہ جتنے حوالجات ہیں وہ سب اس ناچیز کی تلاش و تفحص اور دماغ سوزی کا نتیجہ ہیں جن میں غلطی کا واقع ہونا غیر اغلب نہیں ہے۔ جو حضرات غلطیوں سے آگاہ فرمائیں گے وہ عند اللہ تعالیٰ ماجور اور عند الحقیر مشکور ہوں گے کیونکہ اول تو انسان کا کوئی کام اور فعل بھی لغزش اور خطا سے محفوظ نہیں ہوتا اور پھر کام بھی اس بندۂ عاجز کا جو سراپا تقصیر و خطا ہو، لہٰذا گذارش ہے کہ مجھے ہدفِ ملامت بنانے کے بجائے متانت اور سنجیدگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے میری غلطیوں پر مجھے آگاہ کریں۔ حق کے تسلیم کرنے میں کبھی تامل نہ کروں گا۔ (ان شاء اللہ العزیز)

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ط

۲۱ر محرم الحرام ۱۳۷۹ھ
۲۸ر جولائی ۱۹۵۹ء

احقر
الو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر
خطیب جامع گکھڑ و مدرس مدرسہ نصرت العلوم
متصل گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ

باب اوّل

تِلْكَ مِنْ اَنْبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ (پ۱۲ ہود ع۴)

(یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اخبارِ غیب اور انباءِ غیب کے جتنے علوم سے نوازا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسرار وحِکم کے علوم اور عبادات ومعاملات، اخلاق وسلطنت، حلال وحرام، جائز وناجائز، کارِ ثواب وکارِ عقاب وغیرہ وغیرہ کے کثیر علوم اور روزِ میثاق اور بدءِ خلقت اور انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی امتوں کے بے شمار حالات اور اپنے زمانہ کی لاتعداد خبریں اور قیامت تک کے ان گنت فتن اور زلازل اور قوموں کے عروج وزوال کے اسباب اور محرکات ودواعی اور اشراطِ ساعت اور علاماتِ قیامت اور قبر وبرزخ کے حالات وکیفیات اور میدانِ محشر کے ہولناک اور ہوش رُبا مناظر اور پُلصراط کی پُرخطر وادی اور جنت ودوزخ کی نعمتیں اور خطرناک مصائب وغیرہ وغیرہ اتنے علوم اور انباءِ غیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مرحمت ہوتے ہیں کہ جن کی پوری حقیقت یا صرف دینے والا مالک جانتے یا لینے والا محبوب۔ اور اللہ تعالیٰ کے بعد نہ تو اس قدر علوم کسی فرشتۂ مقرب کو عطا ہوتے اور نہ کسی نبی مرسل کو۔ دوسری مخلوق کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ اور دیگر بعض صفات مختصہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ان اخبارِ غیب اور انباءِ غیب میں بھی ممتاز ہے مخلوق میں کوئی آپ کا اس میں مماثل نہیں ہے اور کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ؎

رُخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دوکانِ آئینہ ساز میں

بایں ہمہ یہ بات کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ عالم الغیب والشہادۃ اور ہر ایک کے ظاہر وباطن سے واقف اور علیم بذات الصدور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ستودہ صفات ہی ہے۔ جس کے علمِ محیط سے کائنات کا ایک ذرّہ بھی مخفی نہیں ہے، اور یہ صفت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو حاصل نہ تھی۔ کئی باتیں اس دُنیائے خاک وگل میں ایسی بھی تھیں جن کا علم آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخر عمر تک نہیں دیا گیا تھا۔ اور ان میں ایسے امور بھی ہیں جو آپ کی شان رفیع کے ہرگز لائق نہیں ہیں چنانچہ آئندہ اوراق میں قرآنِ کریم، صحیح احادیث اور سلف وخلف کی واضح اور روشن عبارات سے یہ مسئلہ آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

اس مقام پر یہ بتلانا ہے کہ علمِ غیب، عالم الغیب، عالمِ ماکان ومایکون اور علیم بذاتِ الصدور کا مفہوم الگ اور جُدا ہے اور اخبارِ غیب اور انباءِ غیب پر مطلع ہونا جُدا مفہوم ہے۔ دوسری بات کا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے) منکر ملحد اور زندیق اور پہلی بات کا مُثبت مشرک اور کافر ہے۔ اور ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اخبارِ غیب اور انباءِ غیب کی صرف بطورِ نمونہ چند حدیثیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں کہ اکابرین علماء دیوبند کثّر اللہ تعالیٰ جماعتہم میں (جو اس زمانہ میں صحیح طور پر اہل السنّت والجماعت ہیں) کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے تاکہ کسی کوتاہ فہم اور ابلہ فریب کو علم غیب اور انباءِ غیب کے فرق کو پیشِ نظر نہ رکھتے ہوئے خلط مبحث کا شکار نہ ہونا پڑے اور ہر منصف مزاج کو سوچنے اور غور وفکر کرنے کا موقع مل جائے، اور محض ضد وعناد اور دھڑے بندی کی وجہ سے اپنی آخرت اور عاقبت ہی ضائع نہ کر بیٹھے اور کہیں اس کا اپنا ہی نقصان نہ ہو ؎

اے چشمِ اشک بار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

بغیر کسی زمانی ترتیب کے ملحوظ رکھنے کے ہم انباءِ غیب کی صرف وہ چند باتیں عرض کرتے ہیں جو صحیح احادیث میں آئی ہیں اور جن کا ہمارے مقصد سے تعلق ہے:۔

(۱) حضرت ابوہریرہ (المتوفی ۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظہورِ فتن کے متعلق ارشاد فرمایا کہ زمانہ بہت جلدی جلدی گزرتا جائے گا (کہ عیش واستلذاذ اور سائنسی ترقی کی وجہ سے سال مہینہ میں اور مہینہ ہفتہ میں اور ہفتہ ایک دن میں ختم ہو جائے گا، افادہ الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ اور گویا ع مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں) اور علم (دین) کم ہو جائے گا اور لوگ بخل سے کام لیں گے اور فتنے بکثرت نمودار ہوں گے اور قتل وغارت کا بازار گرم ہوگا۔ (بخاری ج۲ ص۱۰۴۶)

یہ سب امور ہمارے مشاہدہ میں آچکے ہیں:

۲۔ حضرت ابوبکرہ رضؓ (نفیعؓ بن الحارث المتوفی ۴۹ھ) فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضؓ (المتوفی ۵۰ھ) کی طرف اشارہ کرکے ارشاد فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۳)، اور یہ صلح حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی دونوں جماعتوں کے درمیان حضرت حسنؓ کی کوشش سے انجام پائی تھی۔

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، جب تک کہ ارضِ حجاز سے آگ نہ نکلے جس کی روشنی میں بصریٰ کے مقام پر اُونٹوں کی گردنیں نظر آنے لگیں (بخاری ج ۲، ص ۱۰۵۴ و مسلم ج ۲ ص ۳۹۳) حسب تصریح امام نوویؒ وغیرہ یہ آگ ۶۵۴ھ میں ظاہر ہوئی ہے۔ اہل شام اور دیگر علاقوں کے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا تھا اور تواتر کے ساتھ یہ چیز ان میں پھیلی تھی اور بعض اہل مدینہ نے بھی جو وہاں موجود تھے اس کا مشاہدہ کیا تھا۔

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک وقت آئے گا جب کہ نہر فرات سے سونا نکلے گا، جو وہاں ہو وہ اس سے ہرگز نہ لے۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۴) کیونکہ اس خزانہ کے حصول کے سلسلہ میں ایسی زبردست لڑائی اور خونریزی ہوگی کہ صرف ایک فیصد آدمی بچیں گے (مسلم ج ۲ ص ۳۹۱)

۵۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ ہی سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک تیس ۳۰ کے قریب دجّال اور کذّاب رسالت اور نبوّت کا دعوٰے نہ کریں حتیٰ کہ علم اُٹھتا جائے گا اور زلزلے بکثرت ظاہر ہوں گے اور زمانہ متقارب ہوگا اور فتنے ظاہر ہوں گے، اور قتل کثرت سے ہوں گے اور مال کی بہتات ہوگی۔ یہاں تک کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملے گا اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اُونچے اونچے مکانات تعمیر کریں گے اور مصائب کا اتنا ہجوم ہوگا کہ لوگ قبر کے پاس سے جب گذریں گے تو کہیں گے کاش یہ قبر میری ہوتی اور حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع کرے گا (بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۴) اور تیس ۳۰ کے قریب دجّالوں اور کذّابوں کا ذکر مسلم ج ۲ ص ۳۹۷) میں بھی ہے۔

۶۔ حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرؓ (المتوفی ۷۳ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس نے اپنی قوم کو دجّال کے فتنہ سے نہ ڈرایا ہو۔ مگر میں تم سے ایسی بات کہتا ہوں

جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے نہیں کہی کہ دجال کانا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے (بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۵) اور حضرت انس رضؓ (المتوفی ۹۳ھ) کی مرفوع روایت میں ہے کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان (ماتھے پر) کافر کے الفاظ لکھے ہوتے ہوں گے۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۶)

۷۔ حضرت زینبؓ بنتِ جحش (المتوفاۃ ۲۱ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن پریشان حالت میں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ عرب کی تباہی کے آثار نمودار ہوچکے ہیں، سدِ یاجوج ماجوج سے اتنی مقدار (جتنی انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو ملا کر درمیان میں حلقہ کی ہوتی ہے) کھل گئی ہے۔ میں نے سوال کیا حضرت کیا ہم ہلاک کئے جائیں گے جبکہ ہم میں نیک لوگ ہوں گے؟ فرمایا ہاں جب فسق و فجور بڑھ جائے گا۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۶ و مسلم ج ۲ ص ۳۸۸)۔

۸۔ حضرت حفصہؓ (المتوفاۃ ۴۵ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ کو گرانے کے ارادہ سے ایک فوج آئے گی، اور جب بیداء کے قریب پہنچے گی تو سب کو بغیر ایک قاصد کے جو قوم کو جا کر خبر دے گا زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۸۸)

۹۔ حضرت ثوبان رضؓ (المتوفی ۵۴ھ) فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشرق و مغرب کو میرے سامنے سمیٹ کر رکھ دیا اور مجھے سونے اور چاندی کے خزانے (جو قیصر اور کسریٰ کے خزانوں کی طرف اشارہ ہے (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰) عطا فرمائے گئے ہیں۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ و ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۲)۔ حضرت عمر رضؓ (المتوفی ۲۳ھ) اور ان کے بعد دیگر خلفاء اور سلاطینِ اسلام کے ہاتھوں یہ بشارت پوری ہوئی۔ (نووی وغیرہ)

۱۰۔ حضرت حذیفہؓ بن یمان رضؓ (المتوفی ۳۶ھ) فرماتے ہیں کہ قیامت تک جو فتنے برپا ہونے والے ہیں میں ان کو جانتا ہوں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے وہ بتائے ہیں (مسلم ج ۲ ص ۳۹۰) اور ان کی دوسری روایت میں انہی فتنوں کی طرف اشارہ موجود ہے۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت تک کی کوئی چیز نہ چھوڑی، جو ایک خطبہ میں کھڑے ہو کر بیان نہ کر دی۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۹۰) اس مضمون کی روایت حضرت ابو زید بن عمرو بن اخطب رضؓ سے بھی ہے، (مسلم ج ۲ ص ۳۹۰) اور ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۶ کی روایت میں حضرت حذیفہ رضؓ کی مرفوع روایت میں قائد فتنہ کی تصریح موجود ہے۔ اس حدیث کی مزید تشریح اپنے موقع پر آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۱۔ اور حضرت نواسؓ بن سمعان کی طویل حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال شام اور عراق کے درمیان کسی درہ سے نکلے گا۔ اور دائیں بائیں ہر طرف شر و فساد بپا کرے گا اور چالیس دن تک زمین پر رہے گا۔ پہلا دن ایک سال کا ہوگا جس میں پورے سال کی نمازیں پڑھنی ہوں گی، اور دوسرا دن ایک مہینہ کا اور تیسرا ایک ہفتہ کا اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے، عجیب و غریب شعبدہ بازیاں دکھاتا پھرے گا۔ مال و زر اس کے پیچھے چل پڑے گا، جو اس پر ایمان لائے گا وہ خوشحال رہے گا اور جو اس کی بات نہیں مانے گا وہ مصائب و آلام کا شکار ہوگا، ایک آدمی کو وہ قتل بھی کرے گا۔ اس اثنا میں حضرت عیسٰے بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام دمشق کی جامع[۱] مسجد کے مشرقی سفید مینار پر (صبح کی نماز کے وقت کما فی المستدرک ج ۴ ص ۴۸۲ وقال صحیح) نازل ہوں گے اور اس وقت انہوں نے دو زعفرانی رنگ کے کپڑے اوڑھے ہوتے ہوں گے حتیٰ کہ دجال لعین کو باب لُد (جو بیت المقدس کے قریب ایک بستی ہے، نووی ج ۲ ص ۴۰۱) میں قتل کر دیں گے، اس کے بعد یاجوج ماجوج کا خروج اور ان کا زمین پر شر و فساد اور حضرت عیسی علیہ السلام کا مع اپنے ساتھیوں کے طُور پر پناہ لینا اور پھر یاجوج و ماجوج کی تباہی و بربادی کا طویل واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ (دیکھئے مسلم ج ۲ ص ۴۰۱ و مستدرک ج ۴ ص ۴۹۲)

۱۲۔ حضرت حذیفہؓ بن اُسید (المتوفی ۴۲ھ) فرماتے ہیں کہ ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے تھے کہ اتنے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، فرمایا تم کس بحث میں مشغول تھے! ہم نے کہا کہ ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی، جب تک اس سے قبل دس علامتیں ظاہر نہ ہو جائیں۔ مشرق[۱] میں زمین کا ایک خطہ زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ اور اسی[۲] طرح ایک حصہ مغرب میں اور ایک[۳] جزیرۃ العرب میں اور ایک[۴] قسم کا عالمگیر دھواں نکلے گا، دجال[۵]، دابۃ الارض[۶] اور

---

[۱] یہ مسجد دمشق میں سوق حمیدیہ میں واقع ہے۔ یہ ولیدؒ بن عبد الملک الاموی (المتوفی ۹۶ھ) کے عہد میں تعمیر ہوتی تھی اس کی تعمیر پر پانچ کروڑ روپیہ صرف ہوا تھا۔ مگر سوء اتفاق سے وہ مسجد جل کر شہید ہو گئی تھی اس وقت کی تعمیر بعد کی بناوٹ ہے مسجد کی پیمائش مع صحن کے شرقاً غرباً پانچ سو فٹ اور شمالاً جنوباً تین سو فٹ ہے مسجد کے اندر ہی حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک ہے، اور یہ سفید مینار اس وقت بھی موجود ہے۔ راقم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہاں کے لوگ اس کو منارۃ المسیح سے یاد کرتے ہیں۔

یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا۔ سورج مغرب سے طلوع کرے گا، قعرِ عدن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۹۳)

۱۳۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، قحط سالی صرف یہی نہیں کہ بارش نہ ہو، قحط سالی یہ بھی ہے کہ بارش تو بکثرت ہو مگر کوئی چیز زمین سے (کثرت سیلاب وغیرہ کی وجہ سے) پیدا نہ ہو۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۹۳)

۱۴۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ حضرت ام حرامؓ بنت ملحان (المتوفاۃ ۲۷ھ) حضرت عبادہؓ بن الصامت (المتوفی ۳۴ھ) کی اہلیہ محترمہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب سے بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے۔ میں نے سوال کیا کہ حضرت آپ کے تبسم اور ضحک کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، مجھ پر میری امت کا ایک ایسا گروہ پیش کیا گیا ہے جو بھرپور دریا میں کشتیوں پر سوار ہو کر (جیسے بادشاہ کرسیوں پر جلوہ گر ہوتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرے گا۔ حضرت ام حرامؓ نے فرمایا، حضرت دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اُن میں شریک ہونے کی توفیق دے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اسی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ (المتوفی ۶۰ھ) کے عہد حکومت میں مجاہدین کا یہ قافلہ روانہ ہوا، اور کشتیوں کے ذریعہ سے اپنا سفر طے کر کے جب جزیرہ قبرص کے ساحل پر اُترا تو حضرت ام حرامؓ اپنی سواری سے گر پڑیں اور ان کو شہادت نصیب ہوئی۔ (نسائی ج ۲ ص ۵۲)

۱۵۔ غزوۂ خندق کے مشہور واقعہ میں اس کا ذکر ہے کہ جب خندق میں ایک بہت سخت چٹان سامنے آئی اور حضرات صحابہ کرامؓ اس کے توڑنے سے عاجز آگئے تو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کیلنتی لے کر خندق میں اُترے، ایک ضرب لگائی تو ایک چمک پیدا ہوئی، آپ نے فرمایا، میرے سامنے کسریٰ کے شہر اور اُس کے آس پاس کے مدائن پیش کئے گئے ہیں، حضرات صحابہ کرامؓ نے فرمایا حضرت دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمارے ہاتھوں پر فتح کر دے۔ آپ نے دعا فرمائی، پھر دوسری ضرب لگائی تو فرمایا میرے سامنے قیصر کے اور اس کے آس پاس کے شہر پیش کئے گئے ہیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے فرمایا۔ حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ قیصر کا ملک بھی ہم کو عنایت فرمائے۔ آپ نے دعا فرمائی، پھر تیسری ضرب لگائی، اور فرمایا، میرے سامنے حبشہ کا علاقہ پیش کیا گیا ہے، جب تک حبشی تمہارے ساتھ مصالحت کریں تم بھی ان سے نہ لڑو اور جب تک ترکی تم سے جنگ نہ کریں تم بھی ان سے جنگ کرنا

ترک کردو۔ (نسائی ج ۲ ص ۵۳)

۱۶۔ حضرت ذی مخبرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم (مسلمان) عیسائیوں اور رومیوں کے ساتھ مصالحت کروگے اور یہ صلح بڑی پُر امن ہوگی، تم اور رومی و عیسائی ایک ایسی قوم سے لڑوگے جو تمہارے پیچھے کی جانب ہوگی، کئی سال لڑائی کے بعد تم اُن پر غالب ہوگے اور بہت سا ساز و سامان تمہارے ہاتھوں میں آئے گا۔ جب تم ایک سرسبز و شاداب علاقہ اور اُونچے ٹیلوں پر فروکش ہوگے تو ایک عیسائی کہے گا صلیب کی وجہ سے فتح ہوئی، ایک مسلمان اس پر ناراض ہوگا اور صلیب کو توڑ دے گا، اور کہے گا کہ قربانی کے دُنبے تو ہم بنے ہے اور فتح صلیب کی ہوتی؟ اس کے بعد عیسائی اور مسلمان آپس میں لڑ پڑیں گے اور ایک بہت بڑی خونریز جنگ کا آغاز ہوگا۔ (ابوداوٗد ج ۲ ص ۲۳۲) یہ جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے انشاء اللہ تعالیٰ حرفاً حرفاً سب پورا ہوگا۔

۱۷۔ حضرت معاذؓ بن جبل (المتوفی ۱۸ھ) فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیت المقدس کی آبادی کا بڑھ جانا عرب کی تباہی کا پیش خیمہ ہوگا۔ اور عرب کی تباہی عالمگیر جنگ کا ذریعہ ہوگی اور اس عالمگیر جنگ کے بعد (کفار کے استیلاء کے بعد) قسطنطنیہ مسلمانوں کے ہاتھوں پر فتح ہوگا اور اس فتح کے بعد دجال کا خروج ہوگا۔ (ابوداوٗد ج ۲ ص ۲۳۴) اور حضرت عبداللہؓ بن بُسر (المتوفی ۸۸ھ) کی روایت میں ہے کہ اس عالمگیر جنگ اور فتح قسطنطنیہ کے درمیان چھ سال کا وقفہ ہوگا۔ اور ساتویں سال دجال نکلے گا (ابوداوٗد ج ۲ ص ۲۳۴)

۱۸۔ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قریب ہے کہ دوسری اقوام تم پر ایسی مجتمع ہو کر حملہ آور ہوں گی جیسے بڑے پیالے اور دسترخوان پر لوگ کھانے پر اکٹھے ہو جاتے ہیں، ایک سائل نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت کیا ہم اس وقت تھوڑے ہوں گے؟ فرمایا نہیں تم بہت ہوگے، مگر خس و خاشاک کی طرح تمہاری کوئی وقعت نہ ہوگی تمہارا رعب دشمنوں پر نہیں ہوگا اور تمہارے دلوں میں وہن ہوگا۔ سائل نے پوچھا، حضرت وہن کیا ہے؟ فرمایا دُنیا کی محبت اور موت کا ڈر۔ (ابوداوٗد ج ۲ ص ۲۳۴)۔

۱۹۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ (المتوفی ۷۴ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میری نسل سے ہوگا۔ (اس کا وہ نام ہوگا جو میرا ہے یعنی محمدؐ۔ اور اس کے باپ کا وہ نام ہوگا

جو میرے باپ کا نام ہے یعنی عبداللہ۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۲)۔ اس کی پیشانی کشادہ اور ناک اونچی ہوگی، زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا، جیسا کہ اُس سے پہلے زمین ظلم و جور سے اٹی پڑی ہوگی سات سال تک وہ حکمرانی بھی کرے گا۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۲)

۲۰۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عثمانؓ اللہ تعالیٰ تجھے (خلافت کا ایک) کرتہ عطا فرمائے گا، لوگ تجھ سے چھیننا چاہیں گے مگر تو اُس کو نہ اُتارنا (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۲) یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ تم مجھ سے وہ کرتا چھیننا چاہتے ہو جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ بخدا میں اس کو کبھی نہیں اُتاروں گا (دارقطنی ج ۲ ص ۵۰۸) حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ شخص ایک فتنہ میں مظلومیت کی حالت میں شہید کیا جائے گا۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۲)

۲۱۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عمارؓ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۱) حضرت عمارؓ کو حضرت امیر معاویہؓ کی جماعت اور گروہ نے شہید کیا تھا (مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۱ و مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۹۷ والبدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۶۹ و وفاء الوفا ج ۱ ص ۲۳۶) حضرت امیر معاویہؓ سے جب اس کا تذکرہ کیا گیا تو فرمانے لگے کہ واقعی ہم باغیۃ ای طالبۃ لدم عثمانؓ یعنی حضرت عثمانؓ کے خون ناحق کا مطالبہ کرنے والے گروہ سے ہیں (مرقات ہامش مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۳۲) امام حاکمؒ نے حضرت امیر معاویہؓ کا ایک دوسرا جواب خود قاتلین عمارؓ سے ان کی زبانی نقل کیا ہے (دیکھئے مستدرک ج ۳ ص ۳۸۶) یہ یاد رہے کہ حضرت عمارؓ کو کسی صحابیؓ نے قتل نہیں کیا بلکہ ان باغیوں نے قتل کیا جو اپنے باطل مقاصد کے تحت اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے حضرت امیر معاویہؓ کی فوج میں بغیر ان کے علم کے خیر خواہ بن کر گھسے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ کو فرمایا لا یقتلک اصحابی ولکن تقتلک الفئۃ الباغیۃ (وفاء الوفا ج ۱ ص ۲۳۵) کہ تجھے میرے صحابی قتل نہیں کریں گے لیکن تجھے باغی قتل کریں گے۔ اور ایسا ہی ہوا کہ بلوائیوں اور باغیوں نے ان کو شہید کیا۔

۲۲۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایسے سال آئیں گے جن میں مکر و خداع کی بہتات ہوگی، جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا، امانت دار لوگوں کو خائن سمجھا جائے گا اور خیانت کرنے والے امین تصور کئے جائیں گے اور رُوَیبضہ قسم کے لوگ

عوام کی گتھیاں سلجھائیں گے۔ دریافت کیا گیا حضرت، رُوَیبضہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا کہ رذیل، حقیر اور خودغرض قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں زمامِ حکومت ہوگی۔ (ابن ماجہ صـ۳۰۲ ومسند احمد ج ۲ صـ۲۲۰ ومستدرک حاکم ج ۴ صـ۴۶۹ قال الحاکم والذہبی صحیح) نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے اپنی اُمت پر جتنا خوف گمراہ حکمرانوں کا ہے اتنا اور کسی چیز کا نہیں ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۲ صـ۱۴۱ وقال اسنادہٗ جید قوی)

۲۳۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں یہ بھی ہیں کہ علم (دین) کم ہو جائے گا جہالت بڑھ جائے گی، زنا عام ہوگا۔ شراب نوشی بکثرت ہوگی۔ مرد کم اور عورتیں زیادہ ہوں گی، حتیٰ کہ پچاس عورتوں کی نگرانی کرنے والا صرف ایک ہی مرد ہوگا۔ (مسلم ج ۲ صـ۳۴۰ و بخاری ج ۲ صـ۷۸۴ و ابن ماجہ صـ۳۰۳ و طیالسی صـ۲۶۶) اور اس کی وجہ ایک تو عورتوں کی شرح پیدائش زیادہ ہوگی اور دوسری وجہ بقول امام نوویؒ جنگوں میں مرد زیادہ ہلاک ہو جائیں گے (نووی شرح مسلم ج ۲ صـ۳۴۰)

۲۴۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ جبلِ حراء پر تھے کہ یکایک اس پہ زلزلہ آیا۔ آپؐ نے فرمایا، اے حراء تھم جا تجھ پر تو اللہ کا نبی یا صدیق رہا یا (دو) شہید ہیں۔ (ابوداؤد طیالسی صـ۲۶۶ والدارقطنی ج ۲ صـ۵۰۸)

۲۵۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی طویل روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب دجّال لعین کے خروج کی صدا بلند ہوگی تو مسلمانوں کا امیر اس وقت تحقیقِ حال کے لیے دس آدمیوں کا ایک دستہ بھیجے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اُن کے اور اُن کے آباء کے نام جانتا ہوں، ان کے گھوڑوں کا رنگ اور حلیہ بھی جانتا ہوں، وہ اُس وقت شہسواروں میں اعلےٰ فضیلت کے مالک ہوں گے۔

(ابوداؤد طیالسی صـ۵۲ ومسلم ج ۲ صـ۳۹۲ ومستدرک ج ۴ صـ۴۷۷ ومسند احمد ج ۱ صـ۳۸۵)

۲۶۔ حضرت ابن مسعودؓ ہی سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے قریب لوگ سلام خاص خاص لوگوں کو دیں گے جن سے جان پہچان ہوگی اور تجارت بکثرت ہوگی حتیٰ کہ عورتیں بھی تجارت میں اپنے خاوندوں کا ہاتھ بٹائیں گی اور قطع رحمی عام ہوگی اور جھوٹی شہادتیں اور کتمانِ حق کا زور ہوگا۔ (مستدرک ج ۴ صـ۹۸، قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح)

۲۷۔ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ (المتوفیٰ ۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

بجز اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ فحش گوئی عام نہ ہو اور پڑوسی کے حقوق پامال نہ کیے جائیں اور قطع رحمی نہ ہو حتیٰ کہ جس کو امین تصور کیا جائے گا وہی خیانت کرے گا اور خائن کو امین سمجھا جائے گا۔ (مستدرک ج ۴ ص ۵۱۳ قال الحاکم والذہبی صحیح)

۲۸۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ زمین پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی صدا گونجتی رہے گی۔ (مستدرک ج ۴ ص ۴۹۴ و مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۲)

۲۹۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہیں کہ سلام خاص ہوگا، تجارت عام ہو جائے گی اور قطع رحمی بکثرت ہوگی اور قلم زیادہ ہو جائیں گے (فشو القلم) اور جھوٹی گواہیاں پھیل جائیں گی اور سچی شہادتوں کو چھپایا جائے گا وغیرہ وغیرہ (ادب المفرد ص ۱۵۴)

۳۰۔ حضرت معاذؓ بن جبل کی ایک طویل روایت میں ہے کہ تبوک کے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم کل انشاء اللہ تعالیٰ تبوک کے چشمے پر پہنچو گے اور دوپہر کے قریب وہاں تم جاؤ گے مگر کوئی شخص اس چشمہ کو ہاتھ نہ لگائے، دو آدمیوں نے نادانی سے اُس چشمہ کو ہاتھ لگا دیا۔ آپ نے ان پر اظہار ناراضگی کیا، پھر آپ نے فرمایا، اے معاذؓ اگر میرے بعد تیری حیات طویل ہوئی تو تو دیکھے گا کہ اس چشمہ کا پانی کئی باغوں کو سیراب کرے گا۔ (موطا امام مالک ص ۵۰)

۳۱۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یمن کی طرف سے ایک ہوا بھیجے گا جو ریشم سے زیادہ ملائم ہوگی اور جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ اس کی جان نکال دے گی۔ (ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۰۲) اور اس کے بعد قیامت صرف ان لوگوں پر قائم ہوگی جو کافر اور مشرک ہوں گے اور گدھوں کی طرح سڑکوں پر جفتی کرتے پھریں گے۔ (مستدرک ج ۴ ص ۴۹۴)

۳۲۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی سفر سے واپسی پر مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو بہت سخت آندھی چلی، آپ نے فرمایا کہ یہ آندھی کسی بڑے منافق کی موت کے لیے آئی ہے۔ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک بہت بڑا منافق فوت ہو چکا ہے۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۳۶ وقال رواہ مسلم)

۳۳۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن سعد (المتوفی ۹۱ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ میں کل جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو گا اور اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا، چنانچہ سب لوگ اس سعادت کے منتظر رہے۔ مگر یہ فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔ (المشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۶۳ وقال متفق علیہ)

۳۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے فاطمہ رضی اللہ عنہا مجھ سے ملاقات کرے گی۔ (المشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۶۸ وقال متفق علیہ۔

اور فرمایا کہ ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے میری ملاقات کرنے وہ ہو گی جو ہاتھ کی سخی ہو گی، چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کی سب سے پہلے وفات ہوئی۔ (المشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶۵ وقال رواہ البخاری ومسلم)

۳۵۔ غزوۂ بدر میں ایک دن پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف جگہوں پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ اس مقام پر کل فلاں کافر اور اس جگہ پر کل فلاں کافر قتل ہو کر گرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۰۲ و ج ۲ ص ۳۸۷ و ابو داؤد ج ۲ ص ۸ و طیالسی ص ۹)

۳۶۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت قریب ہو گی تو اس وقت نیک لوگوں کی قدر نہیں کی جائے گی، اور شریر قسم کے لوگوں کی تعظیم ہو گی، باتیں زیادہ کی جائیں گی مگر عمل کم ہو گا اور لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو چھوڑ کر بکثرت ناول پڑھیں گے۔ اور ان میں کوئی ان سے نفرت کرنے والا نہ ہو گا۔ (مستدرک ج ۴ ص ۵۵۴ قال الحاکم والذہبی صحیح)

۳۷۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کسی قوم میں بے حیائی ظاہر ہو گی تو اس قوم میں طاعون اور اس قسم کی بیماریاں رونما ہوں گی جو پہلے لوگوں میں نہ تھیں اور جب کوئی قوم ماپ اور تول میں کمی کرے گی تو ان پر قحط سالی اور اشیاء کی گرانی مسلط کر دی جائے گی، اور سخت پریشانی میں مبتلا ہوں گے۔ اور ان پر بادشاہ کی طرف سے ظلم اور جور روا رکھا جائے گا اور جب کسی قوم میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کمی کی جائے گی تو آسمان سے بارش ان پر روک دی جائے گی۔ اگر جانور اور چوپائے نہ ہوتے تو ان پر ایک قطرہ بھی بارش کا نازل نہ کیا جاتا اور جب بھی کوئی قوم خدا اور اس کے رسول سے عہد شکنی کرے گی تو اس پر دوسری اقوام مسلط کر دی جائیں گی حتیٰ کہ جو حق خالص ان کا ہو گا وہ بھی غیر ان سے چھین لیں گے (جیسے کشمیر اور جونا گڑھ اور بنگلہ دیش وغیرہ۔ صفدر) اور جب حکام وقت اللہ

تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ صادر نہیں کریں گے تو ان کی آپس میں رسہ کشی اور جُوتا پیزار ہو گا۔ (مستدرک ج۴ ص۵۴۰۔ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح)

۳۸۔ حضرت ابو امامہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس امت کے کچھ لوگ رات کو کھانے پینے اور لہو ولعب میں مشغول ہوں گے، جب صبح اٹھیں گے تو ان کی شکلیں خنزیر کی شکل میں مسخ کر دی جائیں گی اور کئی قبائل اور مکانات کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ صبح ہو گی تو لوگ باتیں کریں گے کہ فلاں قبیلہ اور فلاں بستی زمین میں دھنسا دی گئی ہے۔ اور ان پر آسمان سے اس طرح پتھر برسیں گے جیسے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم پر برسے تھے اور ان پر ایسی تند و تیز آندھی مسلط کی جائے گی۔ جو ان کو بکھیر کر رکھ دے گی کیونکہ یہ لوگ شراب پیتے ہوں گے، سود کھاتے ہوں گے، ریشمی لباس پہنتے ہوں گے اور ایکٹرسوں کا گانا سنیں گے اور قطع رحمی کا ارتکاب کریں گے۔ (مستدرک ج۴ ص۵۱۵ قال الحاکم والذہبی صحیح)

۳۹۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو گروہ ایسے ہیں جو دوزخ میں جائیں گے مگر میں نے وہ دیکھے نہیں ہیں، ایک وہ گروہ ہو گا جس کے ہاتھ میں گائے کی دم کی طرح ہنٹر ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے (یعنی محکمہ پولیس کے وہ افراد جو بلا وجہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں) اور دوسرا گروہ ان عورتوں کا ہے جو لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی (یعنی باریک لباس پہنیں گی) غیر مردوں کی طرف مائل ہوں گی۔ اور ان کو اپنی طرف مائل کریں گی۔ (مسلم ج۲ ص۳۸۳) حافظ ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) نے اپنے زمانہ کے محکمہ پولیس اور عورتوں کی بے پردگی کی بڑی شکایت کی ہے (البدایہ والنہایہ ج۲ ص۲۵۵) مگر اس زمانہ میں ہوتے تو خدا جانے وہ کیا ارشاد فرماتے؟

۴۰۔ حضرت حذیفہ رضؓ بن یمان رضؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد کچھ ایسے حکام پیدا ہوں گے جو میری سیرت اور میری سنّت پر نہیں چلیں گے دل ان کے شیطانوں کے سے ہوں گے مگر شکل اور صورت میں انسان ہوں گے۔ (مسلم ج۲ ص۱۲۷)

یہ اور اس قسم کے قبر، حشر، نشر، قیامت، جنّت، دوزخ اور پلصراط وغیرہ کے ہزاروں واقعات اپنے مقام پر صحیح ہیں اور ہمارا ان پر ایمان ہے، ان کا ہرگز کوئی مسلمان منکر نہیں ہے، یہ انباءِ غیب اور اخبارِ غیب ہیں اور یہ نبی کے نبوّت اور رسالت کی علامات اور نشانیاں ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے

معجزات میں شامل ہیں۔ ان صحیح واقعات اور اخبار اور انباء کا منکر نرا ملحد اور زندیق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہر ایک مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین! صرف بطور اعتبار اور شاہد کے ایک اور روایت عرض کی جاتی ہے اور پھر اس بحث کو اس پر ختم کیا جاتا ہے۔

۴۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ (المتوفی ۴۰ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب[1] پبلک کے مال کو جاگیر بنا لیا جائے اور امانت کو غنیمت سمجھ لیا جائے اور زکوٰۃ[2] کو ٹیکس گردانا جائے اور غیر[3] دینی علوم پڑھے جائیں (یا علم دین پڑھا جائے مگر اس سے مقصود دین نہ ہو بلکہ طلب دنیا اور ناموری ہو) اور جب[4] آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرنے لگ پڑے، اور ماں[5] کی نافرمانی کرے اور دوست[6] کو قریب کرے اور باپ[7] کو اپنے سے الگ کردے اور مسجدوں[8] میں آوازیں بلند ہونے لگیں اور فاسق[9] لوگ قبیلہ کے سردار بن جائیں اور کمینہ[10] آدمی قوم کا لیڈر بن جائے اور جب[11] کسی آدمی کی محض اس کے شر سے بچنے کے لیے عزت کی جائے اور ایکٹریسیں[12] عام ظاہر ہو جائیں اور گانے بجانے کے آلات بکثرت نمودار ہو جائیں اور شراب[13] نوشی زیادہ ہو اور پچھلے[14] لوگ پہلوں کے حق میں طعن و لعن کریں تو اس وقت تم ایک سُرخ آندھی اور زلزلہ اور خسف و مسخ اور آسمان سے پتھر برسنے کے منتظر رہو، اور اس کے علاوہ کئی اور ناگہانی مصیبتیں لگاتار ظاہر ہوں گی جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جائے تو اس کا ایک ایک منکا تسلسل کے ساتھ نیچے گرتا رہتا ہے۔ اور اسی مضمون کی روایت حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ (مشکوٰۃ ج ۲ صـ۴۷۰ وقال رواہ الترمذی ج ۲ صـ۴۴)

احکام و شرائع، عبادات و اخلاق، نصائح و مواعظ کے علاوہ (کیونکہ یہ سب کچھ بتانا تو نبی کا منصب ہے ہی) ہم نے مشتے نمونہ از خروارے۔ اکتالیس[41] حدیثیں باحوالہ عرض کی ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں خبریں جناب امام الانبیاء، فخر الرسل خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتائی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے علاوہ بھی بے شمار علوم و معارف، اسرار و رموز، حِکَم، مواعظ آپ کو عطا فرمائے ہیں، اور ان کا کوئی مسلمان منکر نہیں ہے، یہ سب اخبارِ غیب اور انباءِ غیب ہیں، عالم الغیب اور حقیقی عالم ماکان و مایکون الگ اور جُدا مفہوم ہے۔ اہل بدعت یونہی بلا وجہ عوام الناس کے جذبات کو مشتعل کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو سمجھ اور بصیرت عطا فرمائے، تاکہ وہ حق و باطل میں فرق ملحوظ رکھ سکے، اور حق کی صدا سے باطل کو پھونک کر

نیست و نابود کر سکے ؎

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ جب غارت گرِ باطل بھی تُو

باب دوم

(علمِ غیب خاصۂ خداوندی ہے)

خدا تعالیٰ چونکہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، لہذا اس کا علم ہر چیز کی کنہہ اور حقیقت پر حاوی ہے اور کسی چیز کا کوئی حصہ بھی اس کے علمِ محیط سے نہاں اور غیر مکشوف نہیں ہے، وہ غیب اور شہود اور ماضی حال اور مستقبل سب کا علم رکھتا ہے، کوئی تاریکی، کوئی حجاب اور کوئی مانع اُس کے علم کو کسی طرح بھی ناقص نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا اس کے علمِ محیط کا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتا: اسی لیے اس کا نام علیم عالم، علّام، اعلم، علیم بذات الصدور، عالم الغیب والشہادۃ، علّام الغیوب اور اللہ اعلم بما یکتمون ہے عالمِ غیب اور شہادت کی کوئی خشک و تر اور چھوٹی اور بڑی چیز ایسی نہیں جو حق تعالیٰ کے علمِ ازلی محیط سے خارج ہو اور زمین و آسمان کا کوئی ذرّہ ایسا نہیں جس پر اس کا کامل علم منطوی نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے علوم اور اسرار و رموز اس نے اپنے بعض بندوں پر منکشف فرماتے ہیں جن میں خصوصیت سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علی الخصوص جناب امام الانبیاء فخر الرسل خاتم النّبیین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم شامل ہیں تاہم غیب کے اصول اور کلیات کا علم جن کو مفاتیح غیب کہا جاتا ہے، حق تعالیٰ نے اپنے ہی لیے مخصوص رکھا ہے اور اس میں وہ ہر طرح اور ہر لحاظ سے متفرد ہے کوئی بھی اس صفت میں اس کا شریک نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ ط (پ۷۔ انعام ۷) اور اُسی ہی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی ان کو کوئی نہیں جانتا اُس کے سوا۔

بعض حضرات مفسرین کرامؒ نے مفاتح کو مَفتح بفتح المیم کی جمع قرار دیا ہے اور اس اعتبار سے اس کا

مطلب یہ ہوگا کہ بس اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کے خزانے، اُس کے بغیر اُن کو اور کوئی نہیں جانتا، اور بعض نے اس کو مفتح بکسر المیم کی جمع کہا ہے اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کُنجیاں، ان کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور اس میں اپنا تفرد بیان کیا ہے۔ صحیح احادیث کی روشنی میں اس کی مزید تشریح اپنے مقام پر بیان ہوگی انشاء اللہ العزیز۔

(۲) وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ۔ (پ ۱۲۔ ہود۔ ۱۰) — اور اللہ ہی کے پاس ہے چھپی ہوئی بات آسمانوں کی اور زمین کی اور اسی ہی کی طرف رجوع ہے سب کام کا۔

اس میں بھی ظرف (لِلّٰہ) کی تقدیم حصر کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین کے کل مخفیات کا علم صرف حق تعالیٰ ہی کو ہے اور بس اُسی کی یہ شان ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی مخفی چیز اس کے علم محیط سے باہر نہیں ہے۔ متعدد حضرات مفسرین کرام رح نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس میں ظرف (لِلّٰہ) کی تقدیم حصر اور اختصاص کے لیے ہے، چنانچہ علامہ علی رح بن محمد الخازن الشافعی رح (المتوفی ۷۴۱ھ) اور علامہ ابوالبرکات نسفی الحنفی رح (المتوفی ۷۱۰ھ) اور علامہ خطیب شربینی رح المتوفی ۹۷۷ھ اور علامہ معین بن صفی رح (المتوفی ۸۸۹ھ) اور علامہ قاضی ناصرالدین ابوسعید عبداللہ رح بن عمر البیضاوی رح (المتوفی ۶۸۶ھ) اس آیت کے پہلے حصہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

(وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) خاصة لا يخفى عليه خافية فيهما۔ — اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو آسمانوں اور زمین کا غیب ہے یہ اُسی کے ساتھ خاص ہے اور زمین و آسمان کی کوئی پوشیدہ چیز اُس پر مخفی نہیں ہے۔

(خازن ج ۳ ص ۲۱۲۔ مدارک ج ۲ ص ۱۶۱۔ السراج المنیر ج ۲ ص ۸۵ جامع البیان ج ا ص ۱۸۷ وتفسیر بیضاوی ج ا ص ۲۳۹ واللفظ لہٗ)

اور حضرت کعب (بن ماتع) الاحبار رح (المتوفی ۳۲ھ) جو کتبِ قدیمہ کے بڑے ماہر عالم تھے فرماتے ہیں کہ:۔

خاتمة التوراة خاتمة هود — یہ آیت جو سورۃ ہود کی آخری آیت ہے تورات کا خاتمہ بھی اسی پر ہوا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۶۶ و دُرِ منثور ج ۳ ص ۳۵۷ و معالم ج ۳ ص ۲۱۳ و مدارک ج ۲ ص ۱۶۱ والسراج المنیر ج ۲ ص ۸۵)

اس حوالہ کے پیشِ نظر گویا تورات مقدس کا آخری اعلان بھی بس یہی ہے کہ زمین و آسمان کے کل

غیوب کا علم صرف حق تعالیٰ ہی کو ہے اور اس صفت میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ علماءِ عربیت نے اس کی تصریح کی ہے کہ الف و لام کی طرح کبھی اضافت بھی استغراق کا فائدہ دیتی ہے (دیکھئے مطول ص وعبدالغفور ص۲ وغیرہ) اور غالباً حضرات مفسرین کرامؒ نے اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات سے اسی اضافت (غَیْبُ السَّمٰوٰتِ) کی بناء پر غیر اللہ کے لیے علم کلی کی نفی ثابت کی ہے۔ فریقِ مخالف کا یہ دعوےٰ کہ اس میں کُل غیوب کے علم کو تو حق تعالیٰ کے ساتھ خاص بتلایا گیا ہے۔ لیکن اس کی غیر اللہ سے نفی نہیں کی گئی، سراسر باطل ہے۔ کیونکہ یہ دعوےٰ ظرف کی تقدیم (جو صرف حصر کے لیے ہے) اور اضافت (جو مفید استغراق ہے) سے صرف نظر کر کے کیا گیا ہے اور طفل تسلّی سے زیادہ اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ذاتی اور عطائی کا مفصل بیان اپنے مقام پر آرہا ہے۔ انشاء اللہ العزیز اور ان آیات کے نزول کے بعد بھی غیر اللہ کے لیے کُل غیوب کا علم کسی صحیح نقلی یا عقلی دلیل سے ثابت نہیں ہے، جس کی بحث اپنے مقام پہ آرہی ہے انشاء اللہ العزیز۔

(۳) لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ (الآیہ) پ۱۵۔ کہف۔ ۴) — اور اسی ہی کے پاس ہیں چھپے بھید آسمانوں اور زمین کے کیا عجیب دیکھتا اور سنتا ہے۔

اس کا مضمون بھی یہ ہے کہ زمین و آسمان کے غیب کا کُلّی علم صرف حق تعالیٰ کو حاصل ہے اور وہ اس میں متفرد ہے، چنانچہ علامہ جلال الدین محلیؒ (المتوفی ۸۶۴ھ) اور علامہ ابوالسعود محمدؒ بن محمد العمادیؒ (المتوفی ۹۸۲ھ) اور علامہ نسفیؒ اور علامہ خازنؒ لکھتے ہیں کہ:

یعنی انهٗ تعالیٰ لا یخفی علیه شیئٌ من احوال اهلهما فانه العالم وحده به۔ (جلالین ص۱۸۴ ابوالسعود ج۶ ص۵۵۔ مدارک ج۳ ص۹ وخازن ج۴ ص۱۶۹ واللفظ له) — یعنی اللہ تعالیٰ پر آسمان و زمین کے باشندوں کے حالات سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے، اور بس وہی تنہا ان کو جاننے والا ہے۔

اس میں بھی لَهٗ کی تقدیم حصر کے لیے ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ غیب السمٰوات والارض کے علم کا اختصاص صرف حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اس کے بغیر اور کوئی اس کو نہیں جانتا۔

(۴) وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ الآیۃ (پ۱۴۔ النحل۔ ع۱۱) — اور اللہ ہی کے پاس ہیں بھید آسمانوں اور زمین کے اور نہیں ہے قیامت کا معاملہ مگر ایسا ہی جیسے لپک نگاہ کی۔

اس میں بھی غیب السمٰوٰتِ والارض کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین محمدؒ بن عمر الرازیؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

قولهٗ تعالیٰ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُفيد الحصر معناه ان العلم بهذه الغيوب ليس الا لله تعالیٰ (تفسیر کبیر ج ۵ ص۳۳۹)

حق تعالیٰ کا یہ فرمان لِلّٰہ غیب السمٰوٰتِ والارض حصر کا فائدہ دیتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام غیوب کا خداوند تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو علم نہیں ہے۔

اور علامہ معینؒ بن صفیؒ کی عبارت بھی اس موقع پر یہی ہے (دیکھئے جامع البیان ص۲۲۱) اور علامہ نسفی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ای یختص به علم ماغاب فيهما عن العباد وخفی علیهم علمه‘ (مدارک ج ۲ ص۲۲۷)

اور اللہ ہی کو ہے غیب آسمانوں اور زمین کا یعنی اس کے ساتھ خاص ہے اُن تمام چیزوں کا علم جو آسمان اور زمین کے اندر بندوں سے غائب ہیں اور اُن کا علم اُن سے مخفی ہے۔

اور اسی کے قریب قریب قاضی بیضاویؒ تحریر فرماتے ہیں (دیکھئے تفسیر بیضاوی ج ۱ ص۳۹۲) اور علامہ خطیب شربینیؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

ولِلّٰهِ لا لغيره غيب السمٰوٰت والارض وهو ماغاب فيهما عن العباد بان لم يكن محسوسا ولم يدل عليه محسوس (السراج المنیر ج ۲ ص۲۵۰)

اور صرف اللہ ہی کو ہے، نہ اس کے سوا کسی اور کو زمین و آسمان کے غیب کا علم اور اسی طرح تمام ان چیزوں کا علم بھی اُسی کو ہے جو بندوں سے زمین و آسمان کے اندر غائب ہیں کہ نہ تو وہ خود محسوس ہیں اور نہ کسی محسوس چیز سے ان کا پتہ لگتا ہے۔

اور علامہ ابو السعود لکھتے ہیں کہ:۔

ولِلّٰه تعالیٰ خاصة لا لاحد غيره استقلالا ولا اشتراكا غيب السمٰوٰت والارض ای الامور الغائبة عن علوم المخلوقين قاطبةً (ابو السعود ج ۶ ص۲۵۷)

اور اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بالخصوص اس کے سوا کسی دوسرے کو نہیں نہ مستقل طور پر اور نہ مشترک طور پر آسمان و زمین کے غیب کا علم یعنی ان اُمور کا علم صرف اللہ ہی کو ہے جو تمام مخلوق کے علم سے غائب ہیں۔

یہ اقتباسات بھی اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس اس مضمون کی متعدد آیات قرآن کریم میں مذکور ہیں مگر ہمارا مقصد صرف اپنے دعوے کو مبرہن کرنا ہے۔

تمام دلائل کا استیعاب مقصود نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح احادیث بھی پکار پکار کر یہ بتلا رہی ہیں کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ستودہ صفات ہے، اور اس صفت میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

(۱) حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ (المتوفی سنہ ۷۴ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں قرآن کریم کی سورتوں کی طرح تمام امور میں استخارہ کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ اس دعائے استخارہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ :۔

فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغيوب ۔ (بخاری ج ۲ ص ۹۴۴ ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۶)

اے اللہ تو قادر ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا، اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا، اور تو ہی ہے غیوب کا جاننا والا۔

(۲) حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ (المتوفی سنہ ۱۳ھ) کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح و شام پڑھنے کے لیے ایک دعا بتائی جس میں یہ بھی آتا ہے کہ :۔

اللّٰهُمَّ فاطر السمٰوٰت والارض عالم الغيب والشهادة رب كل شيئ ومليكه ، الحديث (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۳۵ وترمذی ج ۲ ص ۱۷۵ وقال حسن صحیح)

اے اللہ تو ہی آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا اور عالم الغیب والشہادہ ہے، اور ہر چیز کا رب اور ہر چیز کا مالک ہے۔

حضرت عائشہؓ (المتوفاۃ سنہ ۵۷ھ) فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوٰۃ لیل کا افتتاح کرتے ہوئے اس میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ :۔

اللّٰهُمَّ رب جبرائيل وميكائيل واسرافيل فاطر السمٰوٰت والارض عالم الغيب والشهادة الحديث (ترمذی ج ۲ ص ۱۷۱)

اے اللہ تو حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ اور حضرت اسرافیلؑ کا رب ہے اور آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اور عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

حضرت شدادؓ بن اوس بدری (المتوفی سنہ ۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دعا بتائی جس میں یہ بھی ہے کہ :۔

واعوذ بك من شر ما تعلم انك انت علام الغيوب ۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۰۸ ۔ قال الحاکمؒ

اے بار الٰہا میں تیری ذات کی بدولت ان چیزوں کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جن کو تو جانتا ہے، کیونکہ غیبوں کا

والذہبیؒ علی شرط مسلم) جاننے والا تو صرف تو ہی ہے۔

اس قسم کی احادیث کا استقصاء بھی یقیناً ایک دشوار امر ہے۔ بتلانا صرف یہ ہے کہ قرآن کریم اور حدیث صحیح سے اس امر پر صراحت سے دلالت موجود ہے کہ عالم الغیب والشہادہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس صفت میں وہ متفرد ہے اور یہی کچھ اکابرین علماء امت سمجھے ہیں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) لکھتے ہیں کہ :-

ان اللہ تعالیٰ استاثر بعلمہ الغیب (کتاب الام ج ۲ ص۱۳۲) بیشک اللہ تعالیٰ نے علم غیب کو صرف اپنی ہی ذات کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی الشافعیؒ (المتوفی ۷۹۲ھ) اور حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وبالجملۃ العلم بالغیب امر تفرد بہ اللہ تعالیٰ لا سبیل الیہ للعباد الا باعلام منہ او الہام بطریق المعجزۃ او الکرامۃ او ارشاد الی الاستدلال بالامارات فیما یمکن فیہ ذالک۔ (شرح عقائد ص۱۲۲، و شرح فقہ اکبر ص۱۸۵) خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جس میں وہ متفرد ہے اور مخلوق کو اس کے حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے مگر جتنا خدا کسی کو اپنی طرف سے بتا دے یا معجزہ اور کرامت کے طور پر الہام کر دے یا علامات سے کسی کو اس کی راہ بتا دے جن امور میں علامات سے ایسا ممکن ہو۔

امام المتکلمین علامہ صدر الدین اصفہانیؒ المتوفی سـ… ابطال نہج الباطل واہمال کشف العاطل میں فرماتے ہیں کہ :-

من ضروریات الدین ان علم الغیب مختص باللہ تعالیٰ (بحوالہ تفسیر بے نظیر ص۵) علم غیب کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہونا ضروریات دین سے ہے۔

اور علامہ السید محمود آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں۔

بالجملۃ علم الغیب بلا واسطۃ کُلاً او بعضاً مخصوص باللہ جل وعلا لا یعلمہ احد من الخلق اصلاً (تفسیر روح المعانی ج ۲۰ ص۱۲) حاصل کلام یہ ہے کہ علم الغیب بلا واسطہ کُلاً ہو یا بعضاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ مخلوق میں سے اس کو ہرگز کوئی نہیں جانتا۔

ان مذکورہ بالادلائل سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ علم غیب خاصۂ خداوندی ہے اور اس کے بغیر کوئی دوسرا ہرگز عالم الغیب نہیں ہے۔ حضرت شیخ شرف الدین سعدی رح (المتوفی ۶۹۱ھ) نے کیا، خوب ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگار　　ہر کسے گوید کہ میدانم ازو باور مدار
مصطفٰے ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرائیلؑ　　جبرئیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

(کلیات سعدیؒ ماخوذ از سرورق بوارق الغیب مولانا منظور احمد صاحب نعمانی)

ایک اعتراض

بعض جاہل لوگوں سے قدیماً وحدیثاً یہ اعتراض نقل کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب نہیں کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب ہی نہیں ہے اور جب اس سے کوئی چیز غائب نہیں تو وہ عالم الغیب کیسے ہوا؟ لہٰذا یہ عالم الغیب کی صفت مخلوق کی ہو سکتی ہے نہ کہ خالق کی۔

اور اس کا جواب

عالم الغیب والشہادہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو چیز خدا تعالیٰ سے غائب ہے وہ اس کو بھی ویسے ہی جانتا ہے جیسے وہ عیاں اور آشکارہ چیز کو جانتا ہے کیونکہ اس سے تو کوئی چیز مخفی غائب اور پوشیدہ ہے ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو چیز مخلوق اور عباد سے غائب ہے اللہ تعالیٰ اُس چیز کو بھی جانتا ہے جیسا کہ وہ اُس چیز کو بھی جانتا ہے جو الناس، العباد اور مخلوق کے سامنے ہے مگر ہے وہ بہر حال عالم الغیب والشہادۃ۔ اس باطل توجیہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے عالم الغیب کی صفت کی نفی ہرگز جائز اور درست نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ نسفیؒ خطیب شربینی رح اور علامہ ابو السعود رح کی عبارتوں میں، ما غاب فیهما عن العباد اذ الامور الغائبة عن علوم المخلوقین کے الفاظ گذر چکے ہیں ملاحظہ کر لیں۔

اور علامہ ابو العباس احمدؒ بن محمد قسطلانی المصری الشافعی رح (المتوفی ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ای انه تعالیٰ یعلم ما غاب عن العباد من الثواب والعقاب والآجال والاحوال　　عالم الغیب کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب و عقاب آجال و احوال ان تمام امور کو جانتا ہے جو بندوں سے غائب ہیں۔

(ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۲۹۵)

اور حافظ عماد الدین اسماعیلؒ بن کثیر رح (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

وعن اناس من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم اما الغيب فما غاب عن العباد من امر الجنة و امر النار وما ذكر في القرآن ۔
(ابن کثیر ج ۱ ص۴۲)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کئی حضرات صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ غیب ہر وہ چیز ہے جو بندوں سے مخفی ہو مثلاً جنت اور دوزخ کے حالات وغیرہ اور جو کچھ قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

امام محمدؒ بن جریر طبریؒ (المتوفی سنہ ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

عالم ماغاب عن ابصار خلقه فلم يروه
(تفسیر ج ۲۹ ص۶۶)

وہ اس چیز کو بھی جانتا ہے جو اس کی مخلوق کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔

اور علامہ محمدؒ بن عبدالباقی زرقانی رحؒ (المتوفی سنہ ۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ماغاب عن العباد (زرقانی ج ۷ ص۱۹۹)

کہ وہ جانتا ہے اس کو جو بندوں سے غائب ہے۔

علامہ السید محمود آلوسی الحنفی رحؒ (المتوفی سنہ ۱۲۷۰ھ) اپنی بے نظیر تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

وكون ذالك غيبا باعتبار عن الناس ونحوهم لا بالله عزوجل فانه لا يغيب عنه شئ و لكن لا يجوز ان يقال انه لا يعلم الغيب قصدًا الى انه لا غيب بالنسبة اليه ۔
(روح المعانی ج ۲۰ صفحہ ۱۰)

اور اس کا غیب ہونا انسانوں اور اسی طرح دوسری مخلوق کی بنسبت ہے خدا کی نسبت غیب نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے تو کوئی چیز غائب نہیں ہے لیکن اس معنی کے پیش نظر کہ خدا سے کوئی چیز غائب نہیں ہے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب نہیں جانتا۔

اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحؒ (المتوفی سنہ ۱۰۳۴ھ) ایسے ہی کسی غالی کی تردید کرتے ہوئے فاروقی جلال میں آکر اپنے خاص مجددانہ رنگ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"نوشتہ بودند کہ شیخ عبدالکبیر یمنی گفتہ است کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ عالم غیب نیست مخدوما فقیر را تاب استماع امثال ایں سخناں اصلاً نیست بے اختیار رگ فاروقیم درحرکت می آید و فرصت تاویل و توجیہ نمی دہد قائل آں سخناں شیخ عبدالکبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی کلام محمد عربی درکار است نہ کلام محی الدین ابن عربی و صدرالدین

لکھا گیا ہے کہ شیخ عبدالکبیر یمنی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے میرے مخدوم فقیر تو اس قسم کی بیہودہ باتوں کے سننے کی طاقت بھی بالکل نہیں رکھتا اور بے اختیار میری فاروقی رگ حرکت میں آجاتی ہے اور وہ تاویل و توجیہ کی مہلت ہی نہیں دیتی ایسی بات کہنے والا شیخ عبدالکبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی رحؒ حضرت محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام درکار

قونوی و عبدالرزاق کاشی مار ابنعش کار است نہ بفص فتوحاتِ مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ اند حق تعالیٰ در کلامِ مجید خود را بعلم غیب مے ستاید و خود را عالم الغیب مے فرماید نفی علم غیب کردن از و بسیار مستقبح و مستنکر است و فی الحقیقت تکذیب است مر حق را غیب را معنی دیگر گفتن از شناعت نمے بر آرد کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ الآ

(مکتوبات حصہ دوم ص۱ مکتوب ۱)

ہے نہ کہ محی الدین ابن عربیؒ اور صدرالدین قونویؒ اور عبدالرزاق کاشیؒ کا ہمیں تو نص قطعی درکار ہے۔ ابن عربیؒ کی فصوص الحکم کی ضرورت نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرکارِ مدینہ کی حدیثوں نے ابن عربیؒ کی فتوحاتِ مکیہ سے ہمیں بے پرواکردیا ہے، حق تعالیٰ نے کلام مجید میں علم غیب سے اپنی تعریف کی اور اپنے کو عالم الغیب فرمایا ہے علم غیب کی اس سے نفی کرنی نہایت قبیح اور بری حرکت ہے بلکہ درحقیقت حق تعالیٰ کی تکذیب ہے۔ غیب کا کوئی اور معنی بیان کرنا اس برائی سے ہرگز نہیں بچا سکتا، بڑی (بری) باتیں ہیں جو ان کی زبان سے نکلتی ہیں۔

قارئینِ کرام! اتنی واضح ترعبارتیں سامنے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی ابلہ فریب اللہ تعالیٰ کی صفت عالم الغیب کا انکار کرتا ہے تو ہمارے پاس اس کا کیا علاج ہے؟ مگر ایک دن ضرور آنے والا ہے جس میں حق و باطل حقیقت بن کر سامنے آجائے گی ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

غیب کی تعریف ائمہ لغت سے

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے، یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ قرآن کریم اور صحیح حدیث اور ائمہ دین سے اس کا روشن ثبوت موجود ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ مگر وہ اس معنی میں عالم الغیب ہے۔ کہ جو چیز الناس المخلوقین اور العباد سے غائب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے اور خود اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تکمیلِ بحث کے لیے ائمہ لغت سے بھی غیب کی تعریف نقل کردی جائے۔ مشہور امام لغت ابومنصور عبدالملک بن محمد۔ الثعالبیؒ (المتوفی ۴۲۹ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

کل ماغاب عن العیون وکان محصلا فی القلوب فھو غیب (فقہ اللغۃ للثعالبیؒ ص۱)

غیب ہر وہ چیز ہے جو آنکھوں سے غیب ہو، اگرچہ دلوں میں حاصل ہو۔

امامِ لغت ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی الحنفیؒ (المتوفی ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

الغیب ماغاب عن العیون وان کان محصلا

غیب وہ چیز ہے جو آنکھوں سے غائب ہو، اگرچہ

فی القلوب۔ (مغرب ج۲ ص۸۳) قلوب میں حاصل ہو۔

امام محمدؒ بن ابی بکر بن عبد القادر الرازیؒ (المتوفی ۶۶۶ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

الغیب ما غاب عنك (مختار الصحاح ص۴۹۰) غیب وہ چیز ہے جو تجھ سے غائب ہو۔

اور علامہ مجد الدین فیروز آبادیؒ (المتوفی ۸۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

الغیب کُلّ ماغاب عنك (القاموس ج۱ ص۱۱۲) غیب ہر وہ چیز ہے جو تجھ سے غائب ہو۔

علامہ مرتضیٰ الزبیدی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۰۵ھ) لغوی طور پر وہ سابق معنی بیان کر کے جو ہم نے امام ثعالبیؒ اور مطرزیؒ سے نقل کیا ہے، یہ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

وقد تکرر فی الحدیث ذکر الغیب وھو کل ماغاب عن العیون وسواء کان محصلاً فی القلوب او غیر محصل (تاج العروس ج۱ ص۴۱۶) اور (علم) حدیث میں بار بار غیب کا ذکر آیا ہے اور غیب ہر وہ چیز ہے جو آنکھوں سے غائب ہو برابر ہے کہ وہ دلوں میں حاصل ہو یا حاصل نہ ہو۔

اور پھر یومنون بالغیب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ای بما غاب عنھم فاخبرھم بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من امر البعث والجنۃ والنار وکل ماغاب عنھم مما انباھم بہ فھو غیب (ج۱ ص۴۱۶) یعنی جو چیز ان سے غائب ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی ہے وہ غیب ہے، مثلاً بعث، جنت اور نار اور ہر وہ چیز جو ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے مگر ان کو آپ نے اس کی خبر دی ہے۔

اور علامہ ابو الفضل محمدؒ بن عمر الجمال القرشیؒ (المتوفی ـــــ ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

غیب ناپدید شدن (صراح ج۱ ص۷۹) کسی چیز کا ظاہر نہ ہونا غیب کہلاتا ہے۔

ائمہ لغت نے ان عبارات میں غیب کی جو تعریف کی ہے وہ اس بات کو ملحوظ رکھ کر کی ہے کہ غیب کا تعلق جو ناپدید شدن یا غائب ہونے کی ہے وہ مخلوق کی بہ نسبت ہے نہ کہ خالق کی بہ نسبت اور وہ العیون، القلوب اور عنک وغیرہ کے الفاظ سے اسی حقیقت کو آشکارا کرنا چاہتے ہیں، اگرچہ ان عبارات کے پیش نظر غیب کے مفہوم میں بعض صورتوں میں جزوی طور پر کچھ اختلاف ہوگا مگر اصل مسئلہ پر اس کی کوئی زد نہیں پڑتی جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

اس لغوی بحث کے بعد یہ ملحوظ خاطر رہے کہ شرعی طور پر غیب کی دو قسمیں ہیں۔ ہم اختصار کو ملحوظ

رکھتے ہوئے حضرت قاضی بیضاویؒ کی ایک عبارت پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ غیب کی مراد بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

والمراد به الخفی الذی لا یدرکه الحس ولا یقتضیه بداهة العقل وهو قسمان قسم لا دلیل علیه وهو المعنی بقوله تعالیٰ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وقسم نصب علیه دلیل کالصانع وصفاته والیوم الاٰخر واحواله وهو المراد به فی الاٰیة (تفسیر بیضاوی ج۱ ص۱۸)

غیب سے مراد وہ مخفی چیز ہے جو حس کے ساتھ مدرک نہ ہو اور اس کو بداہۃ العقل نہ چاہے اور غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور عندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ہو سے یہی قسم مراد ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل قائم کی گئی ہو جیسے صانع اور اس کی صفات اور یوم آخرت اور آخرت کے احوال ذکر ان پر دلیل قائم ہے) اور یؤمنون بالغیب میں غیب کی یہی قسم مراد ہے۔

ان تمام اقتباسات کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے مگر صرف اس معنی میں جو اس کی شان کے لائق اور مناسب ہے اور اس صفت میں وہ بہر کیف متفرد ہے اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے اور یہ بات بھی آشکارا ہو جاتی ہے۔ کہ عذاب قبر، جنت، دوزخ، حشر اور پلصراط وغیرہ بے شمار چیزیں غیب ہیں، اگرچہ ان پر مخبر صادق کی تخویف و تبشیر کے دلائل موجود ہیں مگر آنکھوں سے اوجھل ہیں، اور مفاتح الغیب کی جملہ اشیاء جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دی (اور ان میں سے جن کی اطلاع دی ہے وہ معدودے چند جزئیات ہیں اور بس، باقی پر کسی کو اس نے مطلع نہیں کیا اور نہ ان پر دلیل قائم کی ہے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر مفصل بیان ہوگا انشاء اللہ العزیز) وہ غیب کی اس قسم میں داخل ہیں جو کسی دلیل کے تحت داخل نہیں ہیں اور جن کو غیب[1] مطلق کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ فریق مخالف کی عبارتیں اس میں بہت ہی زیادہ پراگندہ اور مختلف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کب علم غیب ملا اور کتنا ملا؟ ان کے اس گورکھ دھندے کو دیکھ کر کوئی آدمی کسی خاص نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ اتنی بات سب میں مشترک ہے کہ وہ بہت سی نصوص قطعیہ کے منکر یا ماؤل ہیں اور دونوں صورتیں بجائے خود ڈبل کفر ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے گندے اور ناپاک عقیدہ سے ہر ایک مسلمان کو محفوظ رکھے۔ خدا تعالیٰ

---

[1] مطلق غیب اور غیب مطلق میں علمی طور پر بڑا فرق ہے حافظ ابن القیمؒ نے الامر المطلق اور مطلق الامر اور العلم المطلق اور مطلق العلم وغیرہ میں دس وجوہ فرق بیان کی ہیں (ملاحظہ ہو بدائع الفوائد ج۴ ص۱۶۰)

اور اس کے رسولِ برحق کے احکام کے سامنے غیر مشروط طور پر گردن جُھکا دینے ہی کا نام اسلام ہے؛ سے

مال و زر و دل و جگر کردے سبھی کو وقف در
بندگی اور بقیدِ سر ہنگ ہے بندگی نہیں

باب سوم

حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے خواص اور لوازم اور اُن کی بعثت کے اغراض و مقاصد

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں جن کی تعلیم و تربیت بارگاہِ صمدیت سے کی جاتی ہے اور پھر انہی کے واسطے سے مخلوقِ خدا دائرہ علم و عمل سے آشنا اور مستفید ہوتی ہے۔
ان میں گوناگوں کمالات اور معجزات پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں صفاتِ کمال اپنے اپنے درجہ اور مرتبہ میں جامعیت کے ساتھ موجود ہیں لیکن ہر ایک نبی اور رسول کے کمالات کا ایک مخصوص رنگ اور اس کی پاکباز زندگی کی ایک نئی شان ہے جو اسے دوسرے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے الگ اور ممتاز کرتی ہے، مثلاً کسی کی نبوت و رسالت، سطوت اور شوکت اور سلطنت و حکومت کی قبا میں نمایاں ہوتی ہے تو کسی کی فقر و فاقہ کی کملی اور حب مساکین کی شکل میں، کسی میں جاہ و جلال کا ظہور ہے تو کسی میں محبوبیت اور جمال کا، کسی نے خلوت اور انقطاع کی صورت میں اعلان حق کیا تو کسی نے جلوت اور تعلقات کی کثرت میں مخلوق خدا کی دینی تربیت کی، غرضیکہ صفاتِ کمال کی جامعیت کے باوجود ہر ایک نبی اور رسول میں کوئی نہ کوئی صفت ایسی ضرور غالب رہی ہے۔
جو ان کے لیے دیگر تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مابہ الامتیاز بنی رہی ہے۔ ہم تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں، اور ان سب کے پیغمبر ہونے کا دل میں یقین اور زبان سے اقرار کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے ہماری اندرونی دنیا کو آباد کرنے اور کفر و شرک کو

مٹانے اور حرص وہوا کی باطنی چالیں درست کرنے کے لیے انتھک کوشش فرمائی، ہماری روحانی بیماریوں کے نسخے بتائے اور ہمارے جذبات و احساسات اور ارادوں کے نقشے درست کرنے کی بلیغ سعی کی، ہمارے نفوس اور قلوب کے عروج و تنزل کے صحیح اسباب سے ہمیں روشناس کرایا، جس سے دنیا کے صحیح تمدن اور بہترین معاشرت کی تکمیل ہوئی جس سے اخلاق و سیرت انسانیت کا جوہر نمایاں ہوا، نیکی اور بھلائی ایوانِ عمل کے نقش و نگار بکھرے خدا و بندہ کا تعلق باہم مضبوط ہوا اور روزِ اَلَسْتُ کا بھولا ہوا سبق اور وعدہ ہمیں یاد آیا۔ اگر ہم انسانی سرشت کے ان رموز و اسرار اور نیکی و سعادت کی ان پیغمبرانہ تعلیمات سے ناواقف ہوتے تو کیا یہ دنیا کبھی روحانی تکمیل کو پہنچ سکتی تھی؟ اس لیے اس چنیدہ اور پاک طبقۂ انسانی کے احسانات اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات کے بعد ہم سب پر سب سے زیادہ ہیں اور اس لیے ہر فردِ انس و جن پر خواہ وہ کسی قوم اور صنف سے متعلق رکھتا ہو۔ ان کی شکر گذاری کا اظہار لازم اور واجب ہے۔ اسی کا نام اسلام کی زبان میں صلوٰۃ و سلام ہے جو ہمیشہ سے طریق مشروع پر حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے نامِ نامی کے ساتھ ہم ادا کرتے آئے اور اب بھی کرتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِمْ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ اَجْمَعِیْنَ۔

فی الحقیقت حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی پاک تعلیمات کے یہی روحانی تغیرات دنیا کے اصلی اور صحیح انقلابات ہیں جن سے کائناتِ انس و جن کا نقشہ بدلا ہے اور جن کی بدولت دنیا کی سعادت و ہدایت کا قیام اور عالم کو ابدی روحانیت حاصل ہوئی ہے۔ ان روحانی انقلابات کے آگے مادی انقلابات بالکل ہیچ ہیں ان کی ہستی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ زمین کے چند رقبوں کو بدل دیں یا چند لاکھ نفوس کو نیست و نابود کر دیں لیکن یہ روحانی انقلابات کروڑوں نفوس کے اُن اعتقادات و اعمال کو بدل دیتے ہیں جو صدیوں سے ان کے دلوں میں جاگزین ہوتے ہیں اور ان عالمگیر گمراہیوں اور تاریکیوں کو مٹا دیتے ہیں جو تمام سطح زمین پر چھائی ہوتی ہیں۔ دریاؤں کو خشک کر دینا آسان ہے اور زمین کو سمندر بنا دینا کچھ مشکل نہیں، پر کروڑوں روحوں اور دلوں کو اپنی پاک تعلیم کے ذریعہ بدل دینا بہت ہی زیادہ مشکل ہے، جس کی قوت مادہ کی طاقتوں کو نہیں دی گئی۔ سکندرِ اعظم نے نصف دنیا تو فتح کر لی، لیکن وہ ایک دل کو بھی فتح نہ کر سکا۔ رومیوں نے بڑے بڑے عظیم الشان شہر تو بسا دیے مگر وہ دلوں کی اُجڑی ہوئی بستی کو نہ بسا سکے۔ بخت نصر نے ایک پوری قوم کو سالہا سال تک تو قید کر لیا پر وہ ان میں سے ایک دل کو

بھی اپنا غلام نہ بنا سکا۔ ایرانیوں نے بابل کے لاکھوں انسانوں کو توقتل کر دیا، لیکن وہ ایک روح کی گمراہی کو بھی قتل نہ کر سکے۔ تاتاریوں کے عظیم فتنہ نے لاکھوں ناکردہ گناہ نفوس کو تو صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا مگر وہ بدی اور بُرائی کے ایک پیکر کو بھی مٹا نہ سکے، اقوامِ یورپ کی حیرت انگیز مسیحائی اور ہولناک سائنسی ترقی نے مشرق اور مغرب کے ڈانڈے تو ملا دیے۔ معہذا ان کی طاقت یہ نہ کر سکی کہ ایک نفس کو بھی اُس کے مالکِ حقیقی اور جانِ آفرین سے ملا دیے حالانکہ وہ اس سے دُور نہیں ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ٥ موجودہ سائنس کے ہوشربا طلسم نے بلیسیوں من کے ہوائی جہاز اور راکٹ بلکہ مصنوعی سیارے تو فضائے آسمانی میں اُڑا دیے۔ لیکن ابلیس لعین کی ناپاک کوششوں کے ایک پرزہ کی دھجیاں بھی وہ جَوّ میں نہ بکھیر سکے۔ بتایئے ان مادی انقلابات نے قیامِ امن کا کونسا عملی ثبوت پیش کیا ہے؟ یا بدیوں کے کتنے لشکروں کو شکست دی اور فسق و فجور اور ضلالتوں کے کتنے بُت توڑے ہیں؟ ان انقلابات کی فتح و تسخیر جسم اور زمین کی ہوتی ہے مگر روحانی انقلابات قلب و رُوح کا احاطہ کرتے ہیں جن سے دلوں کی اُجڑی ہوئی بستیاں آباد ہوتی ہیں وہ زمین کی تبدیلیاں ہیں جن کو زمین والے انجام دیتے ہیں۔ مگر یہ آسمانی تبدیلی ہے جو رحمٰن و رحیم کی طرف سے بتوسط حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پایۂ تکمیل تک پہنچتی ہے۔ یہ نفوس قدسیہ بغیر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے اپنے اپنے وقت پر آئے اور گذر گئے کیونکہ اس عالمِ فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں، ان کی زندگیاں خواہ کتنی ہی مقدس اور معصوم تھیں۔ تاہم وہ دوام و بقاء کی دولت سے سرفراز نہ تھیں۔ ان کے بعد دُنیا پر تقریباً چھ صدیاں ضلالت کے سناٹے اور کفر و شرک کی خاموشی کی گذر چکی تھیں تقدیس الٰہی کا وہ خاص مقام جو وادیٔ غیر ذی زرع یعنی بن کھیتی کی سرزمین میں کعبہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور رحمتِ حق کا وہ گہوارہ جس کی بنیاد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام جیسے پاک معماروں کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی تھی۔ دنیا کے بُت کدوں میں وہ سب سے بڑا اور عظیم بتکدہ بن گیا تھا۔ جہالت و ضلالت کے تاریک اور گھنگھور بادل تہ بہ تہ جمع ہوتے اور کفر و شرک کی بارش برسا جاتے، کسی قوم یا کسی خاندان، کسی ملک یا کسی سرزمین کی تخصیص نہیں، عرب ہو یا عجم، مشرق ہو یا مغرب، کائنات کا ذرہ ذرہ خوابِ غفلت میں سرشار اور پردۂ ظلمت میں مستور تھا، شکل و صورت میں اگرچہ وہ انسان تھے مگر خصائل اور شمائل میں وہ حیوانوں سے بھی بدتر تھے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔

کوئی لات و منات پر شیدا تھا تو کوئی عزیٰ اور نائلہ پر، کوئی مہادیو اور کرشن کی مورتیوں کا پجاری تھا۔

تو کوئی شمس و قمر اور آگ پر مفتون، کوئی احبار و رُہبان کو ارباب بنائے بیٹھا تھا تو کوئی اہرمن اور یزداں کی ثنویت کا قائل تھا کوئی کاہن و منجم سے غیب کی باتیں پوچھتا تو کوئی عشق و معاشقہ اور مدح و ہجو کی شاعرانہ داستانیں سُننے کا شائق، غرض ربع مسکوں کا چپہ چپہ خدائے واحد اور مالک حقیقی کو فراموش کر کے خود ساختہ اصنام و اوثان پرستی میں منہمک اور احبار و رہبان کی عبادت میں مشغول و مصروف تھا اُس وقت شجر زندگی کی ہر شاخ سے نمی خشک ہو چکی تھی، تہذیب و تمدن کے پھُول وحشت اور بربریت کی بادِ سموم سے مرجھا چکے تھے۔ حسن عمل کے زندگی بخش چشمے یکسر خشک ہو چکے تھے۔ زمین پر جوہر انسانیت کی سرسبزی اور شادابی کا کہیں نشان باقی نہ تھا۔ کشتِ مذاہب و اخلاق کے برائے نام حدود تو باقی تھے لیکن فصلیں بالکل اُجڑ چکی تھیں اس وحشت اور سراسیمگی کے عالم میں خاسر و نامراد انسان ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا تھا۔ لیکن خدا کی اس وسیع زمین پر اُسے کہیں روحانی زندگی کا نشان اور تازگی کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ چاروں طرف سے مایوس ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اُٹھتی تھیں اور صرف ایک پکار سننے والے کو پکار پکار کر کہتی تھیں۔ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ۔ یہ وقت تھا کہ فطرت کے اٹل قانون کے مطابق اس افسردگی اور پژمردگی کو پھر سے تازگی اور شیفتگی میں بدل دیا جاتا اب وہ وقت آگیا تھا کہ آسمانوں کے وہ دروازے جو صدیوں سے زمین پر بند کر دیے گئے تھے، یکایک کھُل جائیں۔ چنانچہ ربِّ ذوالمنن کا سحاب کرم رحمت باری کا مہبط عظمٰی، بحرِ سخا، پیکرِ ہدیٰ اور رہبرِ صادق زندہ امیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزار جنّتیں اپنے آغوش میں لیے ۹ ربیع الاوّل[1] کے مقدس مہینے میں کوہ سعیر اور فاران کی چوٹیوں پر جھوم جھوم کر آیا اور بلد امین کی مبارک وادیوں میں کھلکھلا کر برسا، جس سے انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اُٹھیں۔ اخلاق و تمدن کے پژمردہ پھولوں پر پھر سے بہار آگئی، عمرانیت اور مدنیت کے سبزۂ پامال میں نزہت اور لطافت پیدا ہو گئی۔ عالم کے اطراف و جوانب نورِ نبوت اور آفتاب رسالت کی بے پایاں روشنی سے منوّر ہو گئے اور توحید خالص کا علم بلند ہوا۔ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کے خشک چشمے حیاتِ تازہ کی جوئے رواں میں تبدیل ہو گئے۔ طغیانی اور سرکشی کی بادِ سموم عدل و انصاف کی جان بخش نسیم سحری میں بدل گئی، ظلمت کدوں کی ظلمت مٹ گئی۔ بتکدوں کے بُت فنا ہو گئے۔ آتشکدوں کی آتش بجھ گئی اور سینکڑوں برس کے بھٹکے ہوئے

---

[1] محققین علماء نے آپ کی ولادت باسعادت کی تاریخ ۹ ربیع الاول لکھی اور ثابت کی ہے مگر اکثر مؤرخین کے ہاں ۱۲ ربیع الاول مشہور ہے۔

غلاموں کو اُن کے حقیقی مالک اور آقا کے آگے سر اور جبین نیاز جھکانے کا شرف نصیب ہُوا، فضائے عالم مرتوں کے لغموں سے گونج اٹھی، نفوس کو نئی زندگی اور زندگی کو نئے ولولے عطا ہوئے۔ آسمان نے زمین کو مبارکباد دی کہ تیرے بختِ بلند نے یاوری کی اور تیرے خوش نصیب ذرّوں کو اس ذاتِ اطہر و اعظم اور اس بلند پایہ اور بزرگ ترین مقدّس ہستی کی پابوسی کی سعادت نصیب ہوگئی جو عالمِ موجودات کے سلسلہ میں ارتقار کی آخری منزل ہے، شرف و مجدِ انسانیت کی آخری کڑی ہے جو علم و بصیرت کے اس افقِ اعلیٰ پر جلوہ گر ہے کہ عقل و دانش، فکر و نظر کی وہاں تک رسائی ہی نہیں ہو سکتی جو دانش اور حکمتِ برہانی کے اس مقامِ بلند پر فائز ہے جہاں غیب اور شہود کی وادیاں دامنِ نگاہ میں سمٹ کر آجاتی ہیں۔ وہ دیکھئے عالم میں خدا تعالیٰ کی تعلیم و ہدایت کا شاہد کوہ صفا پر کھڑا ہے، نکوکاروں کو فلاح و سعادت کا مبشّر بشارتیں سنا رہا ہے جو ابھی تک بے خبر ہیں اُن کو ہشیار اور بیدار کرنے والا نذیر، خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا رہا ہے بھٹکنے والے مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والا داعی دعوتِ حق پیش کر رہا ہے۔ نگاہ اٹھا کر دیکھئے رہبرِ راہِ صداقت، ہادیٔ صراطِ مستقیم اور داعیٔ حق سُوقِ عکاظ میں کھڑا ہو کر ایک گُم کردہ راہ قوم کے سامنے اپنی حجت اور دلیل قائم کر رہا ہے ارُشد و ہدایت پر لانے کے لیے نورِ صداقت سے ان کے قلوب کو روشن کر رہا ہے، حکمت اور موعظۂ حسنہ کا دل نشین اور موثّر پیرایہ اختیار کر کے قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا سبق پیش کر رہا ہے تاکہ تشنہ کامانِ رشد و ہدایت کو سیرابی نصیب ہو اور توحیدِ خالص ان کے سویدائے قلب میں اُتر جائے۔ تصوّر کی عینک سے دیکھئے ہادیٔ برحق طائف کی گلیوں میں خدا کا آخری پیغامِ فلاح و نجاح کا آخری سرچشمہ ابلاغ و اعلانِ حق کا بحرِ بے پایاں، توحیدِ الٰہی کی آخری شمع قرآن مجید اور فرقانِ حمید ان کو سنا رہا ہے جس نے مذہبی دُنیا کے تمام قوانین کو یک قلم منسوخ کر دیا، وہ حق و باطل میں امتیاز، شرک و توحید میں تفریق، کھرے اور کھوٹے میں تمیز دینے آیا ہے۔ قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے، جس کی آیتیں لفظی اور معنوی ہر حیثیت سے نہایت جچی تلی باؤن تولہ پاؤ رتی ہیں۔ نہ ان میں تناقص ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقع کے خلاف ہے، نہ معجزانہ فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے اس کے ایک حرف پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے جس مفہوم اور مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا گیا ہے، محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے، الفاظ کی قبا، معانی کی قامت پر ذرا بھی نہ ڈھیلی ہے نہ تنگ۔ جن عقائد و اعمال، اصول و فروع اور اخلاق و نصائح پر قرآن کریم مشتمل ہے، اور جو دلائل اور براہین اثباتِ دعاوی

کے لیے پیش کیے گئے ہیں وہ سب علم وحکمت کے کانٹے میں تلے ہوئے ہیں، مبالغہ اور تصنع سے یکسر خالی ہیں۔ قرآنی حقائق اور دلائل ایسے مضبوط اور محکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے، ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں اس میں ضروریات اور مہمات کو خوب کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے یہ نہیں کہ اجمال وابہام کی وجہ سے یہ کتاب ایک معمہ اور چیستان بن کر رہ گئی ہو۔ اگر حکیم مطلق اور خبیر برحق کے کلام میں سب حکمتیں اور خوبیاں جمع نہ ہوں گی تو اور کس کے کلام میں توقع کی جا سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ پاک کتاب کے ذریعہ ہادی برحق نے صدیوں کے بھولے ہوئے سبق کو یاد دلا کر دلوں کی بستی میں وہ آتش شوق بھڑکائی جس نے کفر وشرک کی دنیا کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اس کی صدائے حق نے ظلم وعصیاں کے محلوں میں زلزلہ طاری کر دیا اور جہالت وضلالت کی ایک ایک زنجیر کو کاٹ کر رکھ دیا وہ انقلاب پیدا کیا جس نے ریت کے ایک ایک ذرہ کو ہلا دیا ؎

عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی ۔۔۔ وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی

الحاصل حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاک سلسلہ کی آخری کڑی اور قصرِ نبوت کی سب سے آخری خشت جس نے ابدی طور پر قصرِ نبوت کو مکمل کر دیا ہے، حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی مبارک صورت میں اس دنیا کے سامنے رُونما ہو چکی ہے، قیامت تک دنیا کی تمام قوموں کے لیے آپ کی پیش کردہ کتاب اور سیرت طیبہ اسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل ہے اور ہر حیثیت سے مکمل اور ہمیشہ کے لیے محفوظ اور ناقابلِ ترمیم وتنسیخ ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ اور حیاتِ نیرّہ میں کوئی پُرپیچ وخم راہ نہیں کوئی راز مستور نہیں، کوئی سِرّ پس پردہ نہیں۔ ایک جگمگاتے ہوئے چراغ کی روشنی (سراجاً منیرا) جو ایک طرف خود اس چراغ کے ہر پہلو کو دیدۂ بینا کے سامنے بے نقاب کر دیتی ہے اور دوسری طرف ہر شے کا اصلی مقام بھی متعین کر دیتی ہے لیکن جس طرح نام نہاد مسلمانوں نے نورِ مبین (قرآن کریم) جیسے نیرّ درخشندہ کو خودساختہ تصوّرات اور تخیلات کے سیاہ بادلوں میں چھپا رکھا ہے، اور اس کی روشنی سے نہ صرف اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے محروم کر دیا ہے اسی طرح انہوں نے سیرتِ طیبہ کے جگمگاتے چراغ کو بھی اپنے باطل معتقدات اور توہمات کے تہ وبالا دبیز پردوں میں مستور کر رکھا ہے، آج ساری دنیا اس روشنی کے لیے مضطرب وبے قرار پھر رہی ہے اور آنے والے مصیبت اور ہولناک طوفانوں سے نجات صرف کتاب وسنّت ہی پر

عمل پیرا ہونے سے پل سکتی ہے اور بس ؎

ہواؤں کا رُخ بتا رہا ہے ضرور طوفان آرہا ہے
نگاہ رکھنا سفینہ والو اٹھی ہیں موجیں کدھر سے پہلے

اللہ تعالیٰ نے دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عموماً اور جناب امام الانبیاء اور خاتم الرسل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خصوصاً جو جو مزایا اور فضائل عطا فرمائے ہیں وہ ہمارے فہم وادراک سے بالاتر اور ہماری عقل و دانش سے وراء الورا ہیں؛ ان کو گننے والا گنے تو کیسے، ان کی تہ تک پہنچے تو کیونکر؟ اس قادر مطلق نے جن صفات سے آپ کو نوازا اور جو جو عنایات آپ پر کیں۔ اور جو جو علوم اور اسرار وحکم آپ کو مرحمت فرمائے، خدا کی مخلوق میں ان خصائص اور انعامات میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی بھی شریک و سہیم نہیں ہے اور بلا مبالغہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مگر خزانوں کا مالک اور ان میں متصرف اور اسی طرح عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ان اوصاف میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں کیونکہ علم غیب صرف خاصۂ خداوندی ہے جس کی بحث پہلے گزر چکی ہے

اللہ تعالےٰ نے سید ولد آدم فخر الرسل خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاک زبان سے اپنی اٹل اور محکم کتاب کے ذریعہ قانون کلّی کے طور پر یہ صریح اعلان کروایا کہ:۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(پ ۷۔ الانعام۔ رکوع ۵)

تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں جانتا ہوں غیب اور نہ میں کہتا ہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں میں نہیں پیروی کرتا مگر صرف اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے تو کہہ دے کب برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا، سو کیا تم غور نہیں کرتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کے منصب اور اس کے خواص و لوازم پر روشنی ڈالی ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نبوت اور رسالت کے بلند مقام پر فائز کرتا ہے، اس کا یہ دعوےٰ نہیں ہوتا کہ تمام مقدوراتِ الٰہیہ کے خزانے اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے تو وہ ضرور ہی کر دکھائے، اور یہ بھی نہیں کہ تمام معلومات غیبیہ اور شہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض

رسالت سے ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا جائے کہ تم جو کچھ پوچھو وُہ فوراً بتلا دیا کرے اور یہ بھی نہیں کہ وہ نوعِ بشر کے علاوہ کوئی اور نوع ہو اور مَلک فرشتہ اور نُور ہونے کی وجہ سے لوازم اور خواص بشریہ سے اپنی برأت اور نزاہت کا ثبوت پیش کرے، اس آیت کریمہ میں بصراحت یہ امور واضح کر دیئے گئے ہیں کہ:-

(۱) نبی اللہ تعالےٰ کے خزانوں کا مالک اور مختار کل اور متصرف فی الامور نہیں ہوتا۔

(۲) یہ کہ نبی اور رسُول عالم الغیب نہیں ہوتا کہ ہر ہر ذرّہ اس کے علم میں ہو۔

(۳) یہ کہ نبی اور رسول مَلک، فرشتہ اور نُور نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

خُلِقَتِ الملٰئکۃ من نور (اوکما قال مُسلم) کہ فرشتے نُور سے پیدا کئے گئے ہیں۔

ج ۲ ص۴۱۳، ورواہ احمد ج ۶ ص۱۶۸، ابن کثیر ج ۴ ص۱۷۴

ومنتخب کنز العمال بر مسند احمد ج ۲ ص۴۵۳، الجامع الصغیر ج ۲ ص۵

جب بحکمِ خداوندی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اپنے مَلک اور فرشتہ ہونے کی نفی کی تو گویا صراحت کے ساتھ اپنے نُور ہونے کی نفی بھی کر دی۔ اس آیت کریمہ میں جن تین امور کی نفی آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذات سے بصراحت کی گئی ہے، انہی میں اہلِ بدعت حضرات ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور سر سے لے کر پاؤں تک ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان کے اثبات کے درپے ہیں باقی فریقِ مخالف کا یہ کہنا کہ اس آیت میں ذاتی علمِ غیب کی نفی ہے عطائی کی نہیں (جاء الحق ص۸۴ و مقیاس ص۳۰۲ اور تفسیر قرآن کریم از مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی ص۱۹۴ وغیرہ) تو یہ محض بے بنیاد اور بے حقیقت بات ہے۔ اس دفع الوقتی اور طفلِ تسلّی سے شائد ان کے ماؤف دل تو مطمئن ہو جائیں لیکن سمجھدار اور متین آدمی کا ہرگز اطمینان نہیں ہو سکتا۔ علم غیب ذاتی اور عطائی کی مبسوط بحث اپنے مقام پر آ رہی ہے، انشاء اللہ العزیز۔ مفتی احمد یار خان صاحب کا یہ کہنا کہ اس میں دعوے علمِ غیب کی نفی ہے علمِ غیب کی نفی نہیں عجیب بدایونی منطق ہے اور تواضع و انکسار کا بہانہ بھی بے سوُد ہے، جیسا کہ جاء الحق ص۸۴ میں ہے، اس کی بحث بھی اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ، کہ تواضع سے کیا مراد ہے؟ نیز اہل بدعت کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے کافروں سے یہ فرمایا تھا کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میں غیب جانتا ہوں۔ مومنوں سے یوں نہیں فرمایا۔ یہ بھی ایک خالص افتراء اور بہتان بلکہ قرآن

کریم کی تحریف ہے، دلائل وبراہین کا ذخیرہ اپنے مقام پر آئے گا، انشاء اللہ العزیز، کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور حضرات صحابہ کرام رض کے سامنے بھی صریح الفاظ میں اس کا اظہار فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا اور حضرت رافع رض بن خدیج کی مرفوع روایت بھی عنقریب آرہی ہے۔ اس میں خطاب بھی صرف مسلمانوں کو ہے۔ پھر یہ بات بھی نہ بھول جائیے کہ نبی اور رسول کا مقام بہت ہی بلند ہوتا ہے ان کا دل اور زبان ظاہر اور باطن عقیدہ اور عمل ایک ہوتا ہے، جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے، وہی زبان پر ہوتا ہے اور جو زبان پر ہوتا ہے وہی عمل میں ہوتا ہے اپنے منصب کے بیان میں وہ جو کچھ کفار کو کہتے ہیں وہی کچھ مومنوں کو بھی کہتے ہیں، وہاں دورنگی کا مطلق سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ ایک سے کچھ کہیں، اور دوسرے سے کچھ کہیں۔ معاذ اللہ تعالیٰ ۔

نمی باشد مخالف قول وفعل راستاں باہم
کہ گفتارِ قلم باشد ز رفتارِ قلم پیدا

غرضیکہ اہلِ بدعت کی طرف سے اس آیت کا کوئی تسلی بخش جواب نہ تو آج تک دیا گیا ہے اور نہ قیامت تک دیا جا سکتا ہے، انصاف اور دیانت کے ساتھ آزمائش کر لیں۔ دیدہ باید!

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ اگرچہ پیغمبر نوع بشر سے علیحدہ کوئی دوسری نوع نہیں لیکن اس کے اور باقی انسانوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ انسانی قوتیں دو قسم کی ہوتی ہیں، علمی اور عملی۔ قوتِ علمی کے اعتبار سے سمجھنا چاہیئے کہ نبی اور غیر نبی میں اعمیٰ اور بصیر (اندھے اور سوانکھے) کا تفاوت ہے، نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت مرضیاتِ الٰہی اور تجلّیات ربّانی کے دیکھنے کے لیے کھلی رہتی ہیں جس کے بلاواسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہیں اور قوتِ عملیہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے قول وفعل اور ہر ایک حرکت اور سکون میں رضائے الٰہی اور حکمِ خداوندی کے تابع ہوتے ہیں (زلات اور اجتہادی لغزشوں کا معاملہ الگ ہے جس کی بحث عنقریب آرہی ہے انشاء اللہ العزیز) وحی الٰہی اور حکمِ خداوندی کے خلاف نہ تو کبھی ان کا قدم اٹھ سکتا ہے اور نہ زبان حرکت کر سکتی ہے۔ ان کی مقدّس ہستی اخلاق و اعمال اور کل واقعات زندگی میں تعلیماتِ ربّانی اور مرضیاتِ الٰہی کی روشن تصویر ہوتی ہے جسے دیکھ کر غور وفکر کرنے والوں کو ان کی صداقت اور مامور من اللہ ہوتے میں ذرا بھی شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔

قرآن کریم کی سینکڑوں آیات اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ علمِ غیب خاصۂ خداوندی ہے اور بیسیوں آیات اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ علمِ غیب نبوت اور رسالت کے لوازم اور خواص میں سے ہرگز نہیں ہے جن میں سے بعض آیات کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا انشاء اللہ العزیز۔ اس باب میں ہم صرف اسی ایک آیت پر اکتفا کرتے ہیں اور اس باب میں صرف دو صحیح اور صریح حدیثیں نقل کر کے ان کی تشریح میں اکابر علماء امت کے اقوال سے یہ امر واضح سے واضح تر کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی باایں عزّ و شان عالم الغیب نہ تھی اور دنیاوی امور کا نہ جاننا کچھ باعث نقص بھی نہیں نیز دینی مسائل میں بھی آپ بسا اوقات اجتہاد اور قیاس سے کام لیتے تھے، اور آپ کے اجتہاد میں خطا کا احتمال بھی تھا۔ ہاں یہ ضروری تھا کہ آپ کو خطا پر چھوڑا نہیں جاتا تھا۔ اور اس ساری بحث سے عیاں ہو جائے گا کہ علمِ غیب منصبِ نبوت میں داخل نہیں ہے۔ اخبارِ غیب اور انباءِ غیب محلِ نزاع نہیں ہے جیسا کہ پہلے مفصل گذر چکا ہے۔

پہلی حدیث حضرت ام سلمہؓ (المتوفاة ۵۹ھ) سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ دو فریق اپنا ایک مقدمہ لے کر جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فریقین کو مخاطب کر کے یوں ارشاد فرمایا کہ:۔

انما انا بشر وانه یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انه صادق فاقضی له بذالك فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیأخذها او لیترکها۔ (بخاری ج۲ ص۱۰۶۵ ومسلم ج۲ ص۲، وموطا امام مالک ص۲۹۹ ونسائی ج۲ ص۲۶۱ وابوداؤد ج۲ ص۱۴۸ وابن ماجہ ص۱۶۸ وطحاوی ج۲ ص۲۸۷، وسنن الکبریٰ ج۱۰ ص۱۴۳)

میں ایک بشر ہی ہوں اور میرے پاس فریق مقدمات لے کر آتے ہیں ایسی صورت میں ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی فریق دوسرے سے زیادہ اچھا بولنے والا ہو جس کی وجہ سے میں اس کو سچا سمجھ لوں اور میں اس کے حق میں فیصلہ دے دوں پس اس طرح میں جس کو دوسرے مسلمان کا حق دلوا دوں تو وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے خواہ وہ اُسے لے یا چھوڑ دے۔

یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ (ابن ماجہ ص۱۶۸ ومسند احمد ج۲ ص۳۳۲ وموارد الظمآن ص۲۹۰)

" " حضرت انسؓ " " " (کنز العمال ج۳ ص۲۰۸)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام غیوب اور جمیع ماکان

وما یکون کے عالم نہ تھے اور نہ آپ کے منصب میں یہ بات داخل تھی کہ آپ امورِ باطنہ کو بھی جانتے ورنہ اس کا مطلقاً احتمال ہی نہ ہوتا کہ آپ کسی فریق کی چرب لسانی کی وجہ سے جھوٹے کو سچا سمجھ لیتے اور عمداً اور دیدہ دانستہ دوسرے مسلمان کا حق اس کو دلوا دیتے، اس سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات آشکارہ ہو جاتی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہری امور اور قرائن اور دلائل و شواہد کے مکلف اور پابند تھے۔ باطنی امور اور حقیقتِ حال و نفس الامر پر اطلاع پانا آپ کے خواص اور لوازم میں شامل نہ تھا۔ یہ صحیح اور صریح روایت اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے مگر ہم مزید تسلی اور اطمینان کے لیے ائمہ حدیث، فقہاء کرام اور شراح حدیث کی چند عبارتیں اس پر نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

فبھذا نقول وفی ھذا البیان الذی لا اشکال معہ بحمد اللہ تعالیٰ ونعمتہ علیٰ عالم فنقول ولی السرائر اللہ عزوجل فالحلال والحرام علیٰ ما یعلمہ اللہ تبارک وتعالیٰ والحکم علیٰ ظاھر الامر وافق ذالک السرائر او خالفھا

(کتاب الام ج ۷، ص ۳۷)

ہم اس کے قائل ہیں اور اس کے اندر ایسا واضح بیان ہے جو بحمد اللہ تعالیٰ واحسانہ کسی عالم پر باعثِ اشکال نہیں ہو سکتا، سو ہم کہتے ہیں کہ رازوں اور بھیدوں کا جاننے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے (حقیقتہً) حلال وحرام تو فقط اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، حاکم کا فیصلہ تو ظاہر پر ہی محمول ہے یہ اندرونی بھیدوں اور رازوں کے موافق ہو یا مخالف۔

اور دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

انما کلف فی الحکم الاجتھاد علی الظاھر دون الغیب واللہ تعالیٰ اعلم

(رسالہ فی اصول الفقہ للامام الشافعیؒ ص ۶۸)

مجتہد اجتہادی اور قیاسی حکم میں صرف ظاہری امور کا مکلف ہے۔ باطن اور غیب کا مکلف نہیں ہے۔

نیز ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

وھو صواب علی الظاھر ولا یعلم الباطن الا اللہ تعالیٰ (رسالہ ص ۷۱)

مجتہد کا قیاس اور فیصلہ ظاہری امور پر مبنی ہے۔ باطن کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا۔

اور ظاہر و باطن کا فرق کرتے ہوئے اس مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہیں کہ:۔

ولا یعلم الغیب فیہ الا اللہ (رسالہ ص ۶۶)

اس میں باطن اور غیب کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا

غور فرمایئے کہ حضرت امام شافعیؒ جو ائمہ اربعہؒ میں سے ایک جلیل القدر امام اور اہل السنت والجماعت کے بلا مدافعت مقتدا اور پیشوا ہیں، فصلِ خصومات میں ظاہر اور باطن کا فرق کرکے رازوں بھیدوں اور نفس الامری حقائق کو ذاتِ خداوندی کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور حاکم کے فیصلہ کو ظاہری قرائن اور شواہد پر مبنی قرار دیتے ہیں، عام اس سے کہ حاکم کا فیصلہ نفس الامر کے موافق ہو یا مخالف، کیونکہ حاکم باطنی امور کا ہرگز مکلّف اور پابند نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام محی الدین ابو زکریا یحییٰؒ بن شرف النووی الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

معناه التنبيه على حالة البشرية وان البشر لا يعلمون من الغيب وبواطن الامور شيئًا الا ان يطلعهم الله تعالى على شيئ من ذالك و انه يجوز عليه فى امور الاحكام مايجوز عليهم و انه يحكم بين الناس بالظاهر والله يتولى السرائر فيحكم بالبينة وباليمين ونحو ذالك من احكام الظاهر مع امكان كونه فى الباطن خلاف ذالك (شرح مسلم ج۲ ص۷۴)

اس کا منشا یہ ہے کہ حالتِ بشریت پر تنبیہ کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ بشر کو غیب اور باطنی امور کا علم نہیں ہوتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز پر ان کو مطلع کردے اور اس سے یہ بھی بتانا ہے کہ فصلِ خصومات میں جس طرح دوسروں سے خلافِ واقع فیصلہ کرنا ممکن ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ممکن ہے اور آپ بھی لوگوں کے درمیان ظاہری حال پر فیصلہ کرتے ہیں اور اندرونی رازوں کا معاملہ خدا سے ہے سو آپ شہادت اور قسم وغیرہ ظاہری قرائن کے ذریعہ ہی فیصلہ صادر فرماتے ہیں اور اس کا امکان ہے کہ واقع میں معاملہ اس کے خلاف ہو۔

یہ عبارت بھی اپنی مراد پر نہایت واضح اور صریح طور پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) شیخ الاسلام تقی الدین ابو الفتح محمدؒ بن علیؒ ابن دقیق العید الشافعی المالکیؒ (المتوفی ۷۰۲ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

فيه دليل على اجراء الحكم على الظاهر واعلام الناس بان النبى صلى الله عليه وسلم كغيره فى ذالك وان كان يفترق مع الغير فى اطلاعه على ما يطلعه الله من الغيوب

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ احکام کو ظاہر پر جاری کیا جائے گا اور نیز اس سے لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس معاملہ میں دیگر لوگوں کی طرح ہیں اگرچہ دوسروں سے اس امر میں ممتاز ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو غیوب باطنہ پر مطلع

الباطنة وذالك فی امور مخصوصة لا فی الاحکام العامة وعلیٰ ھذا یدل قوله علیه السّلام انّما انا بشر (احکام الاحکام ج ۲ ص ۱۰۳)

کرتا ہے مگر یہ بھی مخصوص امور میں نہ کہ عام احکام میں اور اسی پر جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا ارشاد انما انا بشر دلالت کرتا ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔

(۴) حافظ الدنیا ابو الفضل احمدؒ بن علیؒ۔ ابن حجر العسقلانی الشافعی رہ (المتوفی ۸۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

قوله انما انا بشر۔ ای کواحد من البشر فی عدم علم الغیب (فتح الباری ج ۲ ص ۱۲۹)

میں بشر ہی ہوں یعنی علم الغیب نہ ہونے میں دوسرے انسانی افراد کی طرح ہوں

اور دوسرے مقام پر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

اتیٰ به ردا علیٰ من زعم ان من کان رسولاً فانه یعلم کل غیب (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۵۱)

انما انا بشر کا جملہ خاص طور پر ان لوگوں کے باطل خیال کی تردید کے لیے حضرت نے ارشاد فرمایا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ رسول کو کل غیب کا علم ہوتا ہے۔

(۵) علامہ بدرالدین محمودؒ بن احمد۔ العینی الحنفی رہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

انما انا بشر۔ یعنی کواحد منکم ولا اعلم الغیب وبواطن الامور کما ھو مقتضی الحالة البشریة وانا احکم بالظاھر (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۷)

میں تو تمہاری طرح ایک بشر ہی ہوں اور میں غیب کا علم نہیں رکھتا اور تمہارے معاملات کے اندرونی احوال کو میں نہیں جانتا جیسا کہ بشریت کا تقاضا ہے اور میں تو صرف ظاہری حال پر ہی فیصلہ دیتا ہوں

اور اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے دوسرے مقام پر یوں رقمطراز ہیں کہ:۔

انما انا بشر۔ ای من البشر ولا ادری باطن ماتتحاکمون فیه عندی وتختصمون فیه لدیّ وانما اقضی بینکم علیٰ ظاھر ماتقولون فاذا کان الانبیاء علیھم الصّلوٰۃ والسّلام لایعلمون ذالك فغیر جائز ان یصح دعویٰ غیرھم من

میں انسانوں میں سے ایک انسان اور بشر ہوں اور جو مقدمات تم میرے پاس لاتے ہو تو ان کے باطن کو میں نہیں جانتا اور میں تو تمہاری ظاہری باتوں کو سن کر ہی فیصلہ کرتا ہوں۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام غیب اور باطنی امور نہیں جانتے تو نجومی اور کاہن وغیرہ کا غیب

كاهن او منجم العلم وانما يعلم الانبياء من الغيب ما اعلموا به بوجه من الوحى (عمدة القاری ج ۱۱ ص۲۷)

اور باطنی امور کے علم کا دعوئے کیسے جائز اور صحیح ہو سکتا ہے؟ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام غیب کی صرف وہی باتیں جانتے ہیں جنکا بذریعہ وحی انکو علم عطا کیا گیا ہو۔

(۶) امام قسطلانی رہ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

انما انا بشر۔ مشارك لكم فى البشرية بالنسبة لعلم الغيب الذى لم يطلعنى الله عليه وقال ذالك توطئة لقوله وانه يأتينى الخصم الخ فلا اعلم باطن امره الخ (ارشاد السارى ج ۱۰ ص۲۰۲)

میں تو بشر ہی ہوں اور تمہارے ساتھ غیب کے ان امور میں شریک ہوں جن پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع نہیں دی اور یہ ارشاد وانہ یأتینی الخصم الخ کے قول کے لیے تمہید ہے تو میں اس کے باطن کا علم نہیں رکھتا

یہی علامہ قسطلانی رہ لکھتے ہیں کہ:۔

انّما انا بشر۔ وهو رد على من زعم ان من كان رسولا فانه يعلم كل غيب حتى لا يخفى عليه المظلوم من الظالم (ارشاد السارى ج ۱۰ ص۲۰۲)

آپ نے انّما انا بشر اُن لوگوں کی تردید کے لیے ارشاد فرمایا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ رسول کو کُل غیب کا علم ہوتا ہے حتّٰی کہ اس پر مظلوم اور ظالم مخفی نہیں رہتے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

اتى به على الرد على من زعم ان من كان رسولا يعلم الغيب فيطلع على البواطن ولا يخفى عليه المظلوم ونحو ذالك فاشار ان الوضع البشرى يقتضى ان لا يدرك من الامور الا ظواهرها فانه خلق خلقاً لا يسلم من قضايا تحجبه عن حقائق الاشياء فاذا ترك على ماجبل عليه من القضايا البشرية ولم يؤيد بالوحى السماوى طرأ عليه ما طرأ على سائر البشر۔

انّما انا بشر۔ آپ نے ان لوگوں کی تردید کے لیے ارشاد فرمایا جو یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول کو غیب کا علم ہوتا ہے اور وہ باطن پر مطلع ہوتا ہے اور اس پر مظلوم وغیرہ مخفی نہیں رہتا آپ نے اس ارشاد میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وضع بشری اس کی مقتضی ہے کہ وہ صرف ظاہری امور کا ادراک کرے کیونکہ بشر ایک ایسی مخلوق ہے کہ اس کے اور حقائق اشیاء کے ادراک کے درمیان پردے حائل ہو جاتے ہیں جب اس کو جبلت بشری کے تقاضوں پر چھوڑ دیا جائے اور وحی سماوی سے تائید نہ ہو تو اس پر باوجود رسول ہونے کے وہی کچھ طاری ہوتا

ہے جو تمام انسانوں پر طاری ہوتا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۲ ص ۱۲)

اور یہی علامہ قسطلانیؒ ایک دوسرے مقام پر یوں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ولکن انما انا بشر مثلکم۔ ای بالنسبۃ الی الاطلاع علی بواطن المخاطبین لا بالنسبۃ الی کل شیئ

لیکن میں تو تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں یعنی مخاطبین کے اندرونی بھیدوں پر مطلع ہونے میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں (جیسے تم باطن پر مطلع نہیں ہو ویسے ہی میں بھی نہیں ہوں) یہ نہیں کہ تمام امور میں تمہاری طرح ہوں (کیونکہ اللہ نے مجھے بہت فضائل مرحمت فرمائے ہیں۔)

(ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۹۳)

یہ تمام عبارتیں علامہ قسطلانیؒ کی ہیں اور بغیر کسی شک اور شبہ کے اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے عموماً اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے خصوصاً علمِ غیب کے ہرگز قائل نہ تھے، نہ جیسا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کو خالص الاعتقاد ص ۲۵ وغیرہ میں اور دیگر اہل بدعت کو مغالطہ ہوا ہے۔

(۷) علامہ علیؒ بن احمد العزیزیؒ (المتوفی ۱۰۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

انما انا بشر ای من البشر والمراد انہ مشارک البشر فی اصل الخلقۃ وان زاد علیھم بالمزایا التی اختص بھا فی ذاتہ قالہ رداً علی من زعم ان من کان رسولاً فانہ یعلم کل غیب حتّٰی لا یخفیٰ علیہ المظلوم

میں انسانوں میں سے ایک انسان اور بشر ہوں اور مراد یہ ہے کہ آپ اصل خلقت میں انسانوں کے ساتھ شریک ہیں اگرچہ دیگر فضائل مختصہ میں وہ دوسرے انسانوں سے برتر ہیں، اس ارشاد میں آپ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی جو یہ گمان کرتے ہیں کہ رسول کل غیب جانتے ہیں حتیٰ کہ اُن پر مظلوم مخفی نہیں رہ سکتا۔

(السراج المنیر ج ۲ ص ۲۳)

(۸) حضرت شیخ عبد الحقؒ محدث دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

" آنحضرت گفت نیستم من مگر آدمی وعارض میشود بر من احکام وعوارض بشریت وباقی گذاشتہ شدہ است در من احکام جبلت جز آنچہ تائید کردہ میشوم بوحی وتعلیم نمودہ میشوم از جانب حق سبحانہٗ ونزدیک است کہ بعضے از شما باشد زبان آور وبیان کنندہ تر حجت خود را از بعضے دیگر .... پس حکم میکنم من مر اورا بر مانند آنچہ میشنوم از وے الخ " (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۱۷۷)

(۹) حضرت نواب قطب الدین خاں صاحب دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۹ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ف: "میں آدمی ہوں، یہ اشارہ ہے اس امر پر کہ سہو اور نسیان بعید نہیں ہے آدمی سے اور وضع بشری مقتضی ہے اس کی کہ نہ ادراک کرے امور کو سوائے ظاہر اُن کے کے یعنی میں آدمی ہوں عارض ہوتے ہیں مجھ پر احکام و عوارض بشری اور باقی چھوڑے گئے ہیں مجھ میں احکام جبلّت کے سوائے اُس چیز کے کہ تائید کیا جاتا ہوں ساتھ وحی کے اور تعلیم کیا جاتا ہوں حق سبحانہٗ سے حاصل یہ ہے کہ میں بحسب ظاہر کے حکم کرتا ہوں بموجب تقریر مدعی کے پس اگر اُس کا حق نہ تھا اور اُس کی چرب زبانی سے میں سمجھا کہ حق اسی کا ہے اور اس کو دلوا دیا تو وہ اس کو اپنے حق میں حلال نہ جانے بلکہ یہ جانے کہ ٹکڑا آگ کا مجھے ملا ہے، پرہیز کرے اس سے،" انتہیٰ بلفظہ (مظاہر حق ج ۳ ص ۲۲۳)

(۱۰) علامہ شہاب الدین احمد الخفاجی الحنفی رہ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) لکھتے ہیں کہ:-

وانما انا بشر۔ لا اعلم الغیب وانکم تختصمون الیّ الخ (نسیم الریاض ج ۴ ص ۲۶۱)

میں تو بشر ہی ہوں۔ میں غیب نہیں جانتا اور تم اپنے جھگڑے میرے پاس لاتے ہو الخ

(۱۱) حضرت حکیم الامّت احمدؒ بن عبدالرحیم الشاہ ولی اللہ الدہلوی الحنفی رہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) اس حدیث کی تشریح میں ارقام فرماتے ہیں کہ:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود جز ایں نیست کہ من آدمی ام و ہر آئینہ شما خصومت می کنید بایکدیگر پیش من پس شاید بعض شما دانا تر باشد بحجت خود از دیگر پس حکم کنم برائے او مثل آنچہ شنیدم از وے پس ہر کہ حکم کردم برائے او از چیزے بحق برادر او پس باید کہ نگیرد ازاں چیزے جز ایں نیست کہ جدا میکنم برائے او پارہ از آتش (مصفی ج ۲ ص ۹۶)

نیز حضرت شاہ صاحب رہ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وفی الحدیث دلیل علی ان کل مجتھد لیس بمصیب انما الاصابۃ لواحد واثم الخطاء موضوع عن الاٰخر لکونہ معذورًا فیہ وعلیہ اکثر اھل العلم (المسوی ج ۲ ص ۱۶۹)

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ ہر مجتہد مصیب نہیں ہوتا۔ اصابت رائے صرف ایک مجتہد ہی کی ہوتی ہے ہاں (اس مسئلہ میں) دوسرے مجتہد پر خطا کا گناہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ معذور (بلکہ ماجور) ہے اور یہی اکثر اہل علم کی تحقیق ہے۔

(۱۲) الشیخ المحدث العلامہ سندی الحنفی رہ (المتوفی ۱۱۳۹ھ) لکھتے ہیں:-

وانما انا بشر۔ ای لا اعلم من الغیب الّا ما علمنی ربّی کما ھو شان البشر۔	میں تو بشر ہی ہوں یعنی میں غیب نہیں جانتا مگر صرف اسی حد تک جس پر مجھے اللہ تعالیٰ نے تعلیم کے ذریعہ آگاہ کیا ہے جیسا کہ انسان اور بشر کی شان ہے۔
(سندی رح علی النسائی ج ۲ ص ۲۶۱)	

(۱۳) اور علامہ الحسینؒ بن عبد اللہؒ بن محمد الطیبی الحنفی رح (المتوفی ۷۴۳ھ) لکھتے ہیں کہ:-

انما انا بشر۔ ان الوضع البشری یقتضی ان لا یدرك من الامور الا ظاھرھا وعصمتہ انما ھو عن الذنوب فانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکلف فیما لم ینزل فیہ الا ما کلف غیرہ وھو الاجتھاد	مَیں تو بشر ہی ہوں اور وضع بشری اس کو نہیں چاہتی کہ وہ امور ظاہرہ کے علاوہ اُمورِ باطنہ کا بھی ادراک کرے۔ رہا آپ کا معصوم ہونا تو وہ گناہوں سے ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اُن احکام میں جن میں وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اسی چیز کو مکلّف قرار دیا ہے جس کا دوسروں کو مکلّف بنایا ہے اور وہ اجتہاد ہے۔
(بحوالہ انجاح الحاجہ ص ۱۶۹)	

اس حدیث سے اور اس کی شرح میں اکابرین علماءِ اُمّت کی تصریحات اور عبارات سے جو ہم نے نقل کی ہیں، بخوبی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جناب نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بشر اور انسان تھے۔ مگر خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے اعلیٰ اور افضل۔ چنانچہ فریقِ مخالف کے اعلیٰحضرت مولوی احمد رضا خان صاحب کو بھی اس کا صاف اقرار ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ وہ بشر ہیں مگر عالمِ علوی سے لاکھ درجہ اشرف اور جسمِ انسانی رکھتے ہیں مگر ارواح و ملائکہ سے ہزار جگہ الطف، وہ خود فرماتے ہیں لست مثلکم میں تم جیسا نہیں ویروی لست کھیئتکم میں تمہاری ہیئت پر نہیں ویروی ایکم مثلی تم میں سے کون مجھ جیسا ہے (بلفظہٖ نفی الفیئ ص ۱۰)

نور اور بشر کا مسئلہ ہمارے اس موضوع سے خارج ہے اسی کیلئے ہماری کتاب تنقید متین اور اتمام البرہان دیکھیں، یہ اُمور اس میں واضح ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ کہ نور کی کون سی حدیث صحیح ہے؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟ اور سایہ نہ ہونے کی روایت کیسی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ مگر خالفصاحب نے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو بشر اور انسان تسلیم کر لیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ فضائل اور خصائل و شمائل میں آپ کی کوئی مثل نہیں اور یہی کچھ ہم کہتے ہیں ؎

شعر ؎ اے بیباک اتنا تو ہوا ۔۔۔ اب وہ ہنس کر سامنے آتے تو ہیں

نیز اس روایت سے اور اس کی تشریح میں منقولہ بالا عبارات سے یہ بات بھی آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان و مایکون اور ظاہر و باطنی اندرونی اور بیرونی تمام بھیدوں کا علم حاصل نہ تھا مگر صرف اسی حد تک جس حد تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقیقتِ حال پر مطلع کر دیا ہو، اور فصلِ خصومات میں آپ باوجود التفاتِ تام اور پوری توجہ کے اس امر کے ہرگز مکلف نہ تھے کہ حقیقتِ حال سے آگاہ ہو کر باطنی امور کے موافق فیصلہ صادر فرماتے بلکہ اس معاملہ میں آپ عام دوسرے انسانوں کی طرح مدعی کے ظاہری قول اور قسم و شہادت وغیرہ دیگر ظاہری قرائن پر نگاہ رکھتے ہوئے فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے۔ آپ کو باطنی حقیقت اور علمِ غیب حاصل نہ تھا اور نہ منصبِ نبوت اور فرائضِ رسالت میں علمِ غیب داخل ہے جیسا کہ عبارات بالا میں صراحت سے اس کی حقیقت پیش کی جا چکی ہے اور انما انا بشر الخ کا جملہ ہی آپ نے ایسا باطل اور غلط عقیدہ رکھنے والوں کی تردید ہی کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔

نیز اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختارِ کُل بھی نہ تھے کہ جو چیز چاہتے کسی کے لیے حلال کر دیتے اور جو چاہتے حرام فرما دیتے، اگر ایسا ہوتا تو آپ یہ ارشاد نہ فرماتے یعنی کہ اگر میں کسی جھوٹے کو سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ صادر کر دوں تو وہ اس کو نہ لے، کیونکہ وہ اس کے لیے آتشِ دوزخ کا ایک ٹکڑا ہوگا۔ جو اس کے لیے کسی صورت میں حلال نہیں ہے۔ رہا قضائے قاضی کا ظاہراً و باطناً نفاذ یا عدمِ نفاذ، اور اسی طرح نکاح و طلاق اور دیگر معاملات میں فرق و امتیاز کا وجود یا عدم، تو یہ ہمارے اس موضوع سے خارج ہے۔ اس کی تحقیق کے لیے فتح القدیر، عمدۃ القاری اور مرقات وغیرہ کی طرف مراجعت کر لی جائے۔ حضرت شیخ المصدر رح نے اس پر خاصی علمی بحث کی ہے (ملاحظہ ہو ایضاح الادلہ)

اہلِ بدعت کا یہ کہنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو سب کچھ معلوم ہے مگر آپ ظاہری روئداد کے مطابق فیصلہ کرنے پر من جانب اللہ مامور تھے، قطعاً اور یقیناً باطل اور مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ اسی حدیث میں یہ جملہ فاحسب انہ صادق فاقضی لہ بذالک (کہ اس کی چرب لسانی کی وجہ سے میں اس کو سچا سمجھ لوں اور اس کے حق میں فیصلہ کر دوں) اس باطل تاویل کی بیخ کنی کے لیے کافی اور شافی ہے مولوی محمد عمر صاحب اس جملہ کا کوئی جواب نہیں دے سکے (دیکھئے مقیاس ص۵۹۴) وثانیاً کیا فریقِ مخالف کا ایمان اور عشق اس کو گوارا کرتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیدہ دانستہ اور حقیقتِ حال

سے آگاہ ہو کر بھی صاحبِ حق کو حق سے محروم کر دیں اور جھوٹے کو دوسرے کا حق دلوادیں؟ ہمارا ایمان تو اس کو ہرگز گوارا نہیں کرتا ع نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا (العیاذ باللہ تعالیٰ)

باقی مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی (المتوفی ۱۳۶۷ھ) کا یہ جواب کہ فمن قضیت لہ بحق مسلم قضیہ شرطیہ ہے جس میں مقدم کا صدق ضروری نہیں ہے. بلکہ یہ حضرت نے علیٰ سبیل الفرض فرمایا (مُحصلہ الکلمۃ العلیا ص) تو یہ سستی شہرت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ یا آسانی کے ساتھ گلو خلاصی اور دفع الوقتی کا ایک ناکام بہانہ ہے اور عقلاً و نقلاً ہر طرح سے باطل اور مردود ہے. عقلاً تو اس لیے کہ اہل عربیت اور مناطقہ کا اس میں اختلاف ہے کہ قضیہ شرطیہ میں حکم مقدم اور تالی دونوں کے درمیان ہوتا ہے یا حکم صرف تالی میں ہوتا ہے اور مقدم جزاء اور تالی کے لیے قید ہوتی ہے. جیسے حال اور ظرف وغیرہ مناطقہ اول کے قائل ہیں اور اہل عربیت ثانی کے لیکن جس وقت مقدم اور تالی دونوں صادق ہوں یا ایک واجب اور دوسرا ممکن یا دونوں ممکن ہوں تو استلزام میں کوئی شک ہی نہیں ہے. چنانچہ مشہور منطقی اور معقولی محقق ملا حمد اللہ رح بن شکر اللہ رح سندیلوی رح (المتوفی ۱۱۶۰ھ) اپنی دقیق تالیف میں لکھتے ہیں کہ:-

واعلم انه لا خلاف فی استلزام المقدم الصادق للتالی الصادق ۔ (حمد اللہ ص۲۷)

تو جان لے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مقدم صادق تالی صادق کو بہر حال مستلزم ہے

اور علامہ عبد العلی بحر العلوم (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں کہ:-

والتلازم بین الواجب والممکن والممکنتین مما لا شك فیه (بحر العلوم بر حمد اللہ ص۱۲۷)

واجب اور ممکن کے درمیان نیز دو ممکنوں کے درمیان تلازم میں کسی طرح کا کوئی شک نہیں ہے۔

اس کی مزید تشریح سلّم، مرأۃ الشروح، قاضی اور رسالہ قطبیہ وغیرہ میں ملاحظہ کیجیے۔ ہاں اگر مقدم محال اور کاذب ہو تو اس کے لیے استلزام میں اختلاف ہے مگر وہ ہماری بحث سے خارج ہے اور فمن قضیت لہ میں مقدم نہ صرف ممکن ہے بلکہ متحقق الوقوع ہے جیسا کہ حضرت رفاعہ رضا اور بنوابیرق وغیرہ کا واقعہ اس کی واضح دلیل ہے. اس لیے قضیہ شرطیہ کی آڑ لینا سراسر باطل ہے۔

اور نقلاً اس لیے کہ اسی حدیث کے دوسرے سیاق میں یوں آتا ہے کہ:-

فقال انی انما اقضی بینکم برائی فیما لم ینزل

جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس معاملہ

علیّ فیہ (ابوداؤد ج ۲ ص۱۴۹) یعنی مجھ پر خدا کی طرف سے وحی نازل نہیں ہوتی اس میں اپنی رائے سے میں تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔

اور اُساریٰ بدر، تحریم شہد، تابیر نخل اور عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کے جنازہ وغیرہ میں آپ کی رائے مبارک کے صواب نہ ہونے کا بیّن ثبوت دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ اسی طرح حضرت زیدؓ بن ارقم اور عبداللہ بن اُبیؔ کے درمیان جو فیصلہ آپ نے صادر فرمایا، اور اسی طرح جو فیصلہ آپ نے حضرت رفاعہؓ اور بنو ابیرق کے درمیان صادر فرمایا تھا اس میں بھی آپ کی رائے مبارک درست نہ تھی اور حضرت رفاعہؓ کے واقعہ میں حق آپ نے ان کا حق بھی ابتداءً بشیر نامی منافق کو دلوا دیا تھا، بعد کو آیاتِ قرآنی کے نزول پر حقیقتِ حال سے آگاہی ہوئی۔ ان میں سے بیشتر واقعات شرح و بسط کے ساتھ اپنے مقام پر بیان ہوں گے انشاء اللہ العزیز۔ ان واضح دلائل اور براہین کی موجودگی میں کیسے باور کر لیا جائے کہ مقدم کا صدق ضروری نہیں ہے، اہل فریق مخالف اپنے دل کی تسکین اس سے حاصل کر سکتا ہے ع دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔

نوٹ :- اصل میں یہ غلطی علامہ سبکی رہ (المتوفی ۷۵۶ھ) سے ہوئی ہے :-

قال السبکی هذه قضیة شرطیة لاتستدعی وجودها بل معناه بیان ان ذالك جائز ولم یثبت لناقط انه صلی الله علیه وسلم حکم بحکم ثمّ تبیّن خلافه وقد صان الله تعالیٰ احکام نبیّه عن ذالك مع انه لو وقع لم یکن فیه محذور انتهیٰ۔

(بحوالہ السراج المنیر ج ۲ ص۲۳)

سبکیؒ کہتے ہیں کہ یہ قضیہ شرطیہ ہے، یہ اس کے وجود کو نہیں چاہتا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور ہمارے علم میں ہرگز یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ صادر فرمایا ہو اور پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلوں کو اس سے محفوظ فرمایا ہے معہذا اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ خلاف واقع ثابت ہو جائے تو اس میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے۔

جن واقعات کی طرف ہم نے ابھی ابھی اشارہ کیا ہے اور نیز تابیر نخل کا مفصل واقعہ جو عنقریب آ رہا ہے۔ علامہ سبکی رہ کے اس نظریہ کے بطلان پر کافی ثبوت ہے کہ آپ کا کوئی فیصلہ ایسا نہیں جو واقع کے خلاف ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ خطاء پر آپ کو برقرار نہیں رکھا گیا۔ مگر معہذا علامہ سبکیؒ نے اس امر کو صراحت کے ساتھ تسلیم کر لیا ہے کہ اگر کوئی ایسا فیصلہ صادر ہو تب بھی نہ صرف یہ کہ ایسا جائز ہے بلکہ اس میں کوئی محذور بھی نہیں ہے ع مانتے جس کو نہ تھے لیجئے پہنچے وہاں۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاملات کی اصل حقیقت اور اندرونی کیفیت پر مطلع کر دیتا مگر اس کی بے شمار حکمتیں اس کو نہیں چاہتی تھیں کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے اور اپنی حکمتوں کو خوب جانتا ہے۔ مثلاً ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ہادی اور بہترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور اُمت کو آپ کی اقتداء اور اتباع کرنے کی تاکید فرمائی ہے، اور چونکہ باطنی امور پر اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی، چنانچہ متعدد آیات اور احادیث اس پر دال ہیں، اور مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رح (۱۳۰۴ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

احوال باطن ہر کس و خاتمہ او ہیچ کس را بغیر از علام الغیوب معلوم نیست (مجموعہ فتاوی ج ۳ ص ۱۲)	ہر ایک کے باطنی حالات کا بلکہ ہر ایک کے خاتمہ کا علم علام الغیوب کے بغیر کسی کو بھی نہیں ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باطنی امور، اندرونی بھیدوں اور سرائر پر مطلع نہیں کیا، تاکہ آپ کی اُمت آپ کی اقتداء کر سکے۔ چنانچہ امام نووی رح اور علامہ عینی رح اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ولو شاء اللہ لاطلعہ علی باطن الامور حتی یحکم بالیقین لکن امر اللہ امتہ بالاقتداء بہ فاجری احکامہ علی الظاہر (نووی ج ۲ ص ۷۴ وعمدۃ القاری ج ۶ ص ۲۳ واللفظ لہٗ)	اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باطنی معاملات کی حقیقت پر مطلع کر دیتا حتیٰ کہ آپ یقین ہی سے فیصلہ صادر فرماتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ آپ کی اُمت کو آپ کی اقتداء کا حکم دیا ہے اسلیے آپ کے فیصلوں کو ظاہر پر رکھا گیا ہے تاکہ اُمت آپ کی اقتداء کر سکے۔

یہ جملہ دلائل اس امر کو روزِ روشن کی طرح ثابت کرتے ہیں کہ منصبِ نبوت میں علمِ غیب اور باطنی امور پر مطلع ہونا داخل نہیں ہے، اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں۔ اس میں کسی شک اور شبہ کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مگر کوتاہ فہم کے لیے کیا سُود؟ ؎

مکافاتِ عمل سے گروہ ہوں غافل تو ہوں بیشک
ہمارا کام ہے نیک اور بد کا اُن کو سمجھانا

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کا حق بھی تھا؟

چونکہ ابوداؤد کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا جا چکا ہے کہ آپ پر جن احکام میں وحی نازل نہیں ہوتی تھی، ان میں آپ اجتہاد اور قیاس سے بھی کام لیتے تھے، اس لیے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آپ کے اجتہاد کے متعلق یہاں علماءِ اصول کا نظریہ عرض کر دیں۔ حافظ ابن حجرؒ (حدیث ام سلمہؓ کی شرح میں) لکھتے ہیں کہ :۔

وفیہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقضی بالاجتہاد فیما لم ینزل علیہ فیہ وحی۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۴۹)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس معاملہ میں حضور پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی اس میں آپ اپنے اجتہاد سے فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے۔

اور علامہ عینی الحنفیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

وفیہ دلالۃ علی حکمہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاجتہاد (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۷۱)

یہ حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے بھی فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے

(۱) اشاعرہ اکثر معتزلہ اور متکلمین کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منصب صرف وحی کے مطابق فیصلہ صادر فرمانا تھا، کیونکہ اجتہاد میں خطا کا احتمال بھی ہے اور مہبطِ وحی کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ وہ رائے سے فیصلہ صادر فرمائیں۔

(۲) حضرت امام مالکؒ (المتوفی ۱۷۹ھ) حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ (المتوفی ۱۸۲ھ) اور عام محدثین اور علماء اصول اس کے قائل ہیں کہ آپ وحی اور اپنے اجتہاد دونوں سے برابر فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے۔

(۳) مشہور محقق علامہ صدر الشریعۃ عبید اللہؒ بن مسعود المحبوبی الحنفیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) اپنی دقیق اور بے نظیر کتاب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں :۔

والمختار عندنا انہ مامور بانتظار الوحی ثم العمل بالرای بعد انقضاء مدۃ الانتظار (التوضیح ص ۴۸۵)

ہمارے علماء احنافؒ کا مختار مسلک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی کے انتظار کرنے کے مامور تھے پھر اس مدتِ انتظار کے بعد اپنی رائے پر عمل کرنے کے مامور تھے۔

علامہ حسام الدین الحنفیؒ (المتوفی ۶۴۴ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

والصحيح عندنا انه عليه السلام كان يعمل بالاجتهاد اذا انقطع طمعه عن الوحي فيما ابتلى به وكان لا يقر على الخطاء

(حسامی ص۹۲)

ہمارے (علماء احنافؒ کے) نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی جب وحی سے اُمید منقطع ہو جاتی تھی تو ایسے امور میں اجتہاد پر بھی عمل فرمایا کرتے تھے جن کی ضرورت درپیش ہوتی تھی مگر آپ کو خطاء پر برقرار نہیں رکھا جاتا تھا۔

اس کی شرح میں علامہ محمد یعقوب البمبانیؒ[1] الحنفی رہ (المتوفی سنہ [illegible]) لکھتے ہیں کہ:-

وان كان اجتهاده يحتمل الخطاء هذا عند اكثر اصحابنا لقوله تعالى عَفَى اللهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ فانه يدل على الخطاء واكثر العلماء على انه لا يحتمل الخطاء لما امرنا باتباعه عليه السلام ولا اتباع في الخطاء

(المولوی علی الحسامی ص۱۶۴)

اگرچہ حضورؐ کے اجتہاد میں خطاء کا احتمال بھی ہوتا تھا۔ اور یہی ہمارے اکثر احناف کا مسلک ہے کیونکہ (غزوۂ تبوک کے ایک خاص واقعہ میں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے ان کو اجازت کیوں دی ہے؟ یہ حکم آپ کے اجتہاد کے خطاء ہونے پر صریح دلیل ہے اور (دیگر) اکثر علماء کہتے ہیں کہ آپ کے اجتہاد میں خطاء کا احتمال نہیں ہے کیونکہ ہمیں آپ کے اتباع کا حکم ہے اور خطاء میں اتباع اور پیروی کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟

اور علامہ سعد الدین تفتازانی الشافعی رہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجتہاد میں خطاء واقع ہونے کے ثبوت پر اُساریٰ بدر کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وهذا يدل على كونه خطأ من كل وجه و عدم وقوع العذاب لا ينافيه لانه مبنى على وجود المانع وهو سبق الكتاب

(التلویح ص۴۱۰)

اور بدر کے قیدیوں کا واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجتہاد من کل الوجہ خطا تھا اور عذاب کا نہ واقع ہونا اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہ اس پر مبنی ہے کہ وہاں ایک امر مانع موجود تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا فیصلہ تھا۔

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی الحنفی رہ المنار میں اور شیخ احمد المدعو بملا جیون الحنفی رہ (المتوفی ۱۱۳۰ھ) نور الانوار میں لکھتے ہیں کہ:-

وعندنا هو مامور بانتظار الوحي فيما لم يوح اليه

ہمارے (علماء احنافؒ کے) نزدیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

[1] والبمبان محلة من بلدة لاهور۔ (فیض الباری ج ۳ ص۴۳۶) یعنی بمبان لاہور میں ایک محلہ تھا۔

ای اذا نزلت الحادثة بین یدیه یجب علیه ان ینتظر الوحی اصلا لجوابها الی ثلاثة ایام او الی ان یخاف فوت الغرض ثم العمل بالرأی بعد انقضاء مدة الانتظار فان کان اصاب فی الرأی لم ینزل الوحی علیه فی تلک الحادثة وان کان اخطأ الرأی ینزل الوحی للتنبیه علی الخطاء وما تقرر علی الخطأ قط بخلاف سائر المجتھدین فانھم ان اخطأوا یبقیٰ خطأھم الی یوم القیمة .	جن احکام میں آپ پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی ان میں وحی کی انتظار کرنے پر مامور تھے یعنی آپ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تھا تو آپ پر اولاً وحی کی انتظار ضروری تھی تین دن تک یا جس وقت تک اس غرض کے فوت ہونے کا خوف ہوتا پھر آپ کو مدت انتظار کے اختتام کے بعد اپنی رائے پر عمل کرنے کا حق تھا اگر آپ کی رائے درست ہوتی تو نزول وحی کی ضرورت اس واقعہ میں نہ رہتی تھی، اور اگر آپ سے خطا سرزد ہوتی تھی تو خطا پر تنبیہ کے لیے وحی نازل ہوتی تھی، اور آپ کو خطا پر ہرگز برقرار نہیں رکھا جاتا تھا۔ بخلاف دیگر سب مجتہدین کے کیونکہ اگر ان سے خطا سرزد ہو جائے تو قیامت تک ان کی خطا باقی رہتی ہے۔
(نور الانوار مع المنار ص۲۱۸)	

ان علماء اصول سے دریافت کیجئے کہ جو ہستی کل غیب پر مطلع ہو اور جمیع ماکان وما یکون کی عالم ہو اس کے لیے ایسے امور میں جن میں وحی نازل نہ ہوئی ہو، اجتہاد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا عالم الغیب بھی قیاس و اجتہاد کیا کرتا ہے؟ اور پھر اس اجتہاد میں خطا اور غلطی کا احتمال کہاں سے پیدا ہوا؟ کیا عالم جمیع ماکان وما یکون سے بھی خطا اور غلطی ہو سکتی ہے؟

امام کمال الدین محمدؒ بن ہمام الحنفی رح (المتوفی ۸۶۱ھ) مسایرہ میں اور شیخ کمال الدین محمدؒ بن محمد المعروف بابن ابی شریف المقدسی الشافعی رح (المتوفی ۹۰۵ھ) مسامرہ میں دینی اور دنیوی امور میں تفریق کرتے ہوئے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰة والسلام کے اجتہاد پر اور اس اجتہاد میں خطا واقع ہونے کے احتمال پر بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

واما غیر ذٰلك ...... فھم فیه کغیرھم من البشر فی جواز السھو والغلط ھٰذا الذی علیه اکثر العلماء خلافا لجماعة المتصوفة وطائفة من المتکلمین حیث منعوا السھو والنسیان والغفلات والفترات جملة فی حق النبی صلی الله علیه وسلم قال القاضی	بہرحال ان امور (تبلیغ دین اور تعلیم امت وغیرہ) کے علاوہ سو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰة والسلام دوسرے انسانوں کی طرح ہیں کہ ان پر بھی سہو اور غلط جائز ہے۔ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے ہاں اس میں متصوفہ کی ایک جماعت اور متکلمین کے ایک گروہ نے اختلاف کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سہو و نسیان اور غفلات و فترات کلیتہً طاری نہیں ہوتے

ابوبکر۔ تفریعا ماعلیه الاکثر فیجوز ای عقلاً
کونه ای النبی غیر عالم بشرائع من تقدمه
من الانبیاء وکونه غیر عالم ببعض المسائل
التی یفرعها الفقهاء والمتکلمون لا مطلقا
ولکن المسائل التی لا یخل عدم العلم بها
بمعرفة التوحید ویجوز کونهم ای الانبیاءُ
غیر عالمین بلغات کل من بعثوا الیهم
الا لغة قومهم وجمیع عطف علی لغات ای
یجوز عقلا کونهم غیر عالمین بجمیع مصالح
امور الدنیا ومفاسدها وجمیع الحِرَف
والصنائع اھ کلام القاضی ابی بکر۔ ولاشك
ان المراد ای مرادہ مما ذکرہ عدم علم بعض
المسائل لعدم الخطور ای خطور تلك المسائل
ببالهم فاما اذا خطرت لهم فلا بد من علمهم
بها ای باحکامها واصابتهم فیها ان اجتهدوا
بناء علی الراجح ان للانبیاء ان یجتهدوا مطلقا
وعلیه الاکثر او بعد انتظار الوحی وعلیه الحنفیة
واختارہ المصنف فی التحریر فاذا اجتهدوا
فلا بد من اصابتهم ابتداء او انتهاء لان
من قال کل مجتهد مصیب او منع الخطاء فی اجتهاد
الانبیاء خاصة فهم مصیبون عندہ ابتداء و
من جوز الخطاء فی اجتهادهم قال لا یقرون
علیه بل ینبهون فهم مصیبون عندہ اما

قاضی ابوبکر الباقلانی المالکیؒ المتوفی ۴۰۳ھ فرماتے ہیں کہ
اکثر علماء کی تحقیق کے پیش نظر عقلی طور پر جائز ہے کہ نبی پہلے
حضرات انبیاء علیہم السلام کی شرائع کا علم نہ رکھتا ہو اور یہ بھی جائز ہے
کہ بعض اُن مسائل کو بھی نہ جانتا ہو جن کو فقہاءؒ اور متکلمینؒ نے
استنباط کیا ہے۔ لیکن مطلقاً نہیں بلکہ صرف وہ مسائل جن کے
عدم علم کی وجہ سے معرفت توحید میں خلل نہ واقع ہوتا ہو
اور یہ بھی جائز ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کی لُغت
کے علاوہ ان تمام اقوام کی لغات کو نہ جانتے ہوں جنکی طرف ان کو
مبعوث کیا گیا ہو اور یہ بھی عقلاً جائز ہے کہ حضرات انبیاء کرام
علیہم الصلوٰۃ والسلام امور دنیا کے تمام مصالح اور مفاسد کو اور تمام صنعتوں
اور حرفتوں کو بھی نہ جانتے ہوں (الخ کلام ابی بکرؒ) اور کوئی شک نہیں ہے
کہ قاضی ابوبکرؒ کی مراد یہ ہے کہ بعض مسائل کا ان کو اس لیے
علم نہیں ہوتا کہ ان مسائل کی طرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام کے قلوب متوجہ نہیں ہوتے۔ اگر ان مسائل کی طرف ان
کی توجہ ہو تو انکا معلوم کر لینا ناگزیر ہے اور اگر ان میں انہوں نے
اجتہاد کیا ہے تو اصابت رائے بھی ضروری ہے، کیونکہ راجح مسلک
یہی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اجتہاد کرنے کا مطلقاً
حق حاصل ہے اور یہی اکثر علماء کی تحقیق ہے، اور احناف کہتے
ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وحی کے انتظار کے بعد
اجتہاد کا حق ہے اور اسی کو ابن ہمامؒ نے اپنی کتاب تحریر الاصول
میں اختیار کیا ہے اور جب انہوں نے اجتہاد کیا تو ابتداء یا انتہاء
ان کا مصیب ہونا ضروری ہے کیونکہ جو علماء اس کے قائل ہیں کہ ہر
مجتہد مصیب ہوتا ہے یا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اجتہاد

ابتداءً حيث لم يتقدم خطأ واما انتهاءً حيث ينبهوا على الصواب فرجعوا اليه (المسائرہ مع المسامرہ ج ۲ ص ۸۶-۸۷ طبع مصر)

خطاء سے پاک ہوتا ہے تو ان کے نزدیک وہ ابتداءً ہی مصیب ہیں اور جو ان کے اجتہاد میں خطاء کے بھی قائل ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ تنبیہ کے بعد ان کے صحیح رائے کی طرف رجوع کر لینے سے انتہاءً اصابتِ رائے لازم ہے۔

پوچھئے امام ابوبکر الباقلانیؒ اور رئیس المتکلمینؒ سے اور دریافت کیجئے حافظ ابن ہمام الحنفیؒ بقول مولوی احمد رضا خان صاحب محقق علی الاطلاق اور المحقق حیث اطلق سے اور اسی طرح کمال الدین ابن ابی شریفؒ وغیرہ سے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق آپ نے یہ کیا فرمایا کہ متاخر نبی کو سابق انبیاء کی شرائع کا علم نہ ہونا بھی جائز ہے اور جن مسائل کی فقہاءؒ اور متکلمینؒ نے تخریج کی ہے جائز ہے کہ وہ بعض مسائل بھی ان کو معلوم نہ ہوں، اسی طرح اپنی قوم کی لغت کے علاوہ دیگر اقوام کی لغات اور دنیا کے تمام مصالح و مفاسد اور جمیع حرفتیں اور صنعتیں بھی معلوم نہ ہوں، بدیں وجہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاک قلوب ان غیر ضروری اشیاء کی طرف ملتفت ہی نہیں ہوتے، اور نیز ان کو اجتہاد کا بھی حق ہے، عالم الغیب اور عالم جمیع ما کان وما یکون کے اجتہاد کا کیا معنی؟ اور حضرات فقہاء کرامؒ کے ایک گروہ کے نزدیک ان کے اجتہاد میں غلطی بھی ممکن ہے، جمیع ما کان وما یکون کا عالم ہونے کے ساتھ اجتہاد میں غلطی کیوں؟ اور اس غلطی کی گنجائش کہاں سے؟ اور پھر اس غلطی پر تنبیہ کا کیا مطلب؟ مگر کیا کیا جائے اہلِ بدعت کا باوا آدم ہی نرالا ہے، ان کے تمام عقائد اور مسائل خود تراشیدہ اور ضدی ہیں۔ اور لطف یہ کہ وہ اکابرین علماء دیوبند پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ حنفی نہیں بلکہ وہابی ہیں، سبحان اللہ تعالیٰ! مگر یہ نہ سوچا کہ حنفیت کا ربقہ (پٹہ) گردن سے کس نے اُتار کر پھینکا ہے اور حنفیت کے ساتھ وفا کس نے کی ہے اور جفا کس نے؟ ؎

وفائیں کیں آپ نے کہ مَیں نے جفائیں کیں آپ نے کہ میں نے
خیال فرمائیں آپ خود ہی کہ عہد ٹوٹا کدھر سے پہلے

دوسری حدیث

حضرت رافعؓ بن خدیج (المتوفی ۷۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ:۔

قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يأبرون النخل يقول يلقحون

جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ کھجور کے درختوں میں اپنے معہود و معروف

النخل فقال ما تصنعون قالوا کنا نصنعه، قال لعلکم لو لم تفعلوا کان خیرًا فترکوه فنقصت قال فذکروا ذالك له فقال انما انا بشر اذا امرتکم بشیئ من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیئ من رائی فانما انا بشر (مسلم ج ۲ ص۲۶۴ و ابن ماجہ ص۱۸۰ و مشکوٰۃ ج ۱ ص۲۸)

طریقہ پر قلم لگا رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ ہم یونہی کیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرو تو بہتر ہی ٹھیک ہوا انہوں نے اس کو چھوڑ دیا تو کھجوریں ناقص آئیں انہوں نے آپ کے سامنے اس کا ذکر کیا سو آپ نے فرمایا بس میں ایک بشر ہوں جب میں تم کو دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو اس پر ضرور عمل کرو اور جب میں کوئی بات اپنی رائے سے کہوں تو بس میں ایک بشر ہی ہوں۔

اور حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ (المتوفی ۹۳ھ) کی اسی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:۔

قال انتم اعلم بامور دنیاکم (مسلم ج ۲ ص۲۶۴)

آپ نے فرمایا کہ تم اپنے دنیوی معاملات کو زیادہ جانتے ہو۔

اور ان کی یہی روایت ان الفاظ سے بھی آئی ہے:۔

اذا کان شیئ من امر دنیاکم فانتم اعلم به واذا کان شیئ من امر دینکم فالی (کنز العمال ج ۶ ص۱۱۶)

جب تمہارا کوئی دنیوی معاملہ ہو تو تم اس کو زیادہ جانتے ہو اور جب کوئی دینی امر ہو تو اس میں تم میری طرف رجوع کرو۔

اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ (المتوفی ۳۰ھ) کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:۔

فانما انا بشر مثلکم وان الظن یخطئ ویصیب (طحاوی ج ۲ ص۲۵ و ابن ماجہ ص۱۸۰)

سو میں تو ایک بشر ہوں تمہاری طرح اور خیال کبھی خطا ہوتا ہے اور کبھی صحیح۔

اور حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ:۔

فقال ان کان شیئًا من امر دنیاکم فشانکم به وان کان من امور دینکم فالی (ابن ماجہ ص۱۸۰)

فرمایا کہ اگر تمہارا کوئی دنیوی معاملہ ہو تو تم جانو اور اگر کوئی دینی امر ہو تو میری طرف رجوع کرو۔

اور حضرت ابو قتادہؓ (المتوفی ۵۴ھ) کی روایت میں یوں آتا ہے کہ:۔

ان کان امر دنیاکم فشانکم وان کان امر دینکم فالی۔ (کنز العمال ج ۶ ص۱۱۱)

جب تمہارا کوئی دنیوی معاملہ ہو تو تم جانو اور تمہارا کام اور اگر کوئی دینی معاملہ ہو تو میری طرف رجوع کرو

اس صحیح روایت سے (مع اس کے متابعات وشواہد کے) معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان ومایکون کا علم نہ تھا اور نہ دنیاوی معاملات سے آپ کو کوئی خاص لگاؤ اور تعلق تھا یہی وجہ ہے کہ دینی اور دنیوی امور کا فرق کرتے ہوئے جب تابیر نخل کے بارے میں آپ کی رائے صحیح نہ نکلی تو

صاف الفاظ میں آپ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرما دیا فانما انا بشر مثلکم میں تو بس تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں، اور نیز فرمایا کہ انتم اعلم بامر دنیاکم، کہ دنیوی معاملات کو تم ہی زیادہ جاننے والے ہو۔ شیخ محی الدین محمد بن علی المعروف بابن عربی رح (المتوفی ۶۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اصحاب سے فرمایا کہ وہ دنیا کے کاموں کو آپ سے زیادہ جانتے ہیں کہ یہ تجربے پر موقوف اور علم جزئیات سے ہے اور حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا تجربہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کیونکہ آپ کی توجہ ضروری تر سے ضروری تر پر تھی۔ (ترجمہ فصوص الحکم ص۱۷۹ فص حکمت علویہ فی کلمۃ موسویہ طبع حیدرآباد دکن)

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی صراحت کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف کافروں کو ہی خطاب کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا بلکہ آپ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ دنیوی معاملات کو تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو اور ان امور میں میری رائے خطا بھی ہو سکتی ہے اور میری یہ رائے خطا تھی، اور نیز آپ نے "انا بشر مثلکم" حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے لہٰذا اہل بدعت کا یہ افتراء اور بہتان ___ کہ آپ نے لا اعلم الغیب اور انما انا بشر مثلکم کافروں سے کہا ہے خالص افک اور سفید جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ ملاحظہ کیجئے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا اور امور دنیا سے اس قدر بیزار ہوں کہ ان کی نسبت بھی اپنی طرف ایک حد تک گوارا نہ فرمائیں اور مدعیان عشق و محبت آپ کے قلب مبارک کو علوم دنیا کا گنجینہ بتائیں۔ حیف بر حیف اس عشق و محبت پر ع

ببیں تفاوت راہ ہست از کجا تا بکجا!

نوٹ ضروری | ہمارا استدلال تابیر نخل کے واقعہ سے نہیں ہے تاکہ اس کے جواب میں شیخ سنوسی رح یا ملا علی قاری رح یا شیخ عبدالحق رح یا علامہ قیصری رح وغیرہ کا تعلیم توکل سے متعلق عارفانہ یا شارحانہ نکتہ پیش کیا جائے جیسا کہ دوسرے اہل بدعت حضرات نے عموماً اور مفتی احمد یار خان صاحب نے خصوصاً یہ کہہ کر گلو خلاصی کی بالکل ناکام کوشش کی ہے (دیکھئے جاء الحق وزہق الباطل ص۱۱۶) بلکہ ہمارا استدلال انما انا بشر مثلکم کے جملہ سے ہے کہ میں بشر ہوں غیب نہیں جانتا، اور وضع بشری کا تقاضا یہی ہے جیسا کہ متعدد حوالجات سابق حدیث میں اس پر نقل کئے جا چکے ہیں۔ نیز ہمارا استدلال حدیث کے اس حصہ سے ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امور دین اور امور دنیا میں تفریق کر کے

دونوں کے متعلق اپنی پیغمبرانہ پوزیشن اور منصب متعین فرمایا ہے اور امت کے عمل کے لیے ایک مستقل قانون اور ضابطہ مقرر فرماتے ہوئے انتما اعلم بامر دنیاکم (کہ تم دینوی معاملات کو زیادہ بہتر جانتے ہو) فرمایا ہے اور اس حصہ کا اطمینان بخش جواب نہ تو اہل بدعت نے آج تک دیا ہے اور نہ تا قیامت ان سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ حقیقت کھو دینے کے بعد سراب میں اس کو ڈھونڈنے سے کیا حاصل؟ ؎

عبث ہے جستجو اے بیدلو! کوئے محبت میں
جو دل کھوئے گئے وہ ڈھونڈ کر لائے نہیں جاتے

اس حدیث کے پیش نظر شراح حدیث نے دینی اور دنیوی امور میں تفریق کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی سن لیجئے

(۱) علامہ طیبی الحنفی رح فرماتے ہیں کہ :-

وفی الحدیث دلالۃ علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما التفت الی امور الدنیویۃ قط وما کان علی بال منہ سوی الامور الاخرویۃ (بحوالہ انجاح الحاجۃ ص۱۸۰)

اس حدیث میں اس امر کی دلالت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امور دینوی کی طرف کبھی التفات ہی نہ کیا اور امور دینوی کو آپ دل میں جگہ ہی نہیں دیتے تھے، آپ کی توجہ تو امور آخرت کی طرف ہی رہتی تھی۔

(۲) حضرت شاہ عبدالغنی صاحب الحنفی رح (المتوفی ۱۲۹۶ھ) علامہ طیبی رح کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

قلت ان کان مرادہ من الامور الدنیویۃ مایتعلق باھل الحرفۃ کالمزارع والتجارۃ مثلا فمسلم وان کان المراد بھا ما یتعلق بقوام الابدان واصلاح مابینہ فلہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک شان خاص یتحیر فیہ الفھوم والمواجید کاحکام المواریث واقامۃ الحروب والمعاملات الدنیویۃ من البیع والشراء فما ذالک الا من مدد سماوی فتامل انتہی (انجاح الحاجۃ ص۱۸۰)

میں کہتا ہوں اگر ان کی مراد امور دینوی سے مثلاً مزارعت اور تجارت وغیرہ کی صرفتیں ہیں تو یہ بالکل مسلم ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ جو چیز ابدان کے قوام اور اصلاح مابین سے متعلق ہے تو اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک خاص شان حاصل تھی جس میں فہم و حیرت دنگ رہتی ہے، مثلاً وراثت کے احکام، لڑائی کے فنون، بیع اور شراء وغیرہ معاملات دینوی جو بغیر تائید آسمانی کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے۔

(۳) حضرت ملا علی ن القاری الحنفی رح انما انا بشر کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

انما انا بشر مثلکم فقد اصیب وقد اخطئ (شرح شفاء ج ۴ ص۲۵۶)

یعنی میں تم جیسا ایک بشر ہی ہوں (دنیاوی معاملات میں) میری رائے ٹھیک بھی ہوتی ہے اور کبھی غلطی بھی کرتی ہے۔

اور یہی ملا علی ن القاری رح لکھتے ہیں کہ:۔

ومن هذا القبیل حدیث تلقیح التمر وقال ما اری لو ترکتموہ لا یضرہ شیئا فترکوہ فجاء شیصا فقال انتم اعلم بدنیاکم رواہ مسلم ج ۲ ص۲۶۴ عن عائشة رض وقد قال تعالیٰ قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وقال۔ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ۔ (موضوعات کبیر ص۱۲۰)

اور اسی مد (عدم علم غیب) میں کھجوروں کے قلم کرنے کا معاملہ ہے اور آپ نے فرمایا، اگر تم اس کو چھوڑ دو تو اس کو کبھی بھی ضرر نہ ہوگا انہوں نے چھوڑ دیا تو پھل ردی اور کم آیا آپ نے فرمایا تم اپنے دنیاوی معاملا کو زیادہ جانتے ہو جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت عائشہ رض سے مروی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے اعلان کروایا ہے کہ فرما دیں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے نہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔ اور نیز فرمایا۔ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت خیر جمع کر لیتا۔

حضرت ملا علی ن القاری رح کی یہ عبارت اس مسئلہ پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے ہرگز قائل نہ تھے بلکہ وہ اس غالی فرقہ پر نفرین کرتے تھے، اور ایسے فرقہ کی تکفیر فقہاء احناف سے نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ اپنے مقام پر بیان ہوگا، انشاء اللہ العزیز۔ یہ مولوی احمد رضا خان صاحب (وغیرہ) کی اشد جہالت ہے کہ وہ ان کو اپنا ہمنوا سمجھتے ہیں۔ (دیکھئے خالص الاعتقاد ص۲۴)

اور یہی حضرت ملا علی ن القاری رح انما انا بشر کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

ای فلیس لی اطلاع علی المغیبات وانما ذالک شیئ قلته بحسب الظن لشھودی اذ ذاک الی مسبب الاسباب وفی الحدیث دلالة علی انه علیه السلام ماکان یلتفت الا الی امور الاخرویه۔ (مرقات ج ۱ ص۱۸۳ ہامش مشکوٰۃ ج ۱ ص۲۸)

یعنی مجھے مغیبات پر کوئی اطلاع نہیں ہے اور یہ چیز جو میں نے کہی ہے محض اپنے ظن سے تھی کیونکہ میری نگاہ اس وقت (بجائے اسباب کے) مسبب الاسباب پر تھی اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (دنیوی امور کی طرف نہیں بلکہ) صرف امور اخروی کی طرف ہی التفات کیا کرتے تھے۔

حضرت ملا علی ن القاری کی یہ عبارت بھی اپنے مفہوم اور مطلب کے لحاظ سے بالکل واضح اور صاف ہے، اور

وہ تصریح کرتے ہیں کہ آپ کو مغیبات پر کوئی اطلاع نہیں ہوتی مگر جتنی کہ خدا تعالیٰ بتلادے اور ایسے اجتہادی امور میں آپ کی رائے میں لغزش بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ یہی تابیر نخل کا واقعہ اس کی دلیل ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

انّی فیما لم یوح الیّ کاحدکم (رواہ الطبرانی رح فی الکبیر وابن شاہین رح، قال الشیخ حدیث صحیح۔ السراج المنیر ج۲ ص۵۵)

جس چیز کے بارے میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی اس میں میں بس صرف تمہاری ہی طرح ہوں۔

یعنی جس طرح تمہاری رائے میں خطا اور غلطی واقع ہو سکتی ہے اسی طرح مجھ سے بھی لغزش کا وقوع ممکن ہے، یہ الگ بات ہے (جیسا کہ اپنے مقام پر باحوالہ عرض کیا جائے گا، انشاء اللہ) کہ آپ کو کبھی خطا پر برقرار نہیں رکھا جاتا تھا۔

(۴) اور علامہ شہاب الدین احمد الخفاجی الحنفی رح (المتوفی ۱۰۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

(فقال انما انا بشر) اصیب واخطئ فی امور الدنیا التی لم یوح الیّ فیہا شیئٌ (ولکن اذا امرتکم بشیئٍ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیئٍ من رأیی) ای یکون رأیا فی امور الدّنیا الصرفۃ (فانما انا بشر) مثلکم قد اریٰ رأیا والامر بخلافہ فی امور الدّنیا فلا یجب اتباعہ (نسیم الریاض ج۴ ص۲۵۶)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک بشر ہی ہوں جن دنیوی امور میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی تو ان میں میری رائے ٹھیک بھی ہوتی ہے اور غلطی بھی کر جاتی ہے لیکن جب میں تم کو کسی دینی بات کا حکم دوں تو اس کو مضبوطی سے پکڑو اور جب میں کسی خالص دنیوی معاملہ میں اپنے خیال سے کوئی بات کہوں تو بس میری شان تمہاری طرح ایک بشر کی سی ہے کبھی میں ان دنیوی امور میں ایک رائے قائم کرتا ہوں اور معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ لہٰذا اس باب میں میری رائے کی پیروی ضروری نہیں ہے۔

یہ بھی ملاحظہ کیجیے اور مولوی احمد رضا خان صاحب کی سینہ زوری بھی دیکھیے کہ وہ الخفاجی رح کو اپنا ہم نوا سمجھتے ہیں (دیکھیے خالص الاعتقاد ص۲۹)

(۵) اور امام نوویؒ الشافعی رح لکھتے ہیں کہ:۔

قالوا ورأیہٗ صلے اللہ علیہ وسلم فی امور المعائش وظنّہ کغیرہٖ فلا یمتنع وقوع مثل ھذا ولا نقص فی ذالک وسببہ

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ امور معیشت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتی رائے دوسرے انسانوں کی رائے کی طرح ہے سو اسکے وقوع میں کوئی امتناع نہیں ہے اور اسکی وجہ سے آپکے مرتبہ عظیم میں

تعلق ھممھم بالاٰخرۃ و معارفھا (نووی شرح مسلم ج ۲ ص۲۶۴)

کوئی نقص نہیں آتا کیونکہ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ والوں کی تمام تر توجہ آخرت اور معارف آخرت کی طرف ہوتی ہے۔

(۶) اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی الحنفیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

واذا امرتکم بشیئ من رأیی چوں بفرمائم شمارا چیزے از رائے واجتہاد خود فانما انا بشر پس نیستم من مگر بشر شاید کہ خطا بکنم ہمچنیں آمدہ است صریحا در روایت احمد ودر حدیث دلالت است برآنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را التفاتی بنود بامثال ایں امور دنیاویہ ومتعلق نبود غرض ے بداں از جہت عدم تعلق سعادت دنیا وآخرت بداں واہتمام وے نبود مگر بہ بیان امور متعلق بدین۔ (اشعۃ اللمعات ج۱ ص۱۲۱)

اور جب میں تمہیں اپنی رائے اور اجتہاد سے کچھ کہوں تو بس میں ایک بشر ہی ہوں، ہو سکتا ہے کہ خطا کر جاؤں اسی طرح صراحت کے ساتھ مسند احمد کی روایت میں آیا ہے۔ اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیاوی امور کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔ اور ایکی غرض ان دنیاوی امور سے اس لیئے متعلق نہ تھی کہ ان کا تعلق سعادت دنیا وآخرت کے ساتھ نہ تھا اور آپ تو صرف ان امور کا اہتمام فرمایا کرتے تھے جو دین سے متعلق ہوتے تھے۔

(۷) قاضی عیاض مالکیؒ (المتوفی ۵۴۴ھ) انہی دنیوی امور کے متعلق ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

فاما ما تعلق منھا بامر الدنیا فلا یشترط فی حق الانبیاء العصمۃ من عدم معرفۃ الانبیاء ببعضھا او اعتقادھا علی خلاف ما ھی علیہ ولا وصم علیھم فیہ اذ ھمتھم متعلقۃ بالاٰخرۃ وانبائھا وامر الشریعۃ وقوانینھا وامور الدنیا تضادھا بخلاف غیرھم من اھل الدنیا الذین یعلمون ظاھراً من الحیوۃ الدنیا وھم عن الاٰخرۃ ھم الغافلون۔ (شفاء ص۲۵۴)

بہرحال وہ علوم جن کا تعلق دنیاوی امور سے ہو سوان میں سے بعض کے نہ جاننے سے اور ان کے متعلق خلاف واقعہ اعتقاد قائم کر لینے سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے اور ان امور کے نہ جاننے کی وجہ سے ان پر کوئی دھبہ نہیں آتا کیونکہ ان کی تمام تر ہمت اور توجہ آخرت اور اس کی خبروں اور شریعت اور اس کے قوانین کے ساتھ متعلق ہے اور دنیاوی باتیں ان کے برعکس ہیں بخلاف اور اہل دنیا کے جو اسی دنیاوی زندگی کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

پھر اسی مسئلہ کی مبسوط بحث کر کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

ولیس فی ھذا کلہ نقیصۃ ولا محطۃ انما ھی امور اعتیادیۃ یعرفھا من

ایسی باتوں کے نہ جاننے سے نہ تو کچھ نقص پیدا ہوتا ہے اور نہ درجہ میں کوئی کمی آتی ہے ایسے امور تو عادت پر موقوف ہیں

جربها وجعلها همته وشغل نفسه بها و النبي مشغول القلب بمعرفة الربوبية ملاٰن الجوانح بعلوم الشريعة
(شفا، ص۳۰۲)

ان کو وہ شخص خوب جانے گا جس نے تجربہ کیا ہو اور انہی کو اپنا مقصد بنا لیا ہو اور جس نے اپنے نفس کو انہی باتوں میں مشغول کر دیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قلب مبارک تو معرفت الٰہیہ سے اور سینہ فیض گنجینہ علوم شریعت سے لبریز تھا۔

اور اس سے قبل یوں لکھتے ہیں کہ :-

اما احواله في امور الدنيا فقد يعتقد في امور الدنيا الشيئ على وجه ويظهر خلافه اويكون منه على شك اوظن بخلاف امور الشرع
(شفا، ص۳۰۱)

دینی امور میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال یہ ہے کہ کبھی ان معاملات میں حضرت ایک خیال ظاہر فرماتے اور بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوتا تھا۔ نیز ان دنیوی امور میں آپ کو ظن اور شک بھی ہوتا تھا۔ بخلاف شرعی امور کے کہ وہاں یقین ہی یقین ہے۔

حضرت قاضی صاحب رح کی یہ عبارتیں نفی علم غیب پر نص صریح ہیں، مولوی احمد رضا خان صاحب کی جہالت ہے کہ انہوں نے قاضی عیاض رح کو بھی اپنا ہمنوا بنانے کی ناکام سعی کی ہے۔ (دیکھئے خالص الاعتقاد صفحہ ۲۴)

یہ حدیث اور اس حدیث کی شرح میں اکابر علماء دین کے یہ اقوال اس امر کو بخوبی آشکارا کر دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دینی اور دنیوی امور میں تفریق کر کے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ دنیوی امور میں میری رائے اور اجتہاد صرف ایک انسان اور بشر کی رائے ہے اور اس میں خطا کا احتمال ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں مجھ سے خطا ہو جائے، اس لیے تم اپنی معلومات کی بنا پر سوچ سمجھ کر ان پر عمل کرو اور چونکہ دنیوی امور کی طرف آپ نہ التفات فرمایا کرتے تھے اور نہ ان سے کوئی معتد بہ غرض متعلق تھی، اس لیے ان کے عدم علم سے یا ان میں خطا کر جانے سے آپ کی شان رفیع پر نہ تو کوئی حرف آتا ہے نہ نقص، جیسا کہ امام نووی رح اور قاضی عیاض وغیرہ کی عبارات میں لا نقص ولا وصم کی تصریح گذر چکی ہے۔ یہ عبارات بھی ملاحظہ کر لیجئے اور مفتی احمد یار خاں صاحب کی خود فریبی اور مغالطہ آفرینی بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :- "حضور علیہ السلام کا اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ - اظہار ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو" (جاء الحق ص۱۱۶) مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ نے صرف یہی نہیں فرمایا بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ جب میں تمہیں دینی امور کے متعلق حکم دوں تو

ان کو مضبوطی سے پکڑو اور جب دنیوی امور کی بابت اپنی رائے اور اجتہاد سے کچھ کہوں تو چونکہ میں بشر ہوں، مجھ سے خطا کا احتمال بھی ہو سکتا ہے لہٰذا تم اپنے دنیوی امور کو بہتر جانتے ہو جیسے صوابدید ہو اس پر عمل کرو۔ یہ ناراضگی نہیں بلکہ اپنے منصب کی وضاحت اور امت کے لیے ایک ضابطہ اور قانون پیش کرنا ہے

نوٹ :- آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دنیوی معاملات کو نہ جاننا یا ان میں رائے کا خطا ہو جانا اس وجہ سے نہیں تھا کہ نعوذ باللہ تعالیٰ آپ میں قابلیت اور لیاقت اور معاملہ فہمی کی استعداد موجود نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے جو فہم و ذکاء اور بصیرت و استعداد آپ کو عنایت فرمائی تھی وہ مخلوق میں اور کس کا حصہ ہو سکتا ہے؟ مگر آپ کی توجہ اور التفات چونکہ دنیوی امور کی طرف نہ تھا اور ان امور سے کوئی غرض اور اہتمام بھی متعلق نہ تھا۔ اس لیے آپ کو ان کا علم نہ تھا کیونکہ سعادت دارین ان سے وابستہ نہ تھی۔ اگر واقعی ان امور کا دین اور دنیا میں کوئی معتد بہ فائدہ ہوتا تو مخلوق خدا میں آپ سب سے زیادہ ان امور کو جاننے والے ہوتے۔ چنانچہ اسی حدیث کی شرح میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح لکھتے ہیں کہ :-

"والتفاتے بداں نیست و الا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داناتر است از ہمہ در ہمہ کارہائے دنیا و آخرت" (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص [illegible])

چونکہ دنیوی امور کی طرف آپ کی توجہ نہ تھی اس لیے آپ نے فرمایا انتم اعلم بامر دنیاکم، ورنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا و آخرت کے سب کاموں میں سب سے زیادہ دانا اور زیرک تھے۔

ان تمام عبارات اور اقتباسات سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیوی امور اور معاملات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ دنیا کے صرف ان امور سے آپ کا لگاؤ تھا جو دین کے سلسلہ میں کار آمد اور مفید ہو سکتے تھے، اور ان دنیاوی امور کے نہ جاننے کی وجہ سے آپ کی شانِ رفیع میں نہ تو کوئی نقص آتا ہے نہ توہین ہوتی ہے، نہ ایسا عقیدہ رکھنے والا گستاخ ہے اور نہ بے ادب، ورنہ یہ تمام محدثینِ کرام جن کا ذکرِ خیر ہو چکا ہے بے ادب اور گستاخ ہوں گے، اور جب یہ بے ادب ہوئے تو آپ کا ادب اور احترام کرنے والا کون ہو گا؟ ؎

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ظاہر کیے فلک نے تھے جو خاک چھان کر

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رہ ارقام فرماتے ہیں کہ :۔

والانبیاء علیہم السلام فضل اللہ بعضہم علی بعض فالفاضل لا محالۃ لہ کمال یختص بہ لیس فی المفضول و ولیس المفضول بناقص ثم یعلم انہ یجب ان ینفی عنہم صفات الواجب جل مجدہ من العلم بالغیب والقدرۃ علی خلق العالم الی غیر ذالک ولیس ذالک بنقص وثبت اتصاف الانبیاء علیہم السلام بالجوع والظمأ والفقر والحاجات وامثالہا ولیس ذالک بنقص وعدم اتصافہ صلی اللہ علیہ وسلم بصفات یمدح بہا الناس فی بعض امورہم لثبوت ماھو اشرف منہا کالخط والشعر ومایناسب ذالک لیس بنقص ۔

(تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۲۷)

اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بعض پر فضیلت دی ہے تو لامحالہ فاضل اس کمال سے مختص ہوگا جو مفضول میں نہیں ہے مگر اس میں مفضول کی کچھ توہین نہیں ہے۔ پھر اچھی طرح جاننا چاہیئے کہ واجب ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ان صفات کی نفی کی جائے ۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ مثلاً علم غیب اور جہان کو پیدا کرنے پر قدرت وغیرہ اور اس میں ان کی کوئی تنقیص نہیں ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھوک و پیاس اور فقر و حاجت وغیرہ سے بھی متصف رہے ہیں اور یہ ان کی کوئی تنقیص نہیں ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعض ایسی صفات کے ساتھ موصوف نہ ہونا جن کی وجہ سے لوگ آپس میں ایک دوسرے کی بعض امور میں تعریف کیا کرتے ہیں مثلاً خط و کتابت اور شعر جاننا یہ بھی کوئی نقص نہیں ہے کیونکہ آپ کو ان سے بدرجہا اعلیٰ و اشرف دوسری صفات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرحمت ہوئی ہیں۔

اہلِ علم اور فہم حضرات کو عموماً اور اہل بدعت کو خصوصاً حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ عبارت بار بار اور بغور و فکر پڑھنی چاہیئے جو بلا مبالغہ اس قابل ہے کہ آبِ زر سے اس کو لکھا جائے اور بجائے سفینوں کے سینوں میں محفوظ رکھا جائے، آخر اہلِ بدعت کو یہی تو مغالطہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعض امور کا علم نہ تھا تو اس سے آپ کی توہین اور تنقیص ہوتی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ اگر آپ نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت نے اس غلط اور باطل نظریہ کا کیسا پوسٹ مارٹم کیا ہے اور ان کی خود فریبی کے کیسے بخیئے اُدھیڑے ہیں ؟ اور کس طرح ان کی مفروض اور خود ساختہ توہین کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیری ہیں ؟ اور صرف یہی نہیں فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

والسلام سے علمِ غیب کی نفی جائز ہی ہے بلکہ فرماتے ہیں کہ ان سے علم غیب وغیرہ کی نفی کرنا واجب ہے فرمایئے اہلِ بدعت حضرات! قلبِ مبارک پر کیا گزر رہی ع

کون دیکھے یہ بے لبی دل کی

علامہ دوران مفسّرِ قرآن سید محمود آلوسی الحنفی ؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وقد عدّ عدم علمه صلی اللّٰہ علیه وسلم بامر الدّنیا کمالاً فی منصبه اذا الدّنیا باسرها لا شیئ عند ربه (تفسیر روح المعانی ج ۹ ص ۱۲۱)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امورِ دنیا کو نہ جاننا آپ کے کمال منصبی میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ دنیا تمام اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتی (لہٰذا اس ناپائیدار اور بے حقیقت چیز کا نہ جاننا ہی کمال ہے)۔

اپنے فہم و تدبر کو ہوش میں لاکر اس عبارت کو بار بار اور غور سے پڑھئے کہ علامہ موصوف حنفی ہو کر کیا کہہ گئے ہیں؟ جناب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بلند و بالا ہستی اور امورِ دنیا سے لاعلمی؟ صرف لاعلمی ہی نہیں بلکہ اس لاعلمی میں آپ کا مرتبہ اور شان؟ اور صرف شان ہی نہیں بلکہ خاصہ نبوت اور کمال منصبی؟ نفی علم غیب کی وجہ سے توہین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ناکام اور بے سود رٹ لگا لگا کر عوام الناس اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی سعی کرنے والے ذرا غور فرمائیں کہ یہ اکابر علماء امت اور لطف یہ کہ حنفی کیا فرما رہے ہیں؟ اہل بدعت کو حجاب سے باہر ہو کر فیصلہ کرنا چاہیئے کہ وہ حنفی ہیں یا ہوی پرست؟ عاشق خدا اور محب رسول ہیں یا فریب خوردہ؟ مگر کیا کیا جائے کہ ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

قارئین کرام! نطاقِ بیان دراز سے دراز تر ہوتا جا رہا ہے اور خوف ہے کہ کہیں داڑھی سے مونچھیں نہ بڑھ جائیں اور یہ بھی خطرہ ہے کہ کہیں آپ اکتا نہ جائیں کیونکہ ابھی ہم نے بہت کچھ عرض کرنا ہے ع

تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

اور ضرورت بھی نہیں کہ نص قطعی اور دو حدیثوں کے (جن کی شرح میں محققین علماء امت کے مستند حوالجات بھی پیش کر دیئے گئے ہیں) علاوہ کچھ اور بھی عرض کیا جائے مگر اتمام فائدہ کے لیے محقق علماء اہل السنت والجماعت کے چند اقوال ہم بعد میں عرض کئے دیتے ہیں تاکہ یہ بحث مکمل ہو جائے اور کسی کم فہم کو

شبہ باقی نہ رہے۔

قاضی بیضاوی رح تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

فذهب الحكماء الى ان النبي من كان مختصا بثلاث الاولى ان يكون مطلعا على الغيب لصفا جوهر نفسه وشدة اتصاله بالمبادى العالية من غير سابقة كسب وتعليم وتعلم الى قوله وقد اورد على هذا بانهم ان ارادوا بالاطلاع الاطلاع على جميع الغائبات فهو ليس بشرط فى كون الشخص نبيا بالاتفاق وان ارادوا به الاطلاع على بعضها فلا يكون ذالك خاصة للنبى ان من احد الا ويجوز ان يطلع على بعض الغائبات من غير سابقة تعليم وتعلم وايضا النفوس البشرية كلها متحدة بالنوع فلا يختلف حقيقتها بالصفاء والكدر فما جاز لبعض جاز ان يكون لبعض آخر فلا يكون الاطلاع خاصة للنبى۔

(مطالع الانظار شرح طوالع الانوار ص۲۰۸ للبیضاوی رح طبع استنبول)۔

حکماء اور فلاسفہ کا یہ مذہب ہے کہ نبی تین اوصاف سے مختص ہوتا ہے پہلی یہ کہ وہ اپنے جوہر نفس کی صفائی اور مبادی عالیہ کے ساتھ شدت اتصال کی وجہ سے بغیر کسی سابق کسب اور تعلیم و تعلم کے علم غیب پر مطلع ہوتا ہے مگر اس پر اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ فلاسفہ اطلاع علی الغائبات سے کیا مراد لیتے ہیں؟ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ نبی تمام مغیبات پر مطلع ہوتا ہے تو فریقین کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی ہونے کے لیے تمام غیوب پر مطلع ہونا ہرگز شرط نہیں ہے اور اگر وہ بعض مغیبات پر اطلاع مراد لیں تو یہ نبی کا خاصہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر ایک شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بغیر کسی سابق تعلیم و تعلم کے بعض مغیبات پر مطلع ہو۔ علاوہ بریں جب کل نفوس بشریہ نوع کے لحاظ سے متحد ہیں تو ان کی حقیقت صفائی اور کدرت کی وجہ سے مختلف نہیں ہو سکتی۔ سو جو چیز بعض کے لیے جائز ہے وہ بعض دیگر کے لیے بھی جائز ہے تو بعض غائبات پر اطلاع نبی کا خاصہ مختصہ نہ ہوا۔

علامہ عضد الدین عبد الرحمن بن احمد الایجی الحنفی رح (المتوفی ۷۵۶ھ) مواقف میں اور علامہ سید شریف علی بن محمد الجرجانی الحنفی رح (المتوفی ۸۱۶ھ) شرح مواقف میں انہی فلاسفہ اور حکماء کے اس باطل نظریہ کی تردید کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں کہ:۔

قلنا ما ذكرتم مردود بوجوه اذ الاطلاع على جميع المغيبات لا يجب للنبى اتفاقا منا ومنكم ولهذا قال سيد الانبياء ولو كنت

ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے وہ کئی وجوہ سے مردود ہے کیونکہ تمام مغیبات پر نبی کا مطلع ہونا واجب نہیں ہے اس پر ہمارا اور تمہارا فریقین کا اتفاق ہے اور یہی وجہ ہے کہ

أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ۔ والبعض ای الاطلاع علی البعض لایختص به ای بالنبی کما اقررتم به حیث جوزتموہ للمرتاضین والمرضٰی والنائمین فلا یتمیّز به النبیّ عن غیرہ۔

(شرح مواقف ص۶۶۳ طبع نولکشور)

سید الانبیاء علیہ وعلی جمیعہم الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتی اور بعض مغیبات پر مطلع ہونا نبی کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ تمہارا خود اقرار ہے کہ تم نے ریاضت والوں، بیماروں اور سونے والوں کے لیے بھی بعض مغیبات پر مطلع ہونا جائز سمجھا ہے، تو اس کی وجہ سے نبی غیر سے کیسے ممتاز ہوگا۔

اہل السنت والجماعت کے یہ تینوں (قاضی بیضاوی رح، علامہ عضد الدین رح اور سید شریف علی رح) وکیل اور محقق عالم جو محدث اور مفسر ہونے کے علاوہ علم کلام کے بلا مدافعت امام تسلیم کیے جاتے ہیں، اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ تمام مغیبات پر مطلع ہونا نبی کے منصب میں داخل نہیں ہے اور اس پر نہ صرف یہ کہ متکلمین کا اتفاق ہے بلکہ فلاسفہ کو بھی اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی تامل نہیں ہے اور وہ بھی اس پر متفق ہیں۔ تعجب ہے کہ مفتی احمد یار خاں صاحب نے صرف اتنا لکھ کر کہ یہ کلام انکار کے طور پر ہے (جاء الحق ص۸۷) اپنی جہالت اور ناکامی پر کیسا پردہ ڈالا ہے اور نصوص قطعیہ، احادیث صحیحہ اور علماء ملت کی ان صاف اور صریح عبارات کو کس طرح انہوں نے نظر انداز کیا ہے۔

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ فلاسفہ اور متکلمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خواص اور لوازم نبوت میں سے یہ نہیں کہ کل غیب کا علم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہو۔ لیکن فلاسفہ کو یہاں ایک اور غلطی ہوئی کہ انہوں نے لوازم نبوت سے یہ سمجھ رکھا کہ ہر وقت نبی اور رسول کی نگاہ لوح محفوظ پر رہتی ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو غیب کی جتنی باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ صرف اسی طریقہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ متعدد علماء اسلام اور متکلمین نے ان کے اس باطل نظریہ کی تردید کی اور دلائل سے یہ بات ثابت کی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو غیب کی جتنی خبریں حاصل ہوتی ہیں وہ ابتداءً اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ یا بواسطہ ملائکہ حاصل ہوتی ہیں لوح محفوظ پر ان کی نگاہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ سید الفلاسفہ والمتکلمین امام محمد بن محمد الغزالی الشافعی رح (المتوفی ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ

وزعموا ان النبی ایضا یطلع علی الغیب بهذا الطریق (ای لاتصاله باللوح المحفوظ و

فلاسفہ کا یہ گمان ہے کہ نبی غیب پر اس طریق سے بھی مطلع ہوتا ہے یعنی چونکہ لوح محفوظ کے ساتھ ان کا تعلق ہوتا ہے اور وہ ان کے

ومطالعتہ ص ۱۷) الیٰ ان قال والجواب ان نقول بما تنکرون علیٰ من یقول ان النبیؐ یعرف الغیب لتعریف اللہ عزوجل علیٰ سبیل الابتداء وکذا من یریٰ فی المنام فانما یعرفہ بتعریف اللہ او تعریف ملک من الملٰئکۃ فلا احتیاج الیٰ شیئ مما ذکرتموہ فلا دلیل فی ھذا۔

(تہافت الفلاسفہ للغزالیؒ ص ۱۶)

مطالعہ میں رہتا ہے (لہذا ان کو غیب معلوم ہوتا ہے) اس کے جواب میں ہم یوں کہتے ہیں کہ تم کس دلیل سے اس شخص کی بات کا انکار کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ نبی کو اللہ تعالیٰ ابتداءً غیب پر مطلع کرتا ہے اور اسی طرح نیند کی حالت میں خواب دیکھنے والے کو اللہ تعالیٰ خود حقیقت حال پر مطلع کر دیتا ہے (نہ یہ کہ لوح محفوظ سے وہ اخذ کرتا ہے) یا کوئی فرشتہ اس کو القاء کر دیتا ہے۔ تمہارے مذکور طریقہ (لوح محفوظ کے مطالعہ) کی مطلقاً نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ احتیاج اور نہ اس پر کوئی دلیل موجود ہے۔

امام موصوفؒ کی اس عبارت سے یہ بات واضح کر دی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیش نظر ہر وقت لوح محفوظ نہیں رہتا اور نہ یہ خواص نبوت اور منصب رسالت میں داخل ہے۔ اس کی حاجت اور ضرورت بھی نہیں اور اس پر کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے چونکہ امام غزالیؒ فلاسفہ کی تردید کر رہے ہیں جن کا اتفاق نقل کیا جا چکا ہے کہ نبی کو کل مغیبات کا علم ضروری نہیں اور جتنا ہے وہ ان کو لوح محفوظ سے حاصل ہوتا ہے اس کی تردید امام موصوفؒ کر رہے ہیں لہٰذا ان کی عبارت سے جمیع غیب مراد لینا اور اس کی نفی کا قصد کرنا نری جہالت ہوگی۔

فیلسوفِ اسلام علامہ ابنِ رشد الاندلسی المالکیؒ (المتوفی ۵۹۵ھ) امام غزالیؒ کے ساتھ مشاجرہ کرتے ہوئے اور ان کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لفظ نبی سے فلاسفہ کے اس نظریہ کا بطلان ثابت کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ

سمی النبیؐ نبیا الذی ھو الاعلام بالغیوب ووضع الشرائع الموافقۃ للحق والمفیدۃ من الاعمال مافیہ سعادۃ جمیع الخلق۔

(تہافت الفلاسفہ لابن رشدؒ ص ۱۲۲)

نبی کو اس لیے نبی کہا گیا ہے کہ ان کو غیب کی خبریں بتائی جاتی ہیں، اور وہ احکام جو حق کے موافق ہوتے ہیں اور وہ اعمال مفیدہ جن میں تمام مخلوق کی سعادت ہوتی ہے بتائے جاتے ہیں۔

یعنی اگر نبی براہ راست لوح محفوظ کا مطالعہ کر کے علوم اخذ کرے تو نبی کا مفہوم ہی باقی نہ رہا، کیونکہ نبی وہ ہوتا ہے جس کو وقتاً فوقتاً خدا تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں بتائی جاتی ہیں۔ اس صورت میں فعیل بمعنی مفعول ہوگا جیسے قتیل اور جریح اور اگر فاعل کے معنی میں ہو تب بھی کوئی اشکال نہیں کہ نبی کو جو

غیب کی خبریں اور احکام وغیرہ خدا کی طرف سے بتائے جاتے ہیں، وہ ان کی اطلاع لوگوں کو دیتے ہیں مگر کل غیوب ان کے منصب میں داخل نہیں بلکہ ان کے منصب میں بقول ابن رشد رح وہ غیوب داخل ہیں جن کا تعلق شرائع واحکام اور اعمال مفیدہ کے ساتھ ہوتا ہے جن میں مخلوق کی سعادت ہو، اور پہلے گذر چکا ہے کہ جن امور دنیوی میں سعادت نہیں وہ آپ کے منصب کے مناسب ہی نہیں ہیں۔ علامہ خوجہ زادہ رح (جو اوحد علماء الروم فی عصرہ تھے۔ المتوفی ۸۹۳ھ) فلاسفہ کے سابقہ نظریہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

لِمَ لا یجوز ان یکون اطلاع الانبیاء علیہم الصلوٰة والسلام علی الغیب واطلاع النائم فی نومه بما یکون فی المستقبل بتعریف الله ابتداءً او بواسطة ملك من الملئکة من غیر احتیاج الی شیئ مما ذکر (تہافت الفلاسفہ لخوجہ زادہ ص۶۵)

یہ کیوں جائز نہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خواب دیکھنے والوں کا غیب پر اور آئندہ آنے والے واقعات پر مطلع ہونا ابتداءً اللہ تعالیٰ کے بتانے سے یا کسی فرشتہ کے واسطے سے ہو اور جو چیز تم نے ذکر کی ہے اس کی کیا ضرورت اور حاجت ہے؟

ان تمام عبارات سے یہ بات واشگاف ہو جاتی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواص ولوازم اور مناصب میں یہ بات ہرگز داخل نہیں ہے کہ ان کی نگاہ ہر وقت لوح محفوظ پر ہو اور ان کو جو غیب کی خبریں حاصل ہوں وہ لوح محفوظ کے مطالعہ سے حاصل ہوں، جیسا کہ مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ "اور ہر وقت وہ (لوح محفوظ) حضور علیہ السلام کے پیش نظر ہے"۔ (جاء الحق ص۴۹)

امام فخر الدین محمد رازی رح (المتوفی ۶۰۶ھ) احکام کے اندر مصالح اور مفاسد کی علتوں اور حکمتوں پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

لا تفی بمعرفتها عقول البشر بل الحق انه لا یعلمها الا الله سبحانهٗ (مناظرات امام رازی رح ص۱۶)

انسانوں کی عقلیں ان علتوں اور حکمتوں کی تہ تک کبھی رسائی نہیں کر سکتیں بلکہ حق بات صرف یہ ہے کہ ان کو بغیر اللہ تعالیٰ کے اور کوئی بھی نہیں جانتا۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح اپنی دقیق بلند پایہ اور عظیم الشان کتاب میں احکام الٰہی کی حکمتیں اور مصالح بیان کرنے کے بعد اعتراف عجز کرتے ہوئے آخر میں یوں رقمطراز ہیں کہ:۔

ولا استوعب ماجمع الله فی صدورنا جمیع ما انزل علی قلب النبی صلی الله علیه وسلم وکیف یکون لمورد الوحی ومنزل القرآن نسبة مع رجل من امته هیهات ذالك ولا استوعب ماجمع الله فی صدره صلی الله علیه وسلم جمیع ما عندالله تعالیٰ من الحکم والمصالح المرعیة فی الکاملة تعالیٰ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۰۴)

ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے جو علوم جمع کیے ہیں وہ بھلا ان تمام علوم کا احاطہ کیسے کر سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل مبارک پر نازل کیے گئے تھے اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ مورد وحی اور وہ ذات جس پر قرآن کریم نازل ہوا ہے، ان کی نسبت ایک اُمتی کی طرف کی جا سکے؟ حاشا وکلا اور احکام خداوندی کے اندر جو حکمتیں اور مصالح مرعیہ خدا تعالیٰ کے علم میں ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک میں جو علوم ہیں وہ ان کو کبھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ (محدود و غیر محدود چہ نسبت دارد؟)

اور یہی حضرت شاہ صاحب رح اپنی بے نظیر کتاب میں حقیقت النبوت اور اس کے خواص پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

ومن سیرتهم ان لا یشتغلوا بما لا یتعلق بتهذیب النفس وسیاسة الامة کبیان اسباب حوادث الجو من المطر والکسوف والهالة وعجائب النبات والحیوان و مقادیر سیر الشمس والقمر واسباب الحوادث الیومیة وقصص الانبیاء والملوك والبلدان ونحوها الخ۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۸۶)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ سیرت ہے کہ وہ ایسے علوم میں ہرگز مشغول نہیں ہوتے جن کا تعلق تہذیب نفس اور سیاستِ امت کے ساتھ نہ ہو جیسے یہ بیان کرنا کہ جَو کے اندر حادث ہونے والے اُمور مثلاً بارش، سورج گہن، چاند کے ارد گرد چکر اور اسی طرح نباتات اور حیوانات کے عجائبات اور سورج اور چاند کے سیر کی مقادیر وغیرہ کے اسباب اور علل کیا ہیں؟ اسی طرح حوادثِ یومیہ اور قصصِ انبیاء اور سلاطین اور شہروں کے تفصیلی اسباب اور محرکات کیا ہیں؟

مطلب ظاہر ہے کہ چونکہ تہذیبِ نفس اور امت کی دینی اور دنیوی اصلاح اور سیاست سے ان امور کا براہ راست تعلق نہیں ہوتا اس لیے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ان لایعنی اور غیر مقصود باتوں میں مشغول نہیں ہوتے کیونکہ فرائضِ نبوت اور منصبِ رسالت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مشہور فیلسوف اور مؤرخ اسلام علامہ عبدالرحمٰن رح بن خلدون رح (المتوفی ۸۰۸ھ) صنعتِ نجوم کی

تحقیق کرتے ہوئے اس جاہل طبقہ کی پر زور تردید کرتے ہیں جس نے یہ کہا تھا کہ علم نجوم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی معرفت بذریعۂ وحی لوگوں تک پہنچا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

ان الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام ابعد الناس عن الصنائع وانهم لا یتعرضون للاخبار عن الغیب الا ان یکون من الله فکیف یدعون استنباطه بالصناعة ویشیرون بذلک لتابعیهم من الخلق (مقدمہ ابن خلدون ص۵۰۲)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام انسانوں سے بڑھ کر صنعتوں کے علم سے دور ہوتے ہیں اور وہ غیب کی خبروں کے درپے بھی نہیں ہوتے اِلّا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام علم نجوم کی صناعت کے ساتھ استنباط کا کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں اور اپنے متبعین کو اس پر عمل پیرا ہونے کا مشورہ کیونکر دے سکتے ہیں؟

علامہ موصوف رح نے یہ بات واشگاف الفاظ میں بیان کر دی ہے کہ علم نجوم اور دیگر تمام صنعتیں منصب رسالت اور فریضۂ نبوت میں ہرگز داخل نہیں ہیں اور جتنے انسانوں کا ان صنائع سے بُعد تصور کیا جا سکتا ہے، ان سب سے بدرجہا زیادہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ان صنعتوں سے بُعد ہے اور کیوں نہ ہو جب خود سردار دو جہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تابیر نخل کے موقع پر باغبانی جیسی صنعت اور حرفت کو پیش نظر رکھتے ہوئے امت کو صاف لفظوں میں بطورِ قانون یہ ضابطہ سنا دیا تھا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْیَاکُمْ تو دیگراں چہ رسد؟

علامہ محمد بن محمد بن مصطفےٰ ابو السعود الحنفی رح اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

ای ما انا الا عبد مرسل للانذار والبشارة شانی حیازة ما یتعلق بهما من العلوم الدینیة والدنیویة لا الوقوف علی الغیوب التی لا علاقة بینها وبین الاحکام والشرائع۔ (تفسیر ابو السعود ج ۴ ص۱۶۸)

یعنی میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں جو ڈرانے اور بشارت سنانے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ میرا کام اُن دینی اور دنیوی علوم کو حاصل کرنا ہے جن کا انذار اور تبشیر سے کوئی تعلق ہو، اُن غیب کی وہ باتیں جن کا احکام اور شرائع سے کوئی تعلق نہیں تو ان کا معلوم کرنا میرے منصب میں داخل نہیں ہے۔

اسمٰعیل حقی آفندی رح (المتوفی ۱۱۳۷ھ) اگرچہ یہ ایک لطائف نگار بزرگ اور صوفی ہیں اور باب تفسیر میں اور علی الخصوص ائمہ تفسیر کے مقابلہ میں ان کے قول کی کوئی خاص وقعت بھی نہیں ہے مگر چونکہ فریق مخالف کے ہاں وہ مستند ہیں، اس لیے صرف فریق مخالف کے لیے ان کا حوالہ نقل کیا جاتا ہے وہ

لکھتے ہیں کہ:-

الا رسولاً ارتضاه واختاره لاظهاره على بعض غيوبه المتعلقة برسالته كما يعرب عنه بيان من ارتضى بالرسول تعلقاً تاماً اما لكونه من مبادى رسالته بان يكون معجزة دالة على صحتها واما لكونه من اركانها واحكامها كعامة التكاليف الشرعية التى امر بها المكلفون وكيفيات اعمالهم واجزيتها المترتبة عليها فى الاخرة وما يتوقف هى عليه من احوال الاخرة التى من جملتها قيام الساعة والبعث وغير ذالك من الامور الغيبية التى بيانها من وظائف الرسالة و اما ما لا يتعلق بها على احد الوجهين من الغيوب التى من جملتها وقت قيام الساعة فلا يظهر عليه احداً ابداً۔

(تفسیر روح البیان ج ۱۰ ص ۲۰۹ طبع کوئٹہ)

مگر وہ رسول جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو، اور جس کو اللہ نے اپنے بعض ایسے غیوب کے اظہار کے لیے چن لیا ہو۔ جن کا رسالت کے ساتھ تعلق ہو جیسا کہ من ارتضی الخ اس پر دلالت کرتا ہے، تعلق تام ہو بایں طور کہ وہ رسالت کے مبادی میں ہے کہ رسالت کے صحیح ہونے پر بطور معجزہ کے دال ہے اور یا اس لیے کہ رسالت کے ارکان اور احکام میں سے ہے جیسا کہ اکثر امور شرعیہ جن کے مکلف مامور ہیں، اور اسی طرح ان کے اعمال کی کیفیات اور جزا جو آخرت کو ان پر مرتب ہوگی اور وہ کہ جس پر احوال آخرت مرتب ہیں، جن میں سے مثلاً قیام قیامت اور بعث وغیرہ بھی ہے اور یہ سب کے سب امور غیب ہی سے متعلق ہیں جن کا بیان کرنا منصب نبوت میں داخل ہے باقی رہے غیب کی وہ اشیاء جن کا تعلق ان دونوں سے نہیں ہے مثلاً جن میں ایک وقت قیام ساعت بھی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کسی کو کبھی اطلاع نہیں دیتا۔ (اور نہ دے گا)

اس عبارت سے صاحب روح البیان کا اپنا عقیدہ بھی معلوم ہو گیا کہ قیامت کا علم عطائی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کسی کو عنایت نہیں فرماتا اور اس سے منصب نبوت بھی بخوبی معلوم ہو گیا کہ ان امور کا نہ جاننا رسالت کے منصب کے منافی نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض الموت میں صرف ایک نماز باجماعت پڑھی ہے اور حسب تحقیق حضرت امام شافعیؒ اور حافظ ابن حجرؒ بیماری کے دنوں میں آپ نے صرف یہی ایک نماز باجماعت ادا کی تھی (دیکھئے کتاب الام ج ۲ ص ۱۸۵ و فتح الباری ج ۲ ص ۱۴۵)، یہ کون سی نماز تھی سری یا جہری؟ حضرت امام احمدؒ بن محمدؒ بن سلامہ ابو جعفر الطحاوی الحنفیؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) اس پر شدت کے ساتھ مصر ہیں کہ یہ نماز جہری تھی کیونکہ صحیح روایات سے ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے پہلے حضرت ابوبکرؓ (المتوفی ۱۳ھ) کی اقتداء کی تھی اور پھر جب وہ پیچھے ہٹ گئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امامت کا فریضہ انجام دیا تھا۔ اور حضرت ابوبکرؓ پھر صرف مکبر رہے تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہاں ہی سے قرأت شروع کی جہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ قرأت کر چکے تھے۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

لان تلك الصلوٰة كانت صلوٰة يجهر فيها بالقرأة ولولا ذالك لما علم رسول الله صلى الله عليه وسلم الموضع الذى انتهى اليه ابوبكرؓ من القرأة ولاعلم من خلف ابى بكرؓ (بلفظہ طحاوی ج ۱ ص ۲۳۶)

یہ وہ نماز تھی جس میں جہر سے قرأت کی جا رہی تھی اور اگر یہ نماز جہری نہ ہوتی تو جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو کیونکر معلوم ہو سکتا تھا کہ ابوبکرؓ اس مقام تک قرأت کر چکے ہیں؟ اور اسی طرح مقتدیوں کو کیا معلوم تھا کہ وہ کس جگہ تک قرأت کر چکے ہیں؟

دریافت کیجئے حضرت امام طحاویؒ احنافؒ کے وکیلِ اعظم سے کہ آپ کو یہ کیا سوجھی کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری باجماعت نماز کے وقت تک بھی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان ومایکون کا عالم اور مطلع علی السرائر تسلیم نہ کیا؟ اور یہ لکھ دیا کہ آہستہ قرأت کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں جانتے؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ قرأت افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکرؓ کی ہو۔ اور یہ کہ پیچھے حضرات صحابہ کرامؓ کا پاک گروہ اقتداء کر رہا ہو مگر ان کو بھی معلوم نہیں تھا (ولاعلم من خلف ابی بکرؓ)؟ فریق مخالف ارشاد فرمائے کہ حضرت امام طحاویؒ بھی مسلمان رہے یا نہیں؟ ع کلکِ ما نیز زبانے و بیانے دارد۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

واقول کسیکہ قرآن بر او نازل می شد یعنی ذات مطہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز معانی ولغات اقوام دیگر بلکہ مخارج حروف ولہجہ کلام ہر فرقہ نمید انستند۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۳۲)

سب سے پہلے جس مبارک ذات پر قرآن کریم نازل ہوا تھا یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس ہستی وہ دیگر اقوام کے معانی اور لغات بلکہ ہر فرقہ کے مخارج حروف اور لہجہ کلام کو ہرگز نہ جانتی تھی۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ان محمدًا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما کان عالمًا بھٰذہ اللغات بأسرھا۔ الخ

بیشک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تمام لغات اور بولیوں کو نہیں جانتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۳۵)

اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

ولم یکن علیہ الصلوٰۃ والسلام عالمًا بجمیع اللغات (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۵۱)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام لغات کو نہیں جانتے تھے۔

علیہ وسلم کو تمام مکلف مخلوق اور اقوام عالم کے لیے رسول

بناکر بھیجا گیا ہے مگر آپ اُن کی زبانوں، لغات اور لب ولہجہ کو بھی ہرگز نہ جانتے تھے، اور یہی کچھ مسایرہ میں ابن ہمام الحنفیؒ نے کہا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اب اہلِ بدعت حضرات کو چاہیئے کہ وہ حافظ ابن ہمام الحنفیؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحب الحنفیؒ۔ امام رازیؒ اور قاضی ثناء اللہؒ (وغیرہ) پر تکفیر کا ایک مضبوط اور غیر مبہم فتویٰ لگائیں۔ کیا ایک خواب کے پیشِ نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اردو زبان سے واقف نہ ہونے کی بنا پر یہ تکفیری فتویٰ صرف مظلوم دیوبندیوں پر ہی لگ سکتا ہے؟ اور حافظ ابن ہمامؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ (وغیرہ) کے لیے تکفیر کا یہ ترکش خالی ہو جاتا ہے۔ آخر بتایئے قصہ کیا ہے؟ دیوبندیوں کے ساتھ تمہارا اتنا بیر کیوں ہے؟ للہ تعالیٰ کچھ تو فرمایئے! ؎

محفل کی رونقیں ہیں مرے اضطراب سے
پروانے کے لباس میں شمع لگن ہوں میں

حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک اور عبارت بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ وہ عقائد باطلہ کا ذکر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

یا ائمہ و اولیاء را برابر رتبہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام گردانند و انبیاء و مرسلین علیہم السلام را لوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس و ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کند۔	اماموں اور ولیوں کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر جاننا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے لوازم الوہیت جیسے علم غیب اور ہر ایک کی فریاد کو ہر جگہ سے سُننا اور تمام مقدورات پر قدرت ثابت کرنا۔

(تفسیر عزیزی پارۃ اوّل ص۵۲)

اور یہی تین عقیدے (حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا علم غیب، حاضر و ناظر، اور مختار کل ہونا)۔ اہل بدعت نے پلے باندھ لیے ہیں حالانکہ یہ باطل عقائد ہیں اور اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تینوں صفتیں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ مختص اور لوازم الوہیت سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے راز اور بھید کسی اور کو معلوم نہیں ہیں ؎

حباب دریا ہے دہر فانی اجل کی خاطر ہے زندگانی
یہ راز کی بات کس نے جانی عروج کیا ہے زوال کیا ہے

حضرت ملا علی ن القاری الحنفیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ولما جرى لام المؤمنين عائشة ما جرى ورماها اهل الافك لم يكن	اور جب حضرت ام المؤمنین عائشہؓ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اور بہتان تراشوں نے ان کو متہم کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

يعلم حقيقة الامر حتى جاء الوحي من الله تعالى ببرأتها وعند هؤلاء الغلاة انه عليه السلام كان يعلم الحال وانه غيرها بلا ريب واستشار الناس في فراقها ودعا ريحانة فسألها وهو يعلم الحال وقال لها ان كنت المت بذنب فاستغفري الله وهو يعلم الحال على يقين انها لم تلم بذنب ولا ريب ان الحال لهؤلاء على هذا الغلو اعتقادهم انه يكفر عنهم سيئاتهم ويدخلهم الجنة وكلما غلوا كانوا اقرب اليه واخص به فهم اعصى الناس لامره واشدهم مخالفة لسنته وهؤلاء فيهم شبه ظاهر من النصارى غلوا على المسيح اعظم الغلو وخالفوا شرعه ودينه اعظم المخالفة والمقصود ان هؤلاء يصدقون بالاحاديث المكذوبة الصريحة ويحرفون الاحاديث الصحيحة والله ولي دينه فيقوم من يقوم له بحق النصيحة ۔

(انتہیٰ بلفظہٖ موضوعات کبیر صنہ۱۲۰)

کو اصل حقیقت کا علم نہ ہو سکا تا آنکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور اس میں حضرت عائشہؓ کی برأت کا ذکر کیا گیا مگر اس غالی فرقہ کا یہ خیال ہے کہ آپ بلا شک و شبہ حقیقت حال سے آگاہ تھے اور معہذا لوگوں سے حضرت عائشہؓ کی جدائی اور طلاق کا مشورہ کرتے رہے اور باوجود علم کے حضرت ریحانہؓ سے بھی آپ نے دریافت کیا اور آپ نے یقینی علم کے باوجود یہ بھی کہا کہ اے عائشہؓ اگر تجھ سے گناہ صادر ہو چکا ہے تو اللہ تعالےٰ سے معافی مانگ لے حالانکہ آپ کو علم الیقینی حاصل تھا کہ حضرت عائشہؓ میں کوئی عیب نہیں ہے اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اس فرقہ کا باوجود اس غلو کے یہ عقیدہ ہے کہ وہ ان گناہوں کو مٹائیں گے اور ان کو جنت میں داخل کریں گے اور یہ بھی اس غالی فرقہ کا خیال ہے کہ وہ جتنا بھی غلو کریں گے اتنا ہی انکو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تقرب حاصل ہوگا اور وہ آپ کے خاص ترین لوگوں میں ہونگے درحقیقت یہ لوگ رسول خدا صلے اللہ تعلےٰ علیہ وسلم کے حکم کے سب سے زیادہ نافرمان اور آپ کی سنت کے سب سے بڑھ کر مخالف ہیں اور ان میں نصاریٰ کی سی مشابہت پائی جاتی ہے۔ انہوں نے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں انتہائی غلو کیا اور ان کے دین اور شریعت کی بڑی مخالفت کی اور ان لوگوں کا مقصد بھی صرف یہ ہے کہ وہ خالص جعلی اور جھوٹی روایتوں کو تسلیم کرتے اور صحیح احادیث کی تحریف کرتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ خود اپنے دین کا نگران ہے وہ گروہ اہل حق کو دین کی حفاظت کیلئے ضرور کھڑا کرتا رہیگا جو خالص دین لوگوں کے سامنے پیش کرتا رہے گا ۔

قارئینِ کرام حضرت ملا علی القاری رح نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ بلا کم و کاست حرف بحرف فرقہ بریلویہ

میں موجود ہے۔ ع قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے خالص الاعتقاد صـ۲۹ میں اور مفتی احمد یار خاں صاحب نے جاء الحق صـ۱۱۵ میں اور مولوی محمد عمر صاحب نے مقیاسِ حنفیت صـ۲۸۴ میں اور مولوی محمد عظیم صاحب نے علمِ حبیب صـ۱۵ میں (وغیرہم فی غیرہا) حضرت ملا علی ن القاری رہ کی غیر متعلق عبارت سے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے پر جو استدلال کیا ہے، ان کو یہ عبارت بغور و فکر دیکھنی چاہیئے تھی تاکہ ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں۔ حضرت ملا علی ن القاریؒ کی مزید عبارتیں اپنے موقع پر پیش ہوں گی۔ انشاء اللہ العزیز

علامہ قسطلانی رہ بخاری شریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

وقول الداؤدی ما اظن قوله فی هذا الطریق من حدثك ان محمدا یعلم الغیب محفوظا وما احد یدعی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یعلم الغیب الا ما علمه الله متعقب بان بعض من لم یرسخ فی الایمان کان یظن ذالك حتی یری ان صحة النبوة تستلزم اطلاع النبی علی جمیع المغیبات ففی مغازی ابن اسحاق رہ ان ناقته صلی الله علیه وسلم ضلت فقال ابن الصلیت یوزن عظیم یزعم محمد انه نبی ویخبرکم عن خبر السماء وهو لا یدری این ناقته فقال النبی صلی الله علیه وسلم ان رجلا یقول کذا وکذا وانی والله لا اعلم الا ما علمنی الله وقد دلنی الله علیها وهی فی شعب کذا قد حبستها شجرة

امام داؤدیؒ کا یہ کہنا کہ اس سند میں یہ قول محفوظ نہیں ہے کہ جو شخص تجھے یہ کہے کہ آپ غیب جانتے تھے کیونکہ ایسا تو کوئی شخص نہ تھا جو یہ دعویٰ کرتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علمِ غیب حاصل تھا مگر جتنا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دیا تھا۔ قسطلانی رہ کہتے ہیں کہ داؤدیؒ کا یہ قول مردود ہے، کیونکہ بعض وہ لوگ جن کا ایمان راسخ نہیں تھا (یعنی وہ منافق تھے) وہ یہ خیال کرتے تھے حتیٰ کہ ان کا نظریہ تھا کہ نبوت کی صحت اس کو مستلزم ہے کہ نبی کو تمام مغیبات پر اطلاع ہو چنانچہ ابن اسحاق رہ کے مغازی میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی تو ابن صلیت (یوزن عظیم) (منافق نے کہا، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) گمان کرتا ہے کہ وہ نبی ہے اور تمہیں آسمان کی خبریں بتاتا ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص ایسا اور ایسا کہتا ہے اور خدا کی قسم میں نہیں جانتا مگر صرف وہی کچھ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اونٹنی

فذھبوا فجاؤا بھا فاعلم صلی اللہ علیہ وسلم انہ لا یعلم الغیب الا ما علمہ اللہ تعالیٰ۔

(ارشاد الساری، ج ۱۰ ص ۲۹۶)

فلاں گھاٹی میں ہے اور ایک درخت میں پھنسی ہوئی ہے جب لوگ وہاں گئے تو اس اونٹنی کو وہاں سے لے آئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف بتا دیا کہ میں غیب نہیں جانتا مگر صرف اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ مجھے بتا دے

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام رح (المتوفی ۲۱۳ھ) نے زید بن اللُّصیت منافق کا یہ واقعہ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۵۲۷ اور جلد ۲ ص ۵۲۳ میں نقل کیا ہے اور کم و بیش یہی الفاظ ہیں جو علامہ قسطلانی رح نے نقل کئے ہیں اور اس میں زید بن اللُّصیت کا لفظ ہے اور تاریخی طور پر یہی صحیح ہے

فریق مخالف پہلے تو یہ بتائے کہ امام شیخ الاسلام ابو جعفر احمد بن سعید داؤدی رح (المتوفی ۴۰۲ھ) نے جو یہ کہا ہے کہ ایسا کوئی تھا ہی نہیں جو یہ کہتا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے تھے مگر صرف اتنا جتنا خدا نے آپ کو بتایا تھا۔ کیا امام داؤدی رح اس کہنے کے بعد مسلمان رہے یا کافر اور گستاخ ٹھہرے؟ اور نیز فریق مخالف یہ بتائے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہ خیال کہ آپ کو کل غیب کا علم ہونا چاہیئے یہ کسی صحابی کا عقیدہ تھا یا ابن لصیت منافق کا؟ اور کیا یہ عقیدہ کہ صحت نبوت اس کو مستلزم ہے کہ نبی کو کل مغیبات کا علم ہو، کسی راسخ الایمان کا عقیدہ ہے یا بے ایمان کا؟ فرمایئے علامہ قسطلانی رح نے کیا فرمایا ہے؟ مولوی احمد رضا خان صاحب نے خالص الاعتقاد ص ۳۶ میں اور مفتی احمد یار خان صاحب نے جاء الحق ص ۱۱۱ میں اور اسی طرح دیگر اہل بدعت نے امام قسطلانی رح کی غیر متعلق عبارات سے جو علم غیب کا مسئلہ کشید کیا ہے، وہ آئیں اور ہمیں اس واضح عبارت کا جواب دیں۔

ستعلم لیلی ای دین تداینت
وای غریم فی التقاضی غریمھا

مولوی محمد عمر صاحب (المتوفی ۱۳۹۱ھ) کا کمال

مولوی صاحب نے اپنی افتادِ طبع اور عادت مالوفہ اور شریفہ کے مطابق مسئلہ علم غیب پر استدلال کرتے ہوتے انتہائی دیانت کا ثبوت دے کر اپنے کمال کو چار چاند لگائے ہیں۔ وہ اثبات علم غیب پر اقوال بزرگان دین پیش کرتے ہوتے لکھتے ہیں کہ:۔

۷۔ قسطلانی ۵ ص ۲۴۰ اِنَّ صِحَّۃَ النُّبُوَّۃِ تَسْتَلْزِمُ اِطِّلَاعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی

جَمِیْعِ الْمُغَیَّبَاتِ (بے شک نبوت کی صحت مستلزم ہے کہ تمام مغیبات پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع ہو) بلفظہ انتہیٰ (مقیاس الحنفیت ص۳۸۵) آپ نے دیکھا کہ علامہ قسطلانی کیا فرما رہے ہیں اور مولوی محمد عمر صاحب عبارت میں قطع و برید کر کے کیا ثابت کر رہے ہیں۔ یہ ہے مولوی محمد عمر صاحب کی علمی دیانت، لاحول ولاقوۃ الا باللہ! اور ان کا تقریر و تحریر میں یہی وطیرہ ہے۔ حیف ہے ایسی دیانت پر اور افسوس ہے ان لوگوں پر جو مولوی محمد صاحب جیسے کو رہبر تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ شاید وہ جوشِ عقیدت میں یہ کہہ دیں:

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رح نماز کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اپنے پیچھے نمازیوں کو دیکھنے کی تحقیق کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

" بدانکہ این دیدن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم از پس وپیش بطریق خرقِ عادت بود بوحی یا بالہام وگاہ گاہے بود نہ دائم ومؤید آن است آنچہ در خبر آمدہ است کہ چوں ناقۂ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گم شدہ و در نیافت کہ کجا رفت منافقان گفتند کہ محمد میگوید کہ خبر آسمان میرسانم ونمی داند کہ ناقۂ او کجاست پس فرمود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واللہ من نمیدانم مگر آنچہ بدانا ند مرا پروردگار من اکنوں بنمود مرا پروردگار من کہ وے در جائے چنیں وچناں است ومہارے وے در شاخ درختے بند شدہ است و نیز فرمودہ است کہ من بشرم نمی دانم کہ در پسِ این دیوار چیست یعنی بے دانا نیدن حق سبحانہٗ " (اشعۃ اللمعات ج۱ ص۳۱۲)

تنبیہ — حضرت شیخ صاحب رح کا اس مقام پر یہ حوالہ بالکل صحیح پورا اور مکمل ہے۔ دیوار کے پیچھے علم نہ ہونے کی روایت پر اشعۃ اللمعات میں انہوں نے کوئی کلام نہیں کیا بلکہ اس سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔ رہا یہ کہ اس حدیث کا کوئی ثبوت بھی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ شیخ صاحب رح نے مدارج النبوۃ میں لا اصل لہ لکھ کر کیا فرمایا ہے؟ (جس پر اہلِ بدعت نے بہت لے دے کی اور بلا وجہ غل مچایا ہے دیکھئے انباء المصطفےٰ ص۵ وغیرہ) تو اس کا جواب صرف علماء دیوبند ہی پر ضروری اور لازم نہیں ہے جو جواب اہل بدعت حضرت شیخ صاحب رح کی ان دونوں عبارتوں کی تطبیق کے لیے پیش کریں گے ہماری طرف سے بھی وہی جواب تصور کرلیں۔ بعض محدثین کرام رح نے ما اعلم خلف جداری کی حدیث کو اس لیے لا اصل لہ کہا ہے کہ اس کی سند نہیں نیز یہ اس حدیث سے متعارض ہے جس میں آتا ہے کہ آپ پیچھے

بھی دیکھ لیتے تھے لیکن تذکرۃ الموضوعات صـ۸۸ وغیرہ) میں ہے کہ پیچھے دیکھنا نماز کی حالت سے مخصوص تھا اور نیز لکھتے ہیں کہ :-

وکان لہٗ عینان فی ظہرہ فیری من وراء ظہرہ لاوراء الجدار (فلا منافاۃ)	آپ کی پچھلی جانب بھی دو آنکھیں تھیں ان سے آپ دیکھتے تھے دیوار کے پیچھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافاۃ ہی نہیں ہے ۔

اس بحث کا یہ مقام نہیں ہے کہ یہ آنکھیں حسّی تھیں یا معنوی؟ اور یہ کہ محقق اور قولِ اکثر کیا ہے۔ قطع نظر اس سے تطبیق کی ایک صورت یہ بھی بیان کی گئی ہے جو ابھی مذکور ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رح امام داؤدی رح کے سابق قول کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

وما ادعاہ من النفی متعقب فان بعض من لم یرسخ فی الایمان کان یظن ذالک حتی کان یری ان صحۃ النبوۃ تستلزم اطلاع النبی صلے اللہ علیہ وسلم علی جمیع المغیبات کما وقع فی المغازی الخ (فتح الباری ج ۱۳ صـ۳۰۸)	امام داؤدی رح نے جو نفی کی ہے وہ باطل ہے کیونکہ بعض ایسے لوگ بھی تھے جن کا ایمان راسخ نہ تھا وہ یہ خیال کرتے تھے یہاں تک ان کا یہ عندیہ تھا کہ نبوت کی صحت اس کو مستلزم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کل مغیبات پر اطلاع ہو جیسا کہ مغازی میں ہے، الخ

پھر آگے وہی اونٹنی والا واقعہ بیان کیا ہے جو ہم نے علامہ قسطلانی رح اور امام ابن ہشامؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ مولوی احمد رضا خان صاحب کا کمال دیکھیے کہ وہ جمہور سلف و خلف کی تفاسیر کو چھوڑ کر حضرت مجاہد کی ایک غیر مشہور روایت کو لے کر اور اس کو قرآن بنا کر لکھتے ہیں کہ "یہاں اللہ عزوجل یہ حکم لگا رہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی سے منکر ہو وہ کافر ہے۔ وہ اللہ اور رسول سے ٹھٹھا کرتا ہے وہ کلمہ گوئی کر کے مرتد ہوتا ہے" (بلفظہٖ خالص الاعتقاد صـ۲) خان صاحب فرمائیں کہ یہ منافق جزئی غیب کا منکر تھا یا کلّی کا؟ پھر کیا یہ سابق آئمہ کرامؒ جن کا ذکر ہوا، سب کافر و مرتد ہیں یا مسلمان ہیں؟ صاف بتائیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کب اور کہاں فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی سے منکر ہو وہ کافر ہے؟ اتنا صریح مغالطہ بلکہ نرا افتراء اور بہتان بجز خان صاحب کے اور کون باندھ سکتا ہے؟ یہ خانصاحب ہی کا حوصلہ اور ہمت ہے۔

حضرات! آپ نے ملاحظہ کیا کہ قرآن کریم صحیح احادیث اور اکابرین علماء امت کے صریح ارشادات

سے یہ بات واضح سے واضح تر ہو گئی ہے کہ علمِ غیب نبوّت کے لوازم اور خواص میں سے ہرگز نہیں ہے نیز دینی اور دنیوی اُمور میں تفریع اور اجتہاد کی گنجائش اور اس میں خطا کا احتمال اور ظاہر اور باطن کا فرق اور تمام لغات اور صنائع و حرفتوں کا علم نہ ہونا وغیرہ وغیرہ سب امور باحوالہ عرض کر دیئے گئے ہیں اور جن اکابر سے یہ مسئلہ ثابت کیا گیا ہے اُن میں سے بعض وہ ہیں جن کی غیر متعلق عبارات سے فریقِ مخالف نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے مسئلہ علمِ غیب کشید کیا ہے اس لیے خصوصیت کے ساتھ ان کی عبارات کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے تاکہ اہلِ بدعت کو بھی سوچنے کا موقع مِل سکے۔ ہم نے ان کی جو عبارتیں عرض کی ہیں وہ اپنے مفہوم میں بالکل نصِ صریح ہیں اب ہم اس باب کو یہیں ختم کرتے ہیں اگرچہ ؎

راہروان را خستگیٔ راہ نیست
عشق ہم راہ ہست و ہم خود منزل است

باب چہارم

قرآن کریم اور صحیح احادیث میں جہاں کہیں اس کا ذکر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ یا لَا اَدْرِیْ وغیرہ تو فریقِ مخالف کی طرف سے (جن میں فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت اور مجدد مائۃ حاضرہ مولوی احمد رضا خان صاحب، مولوی حشمت علی خان صاحب، مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی، مولوی محمد صالح صاحب، مولوی محمد عظیم صاحب، مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ سب شامل ہیں) یہ مغالطہ عامۃ الورود پیش کیا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں ذاتی طور پر غیب نہیں جانتا۔ میں مستقل طور پر علمِ غیب نہیں رکھتا۔ بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علمِ غیب عطا ہوا ہے اور ہم ذاتی علمِ غیب کے قائل نہیں ہیں بلکہ عطائی علم غیب کے قائل ہیں اور چونکہ خداوند کریم کی صفت عطائی نہیں بلکہ ذاتی ہے اس لیے عطائی طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے علم غیب کی صفت ثابت کرنا ہرگز شرک نہیں اور نہ خاصہ خداوندی میں شرکت لازم آتی ہے۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"ہم نہ علمِ الٰہی سے مساوات مانیں نہ غیر کے لیے علم بالذّات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع" (خالص الاعتقاد ص۲۳)

اور خان صاحب کے نزدیک بعض علم کیا ہے جو عطائی طور پر آپ کو ملا ہے۔ تمام ماکان وما یکون الیٰ یوم القیامۃ کا علم حاصل تھا۔ اور ابتدائے آفرینشِ عالم سے لے کر جنت و نار کے داخلہ تک کا کوئی ذرّہ حضورؐ کے علم سے باہر نہیں۔ (انباء المصطفےٰ ص۴ ملخصاً) اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی اس علم عطائی کی بحث میں لکھتے ہیں کہ "تمام ممکنات حاضرہ وغائبہ کا علم عطا فرما دیا گیا" (الکلمۃ العلیاء ص۳)

اور مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"اسی طرح حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ خدا ہی جانے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، یا مجھے کیا معلوم وغیرہ کا فی

نہیں کہ یہ کلمات کبھی علمِ ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لیے ہوتے ہیں،

(۴) جس کے لیے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہو اور قیامت تک کا ہو، ورنہ کل صفاتِ الٰہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعوےٰ نہیں کرتے۔ (بلفظہٖ جاء الحق ص ۹)

اور مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ :-

" باقی رہا ارشادِ الٰہی وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ فرما دیجئے یا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ میں غیب نہیں جانتا آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات اس واسطے کہلوائے کہ کوئی کج طبع آپ کے علمِ غیب ذاتی کا معتقد نہ ہو جائے، کیونکہ شئے کا مدعی وہی ہو سکتا ہے جس کی ملکیت ذاتی ہو" (بلفظہٖ مقیاس ص ۲۷)

ان جملہ عبارات کو سامنے رکھ کر ہم فریقِ مخالف سے دریافت کرتے ہیں کہ :-

(۱) کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنا وجودِ مبارک ذاتی تھا؟ اگر ذاتی نہ تھا بلکہ عطائی تھا تو آپ نے علمِ غیب کی طرح اپنے وجود کا کیوں انکار نہ فرمایا؟ یہ کیوں نہ ارشاد فرمایا کہ لَسْتُ بِمَوْجُوْدٍ۔ یعنی میں موجود نہیں ہوں ؟

(۲) اور کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت ذاتی تھی یا خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی تھی؟ اگر ذاتی نہ تھی اور یقیناً نہ تھی تو آپ نے اپنی نبوت اور رسالت کا انکار کیوں نہ کر دیا؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ کیونکہ بقول مولوی محمد عمر صاحب شئے کا مدعی وہی ہو سکتا ہے جس کی ملکیت ذاتی ہو۔

(۳) اور کیا قرآنِ کریم آپ کو ذاتی طور پر حاصل ہوا تھا یا خدا تعالیٰ کا عطیہ تھا؟ اگر ذاتی طور پر حاصل نہ ہوا تھا اور حقیقت بھی یہی ہے تو آپ نے علمِ قرآن کی نفی کیوں نہ کی؟ اور یہ کیوں نہ فرمایا کہ مجھے قرآنِ کریم نہیں ملا؟ معاذ اللہ تعالیٰ۔

(۴) اور کیا آپ کو احادیث اور احکامِ شریعت کا علم ذاتی طور پر حاصل ہوا تھا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو آپ نے اس کی نفی کیوں نہ کی؟ وجہِ فرق بالکل بیّن ہونی چاہیئے۔

(۵) اور کیا جب موصوف خود عطائی ہو تو اس کی کسی صفت کے ذاتی ہونے کا احتمال ناشئ عن دلیل ہو سکتا ہے۔ جب اس کا احتمال ہی نہیں تو ذاتی اور عطائی کا فرق بے کار ہوا۔ کیونکہ علمِ ذاتی باجماعِ مسلمین اور باتفاقِ فریقین ایک ذرہ کا بھی کسی کو نہیں ہو سکتا تو پھر اس کا درمیان میں لانا کیونکر صحیح ہوا؟

(۶) اور اگر ایک شخص یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر الٰہ اور خالقِ کائنات تسلیم کرتا ہوں مگر

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطائی طور پر الٰہ اور خالقِ کائنات مانتا ہوں تو کیا وہ مسلمان رہے گا؟ اور اگر رہے گا تو کس دلیل سے؟ اور اگر وہ مسلمان نہیں تو فرمایئے کہ اس بیچارے نے خدا تعالیٰ کا ذاتی خاصہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تو تسلیم نہیں کیا، پھر وہ کافر کیسے ہوا؟

(۷) اگر ایک شخص کہتا ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو مستقل اور تشریعی نبی مانتا ہوں مگر مرزا غلام احمد قادیانی کو (جو درحقیقت ثلاثون کذابون دجالون کی مد میں ہے) بالتبع اور غیر تشریعی نبی مانتا ہوں، اور یہ کہتا ہوں کہ اس کی نبوت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا فیض اور ظل ہے کیا ایسا شخص مسلمان رہے گا یا نہیں؟ اس کا جواب فریقِ مخالف کو سوچ کر بتانا ہوگا کہ حق کا ساتھ دینا ہے یا صدائے باطل ہی بلند کرنی ہے: ؎

اِس چمن میں پیروِ بلبل ہو یا تلمیذِ گُل
یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

باقی جن بعض اکابر کی عبارات میں ذاتی اور عطائی وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں تو اُن کا مقصد ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذاتی طور پر اور بالاستقلال تو کل غیوب کو نہیں جانتے مگر عطائی اور غیر مستقل طور پر کل مغیبات کو جانتے ہیں بلکہ انہوں نے اپنی سمجھ کے مطابق منفی اور مثبت آیات اور احادیث کے درمیان تطبیق کی یہ صورت پیدا کی کہ نفی جو تمام کلیات اور محیط تفصیلی کے ساتھ متعلق ہے، ذاتی علم کی ہے اور اثبات جو صرف اخبارِ غیب انباءِ غیب اور جزئیات سے متعلق ہے وہ عطائی علم کے ساتھ وابستہ ہے حالانکہ اس مقام پر ذاتی اور عطائی سے صرفِ نظر کرتے ہوئے بھی صرف کلی اور جزئی یا علمِ غیب اور انباءِ غیب یا محیط تفصیلی اور بعض بعض خبروں کے علم کا فرق ملحوظ رکھ کر تطبیق دی جا سکتی ہے اور محققین علماء نے اسی طرح تطبیق دی ہے جیسا کہ اس کتاب کو پڑھنے والے حضرات بخوبی اس سے آگاہ ہوں گے، چنانچہ بیشتر وہ حضرات جو ذاتی اور عطائی کی قیود کو ملحوظ رکھتے ہیں وہ صاف طور پر یہ لکھتے ہیں کہ علمِ غیب صرف خاصۂ خداوندی ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب حاصل نہ تھا جن کے اکثر حوالے ہم نے بابِ سابق میں باحوالہ درج کر دیے ہیں اندریں حالات یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ وہ عطائی طور پر کل مغیبات کے علم کے قائل ہیں اور فریقِ مخالف کو بھی اس کا اقرار ہے کہ باری تعالیٰ کے محیط علمِ تفصیلی پر مخلوق کا احاطہ محال ہے۔ چنانچہ خود مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"ہم قاہر دلیلیں قائم کر چکے کہ علم مخلوق کا جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہونا عقل و شرع دونوں کی رُو سے یقیناً محال ہے" (خالص الاعتقاد ص۲۳)

مگر خان صاحب کا یہ عقیدہ بھی قطعاً اور سراسر باطل ہے کہ ابتدائے آفرینش سے تا دخولِ جنت و نار سب واقعات کا علم جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھا کیونکہ اس عقیدہ کی رُو سے بے شمار نصوص قطعیہ کا انکار لازم آتا ہے اور ایک نصِ قطعی کا انکار بھی موجبِ کفر ہے چہ جائیکہ بے شمار نصوصِ قطعیہ کا، اور آپ اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ اس باطل نظریہ کی تردید متعدد نصوصِ قطعیہ سے ملاحظہ فرمائیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

دیگر اہل بدعت سے عموماً اور مولوی احمد رضا خان صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب سے خصوصاً یہ پوچھئے کہ آپ نے جو یہ کہا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کل صفاتِ الٰہیہ کا بھی علم نہیں اور بعد قیامت کے تمام واقعات کا علم بھی نہیں ہے، کیا اس لاعلمی میں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین اور تنقیص شان تو نہیں؟ محبوب خدا کی ذات اور پھر یہ لاعلمی؟ بات کیا کہہ دی؟ ذرا سوچ کر اور ہوش میں آکر جواب دینا کہ اس کا کیا داعیہ پیش آیا؟ یا کیا اس مفروض توہین و تنقیص کے، علماء دیوبند ہی مرتکب ہو کر کافر ہیں جو نصوصِ قطعیہ کی بنا پر بعض بعض امُور سے آپ کی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں (مگر یہ سب کچھ وہ قرآن وسنت سے وابستگی اور اسلام کی والہانہ محبت کی وجہ سے کرتے ہیں اور وہ اعلانیہ صحیح طور پر گامزن ہیں جس کے تم صرف مدعی ہو۔) سنبھل کر بتانا ہوگا۔ دیکھئے کیا جواب ارشاد ہوتا ہے ؎

چھیڑو نہ مجھ کو دورِ حوادث کی آندھیو!
رہنے بھی دو وطن میں کہ خاکِ وطن ہوں میں

مگر ان تمام امور سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ کیا قرآنِ کریم، صحیح احادیث اور معتبر اور مستند علماء امت کے اقوال سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلی طور پر علم غیب کے عطائی علم کا ثبوت ملتا ہے یا اس کی نفی ہوتی ہے، اختصار کے ساتھ بعض دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں :-

---

قرآن کی پہلی آیت

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ (پ ۲۳ - یٰسین - رکوع ۴)

اور ہم نے اُس (یعنی جناب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو شعر کہنا نہیں سکھایا، اور یہ اُن کے لائق بھی نہیں ہے۔ یہ تو خالص نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف اور روشن۔

اس نصِ قطعی سے یہ بات بالکل آشکارا ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر کی تعلیم عطا ہی نہیں کی اور جب اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس کی تعلیم نہیں دی، تو اور کہاں سے یہ تعلیم عطا ہوئی یا ہوسکتی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے اس کو بھی بالکل بے نقاب کردیا ہے کہ شعر کی تعلیم آپ کی بلند اور رفیع شان کے لائق ہی نہیں ہے، کیونکہ آپ حقیقت کے ترجمان تھے اور آپ کی بعثت کا مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے بدون ادنیٰ ترین کذب وغلو کے روشناس کرنا تھا ظاہر ہے کہ یہ کام ایک شاعر کا نہیں ہوسکتا، کیونکہ شاعریت کا حسن وکمال کذب ومبالغہ، خیالی بلند پروازی اور فرضی نکتہ آفرینی کے سوا کچھ نہیں، اور آپ کو جو قرآن کریم دیا گیا وہ کوئی شاعرانہ تخیلات نہیں، وہ تو نصیحتوں اور روشن تعلیمات سے معمور ہے، کوئی شعر وشاعری کا دیوان نہیں دیا۔ جس میں نری طبع آزمائی اور خیالی تک بندیاں ہوں بلکہ آپ کی طبع مبارک کو فطری طور پر فن شاعری سے اتنا بعید رکھا گیا کہ باوجود قریش کے اُس اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کے جس کی معمولی لونڈیاں بھی اُس وقت شعر کہنے کا طبعی سلیقہ رکھتی تھیں آپ نے مدت العمر کوئی شعر نہیں بنایا۔ یوں رجز وغیرہ کے طور پر مقفیٰ عبارت آپ کی زبانِ مبارک سے کہیں نکلی تو اور بات ہے، اُسے شعر وشاعری سے مطلقاً کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ :۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ؕ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ۙ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الآية (پ ۱۹ - الشعراء - ع ۱۰)

اور شاعروں کی اتّباع وہی لوگ کرتے ہیں جو گمراہ ہوتے ہیں۔ آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سرمارتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے۔

مطلب یہ ہے کہ شاعری کی باتیں اکثر محض تخیلات ہوتی ہیں، تحقیق اور واقعیت سے ان کا کوئی

لگاؤ نہیں ہوتا، اس لیے شعراء کی باتوں سے بجز گرمیٔ محفل یا وقتی جوش اور واہ واہ کے کسی کو مستقل ہدایت حاصل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی باتوں پر چلنے والے کجرو اور گمراہ قسم کے لوگ ہوتے ہیں، اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرامؓ ان بلند اخلاق کے مالک ہیں جن کی نظیر ملنی دشوار ہے، اور جن کی نیکی اور پرہیزگاری کی مثال چراغ لے کر ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی۔ پھر شاعر کسی کلام کو پکڑتے ہیں تو اس کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں، کسی کی تعریف کرتے ہیں تو اس کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں اور جب مذمت اور ہجو کرتے ہیں تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دیتے ہیں۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ غرض جھوٹ، مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے پھر مڑ کر نہیں دیکھا اس لیے شعر کی نسبت مشہور ہے ع

چوں اکذب اوست احسن او

جب ان کے شعر پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ رستم سے زیادہ بہادر اور شیر سے زیادہ دلیر ہیں۔ جاکر ملو تو پورے درجہ کے نامرد اور ڈرپوک۔ اخلاقی سبق پیش کریں گے تو حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت شبلیؒ بھی بھول جائیں گے۔ جاکر دیکھو تو اعمال و اخلاق کا آئینہ بالکل خالی، اور بڑے بڑے مسلم شاعر بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ع

گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا

ہاں مگر اللہ تعالیٰ کے وہ نیک بندے جو ایمان اور اعمال صالحہ کے لباس سے مزین ہوں، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ۔ اور انہی حضرات کے اشعار کے متعلق إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَة اور حسنہ، حسن کے ارشادات وارد ہوئے ہیں جو شریعت کی حد بندی میں رہ کر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بالکل حقیقت اور نفس الامر کے مطابق حقائق کو نظم میں پیش کرتے ہیں اور اس کے جائز اور درست ہونے کا کوئی انکار بھی نہیں کرتا۔ مگر ؎

چشم بینا تو پہلے کر پیدا
پھر یہ کہنا کہ کوہِ طور نہیں

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چند صحیح حدیثیں بھی شعر و شاعری سے متعلق سن لیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

لان یمتلئ جوف رجل قیحا یریه خیر من ان یمتلئ شعرا (بخاری ج۲ ص۹۰۹ ومسلم ج۲ ص۲۴۰ وادب المفرد ص۱۲۶ وسنن الکبریٰ ج۱۰ ص۲۴۴ ومسند احمد ج۲ ص۳۹۱ وغیرہ)

البتہ یہ کہ کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے جو اس کو بالکل فاسد اور برباد کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے پیٹ اور سینہ کو شعر سے پُر کرے۔

(۲) حضرت ابوسعید الخدریؓ (المتوفی ۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے جب مقام عرج پر پہنچے تو ایک شاعر نے کچھ اشعار پڑھے۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خذوا الشیطان لان یمتلئ جوف رجل قیحا خیر له من ان یمتلئ شعرا (مسلم ج۲ ص۲۴۰، مشکوٰۃ ج۲ ص۴۱۱ وسنن الکبریٰ ج۱۰ ص۲۴۴ وغیرہ)

تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شیطان کو پکڑو یہ کہ تم میں سے کسی کا سینہ پیپ سے بھر جائے، بہتر ہے اس سے کہ وہ شعر سے پُر ہو۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ (المتوفی ۷۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

لان یمتلئ جوف احدکم قیحا خیر له من ان یمتلئ شعرا قال اللہ عز وجل اَلشُّعَرَاءُ یتبعهم الغاوٗن۔ (بخاری ج۲ ص۹۰۹، ادب المفرد ص۱۲۶ ومسند احمد ج۲ ص۳۹)

تم میں سے کسی کا سینہ پیپ سے بھر جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے پُر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شاعروں کی اتباع وہی لوگ کرتے ہیں جو کج رو اور گمراہ ہوتے ہیں۔

(۴) اسی مضمون کی انہی الفاظ سے روایت حضرت سعدؓ (المتوفی ۵۵ھ) سے بھی مرفوعاً مروی ہے (مسلم ۲ ص۲۴۰)

(۵) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص (المتوفی ۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ما ابالی ما اتیت ان انا شربت تریاقاً او تعلقت تمیمةً او قلت الشعر من قبل نفسی (ابو داؤد ج۲ ص۱۸۴ ومشکوٰۃ ج۲ ص۳۸۹)

یعنی میرے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں کہ میں تریاق استعمال کروں یا شرکیہ تعویذ گلے میں لٹکاؤں یا اپنی طرف سے شعر بنا کر کہوں (ان سب کا گناہ ایک ہی ہے)

اگر جائز ادویہ سے تریاق تیار ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ حرمت اس صورت میں ہے جب کہ:۔

لاجل ما یقع فیہ من لحوم الافاعی والخمر وغیرھا من المحرمات (حاشیہ مشکوٰۃ ج۲ ص۳۸۹ وتعلیق المحمود ج۲ ص۱۸۴)

اس میں سانپ کا گوشت، شراب اور اسی قسم کی دوسری حرام اشیاء ڈالی گئی ہوں۔

اسی طرح جائز قسم کے تعویذات لکھنے اور گلے میں لٹکانے درست ہیں۔ ہاں البتہ شرکیہ قسم کے تعویذات ہرگز جائز نہیں ہیں اور تعویذات پر اجرت بھی لی جاسکتی ہے جیسا کہ راقم الحروف نے المنہاج الواضح میں باحوالہ تصریح کی ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جس طرح حرام قسم کا تریاق اور شرکیہ تعویذات جائز نہیں اسی طرح جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اشعار بنانا بھی حرام ہے۔ اسی حدیث کی شرح حضرت ملا علی بن القاری نے اس کے حرام ہونے کی صاف تصریح کی ہے

(۶) حضرت ابو نوفل فرماتے ہیں کہ :-

سألت عائشۃ ھل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسائع عندہ الشعر؟ فقالت کان ابغض الحدیث الیہ (رواہ احمد ابن کثیر ج۴ ص۵۸۰ وسنن الکبریٰ ج ۱۰ ص۲۴۵ وطیالسی ص۲۰۹)

میں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر سے کوئی لگاؤ تھا؟ تو وہ فرمانے لگیں کہ شعر آپ کو سب باتوں سے زیادہ ناپسند تھا۔

اور حضرت عائشہ رضؓ ہی سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی طرفہ کا شعر ویاتیك بالاخبار من لم تزود پڑھا کرتے تھے۔ لیکن

فیجعل اوّلہ اٰخرہ واٰخرہ اوّلہ فقال ابوبکرؓ لیس ھٰذا ھکذا یارسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی واللہ ما انا بشاعر وما ینبغی لی (رواہ ابن ابی حاتم وابن جریر وھٰذا لفظہ ابن کثیر ج۳ ص۵۷۹)

آپ الٹ پلٹ کر کے مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر کے پڑھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ یہ شعر یوں نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں شاعر نہیں ہوں اور نہ یہ میری شان کے لائق ہے۔

حضرت عبدالرحمٰنؒ بن ابی الزنادؒ (المتوفی ۱۷۴ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عباسؓ بن مرداس کا ایک شعر الٹ پلٹ پڑھا تو حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا :-

بابی انت وامی یارسول اللہ ما انت بشاعر ولا راویہ ولا ینبغی لك (درمنثور ج۵ ص۲۶۸)

اے اللہ تعالیٰ کے رسول آپ پر میرا ماں باپ قربان ہوں نہ تو آپ شاعر ہیں نہ شعر کے راوی ہیں اور نہ آپ کے لیے یہ سزاوار ہے۔

اور حضرت حسن بصری رہ (المتوفی ۱۱۰ھ) کی روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شعر الٹ پلٹ پڑھا تو حضرت صدیق اکبر رضؓ یا حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ :-

اشهد انك رسول الله يقول تعالیٰ ماعلّمناه الشعر وما ينبغي له (ابن کثیر ج ۳ ص ۵۷۸ ومعالم التنزیل ج ۳ ص ۲۰۶)

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر کا علم نہیں دیا اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق ہے۔

رئیس المحدثین والمفسرین فی عصرہ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

يقول الله عزوجل مخبرا عن نبيه محمد صلى الله عليه وسلم انه ماعلّمه الشعر وما ينبغي له اى ماهو فى طبعه فلا يحسنه ولا يحبه ولا تقتضيه جبلّته ولهذا ورد انه صلى الله عليه وسلم كان لا يحفظ بيتا على وزن منتظم بل ان انشده زحفه اولم يتمه۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۷۸)

اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو شعر کا علم نہیں دیا اور نہ وہ ان کے لیے مناسب ہے یعنی وہ آپ کی طبیعت کے موافق ہی نہیں اس لیے نہ تو وہ آپ کو پسند ہے اور نہ آپ کی فطرت اس کی مقتضی ہے اور اسی ہی لیے وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ٹھیک وزن پر ایک شعر بھی محفوظ نہ تھا بلکہ آپ اگر پڑھتے تو یا اس کا کچھ گرا دیتے یا ناتمام پڑھتے تھے۔

علامہ علیؒ بن محمد الخازن رحمہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

اى مايسهل له ذالك وما يصلح منه بحيث لواراد نظم شعر لم يتات له ذلك كما جعلناه اميا لا يكتب ولا يحسب لتكون الحجة اثبت و الشبهة ادحض قال العلماء ماكان يتزن له بيت شعروان تمثل ببيت شعر جرٰى على لسانه منكسرا۔ (خازن ج ۶ ص ۱۵)

یعنی نہ تو آپ کے لیے شعر سہل ہے اور نہ آپ سے بنتا ہے بایں طور کہ اگر آپ ایک شعر نظم کرنا چاہیں تو آپ سے یہ نہیں ہو سکتا ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ہم نے آپ کو اُمّی بنایا ہے نہ تو آپ لکھ سکتے ہیں اور نہ حساب کر سکتے ہیں اور یہ اس لیے کہ حجت پوری مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جائے اور شک و شبہ کے لیے گنجائش نہ رہے۔ علماء کرام نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی شعر موزوں نہ ہوتا تھا اور اگر کسی کا کوئی شعر کبھی پڑھا تو بے وزن ہو کر آپ کی زبان سے جاری ہوا۔

اور علامہ ابو محمد حسینؒ بن محمودؒ البغوی (المتوفی ۵۱۶ھ) نے بھی اس موقع پر یہی مضمون کچھ اختصار کے ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔ (دیکھئے معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۰۶)

اور علامہ نسفی الحنفی رحمہ لکھتے ہیں کہ:۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ۔ ای وما علمنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قول الشعراء او وما علمنا بتعلیم القران الشعر علی معنی ان القران لیس بشعر (مدارک ج ۴ ص ۱۱)

اور ہم نے نہیں سکھایا ان کو شعر یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعراء کے قول کا علم نہیں عطا کیا، یا یہ کہ ہم نے قرآن کی تعلیم سے شعر کی تعلیم نہیں دی اس معنی کر کے کہ قرآن شعر نہیں ہے۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیات اور یہ تمام احادیث اور روایات اور تفاسیر اس بات کی واضح ترین دلیل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر و شاعری سے کوئی لگاؤ اور تعلق نہ تھا اور نہ یہ آپ کی شانِ رفیع کے لائق اور مناسب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر و شاعری کی تعلیم ہی نہیں دی اور نہ اس کا علم عطا کیا ہے اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر کا علم عطائی طور پر بھی نہیں دیا گیا تھا۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب (المتوفی ۲۳ھ) نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت نعمانؓ بن عدیؓ بن نضلہ کو صوبہ بصرہ کے ضلع میسان کا عامل مقرر کیا۔ انھوں نے وہاں شاعرانہ تخیلات کی بنا پر بے ساختہ کچھ اشعار کہہ دیئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا ؎

اَلَا ھَلْ اَتَی الحسناء ان خلیلھا ۔۔۔ بمیسان یُسقٰی فی زِجاجٍ وحنتمِ

"کیا خوبرو عورت کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اس کا رفیقِ حیات میسان میں شیشے کے گلاسوں اور سبز رنگ کی صراحیوں میں شراب پلایا جا رہا ہے"

حضرت عمرؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے فوری طور پر ان کو معزول کر دیا۔ جب نعمانؓ مدینہ طیبہ آئے تو حضرت عمرؓ سے کہا۔ حضرت بخدا میں نے کبھی شراب نہیں پی۔ بات یہ ہے کہ بے ساختہ میری زبان سے یہ شعر نکل گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

اظن ذالك ولكن والله لا تعمل لی عملاً ابدًا وقد قلت ما قلت (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۵۴)

میرا بھی یہی گمان ہے لیکن واللہ تجھے اس قول کے بعد کبھی بھی عامل اور افسر نہیں بنایا جائے گا۔

ان اشعار کی وجہ سے ان کی معزولی کا ذکر علامہ ذہبیؒ وغیرہ نے بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو تجرید اسماء الصحابہؓ ج ۲ ص ۱۱۷ و استیعاب ج ۳ ص ۵۱۵ و اصابہ ج ۳ ص ۵۳۳)

سبحان اللہ تعالیٰ! ایک وہ مبارک وقت تھا کہ زبانی طور پر شراب نوشی کا ادعاء کرنے والے افسر بھی فوراً معزول کر دیئے جاتے تھے مگر آج ہر وقت شراب میں مخمور رہنے والوں کو بھی کوئی نہیں پوچھتا ؎

کس بنی پر سد کہ بھیا کون ہو | سیر ہو یا پاؤ ہو یا پون ہو

فریقِ مخالف کے جوابات اور ان کا پس منظر

فریقِ مخالف کی طرف سے قرآنِ کریم کی اس آیت کی جو بے تاویل (یا تحریف) کی گئی ہے، وہ بھی ملاحظہ کر لیجئے اور ساتھ ہی ساتھ اس کا جواب بھی دیکھ لیجئے۔ مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنی متعدد کتابوں میں اس آیت کے متعلق یہ لکھا ہے کہ: اس میں ملکۂ شعر کی نفی کی گئی ہے اور مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنے رسول کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں دیا۔ اور مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ کہا کہ اس آیت میں منطقی شعر مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے رسول کو قیاس شعری نہیں سکھایا جو مقدمات مخیلہ اور قضایا کاذبہ سے مرکب ہوتا ہے مگر ظاہر ہے کہ ان دونوں تاویلوں سے ہمارے استدلال پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ شعر سے خواہ ملکۂ شاعری مراد ہو یا شعر منطقی دونوں چیزیں ماکان و مایکون میں داخل ہیں اور جب ان میں سے کسی ایک کی نفی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہو گئی تو جمیع ماکان و مایکون کا دعوے باطل ہو گیا اور فریقِ مخالف کی کُلّی ٹوٹ گئی ؎

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

مولوی حشمت علی صاحب وغیرہ نے پینترا بدل کر یہ دعوے کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شعر کہنا ثابت ہے۔ آپ نے غزوۂ حنین میں فرمایا تھا ؎

انا النّبی لا کذب | انا ابن عبد المطلب

اور اسی طرح آتا ہے کہ آپ نے فرمایا ؎

ھل انت الا اصبع دمیت | وفی سبیل اللّٰہ مالقیت | وغیرہ

الجواب | آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ مقفّی کلمات جو صادر ہوئے ہیں، یہ شعر نہیں بلکہ رجز ہیں اور قرآن کریم میں نفی شعر و شاعری کی ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

واختلف اھل العروض والادب فی الرّجز ھل ھو شعر ام لا؟ واتفقوا علیٰ ان الشّعر لا یکون شعرًا الا بالقصد اما اذا جری کلام موزون بغیر قصد فلا یکون شعرًا وعلیہ	اہلِ عروض اور ادب کا رجز کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا وہ شعر ہے یا نہیں؟ اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ شعر اس وقت تک شعر نہیں کہلائے گا جب تک اس میں قصد اور ارادہ نہ ہو۔ اگر کسی وقت بغیر قصد کے کوئی کلام موزوں زبان پر جاری ہو

يحمل ماجاء عن النبي صلى الله عليه وسلم من ذالك لان الشعر حرام عليه صلى الله عليه وسلم (نووی ج۱۷ ص۱۶۰)	گیا تو وہ شعر نہیں ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو ثابت ہے اس کا بھی یہی محمل ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر شعر کہنا حرام ہے۔

لیجئے مولوی حشمت علی خان صاحب اس کا ثبوت پیش کرتے ہیں اور امام نووی رح اس کی حرمت۔ بات کس کی قابل قبول ہوگی؟ اور دلائل کس کا ساتھ دیتے ہیں ؎

دیکھئے جب ساتھ دے تقدیر بھی
راہ پر اس بت کو ہم لاتے تو ہیں

اور دوسرے مقام پر امام نووی رح لکھتے ہیں جس کا مفہوم اور خلاصہ ہماری عبارت میں یوں ہے کہ شعر وہ ہے جس میں قصد اور ارادہ کار فرما ہو اور انسان اس کو موزون پیش کرے اور قافیہ بندی کا پورا خیال رکھے۔ عام لوگوں کی زبان پر موزون الفاظ جاری ہو جاتے ہیں، لیکن نہ ان کو شعر کہا جاتا ہے اور نہ بولنے والے کو شاعر۔ ایک قوم کا جن میں خلیل رح (المتوفی ۱۷۴ھ) کے بعد فن عروض کا امام علامہ اخفش رح (المتوفی ۲۱۵ھ) بھی شامل ہے۔ یہ خیال ہے کہ مشطور رجز اور منہوک (فن عروض کی اصطلاحیں ہیں) شعر نہیں ہوتا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم، اور نیز فرمایا۔ هل انت الا اصبع دميت ۔ وفي سبيل الله مالقيت اور نیز فرمایا۔ انا النبي لا كذب ۔ انا ابن عبد المطلب وغیرہ۔ ابن قطاع رح اپنی کتاب الشافی فی علم القوافی ص۱۳ میں کہتے ہیں کہ اخفش رح وغیرہ کا صرف اتنا کہنا ہی کافی نہیں، کیونکہ شاعر کے لیے چند شرطیں ہیں مثلاً یہ کہ وہ کلام موزون قافیہ بندی کے طور پر اس فن سے واقف ہوتے ہوئے قصداً اور ارادتاً پیش کرے اور اگر ایسا نہ ہو تو کلام شعر نہیں ہوگا۔ اور قائل شاعر نہیں کہلائے گا۔ کیونکہ اگر کوئی شخص صرف عرب کے طریقہ کے مطابق موزون کلام کہے، بغیر قصد سے یا کہے تو ارادتاً مگر قافیہ بندی نہ ہو تو نہ یہ شعر ہوگا اور نہ قائل شاعر ہوگا۔ باجماع العلماء والشعراء تمام علماء اور شعراء کا اس پر اتفاق ہے (نووی ج۲ ص۱۰۰ و ص۱۰۱)

امام نووی رح وغیرہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ فن عروض کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ عروض کی درسی کتاب محیط الدائرہ ص۱ میں شعر کی یہ تعریف کی ہے کہ:-

"الشعر كلام يقصد به الوزن والتقفية :	شعر وہ کلام ہے جس میں وزن اور قافیہ بندی کا قصد کیا جائے

اور پھر آگے یقصد بہ الوزن کی قید کا فائدہ بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ جس کلام کا وزن اتفاقی ہو جیسا کہ قرآن کریم کی بعض آیات مثلاً لن تنالوا البر الآیۃ وغیرہ تو ان کو شعر نہیں کہا جائے گا۔ پھر آگے لکھا ہے :۔

ومثل ذالك لا یسمی شعرًا لان الوزن فیہ غیر مقصود

اور اس قسم کے کلام کو شعر نہیں کہتے، کیونکہ اس میں وزن (اتفاقی طور پر آگیا ہے) مقصود نہیں ہے۔

اور فن عروض کے مشہور امام علامہ السید محمد الدمنہوری رح لکھتے ہیں۔

وقولنا قصدًا یخرج ماکان وزنہ اتفاقیا ای لم یقصد وزنہ فلایکون شعرًا کآیات شریفۃ اتفق وزنہا ای لم یقصد وزنہا بل قصد کونہا قرآنا وذکرًا کقولہ تعالیٰ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ فانہا علیٰ وزن مجزوء الرمل المسبغ فلاتکون شعرًا لاستحالۃ الشعریۃ علی القرآن قال اللہ تعالیٰ ان ھو الا ذکر وقرآن مبین وککلمات نبویۃ اتفق وزنہا ای لم یقصد وزنہا بل قصد کونہا ذکرًا مثلا کقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ مالقیت۔ فانہ علیٰ وزن الرجز المقطوع فلایکون شعرًا قال اللہ تعالیٰ وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ وکذا لایکون شعرا لو وقع من متکلم لفظ موزون لم یقصد کونہ علیٰ طریقۃ الموزون کما یتفق لکثیر من الناس ویقع مثل ذالک حتی العوام لاشعور لھم بالشعر ولا المام

اور قصدًا کی قید سے وہ کلام شعر سے خارج ہوگیا جس میں وزن مقصود نہ ہو بلکہ محض اتفاقی ہو جیسے قرآن کی آیتیں جن میں وزن مقصود نہیں بلکہ مقصود تو صرف یہ ہے کہ وہ قرآن ذکر اور نصیحت کا ذریعہ ہے، جیسے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ الآیۃ اس کا وزن رمل مسبغ کے مجزو پر ہے لیکن اتفاقی ہے اس لیے شعر نہ ہوگا کیونکہ قرآن کریم پر شعر کا اطلاق محال ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم تو صرف نصیحت اور صاف روشن قرآن ہے اور جیسے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے نکلے ہوئے مرکب کلمات جن میں وزن محض اتفاقی ہے اور ان میں وزن کا ہرگز قصد نہیں کیا گیا بلکہ مقصود تو صرف پند و نصیحت ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ھل انت الا اصبع دمیت۔ وفی سبیل اللہ مالقیت اگرچہ اس کا وزن رجز مقطوع پر ہے مگر شعر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر کا علم نہیں دیا اور نہ یہ آپ کے لائق ہے، وہ تو صرف ذکر اور روشن قرآن ہے اور اسی طرح وہ کلام بھی شعر نہیں ہوگا۔ جو بغیر قصد کے کسی متکلم سے موزون صادر ہو جیسا کہ بہت لوگوں سے حتیٰ کہ عوام الناس سے بھی بسا اوقات ایسا موزوں کلام صادر

لم یالوزن البتۃ ۔ ہوجاتا ہے حالانکہ اُن کو شعر کا شعور تک نہیں ہوتا اور نہ ان
(ارشاد الشافی علی متن الکافی ص۱۳) کو وزن سے لگاؤ ہوتا ہے لہٰذا وہ بھی شعر نہ ہوگا۔

ان تمام عبارات سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نہ تو قرآن کریم کی کسی آیت پر شعر کا اطلاق صحیح ہے اور نہ مرکبات نبویہ (علی صاحبہا الف الف تحیۃ) پر۔ پہلے تو رجز اور شعر میں فرق ہے، پھر محض اتفاقی طور پر علم عروض کے کسی وزن پر کسی کلام کے مطابق ہونے سے شعر نہیں کہلاتا۔ یہی وجہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدت العمر کوئی شعر نہیں بنایا۔ رہی امام بیہقی رح کی وہ روایت جس میں یہ آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، آپ نے ساری زندگی میں صرف ایک شعر بنایا تھا۔ تفاءل بما تہوی الخ تو حافظ ابن کثیر رح نے اپنے اُستاد محترم جبل حفظا مین حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، علامہ الحافظ ابو الحجاج المزی الشافعی رح (المتوفی ۷۴۲ھ) سے نقل کر دیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اور اس میں دو راوی مجہول ہیں (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص۵۷۹) لہٰذا منکر اور غیر ثابت روایت سے نص قطعی کا کیا مقابلہ؟ اور کیا تقابل؟

الغرض گو عمدہ قسم کے اشعار حکمت اور دانائی سے مملو ہوتے ہیں مگر مجموعی لحاظ سے اشعار میں بہت سی قباحتیں بھی ہیں۔ علامہ ابن خلدون رح نے امام ابن رشیق رح (المتوفی ۴۶۳ھ) سے کیا خوب نقل کیا ہے جس میں فن شاعری کا اجمالی خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ؎

لعن اللّٰہ صنعۃ الشعر ماذا ۔۔۔ من صنوف الجُہّال منہ لقینا

اللہ تعالیٰ صناعتِ شعر پر لعنت کرے، اس کی وجہ سے ہمارا کیسے کیسے جاہلوں سے سابقہ پڑتا ہے

یُؤثرون الغریب منہ علیٰ ما ۔۔۔ کان سہلاً للسامعین مُبینا

شاعر غریب الفاظ کو ایسے سلیس الفاظ پر ترجیح دیتے ہیں جو سامعین کے سامنے واضح ہوتے ہیں

ویرون المُحال معنیً صحیحا ۔۔۔ وخسیس الکلام شیئاً ثمینا

اور جھوٹ کو ایک صحیح معنی سمجھتے ہیں۔ اور گھٹیا قسم کے کلام کو قیمتی سمجھتے ہیں (مقدمہ ابن خلدون ص۵۷۶)

مفتی احمد یار خان صاحب کی راگنی

یہ بالکل نامناسب ہوگا کہ آپ کے کان مفتی احمد یار خاں صاحب کی راگنی سے نا آشنا رہیں۔ چلتے چلتے وہ بھی سن لیجئے۔ وہ آیت وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ کے جواب میں لکھتے ہیں کہ مفسرین نے اس آیت کے تین مطلب بتلاتے ہیں۔

اولاً یہ کہ علم کے چند معنیٰ ہیں جاننا، ملکہ (مشق تجربہ وغیرہ) اس جگہ علم کے دوسرے معنیٰ مراد ہیں یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا نہ یہ کہ اُن کو اچھا بُرا صحیح غلط شعر پہچاننے کا شعور نہ دیا۔

دوسرے یہ کہ شعر کے دو معنی ہیں ایک تو وزن و قافیہ والا کلام (غزل) دوسرے جھوٹی اور وہمی و خیالی باتیں چاہے نظم ہوں یا نثر اس آیت میں دوسرے معنی ہی مراد ہیں یعنی ہم نے ان کو جھوٹی اور وہمی باتیں نہ سکھائیں وہ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔

تیسرے یہ کہ شعر سے مراد اس جگہ اجمالی کلام ہے یعنی ہم نے ان کو ہر چیز کی تفصیل بتائی ہے نہ کہ معمے اور اجمالی باتیں، وَتَفْصِیْلَ لِکُلِّ شَیْءٍ" (بلفظہ جاء الحق صـ۹۲ و صـ۹۳)

الجواب مفتی صاحب ہی از راہ دیانت یہ فرمائیں کہ کیا شعر گوئی کا ملکہ۔ جھوٹی اور وہمی و خیالی باتیں اور معمے وغیرہ جمیع ماکان و مایکون میں داخل نہیں ہیں؟ مفتی صاحب معاف فرمائیں تغالطی سے حقیقت کبھی نہیں بدلتی، شعر سے کچھ ہی مراد لیں اتنا تو ماننا ہی پڑتا ہے کہ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ کے مطابق اس دنیا میں کوئی چیز ایسی ضرور تھی۔ جس کا علم اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا نہیں فرمایا تھا۔ کیونکہ یہ آپ کی شان کے لائق ہی نہ تھا اور اس کے نہ جاننے سے ہرگز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص اور توہین نہیں ہوتی اور اسی کا دوسرے اہل بدعت کو عموماً اور مفتی احمد یار خاں صاحب کو خصوصاً اقرار ہے ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

رہا یہ کہ تَفْصِیْلٌ لِکُلِّ شَیْءٍ سے کس کس چیز کی تفصیل مراد ہے؟ تو اس کی مبسوط بحث اپنے مقام پر عرض کی جائے گی، انشاء اللہ العزیز۔

دوسری آیت اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَن لَّمْ — اور البتہ ہم نے آپ سے پہلے بہت رسول بھیجے اُن میں سے بعض کے احوال ہم نے آپ کو بتائے اور بعض کے

نَقْصُصْ عَلَيْكَ (پ ۲۴۔ المؤمن ۔ ۸) احوال ہم نے آپ کو نہیں بتائے۔

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (پ ۶۔ النساء۔ ع ۲۳) اور کتنے ہی رسول ہم نے بھیجے جن میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو اس سے قبل بتا دیئے ہیں اور ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتلائے۔

پہلی آیت مکی سورت کی ہے اور دوسری مدنی سورت کی جس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات بتلائے ہیں اور بعض کے حالات کا علم عطا ہی نہیں کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال کا علم آپ کو عطا نہیں کیا تو وہ اور کہاں سے عطا ہوگا؟ اور اس کے بعد کسی صحیح نقلی یا عقلی دلیل سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ آپ کو تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تفصیلی حالات بتائے گئے ہوں۔ صرف "ممکن ہے" سے نصوص قطعیہ کا ہرگز جواب نہیں ہو سکتا۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان بالبرھان، دیدہ باید۔

حضرت ابوہریرہؓ جو بالاتفاق ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے ہیں روایت کرتے ہیں کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ادری تُبَّعٌ أنبیا کان ام لا وما ادری ذا القرنین انبیا کان ام لا وما ادری الحدود کفارات لاھلھا ام لا۔ (مستدرک ج ۱ ص ۳۶ و ج ۲ ص ۴۵۰ قال الحاکم و والذھبیؒ علی شرطھما) جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا نہیں اور نیز میں نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں اور نیز میں یہ نہیں جانتا کہ دنیا میں مجرموں پر جو تعزیرات اور حدود قائم کئے جاتے ہیں، وہ اُن کے لیے کفارہ ہو جائیں گے یا نہیں۔

تبع اور ذوالقرنین دونوں کا نام قرآن کریم میں مذکور ہے مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ دونوں نبی تھے یا نہیں؟ تفصیلًا لِکُلِّ شَیْئٍ اور تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْئٍ وغیرہ آیات سے کلی غیب پر استدلال کرنے والوں سے دریافت کیجئے کہ تبع اور ذوالقرنین کی زندگی کے پورے اور مفصل حالات تو ہے الگ (جتنے قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں وہ محل نزاع نہیں ہیں) ان کی نفس نبوت اور رسالت کا علم بھی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ تھا، اور پھر آپ نے کس صفائی سے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ بھی علم نہیں ہے کہ دنیا میں جن جرائم پیشہ لوگوں کو سزائیں دی

جاتی ہیں آیا محض ملکی امن کو بحال رکھنے اور سیاست مدن کو محفوظ رکھنے کے لیے ہیں یا یہ سزائیں کفارہ بن کر عذاب دوزخ سے رہائی کا ذریعہ بھی ہوں گی۔ حدود کے کفارہ بننے نہ بننے سے متعلق سراج الامت حضرت امام ابوحنیفہ رح (المتوفی ۱۵۰ھ) اور دوسرے آئمہ کا کیا اختلاف ہے؟ اور کیا دلائل ہیں؟ یہ موقع ان کے بیان کا نہیں ہے۔

حضرت علی رض (المتوفی ۴۰ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

بعث الله عبدًا حبشيا نبيًا فهو ممن لم يقصص على محمد صلى الله عليه وسلم۔

(کنزالعمال ج ۲ ص۲۲۲ و درمنثور ج ۲ ص۲۴۷)

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک حبشی بندہ کو نبی بنا کر بھیجا تھا، اور وہ ان نبیوں میں سے ہیں جن کا قصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں بتایا گیا۔

حافظ ابن کثیر رح پہلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

اى منهم من اوحينا اليك خبرهم وقصصهم مع قومهم كيف كذبوهم ثم كانت للرسل العاقبة والنصرة ومنهم من لم نقصص عليك وهو اكثر ممن ذكر باضعاف اضعاف۔

(ابن کثیر ج ۴ ص۸۹)

یعنی رسولوں میں سے کچھ وہ ہیں کہ جن کی خبر بذریعہ وحی ہم نے آپ کو دی اور بتلایا کہ ان کی قوم نے ان کی کیسے تکذیب کی اور کس طرح انجام کار رسولوں کی کامیابی اور نصرت ہوئی، اور رسولوں میں ایسے بھی ہیں جن کو ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور وہ اُن سے کئی گنا زیادہ ہیں جن کے حالات ہم نے آپ کو بتائے ہیں۔

اور علامہ علی بن محمد الخازن رح اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

اى ولم نذكر لك حال الباقين (خازن ج ۶ ص۸۶)

یعنی باقی رسولوں کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

اى لم نسمهم لك ولم نعرفك اخبارهم (خازن ج ۱ ص۵۱۹)

ہم نے آپ کو ان کے نام اور حالات کی اطلاع نہیں دی ہے

اور بالکل یہی الفاظ اس مقام پر حضرت امام رازی رح کے ہیں۔ (دیکھئے کبیر ج ۷ ص۲۲۳)

اور علامہ خطیب شربینی رح اسی حصہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

ومنهم من لم نقصص عليك - لا اخبارهم ولا اخبار اممهم ولا ذكرنا هم لك باسمائهم

اور رسولوں میں ایسے بھی ہیں کہ وہ نہیں بتائے ہم نے آپ کو نہ تو ان کے حالات بتائے ہیں اور نہ ان کی امتوں کے اور

وان کان لنا العلم التام و القدرۃ الکاملۃ (تفسیر سراج منیر ج ۲ ص۴۹۸)

نہ ہم نے ان کے نام آپ کو بتائے ہیں، اگرچہ خود ہم کو پورا علم اور کامل قدرت حاصل ہے۔

اور علامہ صدر الدین الدمشقی الحنفی رح (المتوفی ۷۴۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فعلینا الایمان بان اللہ ارسلھم وارسل رسلا سواھم وانبیاء لا یعلم اسمائھم و عددھم الا اللہ الذی ارسلھم۔ (شرح عقیدۃ الطحاوی ص۲۴۰)

ہم پر لازم ہے کہ ہم اس پر ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے علاوہ دوسرے رسولوں اور نبیوں کو بھیجا ہے جن کے نام اور گنتی و تعداد سوائے اس خدا کے اور کوئی بھی نہیں جانتا جس نے اُن کو مبعوث کیا ہے۔

اور چار مشہور آسمانی کتابوں (قرآن کریم۔ انجیل۔ زبور اور تورات) کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

لا یعرف اسمائھا الا اللہ۔ (ص۲۴۱)

باقی کتابوں کے نام یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا۔

اور علامہ تفتازانی رح لکھتے ہیں کہ:۔

ظاھر الکتٰب وھو ان بعض الانبیاء لم یذکر للنبیّ علیہ الصلوٰۃ والسلام (شرح عقائد ص۱۰۲)

کتاب اللہ کا ظاہری مفہوم اسی پر دلالت کرتا ہے کہ بعض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش نہیں کیے گئے۔

قرآن کریم کے قطعی مضمون اور صحیح حدیث اور حضرات مفسرین کرام رح کی واضح عبارات سے یہ بات بالکل بے نقاب ہوگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تفصیلی حالات اور صحیح تعداد اور نام بھی نہیں بتائے جن کے ساتھ آپ کا کئی گونہ گہرا تعلق ہے۔ اور جن کو آپ نے شب معراج میں اجمالی طور پر دیکھا بھی اور ان کو امامت بھی کروائی۔ یہ ارشاد بھی علم عطائی کی نفی کی ناقابلِ تردید دلیل ہے مگر شرط یہ ہے کہ کسی میں انصاف اور دیانت بھی ہو۔ ؎

میں ہوں بیگانۂ ضبطِ وفا سچ ہے مگر وہ بھی
ذرا انصاف سے اپنا طریقِ امتحان دیکھے

فریقِ مخالف نے کیا کہا؟

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم فریقِ مخالف کا جواب اور اس کی حقیقت بھی آپ کے سامنے عرض کر دیں۔ مولوی محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی الکلمۃ العلیا ص۱۰۱ میں مولوی محمد عمر صاحب مقیاس حنفیت ص۲۹۶ میں اور مفتی احمد یار خاں صاحب

جاء الحق ص۹۵ میں لکھتے ہیں، واللفظ لہ۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے چند توجیہیں فرمائی ہیں، ایک یہ کہ اس میں تمام انبیاء کے حالات کا علم دینے کی نفی نہیں بلکہ قرآن کریم میں صراحۃً ذکر کی نفی ہے یعنی بعض انبیاء کے واقعات صراحۃً بیان نہ فرمائے، دوسرے یہ کہ ذکر تفصیلی کی نفی ہے، اور اجمالی ذکر سب کا فرمایا گیا۔ تیسرے یہ کہ وحی ظاہر میں سب کا بیان نہ ہوا وحی خفی میں سب کا ذکر فرمایا گیا۔ تفسیر صاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے (عربی عبارت ہم نے اختصاراً ترک کر دی ہے۔ صفدر) حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ تمام انبیاء کو تفصیلاً جان لیا۔ کیونکر نہ جانیں، وہ سب پیغمبر آپ ہی سے پیدا ہوئے اور شب معراج بیت المقدس میں آپ کے مقتدی بنے لیکن یہ علم مکنون ہے اور ان پیغمبروں کے قصے چھوڑ دیے امت کے لیے ان پر رحمت فرماتے ہوئے پس ان کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد اول ص۵ میں ہے (عربی عبارت ہم نے اختصاراً ترک کر دی ہے۔ صفدر) یہ کلام اس آیت کے خلاف نہیں کہ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ کیونکہ نفی تو علم تفصیلی کی ہے اور ثبوت علم اجمالی کا ہے یا نفی وحی ظاہر (قرآن) کی ہے اور ثبوت وحی خفی (حدیث) کا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ۔ اور سب کچھ ہم تم کو رسولوں کی خبریں بتلاتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔ (انتہیٰ بلفظہ جاء الحق ص۹۵) اور مولوی محمد عمر صاحب فرماتے ہیں۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ (اور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ پر تمام رسولوں کی تھوڑی تھوڑی خبریں بیان کی ہیں) تاکہ کلام ~~طول نہ~~ ہو جائے۔ اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے اور منکرین کا منہ اللہ تعالیٰ نے بند کر دیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ میرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر انبیاء کے علم کے متعلق معترض ہوں گے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے الرُّسُل کو جمع بیان فرمایا اور اس جمع پر ال کو داخل کیا، جو فائدہ عموم کا دیتا ہے، پھر تمام شکوں کا رفع کرنے کے واسطے لفظ کل کو داخل فرمایا تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کل رسولوں کا علم عطا فرمایا ہے۔ بعض جہال سے یہ اعتراض کرتے ہیں جو اپنی کم علمی کا ثبوت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ من انباء الرسل میں من تبعیضیہ ہے۔ لیکن وہ بیچارے ایسے علم سے کورے ہیں کہ من تبعیضیہ انباء پر داخل ہے نہ الرسل پر۔ رُسُل کا تعلق تو کل کے ساتھ ہے یعنی کل رسولوں کے تھوڑے تھوڑے واقعات آپ پر بیان کیے گئے ہیں (بلفظہ مقیاس حنفیت ص۳۹۶)

پھر مستدرک ج ۲ ص ۵۹۷ کے حوالہ سے حضرت ابوذر رضی کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں (عربی عبارت ہم نے اختصاراً نقل نہیں کی۔ صفدر) یارسول اللہ تمام انبیاء کتنے ہیں آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں میں نے عرض کی کہ ان سے رسول کتنے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا تین سو تیرہ۔ اس حدیث میں اس امر کی صاف دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کا بالتفصیل علم ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ آپ کو انبیاء اللہ کا علم نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء اللہ کی تفصیل تو بجائے خود جھوٹے نبیوں کی تعداد بھی فرما دی کیا تم اس حدیث کو بھول گئے ہو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تیس دجال ہوں گے جو نبی ہونے کا دعوے کریں گے، کیا تم نے یہ حدیث مرزائیوں کے مقابلہ میں پڑھنے کے واسطے یاد کی ہوئی ہے اپنے عقیدے کو درست کرنے کے واسطے کیا یہ حدیث کافی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے تمام مستقبلہ جھوٹے انبیاء کی بھی غیبی اطلاع فرما دی، کیا یہ بغیر علم غیب کے فرمان صحیح ہو سکتا ہے۔ الخ

(بلفظہٖ مقیاس ص ۳۹۷)

الجواب فریق مخالف کے اس بیان میں جو امور قابل جواب اور قابل توجہ ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کہ آیت وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کل حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا علم عطا کر دیا گیا تھا۔

(۲) حضرت ابوذر رضی (المتوفی ۳۲ھ) کی روایت سے معلوم ہوا کہ کل حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے۔ جب آپ نے تعداد بتا دی تو یہ کیسے صحیح ہوا کہ آپ کو ان کا علم نہ تھا

(۳) آپ نے سچے نبیوں کے علاوہ قیامت تک آنے والے جھوٹے نبیوں کی اطلاع بھی دے دی ہے کہ وہ تیس کی تعداد میں ہوں گے تو پھر یہ کیسے درست ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم نہ تھا۔

(۴) حضرت ملا علی ن القاری رح کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اجمالی علم تھا یا حدیث کے ذریعے سے یہ علم عطا کر دیا گیا تھا، پھر کیسے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ کو ان حضرات کا اور ان کے حالات کا علم نہ تھا۔

(۵) صاوی شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک کہ آپ کو تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تفصیلی علم نہیں عطا کر دیا گیا اور ان کا علم کیوں نہ ہو جب کہ سب پیغمبر ہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پیدا ہوئے ہیں تو پھر اپنی اولاد کا

علم کیوں نہ ہو؟

ہم اسی ترتیب کے ساتھ ایک ایک چیز کا جواب عرض کرتے ہیں؟ غور فرمائیں :-

(۱) آیت وَكُلًّا نَّقُصُّ سے یہ ثابت کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کل رسولوں کے حالات بتا دیئے گئے تھے قطعاً اور سراسر باطل اور قلت تدبر یا جہالت کا حیرت ناک مظاہرہ ہے۔

اولاً اس لیے کہ یہ آیت سورۃ ہود کی ہے جو مکی ہے اور وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ سورۃ نساء کی آیت ہے جو اس کے بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے۔ اگر پہلی آیت کا یہ مطلب ہو کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام رسولوں کے حالات بتا دیئے ہیں تو اس کے بعد مدینہ طیبہ میں یہ آیت کیوں نازل ہوئی کہ کئی رسول ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے، کیا اللہ تعالیٰ کو اپنا پہلا ارشاد یاد نہ رہا تھا کہ میں نے تو سب رسولوں کے حالات اپنے محبوب کو بتا دیئے ہیں، پھر کیوں یہ فرماتا ہوں کہ بعض رسولوں کے حالات آپ کو نہیں بتائے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ کیا خدا کے کلام اور قرآن کریم میں بھی تعارض اور تضاد کا احتمال ہے؟ حاشا وکلا ایسا مطلب خالص ایجاد بندہ اور تحریفِ قرآن ہے۔

ثانیاً لفظ کُل کا تعلق الرُّسُل سے نہیں اور نہ لفظ کل الرسل کے لفظ پر داخل ہوا ہے، جیسا کہ مولوی محمد عمر صاحب نے اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے اور دوسروں کی بزعم خود کم علمی اور جہالت کا رونا رو رہے ہیں ان کو خود اپنی جہالت کا ماتم کرنا چاہیئے تھا اور یہ کہنا چاہیئے تھا کہ ؎

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

چند حوالجات ہم معتبر اور مستند حضرات مفسرین کرام رح کے عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں :-

علامہ جلال الدین سیوطی رح (المتوفی سنہ ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وَكُلًّا نصب بنَقُصُّ وتنوينه بدل عن المضاف اليه اى كل مايحتاج اليه نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مابدل من كُلًّا مَانُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ نطمئن به فوادك قلبك (جلالین ص۱۸۹)

لفظ کل کو نصب نقص نے دی ہے اور لفظ کُل میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں آئی ہے، یعنی ہر وہ خبر جس کی حاجت پڑتی ہے ہم پیغمبروں کی خبروں میں سے آپ کو بتاتے ہیں اور لفظ مَا کُلًّا سے بدل ہے یعنی جس سے ہم آپ کے دل کو تسکین دیتے ہیں۔

اور علامہ بغوی رح لکھتے ہیں کہ :-

معناہ وکل الذی یحتاج الیہ من انباء الرسل ای من اخبار ھم ومن اخبار أممھم نقص علیک (معالم التنزیل برابن کثیر ج۲ ص۴۰۸)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی امتوں کی خبروں میں سے ہر وہ خبر ہم آپ سے بیان کرتے ہیں جس کی حاجت اور ضرورت ہو۔

اور علامہ زمخشری محمود بن عمرؒ (المتوفی ۵۲۸ھ) لکھتے ہیں :۔

وکلاً نَقُصُّ التنوین فیہ عوض من مضاف الیہ کانہ قیل وکل نبئ نَقُصُّ عَلَیْکَ ومن أَنْبَاءِ الرُّسُلِ بیان لکل ومانُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ بدل من کلاّ (کشاف ج۲ ص۹۶)

کہ کلاً میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور وہ لفظ نبیٌ ہے اور مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ، کُلّ کا بیان ہے اور مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ، کلاً سے بدل ہے۔

نوٹ :۔ ہم نے اس کتاب میں مسئلہ علم غیب کے سلسلہ میں علامہ زمخشری سے ان کے غلو فی الاعتزال کی وجہ سے کوئی استدلال نہیں کیا بلکہ صرف امام عربیت ہونے کی وجہ سے حل عبارت میں استدلال کیا ہے اور ان کے امام اہل عربیت ہونے کا کوئی منکر نہیں ہے۔

اور علامہ آلوسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

وکلاً ای وکل نبئ فالتنوین للتعویض عن المضاف الیہ المحذوف ونصب کلّ علیٰ انہ مفعول بہ لقولہ نقص علیک ای نخبرک وقولہ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ صفۃٌ لذالک المحذوف لا لکلٍّ لا نہا لا توصف فی الفصیح کما فی ایضاح المفصّل ومن بتعیضیۃ و قیل بیانیۃ وقولہ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ قیل عطف بیان لکلاً بناءً علیٰ عدم اشتراط توافق البیان والمبین تعریفا وتنکیرا و المعنی ھو مَا نُثَبِّتُ بہ الخ (روح المعانی ج۱۲ ص۱۴۹)

کلاً میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے، اور وہ لفظ نبیٌ ہے اور کلاً کی نصب اس لیے ہے کہ وہ نَقُصُّ کا مفعول بہ ہے، یعنی ہم آپ کو خبر دیتے ہیں، اور من انباء الرسل اس محذوف کی صفت ہے کلاً کی صفت نہیں ہے۔ کیونکہ ایضاح شرح مفصّل میں لکھا ہے کہ فصیح استعمال یہ ہے کہ کل موصوف نہیں واقع ہوتا، اور مِن تبعیضیہ ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیانیہ ہے اور مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ کہا گیا ہے کہ عطف بیان ہے بدیں وجہ کہ بیان اور مبین میں تعریف اور تنکیر کی مطابقت شرط نہیں ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ ہر وہ خبر ہم آپ کو بتلاتے ہیں، جس سے آپ کے دل کو تسکین دیں۔

اور اس آیت کی مزید تفسیر کے لیے جامع البیان ص ۱۸، کمالین ص ۱۸۹ اور مدارک ج ۲ ص ۲۹۰ اور ابن کثیر ج ۲ ص ۵۶۵ اور بیضاوی ج ۱ ص ۲۸۹ وغیرہ کی طرف مراجعت کریں۔ ہمارا مقصد حوالوں کا استیعاب نہیں ہے بلکہ صرف احقاق حق اور ابطالِ باطل کے لیے بطورِ نمونہ چند ضروری حوالے درج کرنے ہیں جو کر دیے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے نہ تو لفظ "کُل" کا تعلق التوسل سے ہے اور نہ یہ اس پر داخل ہے۔ معنی یہ ہیں کہ ہم پیغمبروں اور رسولوں کی خبروں میں سے ہر وہ خبر آپ کو سناتے ہیں جس سے آپ کے دل کو ہم مطمئن کر دیں۔ نہ تو اس میں سب رسُولوں کے حالات کا علم ہے اور نہ ان کی خبروں کا۔

ثالثاً حضرت ابوہریرہؓ کی صحیح روایت میں پہلے گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں ہے کہ تبع اور ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں؟ اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حبشہ کے ایک نبی کا قصہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر بیان نہیں کیا، جب ان کی نفس نبوت اور رسالت کا علم ہی نہیں تو ان کے حالات کا علم کہاں سے اور کیسے حاصل ہوگا؟ علاوہ بریں مولوی محمد عمر صاحب کا یہ کہنا کہ کل رسُولوں کے تھوڑے تھوڑے واقعات آپ پر بیان کیے گئے ہیں۔ نحو اور گرامر کے لحاظ سے سراسر باطل ہونے کے علاوہ ان کے مدعی کے خلاف جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی صاحبِ علم اور فہیم پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں جمیع ما کان وما یکون کے علم کی صریح نفی لازم آتی ہے ؎

خوش نوایانِ چمن کو غیب سے مژدہ مِلا
دام میں صیاد اپنے مبتلا ہونے کو ہے

(۲) رہی حضرت ابوذرؓ وغیرہ کی وہ روایت جس میں آتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ و السّلام کی کُل تعداد ایک لاکھ اور چوبیس ہزار تھی تو حضرات محدثین کرامؒ کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے، چنانچہ امام ابو محمد عبدالقادر القرشی الحنفیؒ (المتوفی ۷۷۵ھ) لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (الجواہر ج ۱ ص ۲۴)

اور حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ابوحاتم بن حبانؒ (المتوفی ۳۵۴ھ) اس کی تصحیح کی طرف مائل ہیں (ملاحظہ ہو موارد الظمآن ص ۵۳ و ص ۵۰۸) مگر:۔

خالفہ ابوالفرج بن الجوزیؒ فذکر ھذا الحدیث فی کتابہ الموضوعات واتھمہ بہ ابراھیم بن ھشام	حافظ ابوالفرج بن الجوزیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) نے اس حدیث کو اپنی موضوعات کی کتاب میں درج کیا ہے، اور

هذا اولا شك انه قد تكلم فيه غير واحد من ائمة الجرح والتعديل من اجل هذا الحديث (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۵۸۶) — اس میں ابراہیم بن ہشام کو متہم کیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ بہت سے ائمہ جرح و تعدیل نے اس حدیث کی وجہ سے ابراہیم بن ہشام میں کلام کیا ہے۔

امام ابو حاتمؒ اور علامہ علی بن حسین بن الجُنیدؒ اور محدث ابو زرعہؒ فرماتے ہیں کہ وہ کذاب تھا اور علامہ ذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) جو بقول مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلی امام شمس الدین ذہبیؒ کہ علم حدیث و اسماء الرجال میں جن کی جلالت شان عالم آشکار (انوار الانتباہ ص۲۵) اس کو متروک لکھتے ہیں (دیکھئے بحوالہ لسان المیزان ج ۱ ص۸۰ و ص۹۱)

حضرت ابو ذرؓ کی ایک روایت امام حاکمؒ نے بھی پیش کی ہے، لیکن اس کی سند میں یحییٰ بن سعید السعدی البصری ہے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں لیس بثقة (تلخیص المستدرک ج ۱ ص۵۹۷) اور امام عقیلیؒ فرماتے ہیں۔ اس کی روایت میں اس کا کوئی اور متابع نہیں ہوتا۔ محدث ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ وہ اُلٹ پلٹ اور غلط سلط روایات پیش کیا کرتا ہے۔ جب وہ منفرد ہو تو اس کی کسی روایت سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں، اس کی یہ روایت منکر ہے بلکہ کہتے ہیں وھذا انکر الروایات (محصلہ لسان المیزان ج ۶ ص۲۵۷ و ۲۵۸) کہ یہ اس کی تمام روایات میں منکر ترین روایت ہے۔

حضرت ابو امامہؓ (المتوفی ۸۶ھ) سے بھی مرفوعاً ایک روایت آتی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد ایک لاکھ اور چوبیس ہزار تھی۔ (رواہ احمد فی مسندہ۔ ابن کثیر ج ۱ ص۵۸۷) مگر خود حافظ ابن کثیرؒ نے تصریح کر دی ہے:۔

معان بن رفاعة السلامي ضعيف وعلي بن يزيد ضعيف والقاسم ابو عبد الرحمن ضعيف ايضاً (ابن کثیر ج ۱ ص۵۸۶) — کہ اس کی سند میں تین راوی ضعیف ہیں۔ معان بن رفاعہ السلامی، علی بن یزید اور قاسم ابو عبد الرحمٰن۔

یہی وجہ ہے کہ علماء عقائد نے ان روایات پر عقیدہ کے بارے میں کوئی اعتماد نہیں کیا۔ چنانچہ امام نجم الدین ابو حفص عمرؒ بن محمد نسفیؒ (المتوفی ۵۳۷ھ) عقائد نسفیہ میں اور علامہ تفتازانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

والاولی ان لا يقتصر علی عدد فی التسمية فقد — بہتر یہی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد کسی عدد

قال الله تعالیٰ منهم من قصصنا علیك ومنهم من لم نقصص علیك ولا یؤمن فی ذکر العدد ان یدخل فیهم من لیس منهم ان ذکر عدد اکثر من عددهم او یخرج منهم من هو فیهم ان ذکر اقل من عددهم یعنی ان خبر الواحد علی تقدیر اشتماله علی جمیع الشرائط المذکورة فی اصول الفقه لا یفید الا الظن ولا عبرة بالظن فی باب الاعتقادیات ۔

(شرح عقاید ص۱۰۱)

میں محصور نہ کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ہم نے بعض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات آپ کو بتلائے ہیں اور بعض کے احوال نہیں بتاتے۔ اور عدد اگر ان کے صحیح عدد اور تعداد سے زیادہ ذکر کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ غیر نبی کو نبی مان لیا جائے اور اگر ان کی صحیح تعداد سے کم کا عدد بیان کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ کسی نبی کی نبوت کا انکار لازم آئے یعنی خبر واحد اگرچہ تمام ان شرائط سے موصوف ہو جو اصول فقہ میں بیان ہوئی ہیں تب بھی اُس سے ظن ہی کا فائدہ ہو سکتا ہے اور اعتقادیات میں ظن کا سرے سے کوئی اعتبار ہی نہیں ہے۔

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ یہ روایت صحت کے معیار پر ہرگز پوری نہیں اُترتی تو اس کا اعتقاد کے باب میں کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ امام ابن ہمام الحنفی رح مسائرہ میں اور کمال الدین المقدسی الشافعی رح اس کی شرح مسامرہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

ولا ینبغی فی الایمان بالانبیاء القطع بحصرهم فی عددهم اذ لم یرد بحصرهم دلیل قطعی لان الحدیث الوارد فی ذلك ای فی عددهم خبر واحد لم یقترن بما یفید القطع

(المسامرہ مع المسایرہ ج ۲ ص ۸۷)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کے سلسلہ میں یہ مناسب نہیں ہے کہ قطعیت کے ساتھ ان کی تعداد کو کسی عدد میں منحصر سمجھا جائے کیونکہ ان کے کسی عدد میں منحصر ہونے پر کوئی قطعی دلیل وارد نہیں ہوئی جو حدیث آئی ہے وہ خبر واحد ہے اس میں ایسے قرائن موجود نہیں ہیں جن سے قطعیت کا ثبوت ملتا ہو

اور اسی کے قریب قریب عبارات مواقف کی ہے۔ (دیکھئے ص۲۴۷ طبع نولکشور)

اور حضرت ملا علی ن القاری رح تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

نعم الاولیٰ ان لا یقتصر علی الاعداد فان الاحاد لا تفید الاعتماد فی الاعتقاد بل یجب کما قال الله کل اٰمن بالله وملٰئکته وکتبه ورسله ان یؤمن ایمانا اجمالیا من غیر تعرض لتعدد

ہاں مناسب یہی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد کو کسی معین عدد میں بند نہ کیا جائے۔ کیونکہ خبر واحد پر اعتقادیات کے باب میں کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہی واجب ہے کہ اجمالی طور پر ایمان لایا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سب ایمان

الصفات وعدد الملئكة والكتب والانبياء	لائے اللہ تعالیٰ پر اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر اور اسکی کتابوں اور اسکے
وارباب الرسالة من الاصفياء	رسولوں پر (بغیر تعرض تعدد متعلقکے) اور فرشتوں، کتابوں، نبیوں اور
(شرح فقہ اکبر ص۶، طبع کانپور)	ان میں چنے ہوئے رسولوں کی گنتی اور تعداد کے درپے بھی نہیں ہونا چاہئے

یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات مثلاً علم، سمع، بصر اور قدرت وارادہ وغیرہ متعدد ہیں لیکن ان میں حضرات اشاعرہ اور ماتریدیہ کا لفظی اور فرعی اختلاف ہے کہ یہ صفات کتنی ہیں؟ مگر ایمان کے صحیح ہونے کے لیے اس کی تفصیل ضروری نہیں ہے۔

اور دوسرے مقام پر حضرت ملا علی ن القاری یوں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

فیجب الایمان بجمیعھم من غیر تعیین لعدھم	ان تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا واجب ہے
وان کان ورد فی مسند احمد ان الانبیاء مائۃ	بغیر اس کے کہ ان کی گنتی میں تعیین ملحوظ رکھی جائے۔ اگرچہ مسند احمد
الف واربعة وعشرون الف نبی۔ ضوء المعالی	کی روایت میں آتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد
شرح بدء الامالی للشیخ علی بن عثمان الاوسی الحنفی ص۳۵)	ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے (مگر گزر چکا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے صفدر)

یہی وجہ ہے کہ آجتک محتاط مسلمان جب بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ ایک لاکھ اور چوبیس ہزار یا کم و بیش جتنے نبی اور رسول اللہ تعالیٰ نے مبعوث کئے ہمارا ان پر ایمان ہے اور ہم صرف اسی حد تک کے مکلف ہیں، اس تحقیق کو بھی پیش نظر رکھئے اور مولوی محمد عمر صاحب کا یہ بیان بھی ملاحظہ کیجئے کہ:۔ اس حدیث میں اس امر کی صاف دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کا بالتفصیل علم ہے" کیسی کھلی جہالت اور بابِ عقائد سے ناواقفی ہے، اور دوسروں کو عقائد کی درستگی کا درس دے رہے ہیں کیا خوب؟ ؎

نگاہِ شوخ کی کوتاہیوں کو کیا کہا جائے
کہ اپنی جنبشِ پیہم کے افسانے نہیں دیکھے

(۳) مولوی محمد عمر صاحب کا ثلاثون کذابون دجالون کی حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے تمام مستقبلہ جھوٹے انبیاء کی بھی غیبی اطلاع فرمادی۔ نری جہالت اور خالص بددیانتی پر محمول ہے۔ کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ قیامت تک جتنے جھوٹے نبی پیدا ہوں گے، ان کی تعداد صرف تیس ۳۰ ہو گی۔ بلکہ آپ نے مبالغہ کے صیغوں

سے کذّابون اور دجالون یعنی بڑے بڑے جھوٹوں اور بڑے بڑے دجّالوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جن کا فتنہ امت کے لیے نہایت خطرناک ہوگا جیسے غلام احمد قادیانی وغیرہ ان کی تعداد تیس ہوگی (بلکہ بعض روائتوں میں تیس کے قریب کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ بخاری ج ۲ صہ ۱۰۵۴ و مسلم ۲ صہ ۳۹۷) یہ نہیں کہ سب جھوٹے نبیوں کی تعداد ہی صرف تیس ہوگی، مولوی محمد عمر صاحب کو کم از کم ائمہ تلبیس (مؤلفہ مولانا ابوالقاسم محمد رفیق صاحبؒ) کا مطالعہ ہی کر لینا چاہیئے تھا۔ جس میں تاریخی طور پر سینکڑوں جھوٹے نبیوں کا بحوالہ تذکرہ کیا گیا ہے۔ تاکہ مولوی محمد عمر صاحب کی آنکھیں کھل جاتیں۔

ہم نے یہ روایت صرف مرزائیوں کے مقابلہ کے لیے ہی یاد نہیں کی بلکہ مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ کے مقابلہ میں بھی یاد کی ہوئی ہے جیسا کہ ان کی آنکھیں کھل چکی ہوں گی۔ حق کو تسلیم نہ کرنا تو مولوی محمد عمر صاحب کا کمال ہے۔ سہ

آپ ناصح اُن کو سمجھاتے تو ہیں
جَور سے لیکن وہ باز آتے نہیں

(۴) رہا حضرت ملا علی ن القاری رہ کا اجمال اور تفصیل یا وحی جلی اور خفی وغیرہ سے آیت اور حدیث کے درمیان تطبیق دینے کی سعی کرنا توان کی سابقہ شرح فقہ اکبر اور ضوء المعالی کی عبارت کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم اس کے حل کی طرف بھی ہم اشارہ کئے دیتے ہیں تاکہ کسی کوتاہ فہم اور کوڑمغز کو مغالطہ دینے کا موقع نہ ملے۔

حضرت مُلا علی قاری رہ نے جو پہلا جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت میں جو نفی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تفصیل یا ان کے تفصیلی حالات ہم نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتائے اور حدیث میں بصورت صحت صرف اتنا آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی تعداد کا اجمالی علم تھا کہ وہ ایک لاکھ اور چوبیس ہزار ہیں اور رسول ان میں تین سو تیرہ ۳۱۳ ہیں، اور ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ جو چیز ثابت ہے وہ اور ہے اور جس کی نفی ہے وہ اور ہے۔ چنانچہ خود حضرت ملا علی ن القاری رہ نے اس اشکال کو یوں حل فرمایا ہے کہ:-

وورد فی مسند احمدؒ انه علیه الصلوٰۃ والسلام   مسند احمدؒ کی روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و

سئل عن عدد الانبیاء فقال مائة وأربعة و عشرون الفا الرسل منهم ثلاث مائة وثلاثة عشر اولهم آدم علیہ السلام وآخرهم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وهو لاینافی قوله تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ فان ثبوت الاجمال لاینافی تفصیل الاحوال ۔

(شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۱۶)

سلم سے پوچھا گیا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتنی تعداد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایک لاکھ اور چوبیس ہزار تھے جن میں سے تین سو تیرہ رسول تھے، اوّل حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور یہ حدیث اس آیت کے منافی نہیں ہے کہ بے شک ہم نے کئی رسول بھیجے آپ سے پہلے ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو بتلائے اور بعض کے نہ بتائے کیونکہ اجمالی طور پر ثبوت احوال کی تفصیل کے منافی نہیں ہے۔

اور اسی اشکال کا دوسرا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ لَمْ نَقْصُصْ کی نفی کو وحی جلی سے مُقیّد کیا جائے یعنی ان کے تفصیلی حالات اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں نہیں بتائے ۔ اور جس حدیث میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صرف عدد کا ثبوت آتا ہے اس کو وحی خفی یعنی حدیث سے ثابت تسلیم کیا جائے کہ نہ ہینگ گے نہ پھٹکڑی ۔ اس سے مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ کا ان کے تفصیلی حالات کے علم پر استدلال کرنا سراسر باطل ہے جب کہ یہ حدیث ہی صحیح نہیں ؎

ٹھوکریں مت کھایئے چلئے سنبھل کر دیکھ کر
چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

(۵) اب رہی صاوی شریف کی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک کہ آپ کو تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تفصیلی علم نہ دے دیا گیا تھا۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ سب پیغمبر ہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پیدا ہوئے ہیں تو آپ کو علم کیوں نہ ہو۔ تو اس کا مختصر اور اصولی جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی نص قطعی اور احادیث متواترہ اور اجماعِ امت کے مقابلہ میں صاوی شریف اور پیلی شریف نیلی شریف اور گلابی شریف کی قطعاً کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ہم ایسی غیر مستند اور غیر معتبر بلکہ مردود تفسیروں کو ہرگز ہرگز ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، کیا مفتی احمد یار خان صاحب کو اپنا لکھا ہوا مطالبہ جو دوسروں سے وہ کرتے ہیں بھول گیا ہے کہ ۔ وہ آیت قطعی الدلالت ہو، جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں

اور حدیث ہو، تو متواتر ہو (بلفظہٖ جاء الحق ص۹۲) صاوی کس قطعی الدلالت آیت یا حدیث متواتر کا نام ہے مفتی صاحب یہ کیا قصہ ہے کہ دعوے کرتے وقت تو گاؤ زبان مگر ثبوت پیش کرتے وقت ریشہ خطمی۔ وہ کونسی نص قرآنی قطعی الدلالت یا حدیث متواتر بلکہ صحیح حدیث ہے جس سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تفصیلی علم عطا کیا گیا اور پھر دنیا سے آپ کا انتقال ہوا؟ فریق مخالف کے تمام پیروں، مقتیوں اور مولویوں کو تا قیامت اعلان ہے کہ ایسی ایک ہی قطعی الدلالت آیت یا متواتر بلکہ ایک ہی صحیح اور صریح حدیث بتا دے۔ کیا ہے کوئی مرد میدان؟ فہل من مبارز؟ دیدہ باید!

فریق مخالف بگوش ہوش سن لے کہ عرائس البیان، جمل اور صاوی وغیرہ سے اپنے ماؤف اور بیمار دلوں کی تسکین تو شوق سے پوری کیجئے مگر اہل حق کے مقابلہ میں ایسی غیر معتبر اور غیر مستند تفسیریں پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتیں بلکہ ان کی ایسی تفسیروں کا جو نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ اور اجماع کے مقابلہ میں ہوں بقول علامہ اقبالؒ درجہ فقط یہ ہے کہ ؏

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

آپ نے ملاحظہ کیا کہ قرآن کریم کی دو آیتوں سے یہ بات صراحت اور وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم شعر اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تفصیلی حالات کا علم عطا نہیں کیا اور ذاتی و عطائی کا غیر معصوم آراء کے تحت خود ساختہ جھگڑا ختم ہوا۔

اب آپ چند حدیثیں بھی ملاحظہ کر لیں۔

حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ[1] جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ

اوتیت مفاتیح کل شیئ الا الخمس ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام الی قولہ خبیر۔

مجھے ہر چیز کی چابیاں عطا کی گئی ہیں مگر ان پانچ چیزوں کی عطا نہیں کی گئیں، اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت کا اور بارش نازل کرنے کا اور ما فی الارحام کا خبیر تک (جو سورۃ

---

[1] حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت میں ہے۔ اوتی نبیکم مفاتیح الغیب الا الخمس ثم تلا ہذہ الآیۃ ان اللہ عندہ الآیۃ (طیالسی ص۲۴۹)

(کنز العمال ج ۶ ص ۱۰۰ و مسند احمد ج ۲ ص ۸۵ قلت وسندہ صحیح ودر منثور ج ۵ ص ۱۷۰، وابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۴ ۔ امام سیوطی لکھتے ہیں بسند صحیح خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵، اور علامہ عزیزی رح لکھتے ہیں قال الشیخ حدیث صحیح (السراج المنیر ج ۲ ص ۷۹) اور علامہ آلوسی رح لکھتے ہیں: بسند صحیح (روح المعانی ج ۲۱ ص ۹۹) لقمان کی آخری آیت ہے)۔

اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ ان پانچ چیزوں کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہی نہیں کیا گیا۔ رہا یہ سوال کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ کُلّ شیئٍ کا علم تو آپ کو اس حدیث کے رُو سے ثابت ہے تو اپنے مقام پر باحوالہ مبسوط بحث آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ کہ لفظ کُل سے استغراق حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ عرفی مراد ہے۔ حضرت ربعیؒ بن خراش (المتوفی سنہ ۱۰۰ھ) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

حدثنی رجل من بنی عامر انہ قال یا رسول اللہ ھل بقی من العلم شیئٌ لا تعلمہ قال قد علمنی اللہ عزوجل خیرًا وان من العلم ما لا یعلمہ الا اللہ عزوجل الخمس ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام الآیۃ (رواہ احمد فی مسندہ ج ص وقال ابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۵ ھٰذا اسناد صحیح ودر منثور ج ۵ ص ۱۷۰)

مجھ سے بنی عامر کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ کیا علم میں سے کوئی ایسی چیز بھی باقی ہے جس کو آپ نہ جانتے ہوں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت سی خیر کی تعلیم دی ہے اور بے شک علوم میں سے وہ بھی ہیں جن کو خدا تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا چنانچہ پانچ باتیں جو سورۂ لقمان کی آخری آیت میں مذکور ہیں، ان کا پورا علم بس خدا ہی کو ہے کسی دوسرے کو نہیں۔

علامہ آلوسی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ:

وفی بعض الاخبار ما یدل علی ان علم ھٰذہ الخمس لم یؤت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ویلزمہ انہ لم یؤت لغیرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من

بعض احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پانچ اشیاء کا علم عطا ہی نہیں کیا گیا تھا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم عطا نہیں کیا گیا تو

باب اولی (روح المعانی ج۲۱ ص۹۹)　دوسروں کو بطریق اولیٰ نہیں عطا کیا گیا ہے۔

اس کے بعد علامہ آلوسی رح نے حضرت ابنِ عمر رض حضرت ابنِ مسعود رض اور حضرت ربعیؒ بن خراش کی یہ مذکورہ حدیثیں اس پر نقل کی ہیں۔

اور حضرت امام بخاری رح (المتوفی ۲۵۶ھ) کی روایت میں یوں آتا ہے کہ:۔

لقد علم الله خیرًا وان من العلم ما لا یعلم الا الله (الحدیث)　بے شک اللہ تعالیٰ نے خیر کی تعلیم دی ہے۔ لیکن ایسا علم بھی ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو نہیں۔

(ادب المفرد ص۱۵۹)　(جیسا کہ سورۃ لقمان کی آخری آیت میں ہے)

ان دونوں صحیح حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اُوتیت ۔علمنی الله فرما کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات واضح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت سے علوم کی تعلیم عطا کی ہے مگر ایسے علم بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا، بالفاظِ دیگر مجھے اللہ تعالیٰ نے ان کا علم دیا ہی نہیں۔ لیجئے مفتی احمد یار خان صاحب کی منہ مانگی مراد پوری ہو گئی کہ۔ اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی نفی ہو یا حضور علیہ السّلام فرما دیں مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا (بلفظہٖ جاء الحق ص۹۰) قرآن کریم کی آیتوں سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ اس علم کے عطا کی نفی کی ہے، اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی حدیث سے بھی ثابت ہو گیا۔ کہ آپ نے فرما دیا کہ مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا، ع

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے۔

حضرت علی رض کا ایک حوالہ پہلے گزر چکا ہے کہ حبشہ کے ملک میں اللہ تعالیٰ نے ایک نبی مبعوث فرمایا لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لم یقصص علیہ (ان کا قصہ نہیں بیان کیا گیا) اور حضرت علی رض سے یہ بھی مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ:۔

لم یعم علی نبیکم صلی الله علیه وسلم الا الخمس من سرائر الغیب هذه الاٰیة فی اٰخر لقمان الی اٰخر الاٰیة (درِ منثور ج۵ ص۱۷۰)　تمہارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اسرارِ غیب سے بس یہی پانچ چیزیں مخفی رکھی گئی ہیں جو سورۃ لقمان کی اس آخری آیت میں مذکور ہیں۔

اور رئیس المفسرین علی الاطلاق حضرت عبداللہؓ بن مسعود (المتوفی ۳۲ھ) فرماتے ہیں:۔

اعطی نبیکم صلی الله علیه وسلم مفاتیح الغیب　کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کے خزانے

الا الخمس ان الله عندہ علم الساعۃ (الٰی اٰخر السّورۃ) طیالسی ص۵۱ و فتح الباری ج ۸ ص ۲۹۵ و مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۸ ۔

عطا کئے گئے ہیں مگر یہ پانچ امور عطا نہیں کئے گئے جو سورۃ لقمان کے آخر میں ہیں ۔

نیز فرماتے ہیں کہ :۔

اوتی نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم علم کل شیئٍ سوی ھذہ الخمس (فتح الباری ج ۱ ص۱۱۵ و ج ۸ ص ۲۹۵ و ج ۱۳ ص ۳۰۸ و تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۴ وقال ہٰذا اسناد حسن و در منثور ج ۵ ص ۱۷۰)

کہ تمہارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم عطا کیا گیا ہے سوائے ان پانچ چیزوں کے (کہ ان کا علم کسی کو بھی عطا نہیں ہوا ۔)

حضرت عبد اللہ بن عباس رض (المتوفی ۶۸ھ) فرماتے ہیں :۔

لما سأل الناس محمدًا عن الساعۃ سألوہ سوال قوم کانھم یرون ان محمدًا صلی اللہ علیہ و سلم حفی بھم فاوحی الیہ انما علمھا عندہ استأثر بعلمھا فلم یطلع علیھا ملکًا ولا رسولًا ۔ (تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۹۸ و در منثور ج ۳ ص ۱۵۱ و ذکرہ الخازن ج ۲ ص ۵۱۵)

کہ جب لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا تو اس طرح سوال کیا کہ گویا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان پر بڑے مہربان ہیں پس خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ قیامت کا علم بس خدا ہی کو ہے اس نے اپنے لیے اس علم کو خاص کر لیا ہے نہ تو اس پر کسی فرشتہ کو اس نے اطلاع دی ہے اور نہ کسی رسول کو ۔

حضرت امام طحاوی الحنفی رحمہ نے اہل السنت والجماعت کے عقائد کے سلسلہ میں ایک مختصر سا رسالہ لکھا ہے اس میں وہ حضرت امام ابو حنیفہ رح حضرت امام ابو یوسف رح اور حضرت امام محمد رح (المتوفی ۱۸۹ھ) کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

واصل القدر سر اللہ فی خلقہ لم یطلع علی ذالک ملک مقرب ولا نبی مرسل ۔ (عقیدۃ الطحاوی ص۲)

اور تقدیر کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں ایک راز ہے جس پر نہ تو کوئی مقرب فرشتہ مطلع ہو سکا ہے اور نہ نبی مرسل ۔

حضرت امام نووی رح لکھتے ہیں کہ :۔

وقد طوی اللہ تعالیٰ علم القدر عن العالم فلم یعلمہ نبی مرسل ولا ملک مقرب (نووی ج ۲ ص ۳۳۴)

اللہ تعالیٰ نے تقدیر کا علم تمام عالم سے اوجھل کر رکھا ہے اس کو نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ)

حضرت امام سفیان بن عیینہ رح (المتوفی ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں کہ :۔

ماکان فی القرآن وما ادراك فقد اعلمه وما قال وما يدريك فانه لم يعلمه (بخاری ج۲ ص۷۲)

قرآن کریم میں جہاں وَمَا أَدْرَاكَ آتا ہے سو اُس کا علم اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دے دیا ہے اور جہاں وَمَا يُدْرِيكَ آتا ہے، اس کا علم آپ کو اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔

اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح (المتوفی ۵۶۱ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :-

فکل ما فی القرآن وما ادراك فقد اعلمه الله اياه وما فيه وما يدريك فلم يدره ولم يطلعه عليه كقوله عزوجل وَ مَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا وَّ مَا تَبَيَّنَ لَهُ وَقْتُهَا ۔ (غنیۃ الطالبین ص۵۵۰ طبع لاہور مع الاردو بتہ)

ہر وہ چیز جو قرآن میں وَمَا أَدْرَاكَ کے لفظ سے مذکور ہے تو بے شک اس چیز کا علم اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دے دیا ہے اور جو چیز قرآن میں وَمَا يُدْرِيكَ کے لفظ سے بیان کی گئی ہے اس چیز کا علم اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں دیا اور نہ اس پر مطلع کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کس چیز نے تجھ کو اطلاع دی ہے شاید کہ قیامت قریب ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قیامت کا وقت نہیں بتایا۔

سید الصوفیاء حضرت جنید بغدادی رح (المتوفی ۲۹۸ھ) سے حافظ ابن حجر رح نقل کرتے ہیں کہ :-

الرّوح استاثر الله بعلمه فلم يطلع عليه احداً من خلقه (فتح الباری ج۸ ص۳۰۲)

روح کے علم کو حق تعالےٰ نے اپنے واسطے مخصوص کر لیا ہے اور مخلوق میں سے کسی ایک کو بھی اس پر اُس نے مطلع نہیں کیا۔

الشیخ الامام قاسم رح بن قطلوبغا الحنفی رح (المتوفی ۸۷۸ھ) لکھتے ہیں کہ :-

قال عبدالله بن بريدة ان الله تعالیٰ لم يطلع علی الرُّوح ملكاً مقرباً ولا نبياً مرسلا (شرح مسایرہ ج۲ ص۱۰۸ طبع مصر)

حضرت عبداللہ رح بن بریدہ رح نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت پر نہ تو کسی مقرب فرشتہ کو مطلع کیا اور نہ کسی نبی مرسل کو۔

حضرت قتادہ رح بن دعامہ رح (المتوفی ۱۱۷ھ) قیامت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

ولعمری لقد اخفاها الله من الملٰئكة المقربين ومن الانبياء المرسلين ۔ (ابن جریر ج۹ ص۹۸ و درمنثور ج۳ ص۲۹۴ و ابن کثیر ج۳ ص۱۴۴)

مجھے اپنی جان (کے مالک) کی قسم اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقت کو ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ و السلام سے بھی مخفی رکھا ہے۔

اور یہی حضرت قتادہ رح فرماتے ہیں کہ :-

خمس من الغيب استأثر بهن الله فلا يطلع عليهن ملكاً مقرباً ولا نبياً مرسلاً (درمنثور ج ۵ ص ۱۷۰، السراج المنير ج ۳ ص ۲۰۰ وابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۵)

پانچ چیزیں غیب میں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے سو ان پر اللہ تعالیٰ نے کسی مقرب فرشتہ کو اور کسی نبی مرسل کو اطلاع نہیں دی۔

اور سدی کبیرؒ (المتوفی ۱۲۷ھ) فرماتے ہیں کہ :۔

لیس من اهل السموٰت والارض احد الا وقد اخفى الله عنه علم الساعة (درمنثور ج ۴ ص ۲۹۴ وابن کثیر ج ۳ ص ۱۲۴)

آسمانوں اور زمین میں جس قدر مخلوق ہے (یعنی جنّ، انسانوں اور فرشتوں میں سے) ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم مخفی نہ رکھا ہو۔

علامہ خازن رحمہ لکھتے ہیں کہ :۔

لا يعلم الوقت الذى تقوم فيه الا الله الذى استأثر بعلمها فلم يطلع عليه احداً (خازن ج ۲ ص ۲۶۵)

قیامت کے خاص وقت کو جس میں وہ قائم ہوگی اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ خاص کر دیا ہے کسی ایک کو بھی اُس نے اس کی اطلاع نہیں دی۔

خطیب شربینی رحمہ لکھتے ہیں کہ :۔

فلم يطلع عليه احداً من خلقه (تفسیر السراج المنیر ج ۱ ص ۵۴۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس کے وقت پر اطلاع نہیں دی۔

امام رازی رحمہ لکھتے ہیں کہ :۔

واعلم انه تعالى بيّن فى القرآن انه لا يطلع احداً من الخلق على وقته المعين (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۰۰)

معلوم کرے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف طور سے بیان فرما دیا کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی قیامت کے وقت مقرر کی اطلاع نہیں دے گا۔

اور قاضی بیضاوی رحمہ لکھتے ہیں کہ :۔

استأثر به لم يطلع عليه ملكاً مقرباً ولا نبياً مرسلاً۔ (بیضاوی ج ص ۳۰۵)

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے علم کو اپنے ہی ساتھ خاص کر لیا ہے نہ کسی مقرب فرشتہ کو اس کی اطلاع دی ہے اور نہ نبی مرسل کو۔

علامہ نسفی الحنفی رحمہ فرماتے ہیں کہ :۔

قد استأثر به لم يخبر به احداً من ملك

اللہ تعالیٰ نے علم قیامت کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے اُس نے

مقرب ونبی مرسل (مدارک ج ۲ ص۱۸۵) — اس کی اطلاع کسی فرشتۂ مقرب اور نبی مرسل کو نہیں دی۔

علامہ ابو السعود الحنفی رح لکھتے ہیں کہ:۔

معنی کونہ عندہ تعالیٰ خاصۃ انہ تعالیٰ قد استاثر بہ بحیث لم یخبر بہ احدًا من ملک مقرب ونبی مرسل (ابو السعود ج ۴ ص۵۴۲) — علم قیامت کے صرف خدا ہی کے پاس ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس نے اپنے ہی واسطے اس کو خاص کر رکھا ہے بایں طور کہ کسی فرشتۂ مقرب اور نبی مرسل کو بھی اُس نے اس کی خبر نہیں دی۔

اور علامہ معین بن صفی رح (المتوفی ۸۸۹ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

لم یطلع علیہ احدًا (جامع البیان ج ص۲۵۶) — اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر کسی کو بھی نہیں دی۔

اور حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی رح وقتِ قیامت ہی کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وحق تعالیٰ ہیچ کس را از ملائکہ ورسل براں اطلاع نداد" (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص۴۱) — اس باری تعالیٰ نے فرشتوں اور رسولوں میں سے کسی کو بھی وقتِ قیامت پر مطلع نہیں کیا۔

اس عبارت سے بھی صاف طور پر یہ آشکارا ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطائی طور پر بھی وقتِ قیامت کا علم حاصل نہ تھا۔

نوٹ:۔ حضرت شیخ عبد الحق صاحب رح کی اس صریح عبارت کے ہوتے ہوئے ان کی اس عبارت سے کہ "عبارتست از حصول تمامہ علوم جزئی وکلی واحاطۂ آن (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص۲۹۸) استغراقِ حقیقی کا مفہوم سمجھنا قطعاً اور یقیناً باطل ہے۔ اس سے صرف استغراقِ عرفی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام وہ جزئی اور کلی علوم حاصل ہو گئے تھے جو حق تعالیٰ کے نزدیک آپ کی شانِ اقدس کے لائق اور مناسب تھے یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ آپ کو بہت سے جزئی اور کلی علوم حاصل ہو گئے تھے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں اور کلی طور پر علوم کُلی کا ثبوت اس سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفی رح (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي — استاثر بعلمها لا یعلمها الا ھو لم یطلع علیہ ملکاً مقرباً ولا نبیاً مرسلاً۔ — قیامت کا علم تو بس میرے رب ہی کے پاس ہے، اُس نے قیامت کا علم اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے اس کو اس کے بغیر اور کوئی نہیں جانتا کیونکہ اس نے اس کی اطلاع نہ تو کسی فرشتۂ

(تفسیر مظہری ج ۳ ص ۴۹۵) مقرب کو دی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو۔

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ان علمها استاثره الله ولم يؤته احدا من خلقه۔ (مظہری ج ۳ ص ۴۹۶)

اور اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ قیامت کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مختص کر لیا ہے اور اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس نے عطا نہیں فرمایا۔

حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں کہ:۔

قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ای لا اقول لكم الا ما علمنی ولا اقدر علی شیئ مما استاثر به الا ان يطلعنی الله عليه فانا عبده ورسوله اليكم وقد اخبرتكم بمجیئ الساعة وانها كائنة ولم يطلعنی علی وقتها (ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۲)

اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ فرما دیجیے کہ میں اپنے نفس کے ضر اور نفع کا بھی مالک نہیں ہوں یعنی میں تمہیں نہیں کہتا مگر وہی کچھ جس کی اللہ تعالیٰ نے مجھے تعلیم دی ہے اور میں اس چیز پر قادر نہیں ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ ہاں مگر وہ جس پر اللہ تعالیٰ مجھے مطلع کر دے سو میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں تمہیں قیامت کے آنے کی خبر دیتا ہوں کہ وہ لامحالہ آئے گی اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کے وقت پر مطلع نہیں کیا۔

اور قیامت ہی کے متعلق علامہ نسفی رح لکھتے ہیں کہ:۔

ای لا ادری متی یکون یوم القیمة لان الله تعالیٰ لم یطلعنی علیه (مدارک ج ۳ ص ۱۷۳)

یعنی مجھے معلوم نہیں کہ قیامت کا دن کب ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اطلاع نہیں دی۔

اور خطیب شربینی رح لکھتے ہیں کہ:۔

وان کنت لا ادری متی یکون ذالك لان الله تعالیٰ لم یعلمنی علمه ولم یطلعنی علیه وانما یعلمه الله تعالیٰ (السراج المنیر ج ۲ ص ۵۳۲)

اگرچہ میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کب ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ علم عطا ہی نہیں کیا اور اس کی اطلاع ہی نہیں دی اور اس کو بس اللہ تعالیٰ خود ہی جانتا ہے۔

قارئین کرام! آپ یہ ٹھوس حوالے پڑھ پڑھ کر اکتا چکے ہوں گے، مگر کیا کیا جائے ہم بھی مجبور ہیں کیونکہ ہمیں ایسے گروہ سے سابقہ پڑ چکا ہے جو علم و تقویٰ سے سراسر خالی مگر فریب کاری اور مغالطہ آفرینی میں بے نظیر ہے، ان عبارات سے ہمارا مدعا علم قیامت کی نفی نہیں ہے کیونکہ اس کی تو

مفصّل بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ ہمارا مدعا ان عبارات سے صرف اس قدر ہے کہ یہ اکابرین امت اور معتبر اور مستند حضرات مفسرین کرام رح بھی صراحت کے ساتھ یہ ارقام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض بعض علوم عطائی طور پر بھی آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو نہیں دیے جن میں قیامت کا علم بھی ہے۔ صرف چند عبارتیں اور نقل کر کے ہم اس باب کو ختم کرتے ہیں۔

حضرت ملا علی ن القاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

انّ للغیب مبادی ولواحق فمبادیھا لا یطلع	بلاشبہ غیب کے لیے کچھ مبادی ہیں اور کچھ لواحق ہیں غیب
علیه ملك مقرّب ولا نبی مرسل واما اللواحق	کے مبادی پر نہ تو کسی مقرب فرشتہ کو اطلاع دی جاتی ہے
فهو ما أظهره الله تعالیٰ علی بعض احبابه لوحة	اور نہ کسی نبی مرسل کو اور جو لواحق ہیں تو ان میں سے اپنے علم
علمه وخرج بذالك عن الغیب المطلق وصار	کی ایک جھلک اللہ تعالیٰ اپنے بعض محبوب بندوں پر ظاہر کرتا
غیبا اضافیا و ذالك اذا تنورت الروح القدسیة	ہے اور یہ غیب مطلق کی مد سے خارج ہو کر غیب اضافی کی
وازداد نورانیتها واشرافها بالاعراض عن	مد میں داخل ہو جاتا ہے، اور یہ جب کہ روح قدسی متنور ہو
ظلمة عالم الحدث وتجلیة القلب عن صداء	جاتی اور اس کی نورانیت اور چمک بڑھ جاتی ہے اس لیے کہ
الطبیعة والمواظبة علی العلم والعمل وفیضان	فانی عالم کی ظلمت سے وہ اعراض کرتی ہے اور طبیعت کے زنگ سے
الانوار الالٰهیة حتّیٰ یقوی النور وینبسط فی	دل صاف ہو جاتا ہے اور علم و عمل پر مواظبت اور انوار الٰہیہ
فضاء قلبه وتنعکس فیه النقوش المرتسمة فی	کے فیضان کی وجہ سے نور قوی ہو کر دل کی فضا میں پھیل
اللوح المحفوظ ویطلع علی المغیبات اھ	جاتا ہے اور دل میں اُن نقوش کا عکس پڑتا ہے جو لوح محفوظ
(مرقات ج ۱ ص۵۲)	میں مرتسم ہوئے ہیں اور مغیبات پر اطلاع ہو جاتی ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ غیب کے جو مبادی ہیں مثلاً تقدیر اور قیامت اور دیگر امور خمسہ وغیرہ تو ان پر کسی بھی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کو اطلاع نہیں دی جاتی، ہاں جو اس کے لواحق ہیں ان پر اللہ تعالیٰ ان بعض نفوسِ پاک کو اطلاع دے دیتا ہے جن کی علم و عمل کی کیفیت اعلیٰ اور فیضانِ انوارِ الٰہیہ کی بنا پر روحانی ترقی بلند درجہ پر فائز ہوتی ہے مگر وہ غیبِ مطلق نہیں بلکہ غیبِ اضافی ہے جو صرف اجمالی طور پر بعض بعض جزئیات پر مشتمل ہوتا ہے، امورِ خمسہ کے کلیات اور اسی طرح بے شمار اشیاء یقیناً اس سے مستثنیٰ ہیں اور بسا اوقات لوح محفوظ کا عکس ان کے قلوب پر پڑتا ہے اور وہ غیب اضافی پر مطلع

بھی ہوجاتے ہیں۔

علامہ ابنِ خلدون رحؒ اپنی بے نظیر کتاب میں علمِ تصوف کی فصل میں ریاضت، مجاہدہ، ذکر اور خلوت وغیرہ پر بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

ثم ان هذه المجاهدة والخلوة والذكر يتبعها غالبا كشف حجاب الحس والاطلاع على عوالم من امر الله ليس لصاحب الحس ادراك شيئ منها والروح من تلك العوالم و سبب هذا الكشف ان الروح اذا رجع عن الحس الظاهر الى الباطن ضعفت احوال الحس وقويت احوال الروح وغلب سلطانه وتجدد نشوه واعان على ذالك الذكر فانه كالغذاء لتنمية الروح الى ان قال وهذا الكشف كثيرا ما يعرض لاهل المجاهدة فيدركون من حقائق الوجود مالا يدرك سواهم وكذلك يدركون كثيرا من الواقعات قبل وقوعها۔

(لبقدر الحاجة مقدمہ ص۴۶۹ و ۴۷۰)

پھر اس مجاہدہ، خلوت اور ذکر کے بعد غالباً ایسا ہوتا ہے کہ حسِّ ظاہری کے حجاب اُٹھ جاتے ہیں اور ان کو عالم امر اللہ پر اطلاع ہوجاتی ہے اور صاحبِ حس کو ان میں سے کسی چیز کا ادراک نہیں ہوتا اور روح بھی عالم امر میں سے ایک چیز ہے اور اس کشف کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب روح حس ظاہر سے باطن کی طرف رجوع کرتی ہے اور حس کے احوال کمزور ہوجاتے ہیں تو روح کے احوال غالب آجاتے ہیں، اور اس کا تسلط ہوجاتا ہے اور اس کی نشو ونما میں تجدد پیدا ہوجاتا ہے اور ذکر اس کا ممد و معاون ہوتا ہے کیونکہ ذکر روح کی نشو ونما کے لیے بمنزلہ غذا کے ہے (پھر فرمایا) اور یہ کشف بسا اوقات اہل مجاہدہ کو پیش آتا ہے اور وہ حقائق وجود کو ادراک کر لیتے ہیں اور دوسروں کو خبر تک نہیں ہوتی اور اسی طرح وہ بہت سے واقعات کو وقوع سے قبل بطور کشف ملاحظہ کر لیتے ہیں۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

واما الكلام فى كرامات القوم واخبارهم بالمغيبات وتصرفهم فى الكائنات فامر صحيح غير منكر وان مال بعض العلماء الى انكارها فليس ذالك من الحق (ص۴۷۲ مقدمہ)

یعنی حضرات اولیاء کرام رحؒ کی کرامات اور ان کے مغیبات کی اطلاع دینے اور اسی طرح کائنات میں تصرف کرنے کی بابت اگرچہ بعض علماء انکار کی طرف مائل ہوئے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ صحیح ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

نیز لکھتے ہیں کہ :-

التصرفات فی العوالم والاکوان بانواع الکرامات (ص۲۴۷)

عوالم اور اکوان میں ان کے تصرفات مختلف قسم کی کرامات کے تحت ہوتے ہیں۔

اور علامہ السید محمود آلوسی الحنفی رح کشف وغیرہ کے ظنی ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

وکذا یقال فی علم بعض المرتاضین من المسلمین الصوفیۃ والکفرۃ الجوکیۃ فان کل ما یحصل لھم من ذالک فانما ھو بطریق الفیض ومراتبہ واحوالہ لا تحصی والتاھل لہ قد یکون فطریا وقد یکون کسبیا وطرق اکتسابہ متشعبۃ لا تکاد تستقصیٰ (روح المعانی ج۲۰ ص۱۱)

اور اسی طرح ریاضت کرنے والے مسلمان صوفیوں اور کافر جوگیوں کے علم سے متعلق کہا جائے گا کہ جو کچھ ان کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ بطریق فیض حاصل ہوتا ہے اور اس کے مراتب اور احوال بے شمار ہیں گننے میں نہیں آتے اور اس کی اہلیت بھی کبھی فطری اور کبھی کسبی ہوتی ہے اور کسب کے طریقے بھی لاتعداد ہیں بہت ممکن ہے کہ ان کا استقصار بھی نہ کیا جا سکے۔

اور اس ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے بسا اوقات کافر اور کاہن بھی بعض غیب کی خبریں قبل از وقت دے دیتے ہیں، اور اس ریاضت کا تعلق نہ تو تقرب خداوندی سے ہے اور نہ نجات اُخروی سے چنانچہ علامہ ابن خلدون رح ہی لکھتے ہیں کہ:-

ونفوس الکھنۃ لھا خاصیۃ الاطلاع علی المغیبات بقوی شیطانیۃ (مقدمہ ص۹۷)

کاہنوں کے نفوس کو بھی مغیبات کی اطلاع دینے میں ایک خاصیت حاصل ہے مگر وہ صرف شیطانی قوتوں کے ماتحت ہے۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفی رح تحریر فرماتے ہیں کہ:-

والمراد بالعلم العلم القطعی والعلم الحاصل للاولیاء بالالہام وغیرہ ظنی لیس بقطعی (تفسیر مظہری ج۱۰ ص۹۶)

اور علم سے قطعی علم مراد ہے۔ اور جو علم حضرات اولیاء کرام کو الہام وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے، وہ علم ظنی ہے قطعی نہیں۔

نیز تحریر فرماتے ہیں کہ:-

واعلم ان ما ذکرت لک ان العلم الحاصل للاولیاء ظنی المراد بہ العلم الحاصل علما حصولیا وذلک قد یکون بالالہام بتوسط الملک وبغیر توسط وقد یکون بکشف الحجب کما ذکرنا فی

تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نے تیرے سامنے جو یہ چیز پیش کی ہے کہ حضرات اولیاء کرام کا علم ظنی ہوتا ہے تو اس سے مراد علم حصولی ہے اور یہ کبھی الہام سے بواسطہ فرشتہ یا بغیر واسطہ حاصل ہوتا ہے اور کبھی درمیانی حجاب اٹھ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے

حدیث عمرؓ یا ساریۃ الجبل ومن ھذا القبیل ماقیل انہ قد ینکشف علی بعض الاولیاء فی بعض الاحیان اللوح المحفوظ فینظرون فیہ القضاء المبرم والمعلق وقد یکون بمطالعۃ عالم المثال فی المنام او المعاملۃ۔

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۶۹)

حضرت عمرؓ کی وہ حدیث پیش کی ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا اے ساریہؓ پیچھے پہاڑ کی طرف خیال کر۔ اور اسی قبیل سے ہے وہ جو کہا گیا ہے کہ کبھی بعض حضرات اولیاء کرام پر بعض اوقات لوح محفوظ منکشف ہو جاتا ہے اور وہ قضائے مبرم اور معلق کو دیکھ لیتے ہیں اور کبھی خواب یا معاملۂ بیداری میں عالم مثال کے مطالعہ سے یہ ان کو حاصل ہو جاتا ہے۔

اور حصول اور کسب کے طریقے بھی حضرت قاضی صاحب یہ بتاتے ہیں کہ:

واما بالجوع والریاضۃ ومخالفۃ النفس فحینئذٍ تنکشف الحجب عن بعض المغیبات فی بعض الاحیان او عن الصور المثالیۃ فیری ذالک عیانا فھو من العلم بالشھادۃ ولیس من الغیب فی شیٔ۔

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۰۰)

بہر حال یہ بھوک اور ریاضت اور اپنے نفس کی مخالفت سے حاصل ہوتا ہے اور اس وقت بعض اوقات بعض مغیبات سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور وہ منکشف ہو جاتے ہیں یا صور مثالیہ سے حجاب اٹھ جاتے ہیں اور وہ اس کو آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں تو یہ مشاہدہ کی چیز ہوئی غیب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

عالم مثال پر علماء اسلام میں سے حضرت امام غزالیؒ، حضرت امام سیوطیؒ، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ نے مبسوط بحث کی ہے اور حضرات اولیاء کرامؒ کے کشف کے صحیح ہونے کی تصوفانہ رنگ میں حضرت سید احمد شہیدؒ (المتوفی سنہ ۱۲۴۶ھ) نے اپنے ملفوظات میں قدرے تفصیلی بحث کی ہے۔ (دیکھئے صراط مستقیم ص ۱۴۷)

اور مراودت زلیخا کے وقت حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تمثل بھی اس مثالی صورت کا مؤید ہے۔ (دیکھئے مستدرک ج ۲ ص ۳۴۶۔ قال الحاکمؒ والذہبیؒ علی شرطھما و فی ابن کثیر ج ۲ ص ۴۷۴ و جلالین ص ۱۹۲ واللفظ لہ قال ابن عباسؓ مُثّل لہ یعقوبؑ الخ

اور ایسی ہی عبارات سے فریق مخالف کو دھوکا ہوتا ہے کہ لوح محفوظ اور یطلع علی المغیبات کا لفظ جو دیکھا تو نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، جھٹ سے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کو تمام غیوب پر مطلع کیا جاتا ہے۔ حالانکہ آپ نے دیکھ لیا کہ وحی کے بغیر جو مغیبات کسی پر منکشف ہوتے ہیں وہ صرف بعض

ہوتے ہیں تمام اور سب نہیں ہوتے، اور ان میں کوئی خاص کمال بھی مضمر نہیں ہے، اور نہ تقرب خداوندی اور نجاتِ اُخروی میں ان کا کوئی دخل ہے کیونکہ ریاضت اور مجاہدہ کے بعد ایسے ظنی کشفیات مسلمانوں کے علاوہ جوگیوں اور کاہنوں کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے مردود ہونے میں کس کو شک ہے؟ حضرت اولیاء کرامؒ کا کشف و الہام حق ہے، وہ محل نزاع نہیں ہے۔ مگر وہ بھی ظنی ہونے کے علاوہ بعض بعض امور سے متعلق ہوتا ہے سب سے نہیں۔

فائدہ فریقِ مخالف کے علماء کی طرف سے حضرت مُلا علی ن القاری رحکی یہ سابق عبارت بھی (جو ص ۱۴۹ میں نقل کی گئی ہے) اپنے باطل دعوے کے اثبات پر پیش کی جاتی ہے، مگر خط کشیدہ الفاظ کو وہ شیر مادر سمجھ کر بالکل ہضم کر جاتے ہیں اور اس کا ذکر تک نہیں کرتے تاکہ ان کے باطل مزعوم کی قلعی نہ کھل جائے۔ اس تصریح اور تحقیق کے بعد وہ ضرور مغموم ہوں گے مگر یہ طبعی امر ہے، ان کو ضرور پریشان اور مغموم ہونا چاہیئے؛ ؎

لب ہائے زخم دیکھئے اور خوب رویئے
امید واریٔ لبِ خنداں نہ کیجئے

الحاصل قرآن کریم، صحیح احادیث، اقوال حضرات صحابہ کرامؓ، حضرات تابعینؒ اور حضرات تبع تابعینؒ اور معتبر اور مستند حضرات مفسرین کرامؒ سے یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہوگئی ہے کہ کسی فرشتۂ مقرب، نبی مرسل اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطائی طور پر بھی کل مغیبات پہ اطلاع نہیں دی تھی، لہٰذا ذاتی اور عطائی کا دُور از کار جھگڑا چھیڑ کر لوگوں کو دھوکہ دینا یا بعض اکابر کی عبارات میں جہاں اطلاع اور اظہار علی الغیب یا عطائی وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں (اور وہ صرف بعض بعض امور اور جزئیات سے متعلق ہیں) سے کُل مغیبات کا عطائی طور پر علم ثابت کرنا جہالت اور انتہائی بد دیانتی ہے۔ مگر فریق مخالف کی بلا سے وہ تو اپنی ساکھ اور حلوے مانڈے کے لیے بدعات کو سنگینوں کے پہرہ سے محفوظ رکھنے کے درپے ہے۔ اس کے مقابلہ میں توحید و سنت کا گلستان اجڑتا ہے تو ان کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہاں گیارھویں شریف، ختم، میلاد اور عرس وغیرہ پر کوئی زد نہ پڑے آہ ؎

کس نے اپنے آشیاں کے چار تنکوں کے لیے
برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا

اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں جو رُتبہ اور شان حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہے، وہ اور کسی کو حاصل نہیں ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اور بہت سے خصوصیات ان کو مرحمت فرمائے ہیں اسی طرح علمی لحاظ سے بھی ان کا مقام بہت اونچا رکھا ہے جیسے ان کے کسی دوسرے مخصوص فضل و شرف کو کوئی نہیں حاصل کر سکتا بعینہٖ اسی طرح ان کے علمی مقام تک کوئی رسائی نہیں کر سکتا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور جنت و دوزخ اور قبر و حشر اور اس قسم کے دیگر بے شمار غیوب جو بتلائے ہیں وہ یقیناً انہی کا حصہ ہو سکتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی ان کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا، مگر بایں ہمہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذوات عالم الغیب نہ تھیں، اس لیے کہ عالم الغیب تو صرف اور صرف ایک ہی ذات ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتے تو ایک منصف مزاج کو یہ سمجھنا چنداں دشوار نہیں کہ حضرات اولیائے کرامؒ اور بزرگانِ دینؒ و شہدائے عظامؒ کس طرح عالم الغیب ہو سکتے ہیں؟

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رحؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ: مسئلہ: اولیاء کو علم غیب نہیں ہوتا، ہاں بعض غائب چیزوں کے متعلق خرقِ عادت کے طور پر کشف سے یا الہام سے ان کو علم دیا جاتا ہے اور یہ کہنا کہ اولیاء کو غیب کا علم ہے، کفر ہے (بلفظہٖ ارشاد الطالبین ص۲) اور نیز فرماتے ہیں کہ "اولیاء کا کشف اور الہام علم ظنی کا موجب ہے" ص۱)

مگر جہالت کا خدا برا کرے آج نصوصِ قطعیہ کے مقابلہ میں غیر معصوم اقوال پر بنیاد رکھ کر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ولی اور نبی کے کمال کی یہ شرط ہے کہ لاتستقر نطفة فی فرج اُنثیٰ اِلّا ینظر ذٰلک الرّجل الیها۔ (نجم الرحمٰن بحوالہ صاعقۃ الرحمٰن ص۵) کسی مادہ کی شرمگاہ میں کوئی نطفہ قرار نہیں پکڑتا مگر وہ کامل اس کو دیکھتا ہے۔ اور اس شرط پر کم و بیش

مشہور اور نامور اٹھارہ مولوی صاحبان اور گدی نشین حضرات کے نام درج ہیں، اور ان شہوت پرستوں کو یہ بھی معلوم نہیں (یا فرج کے ذکر سے استلذاذ منظور ہے) کہ استقرار نطفہ کا محل رحم ہے فرج نہیں۔
ہم اس باب میں قرآن کریم کی قطعی نصوص سے یہ بات واضح کریں گے (اور بطور تائید اور تشریح کے صحیح احادیث بھی عرض کریں گے) کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جمیع ماکان ومایکون کا علم حاصل نہیں تھا اور نہ وہ عالم الغیب تھے۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسّلام اور علم غیب

یا علم ماکان ومایکون

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا اور مسجود ملائکہ بنایا۔ پھر حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام کو جنت میں رہنے کا حکم دیا، اور ان کو اجازت دی کہ بلا روک ٹوک جو وہ چاہیں کھائیں اور پئیں۔ بجز ایک معین درخت کے جس کا کھانا ان کی بہشتی زندگی اور استعداد کے مناسب نہ تھا اور فرمایا کہ اس کے قریب نہ جاؤ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

ابلیس لعین نے ان دونوں کو سبز باغ دکھانے کی کوشش کی اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس درخت کے کھانے سے اس لیے منع کیا ہے کہ تم کہیں فرشتے نہ بن جاؤ۔ اگر اس درخت کا پھل کھاؤ گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تم فرشتے بن کر ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ اس کے ساتھ اس نے قسم بھی کھائی اور ان کو ہر طرح کا لالچ اور حرص دلا کر ان کو یقین کرا دیا لہٰذا ان سے لغزش صادر ہوئی اور اس ممنوع درخت کا میوہ وہ کھا گئے۔ اللہ تعالیٰ کا عتاب ہوا اور ان کو جنت کی اس آسودہ زندگی اور خوشی سے جنت کا لباس ان سے چھین کر نکال دیا گیا (آخر خدا کو ان کا زمین میں خلیفہ بنانا بھی منظور تھا) وہ درختوں کے پتے جوڑ کر اپنی شرمگاہوں کو ڈھانک کر وہاں سے نکلے بلکہ نکالے گئے۔ قرآن کریم کے اصل الفاظ ملاحظہ کیجئے

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ	پھر بہکایا ان کو شیطان نے تاکہ کھول دے ان پر وہ چیز کہ ان کی نظر سے پوشیدہ تھی ان کی شرمگاہوں سے اور وہ بولا کہ تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اس

تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْتَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○ وَ	لئے کہ کبھی تم ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والے اور
قَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ○ فَدَلّٰهُمَا	ان کے آگے ابلیس نے قسم کھائی کہ میں البتہ تمہیں نصیحت
بِغُرُوْرٍ ج فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا	کرنے والا ہوں پھر مائل کر لیا ان دونوں کو فریب سے پھر جب
سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ	چکھا ان دونوں نے درخت کو تو کھل گئیں ان پر شرمگاہیں
وَّرَقِ الْجَنَّةِ ط (پ۸۔ اعراف ۲۔)	ان کی اور لگے جوڑنے اپنے اوپر بہشت کے پتے ۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم الغیب اور عالم ما کان وما یکون ہوتے اور ان کو ہر ہر بات معلوم ہوتی تو ابلیس لعین کے فریب میں کبھی نہ آتے اور نہ اس کی جھوٹی قسموں پر اعتبار کرتے لیکن وہ یہی سمجھے کہ خدا کا نام لے کر کون جھوٹ بولنے کی جرأت کر سکتا ہے ، اس لیے وہ شیطان کی قسموں سے متاثر ہوئے۔ اگر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر ہر بات معلوم ہوتی تو ایسا کبھی نہ ہوتا اور شیطان کے پھندے میں وہ کبھی نہ آتے۔ نیز ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت حوا علیہا السلام کو بھی علم غیب نہ تھا۔ اگر ہوتا تو ضرور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس درخت کا میوہ کھانے سے روکا گیا تھا ، اس کے کھانے کے نتائج سے وہ آگاہ کر دیتیں بلکہ احادیث سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خیانت نہ کرتیں (یعنی درخت ممنوع کے کھانے پر نہ ابھارتیں) تو کبھی کوئی عورت اپنے خاوند سے خیانت نہ کرتی۔

ولو لا حواء لم تخن انثٰی زوجها الدھر	اگر حضرت حواؑ خیانت نہ کرتیں تو کبھی کوئی عورت اپنے
(بخاری ج ۱ ص ۴۶۹ و مسلم ج ۱ ص ۴۷۵ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۸۰)	خاوند سے خیانت نہ کرتی۔

حضرت ابن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس درخت کا میوہ کھا لیا جس سے انہیں منع کیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم ، تمہیں میری نافرمانی پر کس نے ابھارا؟ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ، اے اللہ حوا نے میرے لیے اس کام کو مزین کیا یعنی مجھے ابھارا اور سبز باغ دکھلایا اللہ نے فرمایا۔ اب میری طرف سے حوا اور اس کی لڑکیوں کو قیامت تک یہ سزا ہوگی کہ حیض ، حمل اور وضع حمل کی تکالیف میں ان کو مبتلا کروں گا۔ حضرت حوا بڑی روئیں مگر ارشاد ہوا کہ تو بھی رو اور تیری لڑکیاں بھی روتی رہیں گی (مستدرک ج ۲ ص ۳۸۱ قال الحاکم رہ والذہبی صحیح)

یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے۔ اگر حضرت حواءؑ کو علم غیب ہوتا تو یہ لغزش کر کے نہ اپنے لیے تکلیف ضربیتیں اور نہ اپنی لڑکیوں کے لیے یہ وبال برداشت کرتیں۔

یہاں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں کو وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا الآیۃ سے حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے عالم الغیب یا عالم ماکان و مایکون ہونے پر دھوکہ ہوا ہے (دیکھیے جاء الحق ص۵۲ وغیرہ) ہم آئندہ لفظ کل پر مفصل بحث کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ کہ اس سے اکثر چیزیں مراد ہوتی ہیں۔ ہر مقام پر یہ استغراقِ کلی کے لیے ہی نہیں آتا اور اس آیت کا مطلب بھی حضرات مفسرین کرامؒ سے عرض کر دیا جائے گا۔ یہاں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا علم غیب کُلَّهَا سے ثابت ہوتا ہے تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابلیس کے فریب میں کیوں آتے کیونکہ حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو ناموں کی تعلیم اور فرشتوں کا امتحان اور حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ و السّلام کو فرشتوں کا مسجود ٹھہرانا پہلے تھا اور جنت سے ان کا نکلنا اور شیطان کا ان کو دھوکا دینا بعد کو ہوا تھا۔ قرآن کریم نہایت صاف طریق سے اس کو بیان کرتا ہے۔ تو اگر پہلے لفظ کُلَّهَا سے حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کلّی غیب دیا جا چکا ہوتا تو بعد کو حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام شیطان کے فریب اور مکر میں کیوں آتے؟ اور اس کی جھوٹی قسموں پر کیوں اعتبار کیا؟ اور ممنوع درخت کے نتائج سے کیوں دیدہ و دانستہ اغماض برتا؟ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما الصلوٰۃ والسلام کو ہر ہر چیز کا علم حاصل نہ تھا اور نہ وہ عالم الغیب تھے اور نہ اس معنی عالم ماکان و مایکون تھے جس کا مدعی فریق مخالف ہے

علم غیب اور حضرت نوحؑ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسّلام ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم میں رہے اور ان کو نصیحت کرتے رہے۔ جب اُن کی نبوّت اور رسالت کی ڈیوٹی کما حقہٗ پوری ہو گئی تو مجرم قوم پر طوفان امڈ آیا اللہ تعالیٰ نے طوفان سے قبل ہی حضرت نوح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو آگاہ کر دیا تھا کہ آپ کو اور آپ کی آل کو میں بچاؤں گا، جب طوفان کی تلاطم خیز موجیں نظر آئیں تو شفقت پدری نے جوش مارا اور اپنے بیٹے کنعان سے فرمایا، بیٹا ہمارے ساتھ کشتی پر سوار ہو جاؤ۔ اس نے گستاخانہ لہجہ میں جواب دیا۔ میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاؤں گا۔ وہ مجھے

طوفان اور سیلاب سے بچالے گی۔ فرمایا، آج وہی بچے گا جس کو خدا بچائے۔ بیٹے کی غرقابی کو دیکھ کر برداشت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ سے التجا کی۔ اے اللہ! میرا لڑکا میری آل سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اس کو بچا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہ تیری آل میں داخل نہیں، کیونکہ اس کے اعمال اچھے نہیں۔ مجھ سے ایسی باتوں کا سوال نہ کر جن کا تمہیں علم نہیں، ورنہ تم بے سمجھ لوگوں میں شمار ہو جاؤ گے۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ قرآن کریم کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ ج وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ○ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ج اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ق فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ط وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (پ ۱۲۔ ہود ۔ ۴)

اور پکارا نوحؑ نے اپنے رب کو کہا، اے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ فرمایا اے نوحؑ وہ نہیں تیرے گھر والوں میں اس کے عمل خراب ہیں سو مت طلب کر مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جائے تو جاہلوں میں، بولا اے رب میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ مانگوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو مجھ کو اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے تو۔ تو میں ہو جاؤں نقصان اٹھانے والوں میں۔

ان آیات میں اس چیز کو نہایت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر ہر بات کا علم حاصل نہ تھا حالانکہ نبوت کی ڈیوٹی پوری ہو چکی تھی اور تمام حجت ہو چکی تھی، دوسروں کے بارے میں تو انہیں کیا علم حاصل ہوتا خود اپنے گھریلو معاملات کے بارے میں بھی اگر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے سے یہ علم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ میرے لڑکے کنعان کو نہیں بچائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ میرے اس مطالبہ اور سوال ہی سے ناراض ہو گا تو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی اس سوال کی جرأت نہ کرتے بلکہ وہ توصاف لفظوں میں اپنی لاعلمی کا مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ کے ساتھ اقرار کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ دوسروں کے متعلق تو کیا حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طوفان سے اپنے بیٹے کی نجات کا علم بھی پہلے نہ تھا۔ اگر آپ عالم ماکان و مایکون ہوتے تو آپ کو ضرور یہ معلوم ہوتا۔

لطیفہ:۔ فریق مخالف نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالم ماکان و مایکون ہونے پر سورۃ نوح کی اس آیت سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی تھی کہ اے

رب زمین پہ کوئی کافر نہ چھوڑ. اگر تو ان کو چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد سے کوئی مسلمان نہ پیدا ہوگا بلکہ سب کافر اور فاجر ہی ہوں گے۔ فریق مخالف کا کہنا ہے کہ :-

" دیکھئے حمل کا حال تو ایک طرف رہا میاں ابھی تخم بھی نہیں پڑا، نسلاً بعد نسلاً آپ نے معلوم کر کے عرض کر دیا کہ ان سے کوئی مسلمان نہ ہوگا "

(تصرۃ الحق ص۲۴ مولوی امام الدین صاحب سیالکوٹی اور مقیاس حنفیت ص۲۲۶ مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ) گویا اس مضمون سے حمل کی حالت کا معلوم ہونا اور آئندہ آنے والے واقعات کے علم کا بھی اثبات کیا گیا ہے

جواب فریق مخالف کا اس سے استدلال باطل ہے۔ اولاً اس لیے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ما فی غد اور علم ما فی الارحام حاصل تھا تو اس سے صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف اپنی قوم کی عورتوں کے ارحام کا اور ان کی اولاد در اولاد کے ایمان نہ لانے کا علم تھا۔ اس سے یہ کیسے ثابت ہوگا جو قومیں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے گزر چکی تھیں، ان کی عورتوں کے ارحام کا علم اور ان کے ما فی غد حالات کا علم بھی ان کو حاصل تھا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان دس قرن اور صدیاں گزر چکی تھیں۔ (مستدرک ج ۲ ص۵۴۹ وغیرہ) علاوہ بریں ان کیلئے کیڑوں مکوڑوں اور تمام دیگر حیوانات اور جانوروں کے حمل کا علم اس سے کیسے ثابت ہوگا۔ کیونکہ آیت میں تو وَلَا يَلِدُوٓا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ○ مذکور ہے اور یہ نہ تو گذشتہ اقوام کے حالات پر دلالت کرتی ہے اور نہ انسانوں کے علاوہ کسی اور مخلوق پر اس لیے کہ فاجر اور کافر کیڑے مکوڑے اور دیگر جانور نہیں ہوتے کیونکہ وہ تو غیر مکلف ہیں۔ نیز جنات کے حمل کا اور ان کے ما فی غد حالات کا علم بھی اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام جنات کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے۔

حضرت ابوذر رضی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ :-

اُوتیت اللیلۃ خمسا لم یؤتھا نبی قبلی ارسلت الی الاحمر والاسود قال مجاھد الانس والجن الحدیث (مستدرک ج ۲ ص۴۲۴ قال الحاکم والذہبی علی شرطھما۔)	آج کی رات مجھے ایسی پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں ایک یہ کہ میں سرخ اور سیاہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ حضرت مجاہدؒ (المتوفی ۱۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ سرخ اور سیاہ سے انسان اور جن مراد ہیں۔

حالانکہ حضرت عبداللہؓ بن عمرو رضؓ کی روایت میں (جو حکماً مرفوع ہے) یہ آتا ہے کہ نو حصے جنات اور دسواں حصہ بنی آدم ہیں (مستدرک ج ۴ ص ۴۹۰ قال الحاکم والذہبی رحؒ صحیح) اور ان کی ایک روایت میں جس کی امام حاکمؒ اور علامہ ذہبی رحؒ دونوں تصحیح کرتے ہیں، یہ آیا ہے کہ نو حصے یاجوج ماجوج ہیں اور دسواں حصہ بنی آدم ہیں۔ (مستدرک ج ۴ ص ۴۹۰)

الغرض یہ تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قوم کے افراد کے متعلق یہ علم تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے اور آئندہ یہ فاسق اور فاجر ہی جنیں گے، فریق مخالف کا علم غیب کلی اور جمیع ماکان و مایکون کے علم کا اس سے اثبات یقیناً باطل ہے۔

وثانیاً حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قوم کے لیے بددعا فرمائی تھی تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بعد کہ :-

وَلَقَدْ اُوحِیَ اِلٰی نُوحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○ (پ ۱۲ - ہود - ۴)	اور البتہ بے شک نوحؑ کی طرف یہ حکم بھیجا گیا، کہ اب ہرگز ایمان نہ لائے گا تیری قوم سے کوئی مگر جو ایمان لاچکا سو غمگین نہ رہ ان کاموں پر جو وہ کر رہے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم کی تباہی اور ہلاکت کی دعا اس وقت مانگی تھی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ان کو مل چکا تھا کہ اب آئندہ تیری قوم سے کوئی بھی ایمان نہ لائے گا۔ جب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حکم سنا تو پھر یہ بددعا کی کہ اے بار الہا! پھر ایسے کافروں اور فاجروں کی نسل ہی کو دنیا سے ختم کر دے تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

جتنی چیز اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے وہ حق ہے اس سے جمیع ماکان و مایکون کا علم کیسے ثابت ہوا؟ یہ چیز یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کی ہلاکت کی بددعا طوفان کے آثار ظاہر ہونے سے قبل کی ہے اور اپنے بیٹے کے لیے جو دعا کی تھی وہ طوفان کی موجیں نظر آنے کے بعد کی ہے اگر فریق مخالف کی منطق کی رو سے آیت سابقہ سے ان کا علم غیب ثابت ہو تو اس کے بعد بیٹے کے لیے جو دعا انہوں نے کی، اس سے ان کے علم غیب کی نفی لازم آتی ہے۔ وانما یؤخذ بالآخر فالآخر تو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری دعا سے بھی علم غیب کی نفی ثابت ہوئی۔

علم غیب اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعدد واقعات اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں پیش کیے ہیں جن سے علم غیب کی نفی ہوتی ہے۔ ہم صرف ان کی زندگی کا ایک ہی واقعہ قرآنِ کریم سے نقل کرتے ہیں :۔

چند فرشتے (بصورتِ انسان) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے۔ انہوں نے مہمان اور انسان سمجھ کر ان کے لیے گائے کا بچھڑا ذبح کیا اور بھون تل کر ان کے سامنے لا رکھا۔ وہ فرشتے تھے بھلا وہ کیسے کھاتے؟ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام دل میں خوفزدہ ہوئے کہ مبادا دشمن ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سراسیمگی کو دیکھ کر فرشتے بولے۔ ہم فرشتے ہیں۔ قوم لوط (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تباہی کے لیے آئے ہیں۔ نیز آپ کو خوشخبری سنانے آئے ہیں کہ اللہ آپ کو ایک لڑکا عطا فرمائے گا جس کا نام اسحٰق (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہوگا اور اُن کے بعد ان کے بیٹے یعقوب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بھی خوشخبری لے کر آئے ہیں۔ پاس ہی حضرت سارہ علیہا السلام کھڑی تھیں۔ انہوں نے بڑے تعجب سے کہا۔ ہاں میں بڑھیا ہو کر بچہ جنوں گی؟ حالانکہ میرا خاوند بھی بہت ہی بوڑھا ہے؟ جواب ملا خدا تعالےٰ کے فضل اور کرم کے بارے میں تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ جب وہ دینے پر آئے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ قرآنِ کریم کے بعض الفاظ ملاحظہ فرمایئے :۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ○ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ○ وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ○ قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ	اور البتہ آ چکے ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم ؑ کے پاس خوشخبری لے کر، بولے سلام، وہ بولا سلام ہے، پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا۔ پھر جب دیکھا ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر تو کھٹکا اور دل میں ان سے ڈرا، وہ بولے مت ڈر ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں طرف قوم لوط ؑ کے، اور اس کی عورت کھڑی تھی۔ تب وہ ہنس پڑی، پھر ہم نے خوشخبری دی اس کو اسحاق ؑ کے

وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ط اِنَّ ھٰذَا لَشَیْئٌ عَجِیْبٌ ○ (پ۱۲۔ ہود۔ ۷)

پیدا ہونے کی اور اسحاق ع کے پیچھے یعقوب ع کی، بولی لے خرابی کیا میں بچہ جنوں گی، اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا بوڑھا ہے یہ تو ایک عجیب بات ہے۔

اس کے بعد فرشتوں نے کہا۔ خدا تعالیٰ کے حکم میں کوئی تعجب نہیں۔ وہ بڑی خوبیوں والا ہے۔

اِس قصے سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علمِ غیب حاصل نہ تھا، ورنہ وہ فرشتوں کو انسان اور مہمان نہ سمجھتے اور ان کے سامنے بچھڑا بھُون تل کر نہ لا رکھتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت سارہ علیہا السلام کو بھی علم غیب نہ تھا، ورنہ ایک معلوم چیز پر وہ اتنا تعجب نہ کرتیں اور اپنے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑھاپے کی شکایت کر کے تعجب میں مبتلا نہ ہوتیں۔ ان کی عمر اس وقت حسب تصریح حضرت ابن عباس رض نوّے سال کی اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک سو بیس سال کی تھی۔ (مستدرک ج ۲ ص۵۵۶۔ قال الحاکم و الذہبی صحیح)۔ تورات کتاب پیدائش باب ۲۵ آیت ۸ میں ہے کہ ایک سو پچھتر سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی اور حضرت ابوہریرۃ رض فرماتے ہیں کہ دو سو سال عمر پا کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات پائی تھی۔ (مستدرک ج ۲ ص۵۵۱ وقالا علیٰ شرطہما)

خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ غیب کا علم نہ تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تھا اور نہ حضرت سارۃ علیہا السلام کو نیز حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو بھی نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب حضرت ہاجرہ ع کو بیت الحرام کے پاس بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ کر واپس ملک شام جانے لگے تو حضرت ہاجرہ ع ان کے پیچھے پیچھے جاتی ہیں اور بار بار درد بھری آواز سے پکارتی ہیں کہ آپ ہمیں یہاں کس کے پاس چھوڑ کر جاتے ہیں؟ پھر تھک ہار کر فرماتی ہیں۔

یَا اِبْرَاھِیْمُ اِلٰی مَنْ تَتْرُکُنَا قَالَ اِلَی اللّٰہِ قَالَتْ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ۔ (بخاری ص۴۷۴ ج ۱)

اے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں کس کے پاس چھوڑ کر جاتے ہو، فرمایا خدا کے پاس۔ حضرت ہاجرہ ع نے کہا، میں خدا کے حکم پر راضی ہوں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتلانے سے قبل ہی یہ معلوم ہوتا کہ یہاں ہمارا ٹھہرنا اور رہنا اللہ تعالیٰ کی مرضی سے طے ہو چکا ہے تو جیسے ان کے بتلانے کے بعد راضی ہو گئی تھیں پہلے ہی سے وہ راضی ہو جاتیں اور سوال نہ کرتیں۔

قارئین کرام! یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو علمِ غیب ہوتا تو جب ان کو حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا اور انہوں نے اپنی طرف سے قربانی کر بھی دی تھی تو یہ ان کا کوئی بڑا کارنامہ نہ سمجھا جاتا کیونکہ ان کو تو معلوم تھا کہ لڑکا ذبح نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ ایک ڈرامہ ہوگا اور یونہی مفت کی ناموری ہو جائے گی۔ العیاذ باللہ تعالیٰ! حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اخلاص اور ایثار ایسا فعل ہے جس پر اگر ہزاروں عقیدتیں بھی قربان کی جائیں تو کم ہیں ؎

تیری ذبح، ذبح عظیم کی ہو مثیل کیسے خلوص میں
نہ خلیل ؑ کا سا ہے دل ترا، نہ ذبیح کا سا گلا ترا

عمری دلائل

مولوی محمد عمر صاحب، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے علمِ غیب پر چند دلائل پیش کرتے ہیں:۔

(۱) (۱۰۔ ابراہیم ۱۳/۱۶) رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ ذَرْعٍ (اصل میں زَرْعٍ ہے۔ صفدر) عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ (اے رب میرے میں نے بسایا ہے اپنی اولاد سے غیر زراعتی وادی میں تیرے بیت الحرام کے پاس)۔ اس آیتِ کریمہ سے مِنْ ذُرِّیَّتِیْ میں رب العزت نے مِنْ تبعیضیہ کو بیان فرما کر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے واسطے علم مافی الارحام اور مَاذَا تَکْسِبُ غَدًا کا ثبوت پیش کر دیا۔ کیونکہ اسحاق علیہ السّلام ابھی پیدا نہیں ہوتے تھے، لیکن ابراہیم علیہ السلام نے پہلے ہی مِنْ ذُرِّیَّتِیْ فرما دیا اور منکرین کا دم توڑ دیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بیت الحرام کا بیان فرمایا جس کا وہاں نام و نشان نہ تھا۔ اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی مَاذَا تَکْسِبُ غَدًا کا علم بیان کیا۔ (بلفظہٖ مقیاس ص۲۲۳)

الجواب

مولوی محمد عمر صاحب نے اس آیت سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علمِ غیب ثابت کر کے نہ صرف یہ کہ قرآنِ کریم کی آیت کی تحریف کی اور اپنی جان پر ظلم کیا ہے بلکہ اپنی درماندگی اور جہالت کا بھی زندہ ثبوت پیش کیا ہے۔ اولاً اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا بناءِ بیت اللہ اور حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے بعد کی ہے قبل کی نہیں۔ بناءِ بیت الحرام سے پہلے جو دعا انہوں نے کی ہے وہ پہلے پارہ میں رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا (جس میں بَلَدًا نکرہ ہے) کے الفاظ سے بیان کی گئی ہے، اور اس میں مِنْ ذُرِّیَّتِیْ کا ذکر نہیں ہے، اور یہ دعا رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا (جس میں البلد معرفہ ہے) جسکا حوالہ مولوی محمد عمر صاحب

نے دیا ہے اور جو تیرھویں پارہ میں مذکور ہے، یہ بنا بیت اللہ پیدائش حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کی ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

نعرف لانه دعا به بعد بنائها ولهذا قال اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ومعلوم ان اسمٰعیل اکبر من اسحٰق بثلاث عشرة سنة (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۴۰)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اَلْبَلَدَ کو اس لیے معرفہ پیش کیا ہے کہ یہ دعا بنا بیت اللہ کے بعد کی ہے اور اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا کہ الحمد للہ جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ مرحمت فرمائے اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ تیرہ سال حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عمر میں بڑے تھے۔

اور پھر آگے رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ الآیۃ۔ کی تفسیر میں یہ لکھتے ہیں کہ:۔

وهذا کان بعد بنائه تاکیدًا ورغبة الی الله (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۴۱)

یہ دعا بیت اللہ کی تعمیر کے بعد کی ہے اس میں مزید تاکید اور رغبت الی اللہ تعالیٰ کا اظہار کیا گیا ہے۔

الغرض اس سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم فی الارحام ثابت کرنا اور یہ لکھنا کہ کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ عجیب اچھروی منطق ہے۔

وثانیاً مولوی محمد عمر صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت الحرام کو بیان فرمایا جس کا وہاں نام و نشان نہ تھا۔ مولوی صاحب کی اس سے کیا مراد ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ بیت اللہ کا اصل ہی سے نام و نشان نہ تھا تو یہ قطعاً غلط ہے، کیونکہ سب سے پہلے کعبہ کی عمارت فرشتوں نے اور ان کے بعد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور پھر ان کی اولاد حضرت شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ نے کھڑی کی تھی۔ چوتھے نمبر پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعمیر کی ہے۔ چونکہ طوفان نوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بعد اس کا تسلسل ختم ہو گیا تھا اور جو تسلسل تا ہنوز (جس کو ۱۰۴۰ھ میں سلطان مراد خان بن احمد خان ترکیؒ نے سنگ مرمر وغیرہ سے تعمیر کیا ہے) قائم ہے۔ تو وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کا ہے۔ اس وجہ سے اس کی نسبت حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی گئی ہے، ورنہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے تین مرتبہ کعبہ بن چکا تھا۔ (دیکھئے قسطلانی ج ۳ ص ۔۔۔ و بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب ص ۱۵۸ و حکی نعمہ الحافظ ابن کثیر ج ۱ ص ۱۷۲ ایضاً) اور اگر مراد یہ ہے کہ مکان اور تعمیر کی صورت میں اس کا نام و نشان نہیں

تھا تو ٹھیک ہے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی جگہ بتائی تھی اس لیے انہوں نے عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ ۔ (پ۱۷۔ الحج۔۴) اور جب ہم نے ٹھیک کر کے دکھلادی ابراہیم ؑ کو جگہ اس گھر کی۔

جب اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام کی جگہ بتادی اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُعا میں اس کا ذکر کر دیا تو علمِ غیب اور ما فی غد کے علم کا اس سے کیا تعلق ہے ؟ خدا تعالیٰ مولوی محمد عمر صاحب کو سمجھ عطا فرماتے مگر شرک و بدعت میں مبتلا ہونے کے بعد خالص دین کی سمجھ کیسی ؟ ؎

سرِ محفل وہ کیا سمجھیں گے سازِ شمع کے نغمے
جو سوزِ غم کی چنگاری کو پروانہ سمجھتے ہیں

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ میں مِنْ کو علی التعیین تبعیضیہ قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے چنانچہ صاحب روح المعانی (وغیرہ) نے تبعیضیہ اور بیانیہ دونوں کا احتمال ذکر کیا ہے (دیکھئے ج۱۳ ص۲۳۶)

(۲) مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ : (۱۱۔ الانعام ۹ع) وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور ایسے ہی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی بادشاہیاں دکھادیں) ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تو اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کے علومِ غیبیہ عطا کرنے کا ارشاد فرمائیں اور تم یہ عقیدہ رکھو کہ غیب کا علم خدا کے سوا دوسرے کے واسطے تسلیم کرنا شرک ہے الخ (بلفظہٖ مقیاس ص۳۲۲)

الجواب مولوی محمد عمر صاحب نے اس مقام پر بھی اپنی عادتِ مالوفہ کے مطابق عجیب و غریب شگوفے کھلائے ہیں اور عالمِ سُکر میں خدا جانے کیا کہہ گئے ہیں حافظ ابنِ کثیر رح وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ الآیۃ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

ای نبین له وجه الدلالة فی نظره الی خلقهما علی وحدانیة الله عزوجل فی ملکه وخلقه وانه لا اله غیره ولا رب سواه کقوله قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وقوله اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا

یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی توحید پر دلیل پیش کرنے کے لیے یہ بات بتائی کہ وہ آسمان و زمین کی خلقت کو ملاحظہ کر کے یہ پیش کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک اور خالق ہے اور وہی الٰہ اور رب ہے، اس کے بغیر اور کوئی نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے کہ تم آسمانوں اور زمین کو دیکھو کہ انمیں کیا کچھ دلائل موجود

فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ صفحہ ۱۵۰) ہیں۔ اور نیز فرمایا کہ کیا ان لوگوں نے نہ دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین کے عجائبات میں ہے ؟

اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علویات اور سفلیات کے نہایت محکم اور عجیب و غریب نظامِ ترکیبی کی گہرائیوں پر مطلع کر دیا تاکہ اسے دیکھ کر خدا تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت وغیرہ پر اور تمام مخلوقات سماوی و ارضی کے محکومانہ عجز و بے چارگی پر استدلال کر سکیں اور اپنی قوم کے عقیدۂ کواکب پرستی و ہیاکل سازی کو علیٰ وجہ البصیرت رد کر سکیں اور خود بھی حق الیقین کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ستارے، چاند اور سورج ایک ایک کو سامنے رکھ کر اپنی قوم کی تردید کی اور فاطر السمٰوٰت والارض کی توحید کا علانیہ اقرار فرما کر حجت قائم کر دی، جس کو اللہ تعالیٰ نے وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ الخ سے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے قوم کے مقابلہ میں حضرت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو دی۔ الغرض اس آیت سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالم الغیب یا عالم ما کان و ما یکون پر استدلال کرنا مولوی محمد عمر صاحب ہی کا کام ہے۔ وہ تو ما شاء اللہ تعالیٰ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے بھی علمِ غیب پر استدلال کیا کرتے ہیں۔ ان کے دعاوی بھی عجیب ہوتے ہیں اور ان کے دلائل بھی نرالے ہوتے ہیں اور رہی دعوے و دلیل میں مطابقت تو بغیر اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؏

رکھ لیا ہے نام اس کا آسماں تحریر میں

باقی حضرت معاذ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کی مرفوع حدیثیں جن میں اس کا ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آسمانوں اور زمین کے عجائبات پیش کئے تو انہوں نے عرش تک تمام آسمانوں کی چیزیں اور اسی طرح زمینوں کی چیزیں ملاحظہ کر لیں اور سب کا علم اُن کو ہو گیا، تو ان کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ولکن لا یصح اسنادھما (تفسیر ج ۲ صفحہ ۱۵۰) لیکن ان کی سند صحیح نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضؓ سے ایک موقوف اثر آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام مخلوقات کے اعمال معلوم کر لیے تھے اور کوئی چیز ان پر مخفی نہ رہی تھی مگر اس کی سند میں العوفی ہے۔ امام احمدؒ، ابو زرعہؒ، ابو حاتمؒ، امام نسائیؒ، ابن حبانؒ، ابو داؤدؒ، اور ساجیؒ وغیرہ سب اس کو ضعیف کہتے ہیں اور یہ غالی شیعہ بھی تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۷، صفحہ ۲۲۵-۲۲۶) یہی وہ روایتیں

ہیں جن سے مفتی احمد یار خان صاحب نے اپنے باطل مدعیٰ پر استدلال کیا ہے (دیکھئے جاء الحق ص ۵۸، ۵۹)
اگر مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ اس آیت سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علمِ غیب
ثابت کرتے ہیں تو اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی آیت سے تمام انسانوں کے
لیے علمِ غیب ثابت کرنا ہوگا اور کچھ بعید نہیں کہ مولوی صاحب ایسا کہہ اور کر بھی دیں کیونکہ وہ تو ماشاءُ
اللہ تعالیٰ سب کچھ ثابت کر سکتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ کوئی دلیل ان کا ساتھ نہ دے اور وہی دلیل
اہلِ حق کی دلیل بن جائے بقول شاعر ؎

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے — کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جاتے ہے مجھ سے

(۲) مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ (۱۲۔ مریم ۱۶/۳) یٰاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ
یَاْتِکَ فَاتَّبِعْنِیْٓ اَھْدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا ط۔ اے میرے باپ میری یہ شان ہے کہ میرے پاس
ایسا علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں ہے، تُو میری اتّباع کرلے میں تجھے سیدھے رستے کی ہدایت دوں گا۔
حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کے اُس فرمانِ مذکورہ بالا کی تصدیق کرتے ہوئے دعوے فرمایا
کہ مجھے علمِ غیب حاصل ہے جو تیرے پاس نہیں، اگر تو نے میری اتباع کی تو میں تجھے سیدھے رستے
کی طرف لے چلوں گا، اس مقام پہ ابراہیم علیہ السّلام کے علم کے ساتھ جو غیب کی صفت لگائی گئی
اس کے تین وجوہات ہیں (۱) کَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ۔ آپ کے علم کو واضح کر رہا ہے کیونکہ اگر غیب
کا علم نہ ہوتا تو آپ کی کمال ربوبیت اور احسانِ الٰہی کیسے ہو سکتا ہے؟ (۲) قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ
آپ نے فرما کر علم کے ساتھ جاء کو بیان کیا تاکہ ثابت ہو جائے کہ یہ علم میرا غیب الٰہی سے ہے۔
اسی واسطے جاء کی قید نے علم کو غیب سے متصف کر دیا۔ (۳) اور مَا لَمْ یَاْتِکَ کے فرمان نے صاف
غیب کی تاکید فرما دی الخ (بلفظہٖ مقیاس ص ۳۲۵)

الجواب | یہ ہے مولوی محمد عمر صاحب کی دلیل اور برہان یا خالص ہذیان جس کو غالباً وہ خود بھی نہ سمجھے ہوں گے اور بقول شخصے اس کا مصداق ہے کہ ؎

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا — کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اور آگے جو تجزیہ کر کے تین وجوہات پیش کئے ہیں وہ بھی عیسائیوں کی تثلیث کی طرح ایک معمہ
اور چیستان ہے جس پہ اگر مولوی محمد عمر صاحب کا ضمیر مُردہ نہیں ہو چکا تو یقیناً ملامت کرتا ہوگا۔

آیت کا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ اے میرے باپ، مجھے اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت اور معاد وغیرہ کا صحیح علم دیا اور حقائق شریعت اور حلال و حرام اور جائز و ناجائز وغیرہ احکام سے آگاہ کیا ہے، اگر تم میری پیروی کرو گے تو تمہیں سیدھی راہ پر لے چلوں گا جو رضائے حق تک پہنچانے والی ہے، اس کے سوا سب راستے ٹیڑھے ترچھے ہیں جن پر چل کر کوئی شخص ہرگز نجات حاصل نہیں کر سکتا، اس کا علم غیب سے کیا تعلق ہے؟

علم غیب اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام

قرآن کریم میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ مختلف اسالیب اور متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ چند فرشتے نوجوان خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے۔ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم لواطت اور لونڈے بازی میں مشہور تھی، قوم نے سنا تو ہر طرف سے دوڑتی ہوئی آئی اور اپنے برے ارادے سے آئی، حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ میرے مہمان ہیں۔ مجھے ان کے بارے میں تم رسوا نہ کرو۔ یہ لو میری لڑکیاں موجود ہیں، ان سے نکاح کر لو قوم نے جواب دیا کہ آپ کو ہمارا ارادہ معلوم ہی ہے، ہمیں لڑکیوں کی ضرورت نہیں۔ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا تم میں کوئی سمجھدار انسان موجود نہیں کہ میری بات سمجھے؟ لیکن قوم پر بدکرداری کا بھوت سوار تھا۔ اس نے ایک نہ مانی۔ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کاش آج میرے پاس بھی قوت اور طاقت ہوتی تو میں تمہیں خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا مزہ چکھا دیتا۔ فرشتے یہ سب گفتگو سنتے ہیں مگر بالکل خاموش ہیں۔ جب حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے بسی انتہا تک پہنچ چکی تو فرشتے بولے ہم خدا تعالےٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ آپ کیوں گھبراتے ہیں ہم تو آپ کے لیے ان کی تباہی اور بربادی کا مژدہ لے کر آئے ہیں۔ قرآن کریم کا مضمون ملاحظہ کریں۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ○ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ط وَمِنْ قَبْلُ	اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوطؑ کے پاس غمگین ہوا۔ ان کے آنے سے اور تنگ ہوا دل میں اور بولا آج دن بڑا سخت ہے اور آئی اس کے پاس قوم اس کی دوڑتی بے اختیار

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ
بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ
فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ○
قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ
وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ○ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ
قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ○ قَالُوْا يٰلُوْطُ
اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ (الآیۃ)
(پ ۱۲ - ہود - ۷)

اور آگے سے کر رہے تھے بُرے کام، بولا اے قوم یہ میری
بیٹیاں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تم کو اُن سے۔ سو ڈرو تم
اللہ تعالیٰ سے اور مت رسوا کرو مجھ کو میرے مہمانوں کے بارے
میں، کیا تم میں سے ایک مرد بھی نہیں نیک چلن؟ بولے تُو تو جانتا
ہے کہ ہم کو تیری بیٹیوں سے کچھ غرض نہیں اور تجھ کو معلوم ہے جو ہم
چاہتے ہیں، کہا لوطؑ نے کاش کہ مجھ کو تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا یا
جا بیٹھتا کسی مستحکم پناہ میں، مہمان بولے اے لوطؑ ہم بھیجے ہوئے ہیں
تیرے رب کے ہرگز یہ لوگ نہیں پہنچ سکیں گے تجھ تک۔

بعض حضرات مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ سے قوم کی لڑکیاں مراد ہیں کیونکہ نبی اپنی
قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے، علاوہ ازیں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صُلبی لڑکیاں تو اتنی نہ تھیں
جو سب قوم میں پوری ہو سکتیں۔ لیکن ترجمان القرآن حبر الامت حضرت عبد اللہؓ بن عباس رضؓ فرماتے ہیں
کہ یہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صُلبی لڑکیاں تھیں جن کی تعداد تین تھی۔ (مستدرک ص ۲۴۴ ج ۲ قال
الحاکمؒ والذہبیؒ علی شرطھما) حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ سے ہی مروی ہے کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ
والسلام، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھتیجے تھے (مستدرک ص ۵۶۱ ج ۲ وقال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح)

ان آیات سے یہ بات بھی نہایت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو نبوت
اور رسالت کی آخری میعاد تک بھی علم غیب نہ تھا ورنہ وہ اتنے پریشان نہ ہوتے، پہلے ہی سے معلوم
ہو جاتا کہ یہ مہمان خدا تعالیٰ کے فرشتے ہیں، یہ تو قوم کی گت بنانے آئے ہیں، مجھے کیا مصیبت پڑی ہے کہ
میں ان کے بارے میں قوم سے جھگڑا کروں اور بیٹیوں کی قربانی پیش کروں۔ لیکن یہ واقعہ صاف
بتلا رہا ہے کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا اور نہ ہی آپ کی
لڑکیوں کو حاصل تھا ورنہ وہی اُن کو آگاہ کر دیتیں۔ اور جب فرشتوں کے بارے میں (جن کے ساتھ حضرات
انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ایک گونہ گہرا تعلق ہوتا ہے) ان کو علم نہ ہو سکا کہ آیا یہ انسان ہیں یا
فرشتے تو اور کس کے متعلق علم ہو سکتا ہے؟ ہاں اللہ تعالیٰ نے جتنا علم ان کو دیا تھا وہ محل نزاع نہیں ہے۔
لیکن اس کا علم غیب سے کیا تعلق؟

علم غیب اور حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی نو عمر ہی تھے کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے سورج اور چاند ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں، باپ سے بیان کیا وہ سمجھ گئے حفظ ما تقدم کے طور پر ان کو منع کیا کہ یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، کیونکہ وہ خاندان نبوّت سے تعلق رکھتے ہیں کہیں اس خواب کی تعبیر کو معلوم کر چکنے کے بعد بمقتضائے بشریت تمہیں دُکھ نہ دیں۔ خدا تعالیٰ کا کرنا تھا کہ کسی طریق سے بھائیوں کو خواب کا علم ہو گیا، انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی اُچک لینی چاہیئے۔ مختلف باتیں سامنے آئیں طے یہی ہوا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی گمنام کنویں میں پھینک دیں تاکہ نہ یوسف علیہ السلام رہے اور نہ تمہارے اوپر فوقیت کا سوال پیدا ہو باپ سے عرض کی کہ کل ہم شکار کھیلنے کا ارادہ کرتے ہیں، آپ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ (یہاں بکثرت بھیڑیئے ہوتے ہیں) کہیں میرے لختِ جگر کو تمہاری غفلت میں بھیڑیا نہ کھا جائے۔ بیٹوں نے مؤدبانہ التجا کی کہ اگر بھیڑیا ہمارے بھائی کو کھا جائے تو ہم کس کام کے؟ فرمایا اچھا لے جاؤ، وہ لے گئے اور طے شدہ منصوبے کے ماتحت کنویں میں ڈال کر ان کے قمیض کو جعلی خون سے ملوث کر کے رات کے وقت روتے ہوئے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہنے لگے ابا جان ہم شکار کے پیچھے دوڑنے میں مسابقت کر رہے تھے اور بھائی یوسف ؑ کو کپڑوں کے پاس چھوڑا تھا، افسوس کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا، شائد آپ کو یقین نہ آئے لیکن ہم ہیں سچے۔ اور بکری یا ہرن کو ذبح کر کے اس کا خون حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کرتہ پر چھڑک لائے مگر یہ خیال نہ رہا کہ بے ترتیبی سے نوچ اور پھاڑ کر پیش کرتے بھلا حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے نبی عمر رسیدہ اور تجربہ کار بزرگ بکری یا ہرن کے خون پر حضرت یوسف علیہ السلام کے خون کا گمان کیسے کر سکتے تھے؟ اور بعید نہیں کہ یہ فرمایا ہو کہ وہ بھیڑیا واقعی بڑا حلیم و متین ہو گا۔ جو یوسف ؑ کو لے گیا اور خون آلود کرتا کو نہایت احتیاط سے اتار کر صحیح و سالم تمہارے حوالہ کر گیا۔

قرآن کریم کی بعض آیات بھی ملاحظہ ہوں۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ○ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (پ ۱۲۔ یوسف۔ ۲)	بھیج اس کو ہمارے ساتھ کل خوب کھائے اور کھیلے اور ہم تو اس کے نگہبان ہیں بولا مجھ کو غم ہوتا ہے اس سے کہ تم اس کو لے جاؤ اور ڈرتا ہوں اس سے کہ کھا جائے اس کو بھیڑیا اور تم اس سے بے خبر رہو۔ بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا اور ہم ایک طاقتور جماعت ہیں تب تو ہم نے سب کچھ گنوا دیا۔

پھر آگے پورا مضمون بیان کیا گیا ہے کہ رات کو روتے آئے اور انتہائی مکر اور فریب کے ساتھ اپنے والد محترم کو اطمینان دلانے کی کوشش کی۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بھائیوں سے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ وہ نبی نہ تھے، اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ سب کے سب نبی تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی موقوف حدیث سے ثانی گروہ کی تائید ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے گھرانے کے کل افراد جو کنعان اور فلسطین سے مصر آئے تھے، تین سو نوّے تھے جن میں بچے، بوڑھے، مرد اور عورتیں سبھی شامل تھے۔

رجالهم انبياء ونسائهم صديقات (مستدرک ۲ ص۵۷۲ قال الحاکم والذہبی صحیح)	ان کے مرد نبی اور عورتیں پاک باز اور سچی تھیں۔

اور حضرت سلمان فارسی رضؓ سے منقول ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب اور اس کی تعبیر میں چالیس سال کا وقفہ تھا۔ (مستدرک ج ۲ ص ۲۹۶ قال الحاکم والذہبی علیٰ شرطہما)

قرآن کریم کے اس مضمون سے ثابت ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب حاصل نہ تھا اگر حاصل ہوتا تو جب ان کے لڑکوں نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہلاک کرنے کی نیت اور مشورہ کیا تھا۔ تو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا علم ہو جاتا، اور جب وہ ایک گمنام اور دور اُفتادہ کنویں میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو ڈال آئے تو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو علم ہوتا کہ وہ جھوٹ کہتے ہیں، بھیڑیئے نے اس کو نہیں کھایا ـــــ وہ تو فلاں کنویں میں پڑا ہوا ہے، اور پھر وہاں سے جا کر نکال لاتے، کیا حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے جان بوجھ کر اپنے لخت جگر کو کنویں میں

ایک گونہ ہلاکت کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام بیٹوں کا (جو اگر نبی تھے تو فبہا ورنہ ان کے مومن ہونے میں تو کسی کو اختلاف نہیں) حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غیب دان ہونے کا عقیدہ نہ تھا اگر ان کا یہ عقیدہ ہوتا کہ ہمارا باپ غیب جانتا ہے تو ان کو اس مکر اور فریب کی کبھی جرأت نہ ہوتی اور جیسے ان کو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہلاک کرنے کی جرأت اور ہمت نہ ہوئی، ان کے غائبانہ بھی نہ ہوتی۔ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تو یہ حالت تھی کہ پاس ہی چند میلوں پر کنویں میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ دیکھ سکے اور نہ ہی ان کے بدن کی خوشبو آئی۔ لیکن جب خدا تعالیٰ کو منظور تھا تو قاصد مصر سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قمیص لے کر روانہ ہوتا ہے اور حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فلسطین اور کنعان میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قمیص کی خوشبو آجاتی ہے۔ شیخ مصلح الدین سعدی (المتوفی ۶۹۱ھ) نے کیا خوب لکھا اور فرمایا ہے: ؎

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند	کہ اے روشن گہر پیرِ خردمند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی	چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برقِ جہانست	دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم	گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

فائدہ:۔ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سارا قصہ معلوم تھا لیکن کسی خاص مصلحت کی وجہ سے لب کشائی نہیں کرتے تھے۔ اور سارا قصہ معلوم ہونے پر قرآن کریم کی بعض آیات بھی وہ پیش کرتے ہیں مثلاً:۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ط (پ ۱۲۔ یوسف ۲) — یعقوبؑ نے کہا (یوسفؑ کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا) بلکہ تم نے اپنے دلوں سے ایک بات بنالی ہے۔

یا مثلاً جب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے مصر کی حکومت عطا فرمائی اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی دوسری مرتبہ اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو ساتھ لے گئے اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک لطیف حیلہ سے اس کو اپنے پاس رکھ لیا اور بڑے بھائی (روبیل) کے

سو باقی جب اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ سنایا تو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ط (پ ۱۲- یوسف ۱۰) بلکہ (تمہاری کوئی جعلسازی ہے) بنالی تمہارے جی نے ایک بات۔

اور جب حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دونوں بیٹوں (حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بنیامین) کے فراق میں درد و کرب کا اظہار کیا تو بیٹوں نے یا اہلِ خاندان نے کہا۔ آپ ہمیشہ یوسفؑ کے تذکرہ کو پیشِ نظر رکھتے ہیں، آپ غم سے کہیں ہلاک نہ ہو جائیں، تو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ (پ ۱۳- یوسف ۱۰) اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔

فریقِ مخالف کا کہنا ہے کہ اِن آیات سے معلوم ہوا کہ اصل واقعہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم تھا۔ (دیکھئے جاء الحق ص۱۲۳ وغیرہ)

الجواب حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل و دماغ میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دھندلی سی تصویر ضرور موجود تھی اور اجمالی رنگ میں اس خواب کے پس منظر کو جانتے تھے کہ یہ خواب اپنے اندر حقیقت رکھتا ہے اور کسی وقت اس کی تعبیر ضرور پوری ہوگی۔ اسی خواب کی تعبیر پر وہ آسرا لگائے بیٹھے تھے اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی قوی امید نے ان کو اور پُرامید کر رکھا تھا۔ بس یہی اجمالی علم تھا جو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھا، باقی تفصیلی جزئیات کہ بھائیوں نے یوسف کو کنوئیں میں پھینکا ہے اور پھر وہاں سے کسی نے ان کو نکال کر مصر لے جا کر فروخت کیا ہے، اور وہاں وہ کیا کرتے ہیں۔ یہ تمام معلومات حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل نہ تھے اور یہ کوئی تخمینہ کی بات نہیں بلکہ قرآن کریم اس پر شاہد عدل ہے۔ مثلاً جب دوسری مرتبہ یہودا (یا روبیل) کے بغیر تمام بھائی حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس گئے اور انہوں نے وہ تمام واقعہ سنایا کہ آپ کے لڑکے بنیامین نے چوری کی ہے اور وہاں کے بادشاہ نے ہمارے پیش کردہ قانون کے مطابق اس کو اپنے پاس رکھ لیا ہے، آپ وہاں کے لوگوں سے پوچھ دیکھیں اور اس قافلہ سے بھی دریافت فرما لیں جس کے ساتھ ہم مصر سے آئے ہیں۔ بیٹوں کا یہ تمام معذرت نامہ سننے کے بعد بھی حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا (پ۱۳۔ یوسفؑ)   یعقوبؑ نے کہا، بلکہ بنالی ہے تمہارے جی نے ایک بات۔

اگر حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہوتا اور یہ پورا واقعہ معلوم ہوتا تو یہ بات ان کو معلوم ہونی چاہیئے تھی کہ میرا لڑکا تو اپنے عزیز بھائی یوسفؑ کے پاس ہے، کوئی خطرہ اور ڈر نہیں پھر انہوں نے اتنا افسوس کیوں کیا جتنا کہ ایک گمشدہ پر کیا جاتا ہے۔

علاوہ بریں اس دفعہ تو بھائیوں کا قصور نہ تھا، بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کی جو بھی تدبیر کی تھی وہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے کی تھی اور باقی جملہ بھائی نہ یہ کہ صرف بے گناہ ہی تھے بلکہ انہوں نے بڑی زاری اور لجاجت بھی کی تھی کہ ہمارا بوڑھا باپ ہے اس کو اس کے ساتھ بڑا پیار ہے، اس کو چھوڑ دیں اور ہم میں سے کسی کو لے لیں۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ کی پناہ ہم تو اسی کو پکڑیں گے جس کے سامان میں ہمارا شاہی پیالہ اور پیمانہ ملا ہے۔

مگر اس کے باوجود کہ بھائیوں کا اس واقعہ میں کوئی قصور نہیں حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹوں کو یہی فرماتے ہیں کہ تمہاری ہی کوئی شرارت ہے، بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ط کیا جان بوجھ کر اور دیدہ دانستہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیٹوں کو مجرم سمجھا؟ حالانکہ اس واقعہ میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجمالی رنگ میں تعبیرِ خواب کا نقشہ ذہن میں موجود تھا کہ کسی وقت خدا اس کو پورا کرے گا۔ لیکن پوری تفصیلات کا علم نہ تھا۔ جیسا کہ قرآنِ مجید سے یہ چیز وضاحت سے معلوم ہوتی ہے چنانچہ حافظ ابنِ کثیرؒ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

یعنی رؤیا یوسف انها صدق وان الله لابد ان یظهرها (تفسیر ج۲ ص۴۸۲)   یعنی میں حضرت یوسفؑ کے سچے خواب کے ذریعہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کو ایک حقیقت بنا کر ظاہر کریگا۔

فریق مخالف کے اور دلائل

مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں گرنے سے پہلے ہی مَا فِی الْغَدِ کا ارشاد فرمایا فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا کہ تجھ سے تیرے بھائی حیلہ کریں گے۔ فَيَكِيْدُوْا صیغہ استقبال فرما کر قبل از وقت علمِ غیب کی اطلاع دی۔ (مقیاس ص۲۲۵)

الجواب مولوی محمد عمر صاحب ہی انصاف سے فرمائیں کہ کیا حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کنوئیں میں گرنے سے پہلے کنوئیں میں گرنے کی اطلاع دی تھی؟ اور کیا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کنوئیں میں گرے تھے یا گرائے گئے تھے؟ اور بیٹوں نے مشورہ کرکے جب باپ سے حضرت یوسف ؑ کو ساتھ لیجانے کا تقاضا کیا تھا تو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (معاذ اللہ تعالیٰ خلاف واقع بات) کیوں فرمائی کہ مجھے بھیڑیئے کا خوف ہے، یہ کیوں نہ فرمادیا کہ مجھے یوسف ؑ کے (بقول مولوی محمد عمر صاحب) کنوئیں میں گرجانے کا خطرہ ہے؟ اور پھر ان کو اس کنوئیں سے کیوں نہ نکال لائے؟ اور عجیب بات ہے کہ پہلے تو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام قبل از وقت علم غیب کی اطلاع دیتے ہیں مگر عین وقت پر جب کہ حضرت یوسف ؑ کو کنوئیں میں ڈالنے کے لیے بھائی حیلہ کرکے ان کو ساتھ لے جارہے ہیں تو اس وقت ان کو کوئی علم غیب نہیں ہوتا، کیا انہوں نے نبی اور باپ اور بڑا ہو کر عمداً یہی جائز اور روا سمجھا کہ ان کو کنوئیں میں ڈال ہی دیا جاتے؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) مولوی محمد عمر صاحب کو کچھ تو فرمانا چاہیئے کہ قصہ کیا ہے؟

مولوی محمد عمر صاحب قرآن کریم کی یہ آیت وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ الی قولہ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ نقل کرکے اور اس کا ترجمہ کرکے آگے یوں گوہرافشانی کرتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے متعلق بڑے تین امور مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا کے علوم غیبیہ کی اطلاع دی: (۱) یوسف علیہ السلام کا دوسرے بھائیوں سے برگزیدہ ہونا یعنی بادشاہی ملنا اور بھائیوں کا ماتحت ہونا (۲) تعبیر رؤیا کا علم جو ابھی یوسف علیہ السلام کو حاصل نہیں تھا، اللہ کے پاس ہے یا لوح محفوظ میں وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ سے اُس علوم الٰہیہ کی غیبی خبر دینا۔ (۳) وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ سے یوسف علیہ السلام کی نبوت کی خوشخبری دینا یہ بھی مَا فِی الْغَدِ کا علم ہے اور آلِ یعقوب فرما کر مافی الارحام کے علم سے خبردار فرمایا، یہ ہیں خداوند کریم کے مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا اور مَا فِی الْاَرْحَامِ کے پاس شدہ نبی جن کو تم محض خدا کا ہی خاصہ ثابت کررہے تھے اور انبیاء علیہم السلام کی ذات سے ان علوم خمسہ کا ہونا بالکل محال سمجھتے تھے۔ (بلفظہٖ مقیاس ص ۲۲۶)

الجواب حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ سب اپنی جگہ حق اور صحیح ہے اور یہ اُسی خواب کے پیش نظر ہے جو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا تھا مگر اس سے علم غیب یا علم مافی الغد یا علم مافی الارحام کشید کرنا جیسا کہ مولوی محمد عمر صاحب نے اپنی جہالت یا خیانت کا ثبوت دیا ہے، دُور از کار بات ہے۔ یہی حضرت یعقوب علیہ السلام اس بیان اور ارشاد کے کئی سال بعد جب

ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کنویں میں ڈالنے کا پروگرام تیار کرتے ہیں تو ایک دن پہلے ان کو مافی الغد کا یہ علم نہیں ہوتا کہ کل میرے لخت جگر اور نورِ نظر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا پیش آئے گا؟ اور بیٹوں کے منصوبہ طے کرنے سے ایک دن پہلے یہ نہیں جانتے کہ کل میرے بیٹے کیا سازش تیار کریں گے؟ جب مافی الغد قریب کا علم نہیں تو بعید کا کہاں سے ہوگا؟ اور اسی طرح ایک لطیف حیلہ سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب بنیامین کو اپنے پاس رکھا اور اس سلسلہ میں جو کچھ واقعات پیش آئے قبل از وقت ان کا بھی کوئی علم حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ کو نہ تھا۔ کیا یہ واقعات مولوی محمد عمر صاحب کے نزدیک مافی الغد میں داخل نہیں ہیں؟ اور کیا ان کی پوری تفصیلات حضرت یعقوب علیہ السلام کو حاصل تھیں؟ اگر تھیں تو کس دلیل سے؟ باقی مافی الارحام کے متعلق اسی کتاب میں مبسوط بحث آرہی ہے کہ نزاع کس بات میں ہے اور خاصۂ خداوندی اس میں کونسی شق ہے۔ غلط مبحث علماء اور اہلِ انصاف کے شایانِ شان نہیں ہے۔ مگر ؎

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے رہِ رسمِ شاہبازی

علمِ غیب اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قرآنِ کریم میں بہت سے مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں ایک واقعہ یہ ہے کہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب سے درخواست کی کہ میں دیدار کا خواہشمند ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تو ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ اچھا اگر تمہیں خواہ مخواہ شوق ہے تو میں اپنے نور کی تجلی اس پہاڑ پہ ڈالتا ہوں اگر پہاڑ اپنی جگہ پر جما رہا تو پھر کہیں تم مجھے دیکھ سکو گے ورنہ نہیں دیکھ سکتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ پر تجلی ڈالی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیہوش ہو کر گر پڑے، ہوش اور افاقہ ہوا تو فرمانے لگے۔ اے میرے رب! میری توبہ! میں بے چون وچرا تیرا حکم مانوں گا۔ قرآنِ کریم کا مضمون ملاحظہ ہو:۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ — اور جب پہنچا موسیٰ ہمارے وعدہ پر اور کلام کیا اس سے اس کے

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ط قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

(پ ۹ - اعراف - ۱۷)

رب نے، بولا اے میرے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں تجھ کو دیکھوں فرمایا تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھے گا لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تو مجھ کو دیکھ لے گا۔ پھر جب تجلی کی اسکے رب نے پہاڑ کی طرف کر دیا اس کو ڈھا کر برابر اور گر پڑا موسیٰ بے ہوش ہوکر پھر جب ہوش میں آیا بولا تیری ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں سب سے پہلے یقین لایا۔

اس مضمون سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہوتا اور پہلے ہی سے یہ جان لیتے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا دیدار اور رویت نصیب نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے لطیف پیرایہ میں تنبیہ ہوگی تو کبھی بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سوال اور مطالبہ نہ کرتے، پھر جب ان کو معلوم ہوا، کہ اس سوال میں اللہ تعالےٰ نے مجھے لطیف انداز ہ سے تنبیہ فرمائی ہے تو توبہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ تُبْتُ اِلَیْکَ

اسی طرح ایک مرتبہ طُور پر کافی دن لگ گئے اور سامری نے بچھڑے کا ایک الٰہ بنا کر لوگوں کو اس کی عبادت کی طرف مائل کر دیا۔ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ قوم کو سمجھاتے رہے لیکن قوم نہ مانی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب واپس تشریف لائے اور قوم کو بچھڑا پرستی میں مبتلا پایا تو جذبۂ توحید سے سرشار ہوکر اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ڈاڑھی اور سر پکڑ کر خوب کھینچا کہ شاید انہوں نے تبلیغ میں کوتاہی کی ہوگی۔ جب حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تسلی بخش جواب دیا کہ میری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جلدبازی پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اپنی اس دعا میں شریک کیا جو نہایت اخلاص اور دل کی تہ سے نکلی تھی جس کی قبولیت کی پوری اُمید تھی۔

اگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہوتا تو دیدہ دانستہ اپنے بڑے بھائی اور پیغمبر کی کبھی ایسی بے حرمتی نہ کرتے، لیکن وہ یہی سمجھے کہ شاید حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس میں کوتاہی ہوئی ہے۔ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تسلی بخش جواب سے ان کا اطمینان ہوگیا، اس کے بعد انہوں نے اللہ تعالےٰ سے مغفرت کی دعا کی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کو طُور پر اس کی اطلاع دی کہ تمہاری قوم سب کچھ بچھڑے پر قربان کرچکی ہے۔ لیکن چونکہ تفصیلی حالات حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے پیش نظر نہ تھے اس لیے انہوں نے تورات کی تختیاں راستے میں نہ پھینکیں، اور جب قوم کے حالات بچشم خود دیکھے، تو غصہ میں آکر تورات کی تختیاں زمین پر دے ماریں، اور جلدی سے نیچے رکھ دیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ ہے۔

لیس الخبر کالمعاینۃ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۵ و مستدرک ج ۲ ص ۳۲۱۔ قال الحاکم والذہبی علی شرطہما) یعنی سچ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا وہ واقعہ بھی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے جس میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ چند دن رہنے کا ذکر ہے اور ان کے ساتھ ان کے خادمِ خاص حضرت یوشع بن نون علیہ الصلوٰۃ والسّلام بھی تھے جن کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی وفات کے بعد نبوت عطا ہوئی تھی۔ اس واقعہ کا ایک ایک جملہ بتلا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو علم غیب نہ تھا۔ نیز حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو بھی علم غیب نہ تھا۔ جب موسیٰ علیہ السّلام کی ملاقات حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ و السّلام سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا:۔

یَا مُوسیٰ انی علیٰ علم من علم اللہ علمنیہ لا تعلمہٗ انت وانت علیٰ علم من عَلَّمَہُ اللہ علمک اللہ لا اعلمہ (بخاری ص ۶۸۸/۲ ومسلم ص ۲۶۹/۲) اے موسیٰ! مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا علم حاصل ہے جس کو تو نہیں جانتا اور تجھے اللہ نے وہ علم سکھایا ہے جس کو میں نہیں جانتا۔

یہ دونوں بزرگ کشتی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک چڑیا آئی اور اس نے دریا سے اپنی چونچ میں پانی اٹھایا، حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے موسیٰ! تیرے اور میرے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت ایسی ہی ہے جیسے اس چڑیا کے منہ کا پانی اور دریا کا پانی ایک قطرہ اور دریا ان کی نسبت ہی کیا ہے؟ (بخاری ج ۲ ص ۶۸۸ و مستدرک ج ۲ ص ۳۶۹ علیٰ شرطہما)

ان صحیح روایات سے حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نفیٔ علم غیب کا بیان بھی ملاحظہ کیجئے اور علم لدنی کے تحت بعض جزئیات کے علم سے مولوی محمد عمر صاحب کے ہاں "گنگا" بہتے بھی دیکھئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "خضر علیہ السّلام بھی مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا پاس تھے۔ (ملاحظہ ہو ۱۶۔ کہف پ ۱۶) (۱) خضر علیہ السّلام نے ظالم بادشاہ کے پہنچنے سے پہلے کشتی کی ایک تختی اکھاڑ دی، جس کی تعبیر بعد میں ظاہر فرمائی (۲) لڑکے کو قتل

کردیا۔ اس بنا پر کہ وہ اپنے ماں باپ کو بالغ ہو کر گمراہ کرے گا (۳) دیوار بنا دی کیونکہ اُس کے نیچے خزانہ تھا (ملخصًا مقیاس ص۲۲۷) سبحان اللہ تعالیٰ۔ دیکھا آپ نے کہ غیب کی چند جزئیات سے مولوی محمد عمر صاحب نے کس طرح کُلی علمِ غیب بنا دیا ہے۔

حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی غیب کا علم حاصل نہ تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود عن اُناس من الصحابہؓ یعنی بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم بھیجا کہ ہم نے حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فلاں جگہ پر وفات دے کر اپنے پاس بلانا ہے، اس لیے وقتِ مقرر پر ان کو ساتھ لے کر وہاں پہنچنا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ساتھ لیا اور مقام مخصوص پر پہنچے تو وہاں ایک پلنگ پڑا ہوا تھا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس پر لیٹ جانے کا اشارہ کیا چنانچہ وہ لیٹ گئے اخذ ھارون الموت فلما وجد حسه قال یا موسیٰ خدعتنی الحدیث (مستدرک ۲ ص۵۷۹، قال الحاکم والذہبی علی شرطہما) جب حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام پر موت کی علامتیں طاری ہوئیں تو انہوں نے کہا، اے موسیٰؑ، تم مجھ سے دھوکہ ہی کر گئے۔ یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے خصوصاً جب کہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز اس کے خلاف منقول نہیں ہے اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی وفات کے وقت تک علم غیب حاصل نہ تھا خصوصاً اپنی ہی موت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی نے کفار کے ساتھ جہاد کر کے مالِ غنیمت حاصل کر کے میدان میں رکھا کہ آسمان سے آگ آکر اس کو جلا دے (کیونکہ پہلی امتوں کے لیے غنیمت کا مال حلال نہ تھا) لیکن آگ نہ آئی، اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ تم میں سے کسی نے مالِ غنیمت میں خیانت سے کام لیا ہے۔ میرے ہاتھ پر ہر قبیلہ کا آدمی بیعت کرے، جس قبیلہ نے خیانت کی ہوگی، اس کا ہاتھ میرے ہاتھ سے چمٹ جائے گا۔ چنانچہ ایک شخص کا ہاتھ بیعت کرتے وقت چمٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا، یہ تمہاری ہی خیانت ہے (لاؤ کیا خیانت کی؟) چنانچہ انہوں نے گائے کے سر جتنا سونا لا کر مالِ غنیمت میں رکھ دیا، آگ آئی اور اس کو جلا کر راکھ کر گئی (بخاری ۱ ص۴۴۰، مسلم ۲ ص۸۵، مشکوٰۃ ص۳۵۲)

امام طحاوی الحنفیؒ حافظ ابن کثیر الشافعیؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحنبلیؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے اس

کی تصریح کی ہے کہ وہ پیغمبر حضرت یوشع بن نون علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ (مشکل الآثار ص۱۲ ج۱، البدایہ والنہایہ ص۲۹۶ ج۱ ومنہاج السنۃ ص۱۸۶ ج۴) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی علم غیب حاصل نہ تھا، ورنہ وہ اس تدبیر سے چور کی تلاش میں وقت ضائع نہ کرتے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

قرآن کریم میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مصر سے بھاگ کر مدین کے علاقہ میں گئے اور وہاں کنویں پر دو بیبیوں کو دور کھڑے دیکھا کہ وہ اپنی بکریوں کو روکے کھڑی ہیں اور انہوں نے ان کی بکریاں کو پانی نکال کر پلایا، تو انہوں نے گھر جا کر اپنے بوڑھے باپ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کا ذکر کیا، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلایا حالات پوچھے تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اور کیوں آئے؟ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ساری سرگزشت ان کو سنائی، انہوں نے فرمایا اب خوف نہ کرنا تم بچ نکلے ہو۔

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (پ۲۰۔ قصص ۳)	پس جب پہنچا موسیٰؑ شعیبؑ کے پاس اور بیان کی اس سے اپنی سرگزشت، کہا اس نے مت ڈر بچ آیا تو قوم بے انصاف سے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی علم غیب نہ تھا کیونکہ ان کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات ان کے بیان کرنے ہی سے معلوم ہوئے قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ کے الفاظ اس پر اچھی طرح سے دلالت کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے ان کو معلوم نہ تھے اگر ان کو علم غیب ہوتا تو ان کو پہلے ہی سے ان حالات کا علم ہوتا اور ان کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کرنے کی مطلقاً ضرورت پیش نہ آتی۔

علم غیب اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام

اللہ تعالیٰ نے انسانوں، جنوں، پرندوں اور دیگر مختلف مخلوق پر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بادشاہت عطا فرمائی تھی۔ ان کی فوج کے مختلف گروہ اور محکمے تھے اور وہ باقاعدہ ان کی حاضری لیا کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے حاضری لی اور ہدہد نظر نہ آیا۔ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا کیا وجہ ہے، کیا

واقعی ہُدہُد غائب ہے یا مجھے نظر نہیں آتا۔ بس ضرور اس کی اس حکم عدولی پر سخت سزا دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ میں اس کو ذبح ہی کر دوں یا میرے پاس کوئی معقول عذر پیش کرے۔ اتنے میں ہُدہُد بھی آنکلا۔ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر حاضری کی وجہ پوچھی تو ہُدہُد نے کہا۔ میں ملک سبا کے کچھ حالات معلوم کر کے آیا ہوں کہ وہ آپ کو معلوم نہیں۔ چنانچہ اس نے وہ تمام واقعات جو ملک سبا کے متعلق اس کو معلوم تھے، بیان کئے۔ قرآنِ کریم کے بعض الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ	اور خبر (یعنی حاضری) لی سلیمانؑ نے اڑتے پرندوں کی تو کہا،
أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ○ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا	کیا ہے کہ میں نہیں دیکھتا ہُدہُد کو یا ہے وہ غائب، اس کو سزا
أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ○	دوں گا سخت سزا یا ذبح کر ڈالوں گا یا لائے میرے پاس
فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ	کوئی سند صریح، پھر بہت دیر نہ کی کہ ہُدہُد نے آکر کہا میں لے
وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ○	آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی۔ اور آیا ہوں تیرے
(پ ۱۹۔ نمل۔ ۲)	پاس ملک سبا سے ایک خبر لے کر تحقیقی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علمِ غیب نہ تھا، اگر ہوتا تو جانوروں کی حاضری نہ لیا کرتے، اور جب ہُدہُد کو نہ پایا تو پریشان نہ ہوتے، کیونکہ ان کو معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ ہُدہُد ایک بڑی مفید جاسوسی کرے گا، جس سے ملک سبا کے لوگ ایمان بھی لے آئیں گے، اور وہ ملک بھی ہمارے زیرِ اثر ہو جائے گا۔ پھر ہُدہُد نے تو کمال ہی کر دیا۔ کس بے باکی سے وہ کہتا ہے کہ مجھے ایک خبر معلوم ہے مگر آپ کو اس کا علم نہیں کہ ملک سبا میں ایک عورت بادشاہی کرتی ہے۔ اگر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علمِ غیب ہوتا تو ان کو ضرور ملک سبا اور ملکہ سبا کے حالات معلوم ہوتے۔ ہُدہُد بیچارہ یہ سب کچھ کہہ چکا ہے لیکن حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابھی تک یقین نہیں آتا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ رقعہ لے جاؤ، اور سبا والوں سے اس کا جواب لے آؤ، تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ○ (پ ۱۹۔ نمل۔ ۲) کیا تو نے سچ کہا، یا تو جھوٹ کہنے والوں میں ہے۔

لطیفہ: ان آیات سے معلوم ہوا کہ جانوروں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ غیب کا علم پیغمبروں کو بھی نہیں ہوتا، اور آجکل اکثر انسان بھی اس کو نہیں مانتے۔ ع

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

فریقِ مخالف کا جواب اور اس کا پس منظر

مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ "اس سے بھی تم نے سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عدمِ علم کی دلیل اخذ کی ہے حالانکہ تمہارا یہ دلیل اخذ کرنا کجروی ہے، کیونکہ آپ کا ناواقف ہونا تب ثابت ہوتا تھا کہ آپ حاضر کو غائب فرماتے، تو جب آپ نے اس پرندے کو جو مجلس سے غیر حاضر تھا اسی کو فرمایا کہ میں آج مجلس میں دیکھتا نہیں ہوں کیا بات ہے؟ کیونکہ اگر غیر حاضر کو بلا اظہارِ سبب اپنے علم پر ہی موقوف رکھتے تو یہ شاہی عدالت کے خلاف تھا، کیونکہ دوسرے وقتوں میں کئی اور بلاوجہ غیر حاضر ہو جاتے" الخ (مقیاس حنفیت ص۴۱۴)

جواب

یہ ہے مولوی محمد عمر صاحب مناظر اسلام کا جواب۔ سبحان اللہ تعالیٰ وہ اپنے دل ماؤف میں بڑے ہی خوش ہوں گے کہ میں نے جواب دے کر چار چاند لگا دیئے، اور ان کے حواری بغلیں بجاتے ہوں گے کہ واہ واہ مولوی محمد عمر صاحب نے کمال ہی کر دیا (مگر درحقیقت کمال کی ٹانگ ہی توڑ دی ہے)۔ مولوی صاحب کو ذرا ہوش میں آکر یہ بتانا چاہیئے کہ آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ "آپ کا ناواقف ہونا تب ثابت ہوتا تھا کہ آپ حاضر کو غائب فرماتے" کیا اس واقعہ سے ناواقفی صرف اس بات پر ہی موقوف ہے کہ آپ حاضر کو غائب فرماتے؟ کیا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان الفاظ سے اس واقعہ سے ناواقفی ثابت نہیں ہوتی؟ کہ:

مَالِیَ لَا اَرَی الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ○ (پ ۱۹۔ نمل ۲) کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا؟ یا کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟

کیا خدا تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر، تاج و تخت کے مالک حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علم جمیع ماکان و ما یکون اور حاضر و ناظر ہو کر عمداً یہ فرمایا ہے؟ باقی شاہی انتظام اپنے مقام پر صحیح ہے، اس سے بحث نہیں ہے۔ بحث صرف اس سے ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہُدہُد اور اس کے حالات کو جانتے اور دیکھتے ہوئے یہ فرمایا ہے؟ یا کیا عالمِ کل اور حاضر و ناظر سے بھی کوئی چیز غائب ہوتی ہے؟ الغرض مولوی محمد عمر صاحب کا یہ جواب نہایت لچر اور بے معنی ہے، اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ "اسی ہُدہُد کا قول قرآن نے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں۔ قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی ان کو خبر نہ تھی۔ ہُدہُد سمجھا کہ

شائد اس کی خبر حضرت کو نہ ہوگی، یہ کہہ دیا، لہٰذا اس سے سند نہیں پکڑی جاسکتی۔" (جاء الحق صفحہ ۱۶۰)

جواب مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر واقعی حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا علم ہوتا تو وہ ہرگز یہ نہ فرماتے کہ:۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ سلیمان نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ کیا تو سچ کہتا ہے یا جھوٹوں میں شامل ہے۔

کیا خدا تعالیٰ کے نبی نے علم رکھتے ہوئے اور ہُدہُد کا بیان سنتے ہوتے بھی یہ ارشاد فرمایا کہ ہم دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹ؟ میرا یہ خط لے جا اور اس کا جواب لے آ۔ اور مفتی صاحب ہی از راہِ انصاف یہ فرمائیں کہ کیا یہ قرآن کی آیت نہیں ہے؟ اور کیا قرآن نے صرف ہُدہُد ہی کی بات نقل کی ہے یا حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے؟ اور کیا مفتی صاحب کے نزدیک قرآنِ کریم کے صریح مفہوم سے بھی سند نہیں پکڑی جاسکتی؟

مفتی صاحب ایک وقت ایسا آنے والا ہے جس میں خدا کی سچی عدالت میں رتی رتی کا حساب ہو کر رہے گا اور دنیا کی ناپائدار وجاہت اور حلوے مانڈے سب فراموش ہو جائیں گے۔

باش کہ تا طبل قیامت زنند آن تو نیک آید و یا این ما

ازالۃ الریب طبع اول کے وقت مفتی صاحب زندہ تھے اس انداز سے اُن سے خطاب تھا اور اب تو وہ دنیا سے روانہ ہو چکے ہیں اور سب برزخی معاملات کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔

یہ تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ تھا، اب ذرا حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ اور واقعہ بھی سن لیجئے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو عورتیں تھیں، ایک بڑی، دوسری چھوٹی۔ دونوں کی گود میں لڑکے تھے، کہیں غفلت میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ ایک (بڑی) کے لڑکے کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا جو لڑکا بچ گیا تھا۔ اس کے بارے میں اختلاف ہوا۔ بڑی نے کہا۔ یہ میرا ہے، چھوٹی نے کہا، یہ بچہ میرا ہے دونوں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس فیصلہ لے گئیں۔ بڑی چونکہ عمر رسیدہ اور پختہ کار تھی اس نے بیان کا ایسا طریقہ اور لہجہ اختیار کیا کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو سچی سمجھ کر بچہ اس کے حوالہ کر دیا اور دوسری کو محروم کر دیا۔ بڑی بہت شاداں و فرحاں واپس ہوئی اور چھوٹی کی دنیا کی کیفیت

ہی کچھ اور تھی۔ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حالات کا جائزہ لیا تو ان کو شک ہوا۔ انہوں نے فرمایا، اگر مجھے فیصلہ کا حق ہو تو میں بھی فیصلہ کروں۔ چنانچہ ان کو حَکَم بنایا گیا۔ انہوں نے خادم کو کہا، چھری لاؤ۔ چھری پیش کی گئی۔ انہوں نے فرمایا۔ میں لڑکے کو دو ٹکڑے کر کے تمہیں دیتا ہوں۔ بڑی خاموش ہو گئی۔ سمجھی ہو گی کہ دو کے بجائے چار ٹکڑے ہو جائیں میرا کیا بگڑتا ہے؟ لیکن چونکہ لڑکا چھوٹی کا تھا، وہ اس فیصلہ کو برداشت نہ کر سکی۔ سمجھی ہو گی کہ اگر یہ بچہ زندہ رہا، تو کبھی کبھی تو دیکھ ہی لیا کروں گی۔ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حیلہ سے حقیقت کی تہ پالی، اور کیا بعید ہے کہ بڑی نے بعد میں اقرار بھی کر لیا ہو۔ بہر حال وہ بچہ چھوٹی کے حوالے کر دیا گیا (یہ روایت بخاری ج ۱ ص ۴۸۷ و مسلم ج ۲ ص ۷۷ وغیرہ میں موجود ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہوتا تو وہ کبھی دیدہ دانستہ چھوٹی (جس کا حقیقتہً وہ لڑکا تھا) کا حق بڑی کو نہ دلواتے (العیاذ باللہ تعالیٰ) مگر معاملہ اس کے برعکس ہے کہ وہ غیب کے علم سے متصف نہ تھے۔

فریق مخالف کا تو یہاں تک غلو ہے کہ بزرگ رحم کے حالات سے بھی بخوبی واقف ہوتے ہیں اور نطفہ کے قرار پکڑنے کا بھی ان کو علم ہوتا ہے۔ لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بچہ پیدا ہو چکنے کے بعد بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس کا بچہ کھویا گیا اور کس کا زندہ رہا۔ اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اگر علم غیب ہوتا تو اس تدبیر کی ضرورت اُن کو محسوس نہ ہوتی۔

فائدہ ۷:۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ بزرگ تو اپنی جگہ رہے، حیوانات کو بھی علم غیب ہوتا ہے۔ مثلاً سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فوج جب مارچ کر رہی تھی تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو کہا کہ اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ، کہیں وہ تمہیں روند نہ ڈالیں! اس سے معلوم ہوا کہ چیونٹیوں کو بھی حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے لشکر کا علم تھا، لہٰذا ان کا بھی غیب ثابت ہوا۔

جواب اگر وہ لوگ قرآن کریم کے اصل مضمون کو دیکھتے تو ان کو اسی مضمون سے علم غیب کی نفی ملتی، لیکن کیا کیا جاتے غور تو کرتے ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ — یہاں تک کہ جب فوج پہنچی چیونٹیوں کے میدان پر، کہا ایک

يَاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (پ ۱۹ نمل-۲) چیونٹی نے، اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے گھروں میں نہ پیس ڈالے تم کو سلیمانؑ اور اس کی فوجیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

یہ آیت ہی اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب فوج چیونٹیوں کے میدان میں پہنچی تو اس وقت چیونٹیوں کو اس کا علم ہوا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مختلف قسم کے حیوانات پر حکومت عطا فرمائی تھی، لہٰذا چیونٹیوں کو بھی خداداد حس سے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی فوجوں کا اجمالی علم ہوگیا۔ اس سے چیونٹیوں کے علم غیب پر استدلال نہیں ہو سکتا، البتہ یہ استدلال بہت زیادہ قریب ہے کہ چیونٹیوں میں بھی خدا تعالیٰ نے یہ فطرت، حس اور شعور رکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے پیغمبر کو بھی غیب نہیں ہوتا، کیونکہ چیونٹی نے کہا کہ "وہ بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالیں" اور چونکہ عالم الغیب کبھی بے خبر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ آیت ہی صاف دلالت کرتی ہے کہ چیونٹیاں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے لشکر کو (جس میں اَلَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ بھی ہوگا اور دیگر تمام فوجی اور سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی بھی ہوں گے) بے خبر ثابت کرتی ہیں جو ان کے غیب دان ہونے کی نفی پر صراحت سے دال ہے۔

علم غیب اور حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام

قرآن کریم میں مختلف اسلوب سے حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے مختصر الفاظ میں ان کا قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مضافات موصل میں شہر نینویٰ کی طرف حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تقریباً لاکھ سوا لاکھ انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ انہوں نے اپنی طاقت اور ہمت کے مطابق لوگوں کو تبلیغ کی مگر قوم نہ مانی۔ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ہی ان لوگوں سے ناراض ہو کر چلے گئے اور وعدہ کر گئے کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا (ابن کثیر ج۲ ص۱۹۱) قوم نے عذاب کے کچھ آثار دیکھے ہوں گے، گھبرا کر سب نے سچے دل سے توبہ کر لی۔ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو راستہ میں ایک دریا سے گذرنا پڑا۔ کشتی پر سوار ہوئے، جب کشتی دریا میں پہنچی تو کشتی غرق ہونے لگی۔ کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نیچے پھینک دیا جائے، قرعہ اندازی

ہوئی تو قرعہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر نکلا وہ دریا میں پھینک دیے گئے۔ مچھلی نے ان کو لقمہ بنا کر نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر وہ تسبیح پڑھنے والوں میں نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے۔ مچھلی کو تنبیہ ہوئی ہوگی کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام تیری روزی نہیں بلکہ تیرا پیٹ ہم نے ان کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۱۹۲) حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی لغزش پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی تو ان کو معافی ملی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ○

(پ ۱۷۔ انبیاء)

اور (سن لو) مچھلی والے کا (قصہ) جب چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم نہ گرفت کریں گے اس پر پھر پکارا، اس نے ان اندھیروں میں کہ کوئی فریاد رس نہیں تیرے سوا تو بے عیب ہے اور میں تھا لغزش کرنے والوں میں پھر سن لی ہم نے اس کی فریاد اور بچایا ہم نے اس کو غم سے اور یوں ہی ہم بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب حاصل ہوتا تو ان کو پہلے ہی یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میں خدا کے حکم کے بغیر یہاں سے نہ جاؤں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی دار و گیر ہوگی اور قدم قدم پر رنج کے علاوہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہوگی۔ یہ الگ بات ہے کہ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی عنایات سے انہیں نوازا اور ان کی اس لغزش اور خطائے اجتہادی سے درگذر فرمایا۔

علم غیب اور حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے تیسرے پارہ میں ایک صاحب کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ جمہور مفسرین کرامؒ کا بیان ہے کہ وہ بزرگ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے نبی تھے۔

(مستدرک ۲ ص ۲۸۲ قال الحاکم و الذہبی علیٰ شرطہما)

واقعہ یہ ہے کہ کسی اُجڑی ہوئی بستی پر ان کا گذر ہوا، اس کی خراب حالت کو دیکھ کر ازراہِ تعجب انھوں نے فرمایا یہ بستی بھی کسی وقت آباد ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت پر یقین دلانے کے لیے ان کو وفات دے دی۔ ان کے پاس گدھا تھا وہ بھی فنا ہوگیا، کھانے پینے کی کچھ چیزیں تھیں، وہ اللہ نے محفوظ کرکے اپنی قدرت بتلادی کہ عادتاً جو چیز جلدی خراب ہوسکتی ہے ہم اس کو کس طرح بچالیتے ہیں اور جو چیز (مثلاً گدھا وغیرہ) جلدی ضائع نہیں ہوجاتی ہم اس کو کس طرح فنا و برباد کردیا کرتے ہیں۔ غرضیکہ سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلوٰۃ والسلام کو زندہ کرکے ان سے پوچھا کتنا عرصہ مُردہ رہے۔ فرمانے لگے، ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم تو سو سال مردہ رہے۔ قرآن کریم کے اصل الفاظ ملاحظہ کرلیں:۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (پ۳۔ بقرہ۔ ۳۵)

یا مثل اُس شخص کے کہ گذرا ایک شہر پر اور وہ گرا ہوا تھا اپنی چھتوں پر، بولا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ اس کے مرنے (اور تباہ ہونے) کے بعد پھر مُردہ رکھا اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سو برس پھر اٹھایا اس کو کہا تو کتنی دیر یہاں رہا، کہا، رہا ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم کہا نہیں بلکہ رہا تو سو برس، اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا سڑ نہیں گیا اور دیکھ اپنے گدھے کو اور ہم نے تجھ کو نمونہ بنانا چاہا لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح اُبھار کر جوڑ دیتے ہیں، پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت پھر جب اُس پر ظاہر ہوا یہ حال تو کہہ اٹھا مجھ کو معلوم ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے ہی سے وہ کیفیت معلوم ہوتی جو بعد کو معلوم ہوئی تو وہ کبھی اس پر تعجب نہ کرتے، اور پہلے ہی سے اطمینان کرلیتے، اور اگر ان کو علم غیب حاصل ہوتا تو کبھی بھی وہ سو سال کی طویل عمر کو ایک دن یا دن سے بھی کم کے ساتھ تعبیر نہ کرتے مگر معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی بخوبی معلوم ہوگئی کہ مرنے کے بعد بھی انسان کو علم غیب حاصل نہیں ہوسکتا نہ جیسا کہ بعض نادان لوگ سمجھے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان

کی رُوح کو ترقی ہوجاتی ہے اور اس پر اسرار کھلنے لگ جاتے ہیں اور علم غیب کلی کے ادراکات اور ملکات اس پر روشن ہوجاتے ہیں۔ ان کا یہ دعوےٰ بالکل بے بنیاد ہے۔ ہاں جزوی واقعات محل نزاع نہیں ہیں۔

علم غیب اور حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام

عرصہ دراز تک حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام اولاد کے لیے دُعا کرتے رہے، یہاں تک کہ بڑھاپے تک پہنچ گئے۔ ایک مرتبہ حضرت مریمؑ کے کمرے میں داخل ہوئے تو ان کے پاس ایک ٹوکری میں بے موسم انگور دیکھے (ٹوکری میں بے موسم انگور دل کا ملنا اور باوجود زبان صحیح ہونے کے بولنے پر تین دن قادر نہ ہونا۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ (مستدرک ۲ ص ۵۹۱، قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح) وہیں دعا کی، کہ جو خدا تعالیٰ اس کو بے موسم میوہ دے سکتا ہے شاید کہ وہ مجھے بھی اولاد دے دے۔ نماز کی حالت میں فرشتہ خوشخبری لے کر آیا کہ خدا تعالیٰ آپ کو ایک لڑکا دے گا جس کا نام یحییٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہوگا حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے لڑکا کہاں سے ملے گا؟ ارشاد ہوا اسی طرح ہوگا۔ فرمایا تو میرے لیے کوئی نشانی ہو جس سے میں سمجھ سکوں کہ اب بیوی کو امید ہوگئی ہے:۔

قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ط (پ ۳۔ آل عمران۔ ۴)

فرمایا خدا تعالیٰ نے نشانی تیری یہ ہے کہ نہ بات کر سکے گا تو لوگوں سے تین دن تک، مگر اشارہ سے

اس سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہوتا تو اپنی بیوی کے حمل کا علم بغیر نشانی اور علامت کے بھی ان کو ہوجاتا، لیکن چونکہ ان کو آخر عمر تک علم غیب نہ تھا اس لیے نشانی کی ضرورت محسوس ہوئی مگر فریق مخالف کا یہ لغو اور بے بنیاد دعوےٰ ہے کہ ان کے نزدیک ولایت اور بزرگی کے لئے یہ شرط ہے کہ جب بھی نطفہ رحم (بقول ان کے فرج و شرمگاہ) میں قرار پکڑے تو ان کو علم ہو (العیاذ باللہ تعالیٰ) (ملاحظہ ہو تبرید النواظر) کہ غیر معصوم اقوال کے لیے نصوص کو رد کیا جاتا ہے۔

علمِ غیب اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام

قیامت کے دن خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے جب یہ سوال فرمائے گا۔ کہ تم نے لوگوں سے کہا ہے کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے ورے دو معبود بنالو، تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام فرمائیں گے، تُو پاک ہے، مجھے کیا حق ہے کہ میں ایسی بات کہتا جس کا میں سرے سے حقدار ہی نہ تھا۔ اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہے تو وہ تجھ کو معلوم ہے کیونکہ تُو میرے جی کی باتیں جانتا ہے اور میں تیرے جی کی باتیں نہیں جانتا، اس لیے کہ۔ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ. (بے شک تو ہی ہے غیوب اور چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا) میں نے تو ان کو وہی بات کہی تھی، جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اے لوگو صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی اور تمہارا بھی رب ہے۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَ أَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ (پ۔ مائدہ ۱۶)	اور میں اُن سے خبردار تھا جب تک کہ میں ان میں موجود تھا پھر جب تُو نے مجھ کو (اپنی طرف آسمان پر) اُٹھالیا تو تُو ہی تھا خبر رکھنے والا اُن کی اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔

اس مضمون سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم ؑ کو عیسائیوں نے الٰہ بنایا ہے۔ مگر ان کے تفصیلی حالات کا علم حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو نہیں، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن ارشاد فرمائیں گے کہ جب تک میں ان میں تھا تو میں ان کے اعمال کو دیکھتا رہا۔ (كُنْتُ اشهد علىٰ اعمالهم حين كنت بين اظهرهم۔ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۰) مگر جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا، تو بعد کے حالات کی مجھے خبر نہیں کہ وہ کیا کرتے اور کہتے رہے، تو ہی ہر چیز سے خبر رکھنے والا ہے اگر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علمِ غیب ہوتا تو ان کو تفصیل سے یہ معلوم ہوتا کہ قوم نے ان کے بعد کیا کچھ کہا ہے اور نزول من السماء کے بعد اگرچہ اجمالی طور پر ان کو اس کا علم حاصل ہوگا مگر تفصیل پھر بھی معلوم نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے تفصیلی اور محیط علم کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں جیسا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام سے سوال کریں گے کہ تمہیں اپنی اپنی امت اور قوم کی طرف سے کیا جواب دیا گیا؟ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا وہ فرمائیں گے

کہ ہمیں اس کا علم نہیں مطلب یہ ہے کہ خداوندا! تیرے علم کامل اور محیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں لہٰذا قادیانیوں کا اس آیت کریمہ سے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر استدلال بالکل باطل ہے

فائدہ :۔ شاہد اور شہید کے لفظ سے کسی کو ہرگز یہ مغالطہ نہ ہو کہ اس سے غیر اللہ تعالیٰ کے علم غیب یا حاضر وناضر کا ثبوت ہوتا ہے۔ ہم نے تبرید النواظر میں اس مسئلہ کی بیالامزید علیہ بحث کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لی جائے۔

فریق مخالف کا مغالطہ

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ اور عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ فِي بُيُوتِكُمْ وَمَا تَدَّخِرُونَ۔ میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو کچھ جمع کرتے ہو۔ دیکھو کھانا گھر میں کھایا اور رکھا گیا جہاں عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود نہیں تھے اور اس کی خبر آپ باہر دے رہے ہیں، یہ ہے علم غیب۔ (انتہی بلفظہ جاء الحق ص۵۹)

جواب

مفتی صاحب کا اس مضمون سے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب پر استدلال محض اپنے ماؤف دل کی تسکین ہی ہو سکتی ہے اور بس۔ کیونکہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عملی معجزات کے بعد علمی معجزات کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا کہ :۔

وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (پ۳۔ آلِ عمران ۔۵)

اور میں بتا دیتا ہوں تم کو جو کھا کر آؤ، اور جو رکھ آؤ اپنے گھر میں اس میں نشانی پوری ہے تمہارے لیے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

اس آیت کے شروع میں اس کی تصریح موجود ہے کہ یہ خطاب صرف بنی اسرائیل کو ہے۔ اور حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت بھی صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف تھی (ملاحظہ ہو انجیل متی باب ۱۵ آیت ۲۴) مگر صد افسوس کہ یہ مکار بھیڑیں امت مسلمہ کی لہلہاتی ہوئی کھیتی چر گئی ہیں اور اب تو کھیتی پر قابض ہیں۔ چند قومی اور ملکی لوگوں کے کھانے اور پینے اور گھر میں اکل و شرب کی بعض اشیاء کو ذخیرہ بنا کر رکھنے کے علم سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر قوم ہر ملک اور ہر اہل مذہب کے متعلق تفصیلی حالات معلوم تھے بہ اپنے زمانہ کے بعض لوگوں کے (جو خصوصیت سے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آتے جاتے تھے) بعض حالات کے علم سے جو لوگوں کے ایمان اور

یقین کو بڑھانے کے لیے بطور معجزہ اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا تھا، علم غیب کیسے ثابت ہوا؟ غیب کی چند خبروں اور جزئیات کو "یہ ہے علم غیب" سے تعبیر کرنا مفتی احمد یار خان ہی کا کام ہو سکتا ہے، آخر مفتی جو ہوئے۔ ہم آئندہ باحوالہ عرض کریں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اقرار فرمایا کہ قیامت کی خاص گھڑی کا علم مجھے نہیں ہے۔ مگر مفتی صاحب کے نزدیک ان کو غیب کا علم حاصل تھا۔ ہم تو اسی کے قائل ہیں جس کے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خود قائل تھے مفتی صاحب اپنے لیے سوچ لیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں! ؎

وہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد کے مُردے اُکھڑ گئے

یہ مری جبینِ نیاز ہے کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

مولوی محمد عمر صاحب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب پر استدلال کرتے ہوئے اس مسئلہ سے غیر متعلق آیت سے اپنا باطل مدعا ثابت کرتے ہوئے طویل کلام میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

"چنانچہ حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی والدہ کی بریت سے پہلے اپنے رب کی بریت فرمائی۔ فرمایا إِنِّي عَبْدُ اللهِ آپ کو اُن کے ابن اللہ کہنے کا علم اُسی وقت تھا جس بنا پر آپ نے اُن کا رد کرتے ہوئے اپنے اللہ کی بریت فرمائی، جس سے اُن کے علم غیب کا ثبوت ملا اور علم مافی غد کی دلیل بیان فرمادی۔ پھر آتٰنِيَ الْكِتٰبَ فرما کر علم مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا کا اظہار فرمایا اور وَجَعَلَنِي نَبِيًّا سے ثابت کر دیا کہ نبی اللہ کی نظر پیدائشی علم غیب پر ہوتی ہے۔" (مقیاس ص۳۲۱)

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:۔

"فرمایا وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا میں مع اپنی ماں کے متقی ہوں یعنی مجھے اللہ نے پرہیز گار اور متقی بنایا ہے، اور میری والدہ بھی بڑی متقیہ ہے اور میری والدہ کی عصمت کا ثبوت واضح ہے، کیونکہ اللہ نے مجھے متکبر اور بدبخت نہیں بنایا اگر اللہ تعالیٰ مجھے متکبر اور بدبخت بنا دیتا تو یہ علامت ولد الزنا کی ہوتی ہے۔ جب میں متکبر اور شقی نہیں تو ولد الزنا نہیں معاذ اللہ اور جب میں ولد الزنا نہیں تو میری والدہ مشکوکہ نہیں جیسا کہ تم سمجھ بیٹھے ہو اس آیت کریمہ سے مافی الارحام کا علم اور مافی القلوب کا علم حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے یقیناً ثابت ہو گیا۔" (بلفظہٖ مقیاس ص۳۲۲)

جواب مولوی محمد عمر صاحب نے علم غیب کا متنازع فیہا مسئلہ جو اس آیت سے کشید کیا ہے اور اپنی فطرت اور سرشت سے مجبور ہو کر جو کچھ کہا ہے، وہ نرا اعجوبہ بلکہ خالص اختراع اور ایجاد بندہ ہے جن اخبارِ غیب اور انباءِ غیب کی طرف حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے اور وہ بھی شیر خوارگی کے عالم میں، اس کا کس کو انکار ہے؟ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عبدیت اور رسالت کا اور نیز اپنی والدہ ماجدہ کی عفت اور پاکدامنی کا جو اظہار فرمایا ہے اور جس چیز کی انہوں نے منجانب اللہ اطلاع دی ہے وہ بالکل حق ہے مگر اس میں اپنی والدہ کی بعض خصوصیات کا ذکر ہے، ساری مخلوقات کے حالات کا ذکر نہیں ہے۔ ایسی چند جزئیات کو کُلّی کا درجہ دینا اور اس پر اپنی باطل پرستی کی دیوار اور عمارت کو استوار کرنا کسی عقلمند کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے جس علم غیب کے مسئلہ کا فریقین میں تنازع اور اختلاف ہے، یہ آیت اور آیت کا کوئی بھی جملہ اس پر ہرگز دلالت نہیں کرتا، اور جو چیز اس سے ثابت ہے وہ نہ تو متنازع فیہ ہے اور نہ مولوی محمد عمر وغیرہ کو مفید ہے۔ کما لا یخفیٰ علی احد من اھل العلم خواہ مخواہ کچھ نہ کچھ لکھ دینے کا نام ہرگز دلیل اور ثبوت نہیں ہوتا۔ دعوے اور دلیل میں مطابقت، پھر جو دلیل جس آیت اور حدیث وغیرہ سے پیش کی گئی ہو اس سے اس کا ثبوت اہلِ علم کے نزدیک ضروری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مولوی محمد عمر صاحب اپنی مرغی کی ایک ٹانگ ہی کہتے چلے جائیں اور بتکلف بلکہ بجبر کسی آیت اور حدیث کو اپنی دلیل بتلاتے رہیں۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے؟ ؎

لاکھ زلفوں کو سنوارے بھی تو کیا ہوتا ہے

حسنِ انسان کا جب تک کہ خداداد نہ ہو

اس باب کے آخر میں ہم قرآنِ کریم کی ایک آیت اور اس کی تفسیر میں معتبر اور مستند تفاسیر کے حوالے عرض کرتے ہیں جس میں تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقرار سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ عالم الغیب والشہادۃ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ جس سے ایک منصف مزاج آدمی بخوبی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ حق کس کے ساتھ ہے اور باطل پر کون ہے؟ ع

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام کائنات کو میدانِ محشر میں اکٹھا کرے گا اور تمام حضرات انبیاء کرام

علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی وہاں جمع کرے گا۔ پھر سوال فرمائے گا:۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ (پ ۷ ، المائدہ - ۱۴)

جس دن اللہ تعالیٰ جمع کرے گا سب پیغمبروں کو پھر سوال کرے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا وہ فرمائیں گے ہم کو علم نہیں تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا۔

یہ سوال محشر میں اُمتوں کے روبرو پیغمبروں سے کیا جائے گا کہ دُنیا میں جب تم اُن کے پاس پیغامِ حق لے کر گئے تھے تو انہوں نے کیا جواب دیا تھا اور کہاں تک انہوں نے دعوتِ الٰہی کی اجابت کی تھی۔

چونکہ ہر نبی اور رسول سے اس کی ساری اُمت کے متعلق سوال ہوگا، خواہ وہ اُمتی قریب ہوں یا بعید، ان کی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پہلے وفات ہو گئی ہو یا بعد تک زندہ رہے ہوں اور نیز ظاہری او رباطنی جملہ کیفیاتِ اجابت اس میں داخل ہیں، اس لیے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جواب اس کے بغیر اور کیا ہو سکے گا کہ لَا عِلْمَ لَنَا ہمیں کوئی علم نہیں، غیوب کا جاننے والا تو صرف تو ہی ہے اور جب کہ بنی آدم کے جملہ ظاہری و باطنی احوال ماکان و مایکون میں داخل ہیں تو معلوم ہوا کہ جمیع ماکان ومایکون کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نبی اور رسول کو نہیں اور نہ قیامت تک ہوگا، کیونکہ ان تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہ بیان قیامِ قیامت کے بعد ہی ہوگا۔ قرآنِ کریم کی یہ نص جو قطعی الدلالت ہے صاف بتا رہی ہے کہ عالم الغیب اور ظاہر و باطن کو جاننے والا اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی نہیں، اگرچہ وہ رسول اور نبی ہی کیوں نہ ہوں، اور یہ وہ بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام قوموں اور اُمتوں کے روبرو پیش کریں گے۔

اس آیت میں حضرات مفسرین کرامؒ کو ایک اشکال یہ پیش آگیا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنی اُمتوں کے جواب کا فی الجملہ علم تو ضرور ہے، پھر حق تعالیٰ کے سامنے انہوں نے مطلقاً علم کی نفی کیوں کر دی؟ اس اشکال کو حل کرنے کے لیے حضرات مفسرین کرامؒ کے چند اقوال ہیں، اور چونکہ ان میں سے اکثر میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ وہ سب اپنی اپنی جگہ پر درست ہوں۔

حضرت عبد اللہؓ بن عباس رضؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:۔

معناہ لا علم لنا کعلمك فیھم لانك تعلم — اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو ان کے متعلق اے اللہ تعالیٰ تیری طرح

ما اضمروا وما اظهروا فعلمك فيهم انفذ من علمنا وابلغ۔ (تفسیر خازن ج ۲ ص ۸۹)

کا علم نہیں ہے کیونکہ تو ان کے پوشیدہ اور ظاہری سب حالات کو جانتا ہے (اور ہم کو تو صرف ظاہری حال کا علم ہے) اور تیرا علم زیادہ گہرا اور بلیغ ہے۔

حضرت امام رازی رح اس قول کو نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

هو الاصح وهو الذی اختاره ابن عباس رض (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۶۸)

یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اسی کو حضرت ابن عباس رض نے اختیار فرمایا۔

اور خطیب شربینی رح لکھتے ہیں کہ :۔

لا علم لنا بما انت تعلمه انك انت علام الغیوب فتعلم ما اجابوا وما اظهروه لنا ومالا نعلمه مما اضمروه فی قلوبهم۔ (سراج منیر ج ۱ ص ۴۰۲)

ہم کو اس چیز کا علم نہیں جس کا تجھے ہے کیونکہ تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے۔ پس تو ہی جانتا ہے جو انہوں نے جواب دیا اور جو انہوں نے ہمارے سامنے ظاہر کیا اور تو ہی جانتا ہے جس کو ہم نہیں جانتے جو انہوں نے اپنے دلوں میں مخفی رکھا۔

اور علامہ ابو السعود رح اپنی تفسیر ج ۲ ص ۸۳ میں اور قاضی بیضاوی رح نے انوار التنزیل ج ۱ ص ۲۱۰ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور علامہ ابو البرکات نسفی الحنفی رح اس قول کو اختیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

قالوا لا علم لنا باخلاص قومنا دلیله انك انت علام الغیوب (مدارک ج ۱ ص ۲۳۱)

پیغمبر فرمائیں گے کہ ہمیں اپنی قوم کے اخلاص کا علم نہیں اور اس قول کی دلیل اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ کا ارشاد ہے۔

اور حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں کہ :۔

رواه ابن جریر ثم اختاره علی هذه الاقوال الثلاثة ولا شك انه قول حسن وهو من باب التأدب مع الرب جل جلاله ای لا علم لنا بالنسبة الی علمك المحیط بكل شیء ونحن وان کنا قد اجبنا وعرفنا من اجابنا ولکن منهم من کنا انما نطلع علی ظاهره لا علم لنا بباطنه وانت العلیم بكل شیء المطلع علی کل شیء

اس قول کو امام ابن جریر رح نے حضرت ابن عباس رض سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور باقی کے تین اقوال پر اس کو ترجیح دی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ قول اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کا ایک بہترین نمونہ ہے کہ اے بار الٰہا تیرے علم محیط کے مقابلہ میں ہم کو کچھ علم نہیں ہے اور ہم کو اگرچہ جواب ملا تھا اور ہم ان کو بھی جانتے ہیں جنہوں نے ہماری دعوت قبول کی تھی لیکن ان میں وہ بھی تھے کہ ہم کو ان کے صرف ظاہری حال کی اطلاع تھی

فعلمنا بالنسبة الى علمك کلا علم انك انت علام الغیوب (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۱۴)

اور ان کے باطن کا علم ہم کو نہیں اور تو ہر چیز کو جاننے والا اور ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے پس ہمارا علم تیرے علم کے مقابلہ میں مثل عدم علم کے ہے کیونکہ تو ہی علام الغیوب ہے۔

اور المفتی الشیخ محمد عبدہ المصری رح (المتوفی ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۵ء) لکھتے ہیں کہ :۔

یعنی انه لیس بنفی لعلمهم بالاطلاق وانما هو نفی لعلم الاحاطة الذی هو خاص بالخلاق العلیم اذ الرسل کانوا یعلمون ظاهر ما اُجیبوا به من مخاطبیهم ولا یعلمون بواطنهم ولا حال من لم یروه من اممهم الا ما اوحیه تعالیٰ الیهم من ذالك وهو قلیل من کثیر (المنار ج ۳ ص ۲۴۲)

اس میں مطلق علم کی نفی نہیں ہے بلکہ اس میں اس علم کی نفی ہے جو محیط ہو، جو خاصۂ باری تعالیٰ ہے، کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تو مخاطبین کے ظاہری جواب کو جانتے تھے اور باطن سے وہ مطلع نہ تھے اور اسی طرح امت کے اُن افراد کا علم بھی اُن کو نہ تھا جن کو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا نہیں، ہاں مگر جن جن کے حالات اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتا دیے تھے مگر وہ کثیر مقدار میں سے بہت ہی کم تھے۔

حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اگرچہ یہ معلوم تھا کہ ہماری حیات میں فلاں فلاں نے ہماری دعوت پر لبیک کہا تھا اور ہمارا دین قبول کیا تھا، لیکن ان کو پورے طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں سے کون اُس پر قائم رہا، اور کس کا کیسا انجام ہوا اور کس نے کیا کیا نئی بدعات نکالیں۔ اس لیے وہ فرمائیں گے کہ لا علم لنا، ہم کو ان کے انجام اور ہماری وفات کے بعد کے حالات کا علم نہیں ہے اور جزا و سزا کا تعلق خاتمہ ہی سے ہے (دیکھئے ابن کثیر ج ۲ ص ۱۱۴۔ معالم ۲ ص ۸۹، خازن ج ۲ ص ۸۹۔ ابو السعود ج ۴ ص ۸۳، مدارک ج ۱ ص ۲۳۹ بیضاوی ج ۱ ص ۲۱۰۔ جامع البیان ج ۱ ص ۱۰۸، اور تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۶۸ وغیرہ)۔ اس قول سے بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ان کی اُمتوں پر جو جو احوال طاری ہوتے، اُن کا تفصیلی علم اُن کو نہ تھا اور اگر جمیع ما کان وما یکون کا علم ان کو ہوتا تو ضرور اس کا علم بھی ان کو ہوتا۔

تیسری توجیہ حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے یوں کی ہے کہ علم سے مراد خاص علم یقینی ہے جو احکام آخرت میں معتبر ہوتا ہے، اور مخلوقات میں سے ایک کو دوسرے کے اندرونی احوال کا جو علم ہوتا ہے، وہ عام

طور پر ظنی ہوتا ہے۔ مگر یہ کہ وحی سے ہو اور وہ احکام دنیوی میں تو معتبر ہے مگر عالم آخرت کے احکام میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لیے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یہ ارشاد فرمائیں گے لَا عِلْمَ لَنَا ہم کو اپنی اُمتوں کے احوال کا علم یقینی نہیں (محصلہ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۶۸) اس توجیہ سے بھی ہمارا مدعیٰ ثابت ہے۔ کما لا یخفی۔

چوتھی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ لا علم لنا کا مطلب یہ ہے کہ خداوندا ہم کو معلوم نہیں کہ آپ کے اس سوال میں کیا حکمت مضمر ہے (معالم ج ۲ ص ۸۹ و خازن ج ۲ ص ۸۹) یہ قول قیل سے نقل کیا گیا ہے، قائل کا بھی علم نہیں کہ کون تھا اور کیسا تھا؟ پھر سیاق اور سباق سے اس کا ربط بھی قدرے بعید ہے۔ تاہم ہمارے مدعیٰ کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

پانچویں توجیہ اس کی یہ کی گئی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علم تو تھا کہ اُمتیوں نے کیا جواب دیا۔ مگر سکوت اور ادب و تواضع کے طور پر یہی مناسب سمجھیں گے اور فرمائیں گے کہ لَا عِلْمَ لَنَا ہم کو علم نہیں ہے تو ہی غیوب جاننے والا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۶۸ و خازن ج ۲ ص ۸۹)

حافظ ابن القیم الحنبلیؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ یہ دریافت فرمائے گا کہ لوگوں نے تمہارا کہا مانا یا نہیں، تو وہ عرض کریں گے کہ اے اللہ ہمیں علم نہیں، تو ہی سب پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اس طرح لاعلمی کا اظہار کرنا پاس ادب کے علاوہ حق اور نفس الامر کے عین مطابق ہے کیونکہ ان کے علوم بلکہ سب مخلوق کے علوم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے علم کے سامنے ہیچ اور لاشئے ہیں۔ جس طرح کہ آفتاب کے سامنے ایک ٹمٹماتے چراغ کی کوئی حقیقت نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے مخلوق کے علوم کی کوئی ہستی نہیں۔ (کتاب التقدیر ترجمہ شفاء العلیل لحافظ ابن القیمؒ ص ۴۶۶)

اس قول کو فریق مخالف نے اپنی تائید میں پیش کیا ہے مگر یہ ان کی جہالت ہے، اس قول میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں کہ تمام اُمتیوں کے ظاہر و باطن اور جملہ حرکات و سکنات سے پیغمبر آگاہ تھے مگر تادب مع اللہ کے طور پر لَا عِلْمَ لَنَا فرمائیں گے، اور اگر یہی بات ہوتی تو اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ہی کافی تھا لَا عِلْمَ لَنَا کی کیا ضرورت تھی، جیسا کہ کسی متامل پر مخفی نہیں ہے اور پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ کیا تادب مع اللہ اور تواضع اسی پہلو سے پورا ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

والسلام دیدہ دانستہ خلاف واقع بات فرمائیں؟ یہی وجہ ہے کہ علامہ آلوسی رح (وغیرہ) لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے لا اعلم الغیب کو تواضع اور اظہار عبودیت پر حمل کیا ہے بل ھو لیس بشیئ کما لا یخفی (روح المعانی ج ۷، ص ۱۲۵) تو یہ مرجوح تو کیا ہوتا بلکہ یہ بالکل ہیچ اور لا یعبأبہ کے درجہ میں ہے۔ اور صاحب مواقف (ص ۱۰۷ میں) لکھتے ہیں کہ لا نسلم انہ فی معرض التواضع؛ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ تواضع پر محمول ہے یعنی یہ کہ علم تو ان کو ہو مگر محض تواضع کے طور پر اسکی نفی کریں یہ ہم نہیں مانتے۔

فریق مخالف کی عجیب منطق اور نرالی حجت ہے، اس توجیہ کا بصورت صحت صرف یہی مطلب ہے کہ اے خداوند کریم ہم کو تفصیلی اور یقینی علم تو تھا ہی نہیں، اور جس قدر تھا بھی تو اس کا اظہار اس موقعہ پر کوئی خاص فائدہ نہیں دیتا۔ اس لیے ازرہ ادب و تواضع ہم یہ کہتے ہیں لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ، تو یہ ادب اور تواضع نفس الامر کے بالکل موافق ہے نہ یہ کہ مخالف، لہٰذا یہ توجیہ بھی فریق مخالف کو سودمند نہیں ہے، بلکہ یہ ہمارے مدعیٰ کے بالکل عین موافق ہے۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ اس توجیہ کو محض ایک احتمال کی صورت میں علامہ رازی رح اور خازن رح نے نقل کیا ہے، ان میں سے کسی نے اس کو اختیار نہیں کیا، صرف احتمالی توجیہ کو اختیار کرنا اور مذکورۃ الصدر صحیح توجیہات کو جن میں سے بعض کو صراحت کے ساتھ بعض حضرات مفسرین کرام رح نے ترجیح دی اور اختیار کیا ہے، ترک کر دینا خالص دین سے غفلت حق جوئی سے انحراف اور محض ہویٰ پرستی ہے ؎

خوابِ غفلت میں رہیں گے تا بہ کے اہلِ چمن
برق کے شعلے حدودِ گلستان تک آ گئے

چھٹی توجیہ اس آیت کی یہ کی گئی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جس وقت یہ سوال ہوگا اس وقت گھبراہٹ و خوف و ہراس کی وجہ سے ان کے حواس حاضر نہ ہوں گے اور اس گھڑی وہ بہت سی باتوں کو بھول جائیں گے اور اس وجہ سے وہ فرمائیں گے لَا عِلْمَ لَنَا ہمیں کوئی علم نہیں، اس قول کو حضرت مجاہد رح حسن بصری رح اور حضرت ابن عباس رض کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ (دیکھئے ابن کثیر ج ۲ ص ۱۱۴ و معالم ج ۲ ص ۸۹۲ و ابو السعود ج ۴ ص ۸۳) مگر اس توجیہ پر چند وجوہ سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

اولاً متعدد حضرات مفسرین کرام رح نے اس پر کلام کیا ہے چنانچہ حضرت رازی رح لکھتے ہیں کہ اس توجیہ

کو اگرچہ ایک جماعت نے اختیار کیا ہے مگر میرے نزدیک یہ ضعیف اور کمزور ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ثواب کے بیان میں فرمایا ہے کہ ان کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی، اور نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن مومنین صالحین کے چہرے چمکتے ہوں گے اور ہشاش بشاش ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ مسلمان یہود، نصاریٰ صابئین میں سے جو بھی صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں اُن کو اُن کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی خوف طاری نہ ہوگا۔ اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ پس جب مومنین کا یہ حال ہوگا۔

فکیف یکون حال الانبیاء والرسل اقل من ذالك ومعلوم انهم لو خافوا لكانوا اقل منزلة من هٰؤلاءِ الَّذِیْنَ اخبر الله تعالیٰ عنهم انهم لا یخافون البتة (کبیر ج ۳ ص ۶۸)

تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حال اُن سے کمتر کیونکر ہو سکتا ہے، اور اگر ان کو خوف ہوگا تو وہ کم درجہ کے ٹھہریں گے ان مومنوں سے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُن پر ہرگز کوئی خوف نہ ہوگا۔

اور علامہ خازن رح لکھتے ہیں کہ:۔

وهذا فیه ضعف ونظر لان الله تبارك وتعالیٰ قال فی حق الانبیاء لا یحزنهم الفزع الاکبر۔ (خازن ج ۲ ص ۸۹)

یہ قول ضعیف ہے اور اس میں کلام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ بڑی گھبراہٹ ان کو غم اور حزن میں نہ ڈالے گی۔

اور علامہ ابو السعود الحنفی رح اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ میں لَا عِلْمَ لَنَا کی جو اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ سے علت بیان کی گئی ہے، وہ اس توجیہ کے ہرگز مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

لا یلائمهٗ التعلیل المذکور۔ (ابو السعود ج ۲ ص ۸۳) یہ مذکور تعلیل اس کے ہرگز موافق نہیں ہے۔

اور علامہ آلوسی الحنفی رح فرماتے ہیں کہ ذہول کی توجیہ پر شیخ الاسلام رح نے اعتراض کیا ہے کیونکہ:۔

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ فی موضع التعلیل و لا یلائم ماذکر۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۴۹)

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اِنَّكَ انت علام الغیوب مقام تعلیل میں ہے اور ذہول کی توجیہ کے ساتھ یہ ہرگز مناسب نہیں ہے

الغرض یہ چھٹی توجیہ اگرچہ بعض سلف رح سے منقول ہے مگر محققین نے بوجوہ بالا مذکورہ اس کو ضعیف اور کمزور بتایا ہے، اس لیے اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

وثانیاً کیا اس ذہول کے لیے جمیع ماکان و مایکون کا علم ہو تو تب ہی یہ متحقق ہو سکتا ہے؟ اگر بعض کا

علم ہو مثلاً اُمّت کے ظاہری احوال اور اُمّت کے جن افراد و اشخاص کو دیکھا ہے، انہی سے متعلق یہ علم ہو اور اس گھبراہٹ میں اُس سے بھی ذہول ہو جائے تو کیا یہ نہیں ہو سکتا؟ عقلاً اور نقلاً ذہول اور جمیع ماکان و ما یکون کے علم میں کون سا تلازم ہے؟ اگر یہ توجیہ صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب بھی اس کے بغیر کچھ نہیں ہو گا، کہ ظاہری طور پر جو محدود علم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہو گا، اس سے متعلق بھی وہ فرماویں گے لا علم لنا۔ اور رہا ظاہری علم کے علاوہ باطنی اور محیط تفصیلی تو وہ انّکَ انت علّام الغیوب میں داخل ہے (کہ تو ہی جانتا ہے کیونکہ تمام غیوب کا جاننے والا ہی بس تو ہے)

وثالثاً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو قیامت کے دن خوف و ہراس ہو گا جس کی بنا پر وہ لا علم لنا کا اظہار کریں گے تو جناب خاتم النّبیین شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے متعلق خوف و ہراس کا ثبوت تو کہیں بھی نہیں کہ قیامت کے دن آپ پر بھی ایسا خوف و ہراس طاری ہو گا کہ آپ کے حواس مبارکہ بھی بجا نہ رہیں گے (العیاذ باللہ تعالٰی) دیکھا آپ نے کہ اہل بدعت نے اپنے خانہ ساز اور جعلی عقیدہ کے لیے محض جمیع ماکان و ما یکون کے علم کے تحفظ کے لیے صرف یہ تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ ان کو شدّت کے ساتھ اس پر اصرار بھی ہے کہ یہ خوف و ہراس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی طاری ہو گا (معاذ اللہ تعالٰی) اور آپ کی فضیلت اور خصوصیت کی قطعاً کوئی پروانہ کی، محبّ ہوں تو ایسے ہوں اور عاشق ہوں تو ایسے ہوں۔ آخر توحید و سنت کا ترک کرنا یہی کچھ تو سکھلاتا ہے ؎

عمل اُن سے ہوا رخصت عقیدوں میں خلل آیا
کوئی پوچھے کہ ان کے ہاتھ کیا نعم البدل آیا

ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ قیامت کے دن جب کہ ساری مخلوق پریشان اور بے چین ہو گی تو اس وقت جناب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایسی دل جمعی اور استقامت حاصل ہو گی جس کی نظیر نہیں مل سکے گی اور کیوں نہ ہو آپ کی جلالتِ شان اور علو ہمتی ہی اس کی مقتضی ہے ؎

جسے فیضِ خدا سے ذوقِ درویشانہ ملتا ہے
اسی کو دو جہاں میں منصبِ شاہانہ ملتا ہے

تعجب ہے مفتی احمد یار خاں صاحب (وغیرہ) پر کہ وہ صحیح اور مختار تفسیر کو چھوڑ کر سارا زور ہی ان کم

صرف کرتے ہیں کہ، تیسرے یہ قیامت میں جس وقت نفسی نفسی فرمانے کا وقت ہوگا اس وقت انبیاء کرام یہ فرمائیں گے اور پھر آگے اپنی معتبر تفسیر روح البیان شریف کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ یہ جواب قیامت کے بعض موقعوں میں ہوگا اور اس کے بعد حواس قائم ہوں گے تو اپنی قوم پہ گواہی دیں گے کہ ہم نے رسالت کی تبلیغ فرمادی اور ہماری قوم نے کیا جواب دیا۔ (بلفظہٖ جاء الحق ص ۹۶)

مفتی صاحب ذرا ہوش میں آکر یہ بتائیں کہ اس صورت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت اور شان پر کوئی اثر تو نہ پڑے گا؟ اور اس میں توہین اور تنقیص حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تو نہیں ہوگی، اگر کوئی اور ایسا کہتا تو آپ زمین کو سر پر اٹھا لیتے مگر ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

باب ششم

اس باب میں ہم قرآن کریم کی بارہ عدد آیات مع مستند اور معتبر تفاسیر کے عرض کرتے ہیں جن سے بخوبی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تمام پیغمبروں کے سردار، امام الانبیاء، خاتم النبیین اور شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی جمیع ماکان و مایکون کا علم حاصل نہ تھا اور نہ آپ عالم الغیب تھے اور جب آپ کو یہ مقام حاصل نہ تھا تو دیگراں چہ رسد۔

اس باب میں پیش کردہ آیات کے جوابات میں جو جو عذر لنگ فریق مخالف کی طرف سے کیے گئے ہیں ان کے چہرے سے بھی اچھی طرح نقاب کشائی کی گئی ہے، اور فریق مخالف کے خیالات اور نفسی میلانات کی پردہ دری بھی ضروری ہی تھی کیونکہ پردہ دری کے بغیر درونِ پردہ کا نظارہ کس نے کیا ہے؟ ارادہ تھا کہ اس باب میں کم و بیش پچاس آیات پیش کی جاتیں مگر خوف طوالت سے اس کو نظر انداز کیا گیا ہے تاکہ یہ کتاب دائرہ المعارف اور انسائیکلوپیڈیا نہ بن جائے، اس لیے انہی آیات پر اکتفا کی گئی ہے۔ و فیما کفایۃ لمن لہ ہدایۃ۔

پہلی آیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ○

(پ ۱۲ - لقمان ۔ ۴)

بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ وہ کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو علم نہیں کہ وہ کس زمین میں مرے گا، تحقیق سے اللہ تعالےٰ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔

یعنی قیامت آکر رہے گی مگر کب آئے گی؟ اس کا علم اللہ تعالےٰ کے بغیر کسی کو نہیں، نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جائے۔ زمین کی ساری رونق اور مادی برکت (جس پر مخلوق کی خوشحالی کا مدار ہے) آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ سال دو سال مینہ نہ برسے تو خاک اڑنے لگے۔ مگر یہ بارش کب ہوگی، کہاں ہوگی، کتنی مقدار میں ہوگی، کن کن نتائج کی حامل ہوگی، اس کو بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور اس کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کہ ارحام کے اندر کیا ہے، لڑکے ہیں یا لڑکیاں۔ اکیلے ہیں یا جڑواں، کالے ہیں یا گورے، صحیح الاعضاء ہیں یا ناقص الاعضاء، اور پیدا ہونے کے بعد ان کی عمر کیا ہوگی، روزی کتنی ملے گی، کیا کیا کام کریں گے، سعید ہوں گے یا شقی وغیرہ وغیرہ اور نیز یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا (خود ساختہ پروگرام کا سوال نہیں ہے) نفع کمائے گا یا نقصان نیکی کرے گا یا بدی اور کچھ کرنے کے لیے زندہ بھی رہے گا یا نہیں؟ اور موت آئے گی تو کہاں اور کس نوعیت کی؟ دفن ہوگا یا جانور کھا جائیں گے، تجہیز و تکفین کون کرے گا، کس خطۂ زمین میں دفن کیا جائے گا؟ وغیرہ وغیرہ۔

احادیث میں ان پانچ چیزوں کو مفاتیح الغیب کہا گیا ہے جن کا علم کلی بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہے۔ احکامِ غیبیہ کا علم اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے اور اکوانِ غیبیہ میں سے بہت سے جزئیات کا علم بھی آپ کو عطا کیا گیا، ہاں اکوانِ غیبیہ کی کلیات اور اصول کا علم بجز اللہ تعالےٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ رہی ان پانچ اشیاء کی تخصیص تو اس کی کئی وجوہ ہیں اول چونکہ سوال کرنے والے نے ان ہی پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا تھا لہٰذا جواب میں بھی ان پانچ اشیاء کو ہی ملحوظ رکھا گیا، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ، علامہ بغویؒ، علامہ عینیؒ، علامہ سیوطیؒ، علامہ آلوسیؒ، حضرت ملا احمد جیون الحنفیؒ لکھتے ہیں۔ واللفظ لہٗ:

نقل فی نزولها ان حارثؓ بن عمر جاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال اخبرنی عن الساعة ایان مرسٰها وقد زرعت بذرا فاخبرنی متٰی ینزل الغیث وامرأتی حاملة فاخبرنی عما فی بطنها ذکرام انثٰی واعلم ما وقع امس واخبرنی عما یقع غدا وعلمت ارضا ولدت فیها اخبرنی عما ادفن فیه فنزلت الآیة المذکورة فی جوابه یعنی

اس کا شانِ نزول یہ نقل کیا گیا ہے کہ حارثؓ بن عمر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا مجھے بتلائیے کہ قیامت کب آئے گی؟ اور کب اس کا قیام ہوگا؟ اور میں نے کھیتی بو کر اس میں بیج ڈالا ہے، بتلائیے بارش کب ہوگی؟ اور میری بیوی حاملہ ہے، فرمائیے اس کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ مجھے یہ تو علم ہے کہ گزشتہ کل میں کیا کچھ ہوا، آپ مجھے یہ بتلائیے کہ آنے والے کل میں کیا کچھ ہوگا؟ اور مجھے علم

ان ھذہ الخمسۃ فی خزانۃ غیب اللہ لا یطلع علیہ احد من البشر والملک والجن اھ (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۵، معالم ج ۲ ص ۱۵۶، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۵۱۹ / ۲۷۹، در منثور ج ۵ ص ۱۷۰، روح المعانی ج ۲۱ ص ۹۷ و تفسیر احمدی ص ۳۹۶) واللفظ لہٗ

ہے کہ میں کس زمین میں پیدا ہوا، آپ مجھے یہ بتائیں کہ میں دفن کہاں ہوں گا؟ اس کے جواب میں یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی کہ یہ پانچ چیزیں اللہ تعالٰی کے خزانۂ غیب میں ہیں ان پر نہ تو کوئی بشر اور فرشتہ مطلع ہو سکا ہے اور نہ جن۔

معالم التنزیل، عمدۃ القاری اور روح المعانی وغیرہ میں حارثؓ کی بجائے وارث اور عمر کی جگہ عمرو آیا ہے۔ کچھ بھی ہو مطلب واضح ہے کہ چونکہ سوال ہی ان پانچ اشیاء کے متعلق ہوا تھا، اس لئے جواب میں بھی انہی پر اقتصار کیا گیا ہے، اگرچہ ہزاروں اور لاکھوں ہی نہیں بلکہ کروڑوں چیزیں ایسی ہیں جن کا تفصیلی علم صرف اللہ تعالٰی کی ذاتِ گرامی ہی کو حاصل ہے اور بس ع

اُسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

دوسری وجہ یہ ہے جیسا کہ حافظ ابنِ حجرؒ اور علامہ بدر الدین عینی الحنفیؒ اور مفتی عبدہٗؒ لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ ہماری عبارت میں یہ ہے کہ: ان پانچ چیزوں کے اندر حصر کی حکمت یہ ہے کہ عالم پانچ قسم کے ہیں؛ عالم حیوان، یعلم ما فی الارحام۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ عالم نباتات یا بالفاظ دیگر عالم علوی جو نباتات کا سبب اور ذریعہ ہے وینزّل الغیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ عالم سفلی یا بالفاظِ دیگر عالمِ برزخ۔ بایّ ارض تموت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ عالم زمان اور جو کچھ اس میں حوادث ہوتے ہیں ماذا تکسب غدًا میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور عالم آخرت اور عندہٗ علم الساعۃ اسی کی طرف مشیر ہے۔ دیکھئے فتح الباری ج ۱۳ ص ۳۰۹ وعمدۃ القاری ج ۱ ص ۵۱۹ و تفسیر المنار ج ۷ ص ۴۶۸)۔

اور الشیخ احمد المدعو بملّا جیون الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

فان قلت فما فائدۃ ذکر الخمسۃ لان جمیع المغیبات کذٰلک قلت فائدتہ ان ھذہ الخمسۃ معظم الغیوبات لانھا مفاتحھا فانہ اذا وقف مثلا علٰی ما فی غدٍ وقف علٰی موت زید وتولد عمرو وفتح بکر ومقھوریۃ

اگر تو یہ کہے کہ ان پانچ اشیاء کے ذکر کرنے میں کیا فائدہ ہے حالانکہ سب مغیبات اسی طرح ہیں، تو میں جواب میں کہوں گا۔ کہ ان پانچ اشیاء کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ معظم غیوبات بلکہ غیوبات کی چابیاں ہی یہی ہیں کیونکہ اگر مثلاً کوئی شخص کل کے حوادث پر آگاہ ہو گیا تو وہ زید کی موت عمرو کی ولادت بکر کی

خالد وقدوم بشر وغیر ذالك مما
فی الغد وھکذا القیاس ۔
(التفہیرات الاحمدیۃ ص۳۹۷)

فتح خالد کی شکست اور بشر کی آمد پر اور اسی طرح جو کچھ کہ کل ہونے
والا ہے اس سب پر آگاہ ہو گیا (تو کوئی چیز باقی رہی ہی نہیں)
اور اسی طرح باقی (چار چیزوں) کا اس پر قیاس کرو۔

فائدہ:۔ قرآن کریم کی اس آیت میں جس علم کی اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ تخصیص کی گئی ہے، وہ علم کُلّی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان اشیاء کے کلیات کا بطور کلی علم صرف ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ہے، اور آگے بعض احادیث اور آثار اور اقوال علماء میں سے ان میں سے جن بعض جزئیات کا علم غیر اللہ کے لئے ثابت ہوگا تو وہ صرف علم جزئی ہے، اور ایجاب جزئی اور رفع ایجاب کُلّی میں کوئی منافات نہیں ہوتی،

چنانچہ علامہ آلوسی الحنفی رح قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

فاللائق ان لا یعتبر فی الآیۃ سلب العموم بل
یعتبر عموم السلب ویلتزم ان القاعدۃ اغلبیۃ
وکذا یقال فی السلب والعموم فی جانب الفاعل
(روح المعانی ج ۲۰ ص۱۲)

یہ امر قابلِ غور اور لائق فکر ہے کہ آیت میں سلبِ عموم معتبر
نہیں ہے بلکہ عموم سلب مراد ہے اور یہ بات بھی قابلِ التزام
ہے کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے اور اسی طرح جانب فاعل میں
سلب اور عموم کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ صاف اور واشگاف الفاظ میں وہ یوں لکھتے ہیں کہ:۔

وانہ یجوز ان یطلع اللہ تعالیٰ بعض اصفیائہ
علی احدی ھذہ الخمس ویرزقہ
عزوجل العلم بذالک فی الجملۃ و
علمھا الخاص بہ جل وعلا ما کان
علیٰ وجہ الاحاطۃ والشمول
لاحوال کل منھا وتفصیلہ علی الوجہ
الاتم وفی شرح المناوی رح للجامع الصغیر فی
الکلام علیٰ حدیث بریدۃ رض السابق خمس لا

یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض برگزیدہ بندوں کو ان
پانچ امور میں سے کسی چیز پر مطلع کردے اور اللہ تعالےٰ
ان کو فی الجملہ ان کا علم عطا فرمادے اور ان امور خمسہ میں
سے جو علم اللہ تعالےٰ سے مخصوص ہے وہ ایسا علم ہے جو
علےٰ وجہ الاحاطہ اور علیٰ سبیل الشمول ہے کہ ان میں سے ہر
ایک کا علیٰ وجہ الاتم تفصیلی علم اس پر مشتمل ہو جامع
صغیر کی شرح میں علامہ مناوی رح لکھتے ہیں کہ حضرت بریدہ رض کی
(سابق) حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ پانچ چیزوں کا علم سوائے باری

يعلمهن الا الله على وجه الاحاطة و الشمول كليا وجزئيا فلا ينافيه اطلاع الله تعالى بعض خواصه على بعض المغيبات حتى من هذه الجنس لانها جزئيات معدودة اھ

(تفسیر روح المعانی ج ۲۱ ص۱۰۰)

تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی تمام کلیات اور جزئیات کا علیٰ سبیل الاحاطۃ والشمول علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص خاص بندوں کو ان پانچ میں سے بعض مغیبات پر مطلع کر دے، کیونکہ یہ تو چند گنے چنے واقعات اور معدودے چند جزئیات ہیں۔

اس مسئلہ کی تحقیق پر متعدد عبارات اور بھی موجود ہیں مگر ہمارا مقصد تمام عبارات کا استیعاب نہیں ہے بلکہ صرف اپنے دعویٰ کو مدلل کرنا ہے۔ علامہ عبدالرؤف مناوی رح (المتوفی ۱۰۳۱ھ) اور علامہ آلوسی رح کے اس حوالہ سے یہ بات بالکل روشن ہو گئی ہے کہ ان امورِ خمسہ کا احاطہ اور شمول کے طور پر علم صرف باری تعالیٰ سے مخصوص ہے، ان میں سے بعض جزئیات کا علم باعلام خداوندی بعض بعض اولیاء کو بھی ہو جاتا ہے مگر یہ صرف چند جزئیات ہیں اور بس۔

اور حضرت ملا علی ن القاری رح ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

فان قلت قد اخبر الانبياء والاولياء بشيئ كثير من ذالك فكيف الحصر قلت الحصر باعتبار كليا تها دون جزئياتها

(مرقات ج ۱ ص۶۶ و فتح الملہم ج ۱ ص۱۷۲)

اور اگر تو یہ کہے کہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاءِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ان پانچ میں سے بہت سی چیزوں کے بارے میں خبر دی ہے تو حصر کیسے صحیح ہے کہ اللہ ہی کے پاس ہے ان کا علم؟ میں اسکے جواب میں کہوں گا کہ حصر کلیات کے اعتبار سے ہے جزئیات کے لحاظ سے نہیں ہے۔

حضرت ملا علی ن القاری رح کی عبارت بھی بالکل صاف اور واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان اُمورِ خمسہ کے کلیات مختص ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرات اولیاء کرام رح نے ان میں سے جو چیزیں بتائی ہیں وہ صرف معدودے چند جزئیات ہیں۔

اس لحاظ سے اصولی طور پر کوئی چیز ایسی نہیں جو ان سے خارج اور مستثنیٰ ہو۔ مثلاً دیکھئے انسان، جن، پرند چرند، کیڑے مکوڑے اور مچھلیاں وغیرہ تمام عالم حیوان میں داخل ہیں، ان تمام کی اناث کے ارحام اور پیٹ میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کون جانتا ہے؟ عالمِ نباتات کو دیکھئے تو اس کا تفصیلی علم بجز خالق کائنات کے اور کسی کو نہیں اور اسی طرح برزخ کے متعلق اجمالی طور پر جزاء و سزا، راحت و عذاب پر ہر مسلمان کا عقیدہ

ہے مگر ہر ایک کے ساتھ کیا گزرے گی، اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کس کو معلوم ہے؟ اور اسی طرح زمانہ کی تمام اقسام ماضی، حال اور مستقبل کے تمام حوادث کو کون جانتا ہے بغیر مالکِ سمٰوٰت والارض کے، اور عالمِ آخرت اور قیامت تو اس کا کہنا ہی کیا، نہ اُس کی انتہا اور نہ اختتام، کوئی سمجھے تو کیسے سمجھے، کسی کے علم میں آئے تو کیسے آئے، وہاں کے طویل اور غیر متناہی جینے کا تصور کرتے کرتے ہی ہمارے دماغ تھک جاتے ہیں، کیا ہی سچے کی بات کہی گئی ہے: ؎

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دُنیا — یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

حضرت امام رازی رح اسی موقعہ پر لکھتے ہیں کہ: اس آیت کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ بس انہی پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے کیونکہ اُس ذرّہ بے مقدار کا علم بھی بس اللہ ہی کو ہے جو مثلاً طوفانِ نوح ؑ کے زمانہ میں ریت کے کسی ٹیلے میں تھا اور بعد کو ہوا نے اُس کو بارہا مشرق سے مغرب کی طرف منتقل کیا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۰۳) اس کے بعد اُنہوں نے تخصیص بالذکر کی وجہ بیان کی ہے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم چند صحیح احادیث اس مقام پر عرض کریں تاکہ کسی کوتاہ فہم یا مغالطہ آفرین کو موقع نہ مل سکے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رض فرماتے ہیں کہ:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مفاتیح الغیب خمس لا یعلمہا الا اللہ لا یعلم ما فی غدٍ الّا اللہ ولا یعلم ما تغیض الارحام الا اللہ ولا یعلم متیٰ یأتی المطر احد الا اللہ ولا تدری نفس بایّ ارضٍ تموت ولا یعلم متیٰ تقوم الساعۃ الّا اللہ۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۴۱ و ج ۲ ص ۶۸۱ و ص ۱۰۹۷ ج ۲ واللفظ لہ ومسلم ج ۱ ص ۔۔۔ ومسند احمد ج ۲ ص ۲۴ و ص ۵۲ ج ۲ و ص ۵۸ ج ۲ و در منثور ج ۳ ص ۱۵ و ج ۵ ص ۱۶۹ و موارد الظمآن ص ۴۲۴)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مفاتیح الغیب یہ پانچ چیزیں ہیں جن کو بجز خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا خدا تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا واقعات رونما ہوں گے اور سوا خدا کے اور کوئی نہیں جانتا کہ ارحام (بچہ دانیوں) میں کیا ہے (مثلاً نر یا مادہ ایک یا زیادہ وغیرہ) اور اس کے سوا کسی کو خبر نہیں کہ بارش کب ہوگی؟ اور کسی نفس کو معلوم نہیں کہ اس کی موت کس سرزمین میں واقع ہوگی، اور خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی؟

اور ان کی ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سب چیزوں کی چابیاں دی گئی ہیں مگر پانچ چیزوں کی ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ (خصائص الکبری ج ۲ ص ۱۹۵ وقال اخرجہ احمد والطبرانی بسند صحیح) حضرت بریدہ رض (المتوفی ۶۲ھ) فرماتے ہیں۔

سمعت رسول اللہ صلی علیہ وسلم یقول.
خمس لا یعلمھن الا اللہ ان اللہ عندہ علم
الساعۃ وینزل الغیث ویعلم مافی الارحام وما
تدری نفس ماذا تکسب غدًا وما تدری نفس
بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۳
ورواہ الضیاء المقدسی بسند صحیح الدر المنثور ج ۵ ص ۱۶۹ وقال ابن حجر صححہ
ابن حبان رح والحاکم ، فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۴ اور حافظ ابن کثیر رح تحریر فرماتے
ہیں ھذا حدیث صحیح الاسناد (تفسیر ج ۳ ص ۴۵۴)

میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ
نے فرمایا کہ پانچ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور
کوئی نہیں جانتا ، بے شک خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے
علم قیامت کا ، اور وہی (اپنے علم کے مطابق) اُتارتا
ہے بارش اور وہی جانتا ہے جو کچھ ارحام میں ہے اور
کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا۔ اور کسی کو
معلوم نہیں کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ یقیناً اللہ
تعالیٰ ہی ان چیزوں کا جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

نیز یہی حدیث حضرت ابوہریرہ رض سے بھی مروی ہے۔ (در منثور ج ۵ ص ۱۶۹) حضرت ربعی رح بن حراش
اور حضرت ابن عمر رض کی صحیح روائتیں ذاتی اور عطائی کے باب میں گزر چکی ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ
نے کسی کو نہیں دیا۔

حضرت ایاس رح بن سلمہ رض (المتوفی ۱۱۹ھ) اپنے والد حضرت سلمہ رض (المتوفی ۷۴ھ) سے روایت کرتے
ہیں کہ ایک شخص آیا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند سوالات کئے ، ایک یہ بھی تھا ، کہ

قال متی تقوم الساعۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم غیب ولا یعلم الغیب الا اللہ
(مستدرک ج ۱ ص ۷ قال الحاکم و الذہبی رح علی شرط مسلم)

قیامت کب آئے گی ؟ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے فرمایا (قیامت کا علم) غیب ہے اور غیب کو اللہ تعالیٰ
کے بغیر اور کوئی نہیں جانتا۔

حضرت ابوامامہ رض (المتوفی ۸۶ھ) سے روایت ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ :۔

ان اعرابیا وقف علی النبی صلی اللہ علیہ
وسلم یوم بدر علی ناقۃ لہ عشراء
فقال یا محمد مافی بطن ناقتی ھذہ
فقال لہ رجل من الانصار دع
عنک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم وھلم الی حتی اخبرک

غزوۂ بدر کے دن ایک اعرابی اپنی دس مہینے کی گابھن اونٹنی
پر سوار ہو کر جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر
ہوا اور عرض کیا کہ اے محمد بتلایئے میری اس اونٹنی کے پیٹ میں
کیا ہے ؟ ایک انصاری رض نے (طیش میں آکر) اس سے کہا ، کہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہٹ کر میرے پاس آ تاکہ
میں تجھے بتلاؤں تو نے اس اونٹنی سے مجامعت کی ہے اور اس

وقعت انت عليها وفي بطنها ولدٌ منك فاعرض عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال ان الله يحب كل حيي كريم متكره ويبغض كل لئيم متفحش ثم اقبل على الاعرابي فقال خمس لا يعلمهن الا الله ان الله عنده علم الساعة الآية

(در منثور ج ۵ ص۱۷۱)

کے پیٹ میں تیرا بچہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سن کر اس انصاری رضؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر صاحب حیا اور صاحب وقار کو جو گندی باتوں سے کنارہ کشی کرتا ہو پسند کرتا ہے، اور ہر کمینہ اور بدزبان کو مبغوض رکھتا ہے۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس اعرابی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ پانچ چیزیں وہ ہیں جن کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں پھر آپ نے سورۃ لقمان کی یہ آخری آیت پڑھی ان الله عنده علم الساعة الآية)

امام حاکمؒ نے یہ روایت ان الفاظ سے نقل کی ہے کہ:-

قال فان كنت رسول الله فاخبرني ما في بطن ناقتي هذه فقال له سلمة رضؓ بن سلامة بن وقش وكان غلاما حدثا لا تسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم انا اخبرك نزوت عليها ففي بطنها سخلة منك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فحشت على الرجل يا سلمة (مستدرک ج ۳ ص۴۱۸ وقال صحيح الاسناد- وقال الذهبي صحيح مرسل)

اس اعرابی نے کہا، اگر آپ خدا تعالیٰ کے رسول ہیں تو بتلایئے میری اس اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟ تو سلمہؓ بن سلامہ بن وقش نے کہا، اور یہ ایک (تیز مزاج) نوجوان تھا، اے اعرابی! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھ میں تجھے بتاتا ہوں تو نے اس اونٹنی سے مجامعت کی ہے اور اس کے پیٹ میں تیرا بچہ ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمہؓ تو نے اس شخص کو بڑی فحش بات کہی ہے۔

اس روایت میں صحابی کا ذکر نہیں تھا، اسی لیے علامہ ذہبیؒ اس کو مرسل کہتے ہیں مگر فرماتے ہیں کہ مرسل کی سند صحیح ہے۔ اور پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ درمیان میں صحابی حضرت ابو امامہؓ ہیں۔ اب مرسل کا خدشہ بھی جاتا رہا۔ واضح ہے کہ اس روایت میں سلمہؓ کا جواب درحقیقت اس اعرابی کے سوال کا جواب نہیں بلکہ اس کے بے جا سوال پر زجر اور توبیخ ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی سے بے موقع اور بے محل یہ سوال کرے کہ رات کو تم نے کیا کھایا تھا؟ تو مجیب غصہ اور طیش میں آکر یہ کہے، تیرا سر کھایا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ اصل سوال کا جواب نہیں بلکہ خفگی اور ناراضگی کا اظہار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس انصاری رضؓ سے اعراض بھی کیا اور یہ بھی فرمایا کہ تو نے فحش گوئی سے کام لیا ہے اور اللہ تعالیٰ بدزبان

کو پسند نہیں کرتا۔ اور پھر اُس اعرابی کے اصل سوال کا جواب آپ نے یوں ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا، اور یہ تیرا سوال بھی اُن پانچ میں سے ایک کے متعلق ہے۔ تعجب ہے فریق مخالف کے علم اور ان کی دیانت پر کہ وہ اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس انصاریؓ کو مافی الارحام کا علم تھا یہ ان کی انتہائی خوش فہمی ہے۔ چنانچہ مولوی محمد عمر صاحب غازیؒ قطع و برید اس روایت میں فقال رسول اللہ علیہ وسلم فحشت علی الرجل یا سلمۃ کے الفاظ شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں اور اس پر سُرخی یوں قائم کرتے ہیں کہ "آپ کے غلام بچے علم مافی الارحام سے واقف ہیں" اور پھر حدیث نقل کرکے اور اس کا ترجمہ کرکے اس مدعا کو یوں سر کرتے ہیں۔ انصاف سے غور کرنا چاہیئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے چھوٹے غلاموں کو پیٹ کا علم یعنی مافی الارحام کا علم ہو۔ اور تم کہو کہ انبیاء کو مافی الارحام کا علم نہیں ہو سکتا۔ کیا منکر کا ایمان بالانبیاء صحیح ہے، بلفظہ (مقیاس حنفیت ص ۲۴۲، ۲۴۳)

مولوی صاحب کو واضح ہونا چاہیئے کہ ہماری کیا مجال ہے جو ہم یہ کہیں، کہنے والے باری تعالیٰ اور اس کا برحق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ہمارا ان پر ایمان ہے اور اس کے خلاف ایک ادنیٰ دلیل بھی ثابت نہیں ہے، بتلایئے منکر کو ایمان کی فکر کرنی چاہیئے یا اس باطل اور مردود نظریہ کے حامل اور مُقر کو؟ دوسروں کی عبارات میں سے اہم حصوں کو حذف کرکے انصاف کی اپیل کرنا تو آسان ہے۔ مگر اس کا عملی ثبوت بڑا مشکل ہے کہ خود بھی مولوی محمد عمر صاحب انصاف و دیانت کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ اگر مولوی صاحب اپنے متعلق یہ ارشاد فرما دیتے کہ مجھے بھی پیٹ کا علم ہے تو ہمیں اس کے ماننے میں ہرگز کوئی تأمل نہیں ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کو اس پیٹ اور پیٹ کے علم نے ہی غلط راہ پر ڈال دیا ہے۔ مگر بات تو عقائد صحیحہ اور ان کے دلائل کی ہو رہی ہے۔

حضرت سلمہؓ بن الاکوع (المتوفی ۷۴ھ) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبۃ حمراء اذجاء رجل علی فرس فقال من انت قال انا رسول اللہ، قال متی السّاعۃ؟ قال غیب وما یعلم الغیب الّا اللہ قال ما فی بطن فرسی؟ قال	جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک سُرخ رنگ کے خیمہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص گھوڑی پر سوار ہو کر آیا اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں خدا تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس نے دریافت کیا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا یہ غیب کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کے بغیر اس کو

غیب وما یعلم الغیب الا اللہ قال فمتی یمطر؟ قال غیب وما یعلم الغیب الا اللہ۔

(درمنثور ج ۵ ص۱۷۰)

کوئی نہیں جانتا پھر اُس نے سوال کیا میری گھوڑی کے پیٹ میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا غیب ہے اور غیب کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر اس نے کہا بارش کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا یہ بھی غیب ہے اور اس کو خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

حضرت لقیطؓ بن عامر (المتوفی سـ ھ) کی ایک طویل حدیث میں آتا ہے کہ:

قلت یارسول اللہ انی اسئلک عن حاجتی فلا تعجلن علیّ قال سل عما شئت قلت یارسول اللہ ھل عندک من علم الغیب فضحک لعمر اللہ وھز رأسہ وعلم انی ابتغی بسقطہ فقال ضن ربک بمفاتیح خمس من الغیب لا یعلمھن الا اللہ و اشار بیدہ۔ الحدیث

(مستدرک ج ۴ ص ۵۶۱ قال الحاکمؒ صحیح الاسناد والبدایہ والنہایہ ج ۵ ص۸۰)

میں نے کہا یارسول اللہ میں آپ سے اپنی ایک حاجت کے بارے میں سوال کرتا ہوں سو آپ مجھ پر ہرگز جلدی نہ کریں۔ آپ نے فرمایا جو چاہتا ہے پوچھ؟ میں نے کہا یارسول اللہ کیا آپ کے پاس علم غیب ہے؟ بخدا آپ زور سے ہنسے اور سر مبارک کو حرکت دی اور آپ کو خیال گذرا کہ شائد میں آپ کی منزلت کو گرانے کے درپے ہوں تو آپ نے فرمایا کہ مفاتیح الغیب کو بتانے میں اللہ تعالیٰ نے رازداری سے کام لیا ہے ان کو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر اپنے ہاتھ سے ان مفاتیح غیب کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ پانچ ہیں۔

علامہ ذہبی رحؒ نے تلخیص المستدرک ج ۴ ص۵۶۲ میں فرمایا ہے کہ اس کی سند میں یعقوبؒ بن محمدؒ بن عیسےٰ رح الزہری ضعیف ہے۔ علامہ ذہبی رح کے علاوہ بھی بعض محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔ لیکن امام الجرح و التعدیل یحییٰؒ بن معین رح (المتوفی ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ وہ صدوق ہے اور جب ثقات سے روایت کرے تو تم اس کی روایت کو لکھو۔ امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ وہ میرے نزدیک عادل ہے۔ امام الحجاج بن الشاعرؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہے۔ امام ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ حافظ حدیث ہے۔ امام ابن حبانؒ اس کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ امام حاکمؒ اس کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص۳۹۶ و ص۳۹۷)

حضرت امام بخاری رح نے تعلیقات میں اس سے احتجاج کیا ہے۔ فن حدیث کے رُو سے یہ روایت کم از کم حسن کے درجہ کی ہے، اور حافظ ابن کثیرؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ لقیطؓ بن عامر ابو رزین العقیلی کا یہ سوال رجب ۹ھ کو پیش آیا تھا۔ (دیکھئے البدایہ والنہایہ ج ۵ ص۷۹ و ص۸۰)۔

حدیث جبرائیل علیہ السلام اپنے مقام پر بسط کے ساتھ عرض کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ، جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ صحیح ارشاد موجود ہے کہ قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو نہیں۔ بلکہ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بصورت ایک ناواقف اعرابی کے آپ سے قیامت کے متعلق سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو حضور علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا:-

سبحان اللہ خمس من الغیب لا یعلمھن الا اللہ ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ الآیۃ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۳)	اللہ کی ذات پاک ہے، پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو نہیں ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہی کو ہے علم قیامت کا۔ الخ

اس مضمون کی متعدد صحیح روایات اپنے مقام پر انشاء اللہ العزیز بیان ہوں گی۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی موقوف روایتیں علم ذاتی اور عطائی کے باب میں عرض کی جا چکی ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی عطا نہیں فرمایا۔ اور حضرت عائشہ ام المومنینؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ:-

ومن قال ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم یعلم ما فی غد فقد اعظم علی اللہ الفریۃ واللہ یقول قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ (بخاری ج ۲ ص ۷۲۰ ومسلم ج ۱ ص ۹۸ وابوعوانہ ج ۱ ص ۱۵۴ واللفظ لہٗ)	جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل کے واقعات کو جانتے ہیں تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، فرما دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے۔

اور حضرت عائشہؓ کی دوسری روایت میں یوں آتا ہے کہ:-

ومن حدثك انه یعلم ما فی غد فقد کذب ثم قرأت ان اللہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیب الآیۃ (ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۵۵)	جو شخص تجھ سے یہ کہے کہ آپ کل کے حوادث کو جانتے ہیں تو بے شک وہ جھوٹ کہتا ہے، پھر حضرت عائشہؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ الخ

اور ان کی ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ:-

ومن حدثك انه یعلم الغیب فقد کذب و	جو تجھے یہ بتائے کہ آپ غیب جانتے ہیں تو وہ شخص جھوٹا ہے۔

هو يقول لا يعلم الغيب الاّ الله۔ (بخاری ج۲ ص۱۰۹۸)

کیونکہ وہ تو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے بغیر غیب کوئی بھی نہیں جانتا۔

اور ان کی ایک روایت میں یوں آتا ہے :۔

من اخبرك ان محمداً رأى ربه او كتم شيئاً مما أمر به او يعلم الخمس التى قال الله تعالىٰ ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث فقد اعظم الفرية۔ (ترمذی ج۲ ص۱۶۰ والمشکوٰۃ ج۲ ص۵۰۱)

جو تجھے یہ کہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کو (شبِ معراج) آنکھوں سے دیکھا ہے یا جو حکم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیئے ہیں اُن میں سے کوئی حکم چھپایا ہے یا ان پانچ چیزوں کا آپ کو علم ہے جن کا ذکر ان الله عنده علم الساعة میں کیا گیا ہے تو اس شخص نے ایک عظیم بہتان باندھا ہے۔

رویت بصری کے بارہ میں حضرت ابن عباس رضؓ حضرت عائشہ رضؓ سے اختلاف کرتے ہیں مگر مسئلہ علم غیب میں دیگر حضرات صحابہ کرام ؓ عموماً اور حضرت ابن عباس رضؓ خصوصاً (جیساکہ پہلے باحوالہ ان کا قول نقل کیا جاچکا ہے) متفق ہیں۔

حضرت عائشہ رضؓ کی ایک مرفوع روایت یوں آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک گروہ کے پاس سے تشریف لے جارہے تھے اور وہ لوگ شادی کی خوشی میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے یہ بھی پڑھ دیا ع۔ وحبك فى النادى ويعلم مافى غد (تیرا محبوب مجلس میں ہے اور کل کی بات جانتا ہے) فقال النبى صلى الله وسلم لا يعلم مافى غد الاّ الله تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کل کے واقعات کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا۔ (مستدرک ج۲ ص۱۸۵ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح علی شرط مسلم)

حضرت عائشہ رضؓ کی یہی روایت حافظ ابن حجرؒ نے امام طبرانیؒ (المتوفی ۳۶۰ھ) کی معجم اوسط سے نقل کی ہے اور کہا ہے اسناده حسن۔ مگر اس میں اس کا ذکر ہے کہ کچھ عورتیں اشعار پڑھ رہی تھیں۔ (دیکھئے فتح الباری ج۹ ص۱۶۷)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضؓ کا یہ ارشاد قرآنِ کریم کی قطعی نصوص اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث پر مبنی ہے اور بخاری شریف کی روایت وهو يقول لا يعلم الغيب الاّ الله میں ھو کا مرجع ایک تفسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ کو اور دوسری تفسیر کے موافق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا گیا ہے۔ (دیکھئے حاشیہ بخاری ج۲ ص۱۰۹۸) تو اس لحاظ سے حضرت

عائشہ رضہ اپنے اس فتوے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث کو پیش کر رہی ہیں۔ یہ بھی ملاحظہ کیجئے اور فریق مخالف کی خوش گپیاں بھی دیکھتے جائیے۔ مولوی محمد صالح صاحب لکھتے ہیں کہ :۔ اور نہ ہی حضرت عائشہ رضہ نے کوئی مرفوع حدیث روایت کی" علم غیب رسول ص۱۱۹) اور مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں کہ:" یہ قول اپنی رائے سے ہیں اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرمائیں بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں" (جاء الحق ص۱۱۷) کیا مفتی صاحب کے نزدیک آیات سے استدلال کمزور ہوتا ہے؟ اور آیات سے استدلال کرنے کے بعد بھی رائے ذاتی ہی رہتی ہے؟ اور کیا ان کا قول صاوی اور بیجوری وغیرہ سے بھی فروتر ہے؟ مفتی صاحب معاف کیجئے حضرت عائشہ رضہ کا یہ قول صرف ذاتی نہیں بلکہ قرآن کریم اور حدیث مرفوع پر مبنی ہے۔

حضرت علی رضہ نے ایک موقع پر :۔

ومن خطبة له عليه السّلام فيما يخبر به عن الملاحم فى البصرة ووصف التتار وصاحب الزّنج فقال له بعض اصحابه لقد أُعطيتَ يا امير المؤمنين علم الغيب فضحك عليه السّلام وقال للرجل (وكان كلبيا) يا اخا كلب ليس هو بعلم غيبٍ وانما هو تعلم من ذى علم وانما علم الغيب علم السّاعة وماعدد الله تعالى بقولِ إنّ الله عندهٗ علم السّاعة الآية فيعلم سبحانه، مافى الارحام من ذكر اوانثى وقبيحٍ اوجميل وسخى اوبخيل وشقى اوسعيد ومن يكون فى النار حطبا او فى الجنان للنبيين مُرافقا فهذا علم الغيب الّذى لا يعلمه احد الا الله وما سوىٰ ذالك فعلم

ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بصرہ میں اس طرح جنگی کارروائیاں ہوں گی، تاتار کا فتنہ یوں برپا ہوگا، زنگی کا واقعہ اس طرح پیش آئے گا (وغیرہ وغیرہ) تو ایک صاحب نے سوال کیا یا امیر المومنین رضہ آپ کو تو علم غیب عطا کیا گیا ہے۔ حضرت علی رضہ ہنس پڑے اور اس شخص سے فرمایا، اے قبیلہ بنو کلب کے نوجوان یہ علم غیب نہیں ہے، یہ تو علم والے سے سیکھی ہوئی چند باتیں ہیں۔ علم غیب تو قیامت کا علم ہے اور وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ میں بیان فرمائی ہیں، سو اللہ تعالیٰ ہی بچہ دانیوں کے علم کو جانتا ہے کہ آیا رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی، خوبصورت ہے یا بدصورت؟ سخی ہے یا بخیل؟ بدبخت ہے یا نیک بخت؟ اور کون دوزخ کی آگ کا ایندھن ہوگا؟ اور کون جنت میں اپنی اولاد کا رفیق بنے گا؟ یہ ہے علم غیب جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا رہا، ان امور کے علاوہ اور چیزوں کا علم

علّمه الله تعالیٰ نبیّهٗ فعلمته و دعا لی بان یعیه صدری و تضطم علیه جوانحی۔ (نہج البلاغۃ طبع مصر ج ۱ ص۲۰۰)

تو اللہ تعالیٰ نے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے اور اس کو میں بھی جانتا ہوں اور آپ نے میرے لیے دعا فرمائی ہے کہ میں اس کو محفوظ رکھ سکوں سو وہ میرے سینہ میں محفوظ ہے۔

اس سے ایک بات تو یہ واضح ہو گئی کہ غیب کی خبریں اور ہیں اور علم غیب اور ہے۔ اور دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت علیؓ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ان اُمورِ خمسہ کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ حتیٰ کہ ان کا علم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی عطا نہیں کیا گیا اور نہ خود حضرت علیؓ کو ان امور کا علم ہے جن پر بقول حضرات صوفیاء کرام رح ولایت کا درجہ ختم ہے۔ شیعہ شنیعہ کے اس غلط اور بے بنیاد دعوے کے ہوتے ہوئے بھی کہ حضرات آئمہؒ کو ماکان و مایکون کا علم حاصل ہوتا ہے، خود انہی کی مرکزی کتاب "اصولِ کافی" میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رح (المتوفی ۱۴۸ھ) نے ارشاد فرمایا کہ:۔

یاعجباً لاقوام یزعمون انا نعلم الغیب لا یعلم الغیب الا الله عزّ وجلّ لقد هممت بضرب جاریتی فلانة فهربت منی فما علمت فی ای بیوت الدار هی۔ (اصول کافی مع الصافی، کتاب الحجہ جز سوم، حصہ اول ص۲۲۹)

تعجب ہے ان لوگوں پر جو یہ خیال کیے بیٹھے ہیں کہ ہم غیب جانتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر غیب کوئی بھی نہیں جانتا میں نے فلاں لونڈی کو پیٹنے کا ارادہ کیا تھا اور وہ اس ڈر کے مارے مجھ سے بھاگ گئی ہے اور مجھے یہ علم نہیں ہے کہ وہ لونڈی اب حویلی کے کس کمرہ میں ہے؟

خان صاحب نے حضرت علیؓ اور حضرت امام جعفر صادق رح کے علمِ غیب پر استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مجھ سے سوال کرو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ کہ عرش کے نیچے جس کسی چیز کو مجھ سے پوچھا جائے میں بتاؤں گا۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین نے خطبہ میں ارشاد فرمایا مجھ سے دریافت کرو کہ خدا کی قسم کہ قیامت تک جو چیز ہونے والی ہے مجھ سے جو کچھ پوچھو میں بتا دوں گا۔ امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ میرا علم قیامت تک کی تمام کائنات کو حاوی ہے۔ (خالص الاعتقاد ص۴۴) اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ جفر ایک جلد ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھی اور اس میں اہل بیت کرام کے لیے جس چیز کے علم کی انہیں حاجت پڑے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب تحریر فرما دیا۔ (خالص الاعتقاد ص۴۵)

اس کا جواب صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اگر واقعی یہ قول حضرت علیؓ اور حضرت امام جعفر صادق رح کا ہے تو اس سے مراد احکام اور ملاحم و فتن وغیرہ کے اہم واقعات ہیں نہ کہ کلی غیب، کیونکہ یہ دونوں

بزرگ اس کی صاف نفی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمیں علمِ غیب حاصل نہیں ہے عالم الغیب تو صرف باری تعالیٰ ہی ہے، ورنہ مدعی سُست اور گواہ چُست کا ارتکاب لازم آئے گا۔

اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:۔

هن خمس ان اللہ عندہٗ علم السّاعۃ (الآیۃ) (در منثور ج ۳ ص ۱۵)

مفاتیح الغیب یہ پانچ چیزیں ہیں جن کا ذکر سورۃ لقمان کی آخری آیت میں ہے۔

اور نیز فرماتے ہیں کہ:۔

هٰذہ الخمسۃ لا یعلمها ملک مقرّب ولا نبی مصطفٰی فمن ادعی انہ یعلم شیئا من ھذہ فقد کفر بالقرآن لانہ خالفہ۔ (تفسیر خازن ج ۵ ص ۱۸۳)

یہ پانچ چیزیں وہ ہیں کہ ان کا علم نہ تو کسی مقرب فرشتہ کو ہے اور نہ جناب نبی مصطفٰے صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو تو جو کوئی ان میں سے کسی چیز کے علم کا دعویٰ کرے تو اُس نے قرآن کریم کا انکار کیا، کیونکہ اس نے اس کی مخالفت کی ہے۔

شیئا من ھذہ کا مطلب یہ ہے کہ ان پانچ میں سے کسی ایک چیز کا دعویٰ بھی کرے کہ مجھے یا کسی اور کو بجز خدا تعالیٰ کے اس کا کلی طور پر علم ہے تو وہ کافر بالقرآن ہے، ان پانچ میں سے کسی شے کی جزئیات کا معاملہ الگ ہے، اور ان سے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا یہ ارشاد نہیں ہے۔ اس مطلب کو ذہن سے اوجھل نہ ہونے دیجیے اور اس کی اصولی اور باحوالہ مختصر بحث پہلے بیان ہو چکی ہے۔

حافظ بدر الدین الحنفیؒ علامہ زجاجؒ (المتوفی ۳۱۱ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ:۔

من ادعی انہ یعلم شیئاً من ھذہ الخمس فقد کفر بالقرآن العظیم (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۱۶)

جو شخص یہ دعوےٰ کرے کہ ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا مجھے علم ہے تو وہ قرآنِ کریم کا منکر ہے۔

اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ان پانچ چیزوں کے علم کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہونا قرآن کریم کی نصِّ قطعی میں بیان ہوا ہے اور جب بھی کوئی شخص اپنے لیے یا مخلوق میں سے کسی اور کے لیے ان پانچ میں سے کسی ایک کے علم کا دعوےٰ کرے گا تو خاصہ خداوندی میں شرکت کے دعوےٰ کے ساتھ آیت کا منکر بھی ہوگا اور کافر بالقرآن بھی۔

اور حضرت مجاہدؒ بن جبرؒ (المتوفی ۱۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

وھی مفاتیح الغیب الّتی قال اللہ تعالیٰ و

یہ پانچ چیزیں وہی مفاتح الغیب ہیں جن کے متعلق اللہ

عندہٗ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۵) تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مفاتح الغیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اس کے سوا اُن کو کوئی نہیں جانتا۔

اور حضرت قتادہؒ بن دعامہؒ مشہور تابعی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:۔

اشیاء من الغیب استاثر اللہ بھن فلم یطلع علیھن ملکاً مقرباً ولا نبیاً مرسلاً ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ فلا یدری احد من الناس متیٰ تقوم الساعۃ فی ای سنۃ او فی ای شھر اولیل او نھار وینزل الغیث فلا یعلم احد متیٰ ینزل الغیث لیلاً او نھاراً ینزل ویعلم ما فی الارحام فلا یعلم احد ما فی الارحام اذکراً او انثیٰ احمراً او اسوداً وماھو وما تدری نفس ماذا تکسب غداً اخیراً م شراً ولا تدری یا ابن اٰدم متیٰ تموت لعلک المیت غداً لعلک المصاب غداً وما تدری نفس بای ارض تموت لیس احد من الناس یدری این مضجعہ من الارض فی بحر او بر او سھل او جبل ۔ (ابن جریر ج ۲۱ ص ۸۸ واللفظ لہ ابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۵، درمنثور ج ۵ ص ۱۷۰ والسراج المنیر ج ۳ ص ۲۰۰ وروح المعانی ج ۲۱ ص ۹۹ و ص ۱۰۰)

کئی چیزیں غیب میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مختص کر لیا ہے اُس نے ان پر نہ تو کسی فرشتہ مقرب کو اطلاع دی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو بے شک قیامت کا علم بس خدا تعالیٰ ہی کو ہے۔ پس کوئی بھی انسانوں میں سے نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ کس سال اور کس مہینہ میں رات میں یا دن میں؟ اور وہی نازل کرتا ہے بارش سو کسی کو خبر نہیں کہ کب بارش نازل ہوگی رات کو یا دن کو اور وہی جانتا ہے جو کچھ کہ رحموں میں ہے سو کسی کو ارحام کا علم نہیں کہ نر ہے یا مادہ، اُسرخ ہے یا سیاہ اور پھر وہ کیا ہے؟ (سعید ہے یا شقی وغیرہ) اور کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا اچھا کرے گا یا بُرا اور اے فرزند آدمؑ تو کیا جانتا ہے کہ شاید تو کل مرنے والا ہو اور شاید کہ کل ہی تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو اور کوئی نفس خبردار نہیں کہ کس زمین میں اس کو موت آئے گی۔ یعنی کسی انسان کو پتہ نہیں کہ زمین کے کس حصہ میں اس کی قبر ہوگی آیا دریا میں یا خشکی میں نرم زمین میں یا پہاڑ اور سخت جگہ میں (بس خدا تعالیٰ ہی ان باتوں کا جاننے والا اور خبردار ہے)

قیامت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا علم دیا ہے کہ وہ جمعہ کے دن ہوگی (دیکھئے مسلم ج ۱ ص ۲۸۲ ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۹ وغیرہ) لیکن یہ کہ وہ کس ماہ کا جمعہ ہوگا؟ اور مہینہ میں کم و بیش چار جمعے ہوتے ہیں، وہ کون سا جمعہ ہوگا؟ پہلا، دوسرا، تیسرا یا چوتھا؟ پھر وہ کس سال کا ہوگا؟ یہ سب اُمور صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ باقی جس روایت میں آتا ہے کہ وہ دسویں محرم

کا مجمعہ ہوگا تو یہ روایت بالکل بے اصل ہے۔

بجائے اس کے کہ ہم کتب تفاسیر کے مزید حوالجات (مثلاً خازن ج ۵ صـ ۱۸۳، جلالین صـ ۳۴۶، بیضاوی ج ۲ صـ ۵۶، ابو السعود ج ۷ صـ ۳۰۱، روح المعانی ج ۲۱ صـ ۹۹، تفسیر کبیر ج ۶ صـ ۵۰۳ اور تفسیر مظہری ج ۷ صـ ۲۷۹ وغیرہ سے) اس آیت کی تفسیر میں نقل کریں اور خواہ مخواہ اس بحث کو طول دیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سراج الاُمّت امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ رح کی تفسیر ہی نقل کر دیں تاکہ بناسپتی حنفیوں کی آنکھیں کھل جائیں کہ حضرت امام صاحبؒ سے اس آیت کی تفسیر میں کیا منقول ہے؟ اور اس پر ہم تین حوالے اور وہ بھی صرف حنفیوں کی معتبر اور مستند تفسیروں سے نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ علاّمہ ابو البرکات نسفی الحنفی رح مدارک میں (جس کے معتبر اور مستند ہونے کا غیر مقلّدین حضرات کو بھی صاف اقرار ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:۔

"موشح باقاویل اہل سنّت وجماعت خالی از اباطیل اہل بدع وضلالت الخ" (اکسیر صـ ۱۰۳)

اور الشیخ احمد مدعو بملا جیون الحنفی رح تفسیر احمدی میں اور قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفی رح تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ:۔

ورأی المنصور فی منامه صورة ملك الموت وسأله عن مدة عمره فاشار باصابعه الخمس فعبرها المعبرون بخمس سنوات وبخمسة اشهر وبخمسة ایام فقال ابوحنیفة رضی الله تعالیٰ عنه هو اشارة الی هذه الآیة فان هذه العلوم الخمس لا یعلمها الا الله تعالیٰ۔ (مدارک ج ۳ صـ ۲۱۹ وتفسیر احمدی صـ ۳۹۶ ومظہری ج ۷ صـ ۲۸۰)

خلیفہ منصور عباسی رح (المتوفی ۱۵۸ھ) نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا اور اپنی مدّتِ عمر کے متعلق سوال کیا ملک الموت نے اپنی پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا تعبیر بتانے والوں نے اس کی مختلف تعبیریں بتائیں کسی نے پانچ سال، کسی نے پانچ مہینے اور کسی نے پانچ دن بتائے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ سورۂ لقمان کی اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ موت ان پانچ چیزوں میں ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو بھی نہیں ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رح کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ دیکھئے اب نام نہاد اور بناسپتی حنفی قرآن کریم، صحیح احادیث، حضرات صحابہ کرام رضؓ اور حضرت امام ابوحنیفہ رح اور دیگر معتبر مفسّرین

کرامؓ کے بتائے ہوئے عقیدہ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں یا خود ساختہ عقیدہ کو؟ اور ان کو سینہ پہ ہاتھ رکھ کر یہ بتانا چاہیئے کہ مسلمان اور حنفی کون ہے؟ ؎

ہماری منزل کا ہے وہ دشمن ہماری راہیں بگاڑتا ہے
کھلیں گے کچھ قدرتی شگوفے جب اپنے کانٹے وہ بو چکے گا

مولوی محمد عمر صاحب کو شائد اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ مضمون بھی یاد ہی ہو گا کہ :-

" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا وہابی انکار کرتے ہیں اور احناف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے تمام عالمین کا علمِ غیب حاصل ہونا مانتے ہیں اب تم سوچو کہ تم حنفی ہو یا وہابی؟ " (بلفظہ : مقیاس حنفیت ص۲۹)

مولوی محمد عمر صاحب حضرت امام ابو حنیفہ رح کا یہ ارشاد ملاحظہ کریں اور پھر فتویٰ صادر کریں کہ امام صاحبؒ کون ہیں اور خود مولوی محمد عمر صاحب کیا ہیں؟ اور خود ہی فیصلہ کریں کہ مسلمان اور حنفی کون ہے؟ ع

چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی!

فریقِ مخالف کی رکیک تاویلیں اور ان کے جوابات

فریقِ مخالف نے بجائے اس کے کہ اپنے باطل عقائد کو قرآنِ کریم اور صحیح احادیث حضرات صحابہ کرامؓ حضرات تابعینؒ اور آئمہ عظامؒ کے عقیدوں کے موافق بناتے اور نصوص قطعیہ اور احادیثِ متواترہ کے سامنے گردن جھکا دیتے، انہوں نے نصوص قطعیہ اور احادیثِ صحیحہ کی دُور از کار، بعید از قیاس اور بے جا رکیک تاویلات شروع کر دی ہیں حالانکہ ان کو اپنی اصلاح کرنی زیادہ مناسب تھی اور بقول عارفِ رومیؒ (المتوفی ۶۷۲ھ) "خویش را تاویل کن نے ذکر را" پر عمل کرنا چاہیئے تھا۔

انہوں نے جو تاویلیں کی ہیں وہ مع جوابات کے یہ ہیں :-

اوّل کہ اس قسم کی آیات اور احادیث میں غیر اللہ سے عموماً اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خصوصاً صرف علمِ ذاتی کی نفی کی گئی ہے نہ کہ علم عطائی کی۔ مولوی احمد رضا خان صاحب، مفتی نعیم الدین صاحب، مولوی محمد صالح صاحب، مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ جملہ رضا خانی علماء نے اس تاویل سے کام لیا ہے۔

الجواب لیکن درحقیقت یہ تاویل اتنی رکیک، کمزور اور سفیہانہ ہے کہ کسی ذی علم کی طرف اس کی نسبت بھی اُس کی عالمانہ حیثیت کے لیے نہایت بدنما داغ ہے۔ ہم ذاتی اور عطائی

کے باب میں با دلائل یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعض بعض اشیاء کا عطائی علم بھی نہیں دیا تھا۔

حضرت ربعیؒ بن خراش اور حضرت ابن عمرؓ کی صحیح اور مرفوع روایت میں یہ گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بعض چیزوں کا عطائی علم بھی نہیں دیا گیا۔ نیز ہم نے حضرات مفسرین کرامؒ اور حضرات آئمہ دینؒ سے وہاں قیامت کے علم کے متعلق لم یطلعنی علیہ۔ لم یطلع علیہ ملکاً مقربا ولا نبیا مرسلا وغیرہ وغیرہ الفاظ نقل کر دیے ہیں، وہ بغور ملاحظہ کر لیے جائیں۔ مزید بحث علم قیامت کی احادیث کی اپنے مقام پر آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ علاوہ بریں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ سوال کرنے والوں نے قیامت وغیرہ کے بارہ میں نفسِ علم کا سوال کیا تھا، ان کا سوال علم ذاتی کے متعلق نہ تھا پھر ان کے جواب میں یہ کہنا کہ مجھے ان کا ذاتی علم نہیں بلکہ یہ خدا تعالیٰ ہی کو ہے۔ معاذ اللہ تعالیٰ، سوال از آسمان اور جواب از ریسمان کا مصداق ہوگا اور ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم یقیناً اس سے پاک اور بری ہیں، اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بہت سی چیزیں جب لوگوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کی تھیں تو آپ نے اللہ تعالےٰ سے حکم پا کر ان کا جواب دے دیا، وہاں یہ کیوں نہ فرمایا کہ مجھے ذاتی علم نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ ہی کو ہے؟ ان احکام میں اور ان اُمورِ خمسہ وغیرہ میں فریق مخالف کو بیّن اور واضح طور پر وجوہِ فرق بیان کرنی چاہئیں کہ وہاں ذاتی علم کا سوال کیوں سامنے نہ آیا اور یہاں کیوں کیا؟ اور پھر انہی سوالات میں یہ بھی تھا کہ مَنْ اَنْتَ، قَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللہِ۔ کیا رسالت اور نبوّت رسول اللہؐ کی ذاتی تھی؟ پھر آپ نے رسالت کا انکار کیوں نہ فرما دیا؟ (معاذ اللہ تعالیٰ)۔ الغرض یہ تاویل اتنی لچر پوچ ہے کہ سرے سے قابلِ التفات ہی نہیں۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جن بعض اکابر نے ذاتی اور عطائی اور مستقل وغیرہ مستقل کی اصطلاحات استعمال کی ہیں تو انہوں نے اپنے فہم اور دانست کے مطابق صرف بعض بعض جزئیاتِ غیب کے دلائل کو اصولی اور کُلّی طور پر علم غیب کی نفی کی آیات و احادیث کے ساتھ تطبیق دینے کے لیے یہ توجیہ اختیار کی ہے، کُلّی غیب کے وہ بھی ہرگز قائل نہ تھے۔ جیسا کہ ان میں سے بیشتر حضرات محققینؒ کی عبارتیں ہم نے اس کتاب میں درج کر دی ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو غیب کی ہر ہر بات کا علم ہونا ثابت نہیں ہے:۔

دوم یہ کہ جن آیات اور احادیث میں علمِ قیامت وغیرہ کو حق تعالٰی کی طرف (عندہ علم الساعۃ وغیرہ تعبیرات کے ساتھ) رد کیا گیا ہے تو اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے کو عموماً اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خصوصاً ان کا علم نہیں بلکہ ان کا مفاد صرف یہ ہے کہ حق تعالٰی کو ان کا علم ہے دوسروں کو ان کا علم ہونا نہ ہونا اس سے آیات واحادیث ساکت ہیں۔ دیکھئے مولوی احمد رضا خاں صاحب کی کتاب الفیوض الملکیۃ صہ وغیرہ اور مفتی نعیم الدین صاحب کی الکلمۃ العلیاء اور نیز دیگر اہل بدعت کی کتابیں۔

الجواب یہ تاویل پہلی تاویل سے بھی زیادہ لچر اور بودی ہے، کیونکہ ہم نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ سب اس کی بیخ کنی کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ آیت کا شان نزول ہی یہ ہے کہ سوال کرنے والوں نے ان اشیاء کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا اور اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں، پھر یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ یہ آیات آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے علم سے ساکت ہیں؟ اور یہ بھی مستدرک کی صحیح روایت سے نقل کیا جا چکا ہے کہ سائل نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ متی الساعۃ؟ قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا غیب ولا یعلم الغیب الا اللہ، کہ قیامت کا علم غیب ہے اور اللہ تعالٰی کے بغیر اس کو کوئی نہیں جانتا، اور اسی طرح کے الفاظ حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت میں بھی ہیں کہ پوچھنے والے نے آپ سے ہی پوچھا تھا متی الساعۃ؟ تو آپ نے فرمایا غیب وما یعلم الغیب الا اللہ۔ اور حضرت ربعیؒ بن حراش کی روایت میں بھی اس کا ذکر ہے کہ سائل نے یہ پوچھا تھا کہ حضرت، کیا ایسے علوم بھی ہیں جو آپ کو معلوم نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے بہت کچھ بھلائی کے علوم عطا کئے ہیں مگر یہ پانچ علم مجھے نہیں دیئے گئے اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ الآیۃ۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ذکر ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزوں کا علم نہیں دیا گیا ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ یہ اور اس قسم کے متعدد صحیح دلائل اور براہین اس امر کو متعین کرتے ہیں کہ یہ تاویل کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علم ان اشیاء کے بارے میں مسکوت عنہ ہے۔ قطعاً باطل اور سراسر مردود ہے پس یہ کہنا کہ ان دلائل میں علم قیامت وغیرہ کو حق تعالٰی ہی کے لیے ثابت کیا گیا ہے، اور دوسروں سے اس کی نفی نہیں کی گئی اور ماسوی اللہ اور خصوصیت سے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم اور عدم

علم سے یہ ساکت ہیں شرمناک جہالت اور افسوسناک تجاہل ہے کم از کم دعویٰ اور دلیل میں مطابقت تو دیکھنی چاہیئے مگر یہ اہلِ بدعت کے بس کا روگ نہیں ہے ؎

اِن حقائق میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار یہ حقائق ہیں تماشائے لبِ بام نہیں

اُمورِ خمسہ کا علم اور فریقِ مخالف کے دلائل

فریقِ مخالف کا کہنا ہے کہ ان آیات اور احادیث کے نزول کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امورِ خمسہ کے (جن میں قیامت وغیرہ بھی داخل ہے) علوم اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیئے تھے۔ مگر آپ کو یہ حکم تھا کہ ان کو چھپائے رکھنا۔ دلائل یہ ہیں (ہم ترجمہ فریقِ مخالف کا ہی نقل کریں گے مگر طوالت کے خوف سے ساتھ عربی عبارتیں نقل نہیں کریں گے):-

(۱) مولوی احمد رضا خان صاحب، علامہ عثماوی کی کتاب مستطاب عجب العجائب سے نقل کرتے ہیں:-
"یعنی کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر میں ان پانچوں غیبوں کا بھی علم عطا ہو گیا۔ مگر ان کو چھپانے کا حکم تھا اور یہی قول صحیح ہے۔" (بلفظہٖ، خالص الاعتقاد ص ۵۳)

(۲) علامہ حسن بن علی اور فاضل ابن عطیہ، نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ قیامت عطا ہونے کے باب میں فرماتے ہیں:-

"یعنی حق مذہب وہ ہے جو ایک جماعت علماء نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے نہ لے گیا یہاں تک کہ جو کچھ حضور سے مخفی رہا تھا اس سب کا علم حضور کو عطا فرما دیا ہاں بعض علوم کی نسبت حضور کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتائیں اور بعض کو بتانے کا حکم دیا۔" بلفظہٖ (خالص الاعتقاد ص ۵۲ و ص ۵۳ و جاء الحق ص ۱۱۲)

(۳) علامہ قسطلانی رح تفسیر سورۃ رعد میں فرماتے ہیں:-
"کوئی غیرِ خدا نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی سوا اُس کے پسندیدہ رسولوں کے کہ اللہ انہیں اپنے جس غیب پر چاہے اطلاع دیتا ہے یعنی وقتِ قیامت کا علم بھی اُن پر بند نہیں ہے الخ" (خالص الاعتقاد ص ۵۲ و جاء الحق ص ۱۱۱)

نوٹ ضروری

علامہ قسطلانیؒ دقت کی صریح اور واضح عبارات پہلے بیان ہو چکی ہیں کہ ان کا یہ نظریہ نہیں۔

ولا يعلم متى تقوم الساعة الا الله فلم يعلم ذالك نبي مرسل ولا ملك مقرب (قسطلانی شرح بخاری ج۱۰ ص۲۹۶)

کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی بجز اللہ تعالیٰ کے نہ تو قیام ساعت کا وقت کسی نبی مرسل کو معلوم ہے اور نہ فرشتہ مقرب کو۔

(۴) شیخ محقق قدس سرہٗ لمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں :-

" مراد یہ ہے کہ قیامت وغیرہ غیب بے خدا کے بتائے معلوم نہیں ہوتے " (خالص الاعتقاد ص۵۰)

(شیخ عبدالحق صاحب ؒ کی عبارتیں اس کے خلاف اپنے مقام پر بیان ہوں گی انشاء اللہ تعالیٰ، اور کچھ پہلے بیان بھی کی جا چکی ہیں۔ صفدر)

(۵) علامہ ابراہیم بیجوری شرح بردہ شریف میں فرماتے ہیں :-

" نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم دُنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالےٰ نے حضور کو ان پانچوں غیبوں کا علم دے دیا بلکہ علامہ شنوائی نے جمع النہایہ میں اسے بطور حدیث بیان کیا کہ بے شک وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک حضور کو تمام اشیاء کا علم عطا نہ فرما دیا " (خالص الاعتقاد ص۵۰ و جاء الحق ص۱۱۱، ص۱۱۲)

(نوٹ : لفظ " کل " استغراق حقیقی میں نص قطعی نہیں، جس کی پوری بحث اپنے مقام پر آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ)

(۶) حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی غوث الزمان سید شریف عبدالعزیز مسعود حسنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ۔ یعنی قیامت کب آئے گی مینہ کب اور کہاں اور کتنا برسے گا مادہ کے پیٹ میں کیا ہے کل کیا ہوگا فلاں کہاں مرے گا یا پانچوں غیب جو آیۂ کریمہ میں مذکور ہیں ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مخفی نہیں اور کیونکر یہ چیزیں حضور سے پوشیدہ رہیں حالانکہ حضور کی امت سے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں اور ان کا مرتبہ غوث کے مرتبہ کے نیچے ہے پھر غوث کا کیا کہنا پھر ان کا کیا پوچھنا جو سب اگلوں پچھلوں سارے جہان کے سردار اور ہر چیز کے سبب ہیں ہر شئے انہیں سے ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (خالص الاعتقاد ص۵۰ و جاء الحق ص۱۱۱)

(۷) نیز ابریز عزیز میں فرمایا۔ یعنی میں نے حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ علماء ظاہر محدثین وغیرہم مسئلہ خمس میں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ (حضرات علماء محدثین رح کا قطعاً ہرگز اس مسئلہ میں کوئی اختلاف

نہیں ہے یہ سراسر ان پر بہتان ہے، وہ سب کے سب متفق ہیں کہ ان پانچ اشیاء کا علم جناب رسول اللہ تعالے علیہ وسلم کو حاصل نہ تھا۔ صفحہ د) علماء کا ایک گروہ کہتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم تھا، دوسرا انکار کرتا ہے، اس میں حق کیا ہے۔ فرمایا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچوں غیبوں کا علم مانتے ہیں وہ حق پر ہیں، حضور سے یہ غیب کیونکر چھپے رہیں گے حالانکہ حضور کی اُمت شریفہ میں جو اولیائے کرام اہل تصرف ہیں کہ عالم میں تصرف فرماتے ہیں، وہ جب تک ان پانچوں غیبوں کو جان نہ لیں تصرف نہیں کر سکتے۔
(خالص الاعتقاد صہ ۵۱)

نوٹ: گویا اس قول کے لحاظ سے جمہور اُمت باطل پر ہوئی جس میں حضرات فقہاءؒ و محدثین رح سبھی شامل ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)

تمام اہل بدعت حضرات کا ان حوالجات میں اصل ماخذ ہی خانصاحب کی کتاب خالص الاعتقاد ہے

(۸) مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں: (ترجمہ ان کا ہی ہے، اصل عربی کی عبارت ہم نے اختصاراً ترک کر دی ہے) صاوی ج ۲ صہ ۱۱ ؛ اور جس کے ساتھ ایمان واجب ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم دُنیا سے نہیں منتقل ہوتے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو جمیع مغیبات کا علم سکھایا کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْھَا کے ماتحت ملاحظہ ہو۔ (بلفظہٖ مقیاس حنفیت صہ ۳۸۴)

نیز صاوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ۔ سچی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے نہیں منتقل ہوتے حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے ان خمسہ اُمور کے علم پر آپ کو مطلع فرمایا اور لیکن ان کو چھپانے کا بھی حکم فرمایا۔ بلفظہٖ (مقیاس صہ ۳۸۴)

(۹) خصائص کبریٰ شریف ج ۲ صہ ۱۹۵۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پانچ چیزوں کا بھی علم دیا گیا ہے، قیامت کے وقت کا بھی اور روح کا بھی اور آپ کو ان کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔ بلفظہٖ (مقیاس صہ ۳۸۵)

(نوٹ ضروری: امام سیوطی رح نے ایک مستقل کتاب لکھ کر یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ یہ جو لوگ یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ دُنیا کی عمر سات ہزار سال ہے وہ غلط کار ہیں اور یہ روایت جھوٹی ہے، اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم اور تو اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی نہیں دیا۔ اس رسالہ کا نام الکشف عن مجاوزۃ الامۃ عن الالف ہے جس کا یہ مضمون ملا علی القاری رح نے موضوعات الکبیر صہ ۱۱۹

میں نقل کیا ہے۔ صفدر)

(۱۰) کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ ج ۲ ص ۳۳۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کل شے کا علم دیا گیا حتیٰ کہ روح کا اور ان پانچ کا بھی جو اِنَّ اللّٰہَ عِندَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ آیت میں ہیں۔ بلفظہ۔ (مقیاس ص ۴۸۵)

(۱۱) مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں: (ترجمہ ہم انہی کا عرض کریں گے مگر اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے عربی عبارت درج نہیں کی جاتی) عرائس البیان زیر آیت یعلم ما فی الارحام ہے۔ میں نے بعض اولیاء کو سنا کہ انہوں نے پیٹ کے بچہ لڑکی یا لڑکے کی خبر دی اور ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ہی دیکھا جس کی انہوں نے خبر دی تھی۔ بلفظہ (جاء الحق ص ۱۰۹)

(۱۲) مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۴۰۔ فصل ایذا رسانی کفار فقراء صحابہ را میں ہے و بعضے علماء علم ساعت نیز مثل ایں معنی گفتہ اند۔ یعنی بعض علما نے روح کی طرح حضور کو قیامت کا علم بھی مانا۔ (جاء الحق ص ۱۰۵)

اور خانصاحب لکھتے ہیں کہ مدارج النبوۃ شریف میں ہے ہر چہ در دنیا ست از زمانِ آدم تا اوانِ نفخۂ اولیٰ بر وے صلی اللہ علیہ وسلم منکشف ساختند تا ہمہ احوال او را از اول تا آخر معلوم گردید یاراں خود را۔ نیز فرماتے ہیں قدس سرہٗ ہو بکل شیٔ علیم و وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دانا ست ہمہ چیز از شیونات و احکامِ الٰہی و احکام صفات حق و اسماء و افعال و آثار و بہ جمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودہ و مصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ علیہ من الصلوٰۃ افضلہا و من التحیات اتمہا واکملہا۔ (انتہیٰ بلفظہ خالص الاعتقاد ص ۳۷)

(مگر ان عبارات سے کلی علمِ غیب پر استدلال سراسر باطل ہے۔ حضرت شیخ عبد الحق صاحبؒ کے حوالہ سے پہلے ذاتی اور عطائی کے باب میں یہ حوالہ گزر چکا ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطائی طور پر بھی نہیں دیا اور نہ کسی اور نبی مرسل اور ملک مقرب کو حاصل ہے۔ اور احادیث کی بحث میں ہم ان کا حوالہ درج کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ سے قیامت کبریٰ کے بارے میں سوال کرتے ہو حالانکہ: آں خود معلوم من نیست واں را جز خدا تعالیٰ نہ داند (اشعۃ اللمعات ص ۳۷۴) وحدیث نمبر ۱۸ میں عرض ہوگا کہ شاہ عبد الحق صاحبؒ حجۃ الوداع کے ایک مخصوص واقعہ کی تشریح کرتے ہوتے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، ونمے دانستم کہ حکم الٰہی چنیں خواہد بود (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۳۲۸) اور حدیث ابن صیاد کی تشریح کرتے ہوتے اپنا قولِ فیصل یہ لکھتے ہیں کہ؛ وبالجملہ حال وے مبہم است بر آں حضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نیز دریں باب وحی

نشد و (حال مے) مبہم داشتند۔ چنانچہ از احادیث باب معلوم گردد واللہ تعالیٰ اعلم (اشعۃ اللمعات ج۴ ص۲۴۳)

اندریں حالات حضرت شیخ صاحبؒ کی مجمل اور استغراق عرفی کے الفاظ (مثلاً لفظ کل۔ لفظ کل بلفظ کل شیٔ ـــــ اور لفظ ہمہ احوال وغیرہ) سے کلی علم غیب پر استدلال کرنا قطعاً باطل اور سرتاسر مردود ہے اور کسی اہل علم اور منصف مزاج اور صاحب دیانت کو اس میں کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی۔ لہٰذا حضرت شیخ صاحبؒ کی اور اسی طرح دیگر حضرات اکابرؒ کی عبارات اثبات علم غیب کلی سے بالکل غیر متعلق ہیں اور ان سے مخالفین کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا، بشرطیکہ وہ عقل و دانش کو خیرباد نہ کہہ چکے ہوں، اور ان کو اس متاع عزیز سے محروم ہونے کا افسوس بھی ہو، مگر یہاں تو ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا ـــــ مقدر)

(۱۳) روح البیان یہ ہی آیت۔ بعض مشائخ ادھر گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کے وقت کو جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور یہ قول اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔ روح البیان میں یہ ہی عبارت پارہ ۹ع۱۳ زیر آیت یَسْأَلُوْنَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا میں بھی ہے اور وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا کی کل عمر، ہزار سال ہے یہ بروایت صحیحہ ثابت ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے ۔ جاء الحق ص۱۰۱)

نوٹ: ان کا حوالہ ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ ان کا اپنا عقیدہ یہ تھا کہ جن امور کا تعلق منصب نبوت کے مبادی اور احکام سے نہ ہو مثلاً وقت قیام ساعت، تو اس پر اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اطلاع نہیں دیتا۔ باقی دنیا کی عمر کے متعلق کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ علامہ محمد طاہر الحنفیؒ (المتوفی ۹۸۶ھ) فرماتے ہیں تمام مرفوع حدیثیں ضعیف ہیں۔ (تذکرۃ الموضوعات ص۲۲۳) اور علامہ سیوطیؒ بھی مرفوع روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ (اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ج۲ ص۲۴۳) اور حافظ ابن القیمؒ اور حضرت ملا علی بن القاری تحریر فرماتے ہیں کہ

ومنها مخالفة الحديث لصريح القرآن كحديث مقدار الدنيا وانها سبعة آلاف سنة ونحن في الالف السابعة وهذا من ابين الكذب الخ المنار المنيف في الصحيح والضعيف ص۵۰ لابن القيمؒ وموضوعات كبير ص۱۰۸

جن قواعد سے احادیث کا جعلی ہونا ثابت ہوتا ہے (موضوعات) منجملہ ان میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ حدیث صریح قرآن کے مخالف ہو جیسا یہ کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہم ساتویں ہزار میں ہیں اور یہ حدیث واضح ترین جھوٹ ہے، الخ

صاحب روح البیان جو ایک خشک صوفی اور حاطب لیل اور جامع رطب و یابس مصنف ہے ان

کو احادیث کی تصحیح کا مقام کہاں سے اور کیسے حاصل ہوگیا؟ سات ہزار سال والی روایت بروایۃ صحیح نہیں بلکہ جعلی من گھڑت اور سفید جھوٹ ہے۔

اگر مفتی احمدیار خان صاحب (وغیرہ) کو ان مذکورہ حوالجات پر یقین نہیں آتا تو ہم ان کو ان کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرتے بلکہ ان کی تسلی کے لیے جناب محترم پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (المتوفی ۱۳۵۶ھ) کی عبارت پیش کرتے ہیں، جو انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے اس دعویٰ کو رد کرتے ہوئے کہ قیامت سات ہزار سال پر آئے گی، تحریر فرمائی ہے:

"اور یہ جو لکھا ہے کہ قیامت سات ہزار سال سے پہلے نہیں آسکتی۔ میں کہتا ہوں یہ سات ہزار کی تحدید جو آپ نے لگائی ہے یہ منافی ہے لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ کے اور ان احادیث کے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاعلمی بیان فرمائی۔" (رسالہ شمس الہدایہ ص۱۰۲)

چونکہ مفتی احمدیار خان صاحب نے پیر صاحب گولڑوی پر مکمل اعتماد کیا ہے (دیکھئے جاء الحق ص۱ سطر آخری) اس لیے وہ ان ہی کی بات مان لیں۔ الحاصل نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ میں واضح تصریحات موجود ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے وقوع کی گھڑی کا علم نہ تھا نفس قیامت کا علم اور اشراط الساعۃ الگ چیز ہے۔

(۱۴) تفسیرات احمدیہ زیر آیت مذکورہ۔ اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن جائز ہے کہ خدائے پاک اپنے ولیوں اور محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے۔ اس قول کے قرینہ سے کہ اللہ جاننے والا بتانے والا ہے خبیر بمعنی مخبر۔ (جاء الحق ص۱۹۱)

نوٹ ضروری: حضرت ملا جیون کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ان پانچ چیزوں کے کلیات کا علم حضرات اولیاء اللہ کو حاصل ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ ان میں سے بعض بعض جزئیات کی اطلاع اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو دے دیتا ہے۔ چنانچہ اس کی مبسوط بحث کرتے ہوئے قاضی بیضاوی رہ کا حوالہ اپنی تائید میں پیش کرکے آخر میں لکھتے ہیں کہ:-

فعلم من کلامه هذا ان الله تعالیٰ یطلع الاولیاء علی بعض مایشاء من الغیوب الخمسة (التفسیرات الاحمدیۃ ص۳۶۷)	قاضی صاحب رہ کے کلام سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ غیوب خمسہ میں سے بعض پر جس مقدار میں چاہے حضرات اولیاء کرام کو مطلع کر دیتا ہے۔

اور اس سے پہلے قاضی بیضاوی رح کے جملہ الغیب المخصوص کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ولعله اراد بالغیب المخصوص هذہ الخمسة اذ علیٰ ما سواها یطلع الاکثر وقید یعلم بعضه لیخرج مثل علم الساعة (ص ۳۹۷)

غیب مخصوص (جس پر اللہ تعالیٰ کسی کو مطلع نہیں کرتا) یہ پانچ ہیں، کیونکہ ان کے علاوہ پر اکثر مطلع ہیں اور بعض کے علم کی اس لیے قید لگائی ہے تاکہ قیامت کا علم اس سے خارج ہو جائے (کہ اس کا علم بجز خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں)۔

اور اس سے قبل وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

واما ما اشتهر من بعض الاولیاء من اخبار المغیبات فظنی انه مادام یستقیم صرفه عن ظاهرہ یصرف بان نقول فیما یخبرون بما فی الرحم من الذکر والانثیٰ او بنزول الغیث انهم لا یطلعون علیٰ ما فی الرحم ولا علیٰ نزول الغیث وانما یقولون ذالك البشار الولادة الذکر ودعاء بنزول الغیث ولکن یکون دعائهم مستجابا ویکون موافق التقدیر فی اکثر الحال لا انهم کانوا عالمین به او انهم لا یقولون ذلك علما یقینا بل ظنا والممنوع هو العلم به ص ۳۹۷

بعض حضرات اولیاء کرام رح سے غیب کی خبریں جو مشہور ہوئی ہیں تو میرے خیال میں جب ان کو ظاہر سے پھیر کر کوئی ممکن تاویل کی جا سکی تو کی جائے گی۔ مثلاً ہم یہ کہیں گے کہ رحم میں لڑکا اور لڑکی یا نزولِ بارش کی جو خبر وہ دیتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ رحم کے اندر کا اور نزولِ غیث کا علم رکھتے ہیں بلکہ وہ محض لڑکے کی ولادت اور نزولِ غیث کی بشارت سناتے ہیں لیکن اکثر حالات میں اُن کی دعا قبول ہو جاتی ہے اور موافقِ تقدیر ہو کر خبر پوری ہو جاتی ہے یہ نہیں کہ وہ اس کو جانتے ہیں یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ علم یقینی کے طور پر نہیں جانتے بلکہ ظن سے ایسا کہتے ہیں اور ممنوع تو علم ہے ظن نہیں۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب رح لکھتے ہیں کہ:۔

والمراد بالعلم العلم القطعی والعلم الحاصل للاولیاء بالالهام وغیرہ ظنی لیس بقطعی۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۹۶)

مراد علم سے علم قطعی ہے اور حضرات اولیاء کرام رح کو الہام وغیرہ سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہے قطعی نہیں ہوتا؛

اور ملا علی ن القاری رح فرماتے ہیں کہ مکاشفہ یا الہام یا خواب کے ذریعہ جو علوم حاصل ہوتے ہیں ھی ظنیات لا تسمی علوما یقینیات (مرقات ج ۱ ص ۶۶ و فتح الملہم ج ۱ ص ۱۷۲) کہ یہ سب ظنی امور ہیں ان کو

علومِ یقینیہ کا درجہ حاصل نہیں ہے۔

ان واضح روشن اور صریح عبارات کے ہوتے ہوئے بھی اگر مفتی احمد یار خان وغیرہ تفسیر احمدی کے حوالہ کو اپنی تائید میں پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں تو ان کے نزدیک شاید انصاف اور دیانت کا مفہوم ہی کوئی اور، اور الگ ہوگا! ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

(۱۵) امام قرطبیؒ (المتوفی ۶۷۱ھ) کی ایک عبارت بھی فریقِ مخالف نے اپنے دعوے کے ثبوت پر پیش کی ہے وہ عبارت، مع اس کے جواب کے حدیث جبریل علیہ السلام کے ذیل میں آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز

(۱۶) تفسیر صاوی یہ ہی آیت ــ جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام دُنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ رب نے آپ کو تمام وہ غائب چیزیں (اپنے مقام پر آئے گا کہ لفظ جمع استغراق حقیقی ہی کے لیے نہیں بلکہ استغراقِ عُرفی کے لیے بھی آتا ہے۔ صفدر) بتادیں جو دنیا اور آخرت میں ہوں گی جس طرح کہ ہیں عین یقین کیونکہ حدیث میں آیا کہ ہمارے سامنے دُنیا پیش کی گئی پس ہم اس میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے ہاتھ میں (اپنے مقام پر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ صفدر) یہ بھی آیا ہے کہ ہم کو جنت اور وہاں کی نعمتوں اور دوزخ اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی (اگر اس سے بعض مراد ہے تو یہ چیز محل نزاع سے خارج ہے اور اگر کل مراد ہے تو جنت اور دوزخ کی ابدی زندگی کے تمام حالات تو فریقِ مخالف کے نزدیک بھی جن میں مفتی صاحب بھی شامل ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم نہیں پھر اس سے استدلال کیسا؟ صفدر) علاوہ ازیں اور متواتر خبریں لیکن بعض کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔ (یہ سفید جھوٹ اور خالص افتراء ہے۔ ایک حدیث بھی صحیح موجود نہیں۔ چہ جائیکہ متواتر صفدر) بلفظہٖ جاء الحق ص۱۰۱):

یہ ہے فریقِ مخالف کے دلائل اور براہین کی کل کائنات (غزوۂ بدر میں کافروں کے مقتل کی تعیین غزوۂ خیبر میں حضرت علیؓ کو جھنڈا دینے کا تذکرہ، حضرت فاطمہؓ کے ہاں لڑکے کا پیدا ہونا اور حضرت ابو بکرؓ کی لڑکی کی بشارت سنانا وغیرہ وغیرہ بعض دلائل کا ذکر عنقریب مع ان کے جوابات کے عرض کیا جائے گا انشاء اللہ العزیز) جن کے بل بوتے پر وہ قرآنِ کریم کی نصوصِ قطعیہ اور متواتر احادیث کے مطالب کو مسخ کرنے اور ان میں تحریف کرنے کے درپے ہیں اور بقول شخصے اس کا عملی ثبوت

پیش کر رہے ہیں ؎

"میں وہ بلا ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں"

ان کے علاوہ بھی کچھ حوالجات ہیں مگر اُن کا ان کے مدعیٰ سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ محض انہوں نے سینہ زوری اور کشید سے کام لیا ہے، لہٰذا ہم بھی ان کے نقل کرنے پر نہ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اور نہ سامعین اور قارئین کرام کی بلاوجہ سمع خراشی کا موجب بنتے ہیں۔

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ فریقِ مخالف کی طرف سے ایک بھی نص قطعی یا خبر متواتر نہیں پیش کی گئی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امورِ خمسہ کا اور خاص طور پر قیامت کے وقت کا علم حاصل تھا بلکہ کوئی ایک صحیح حدیث بھی نہیں پیش کی جا سکی بلکہ یہی کچھ عذرِ لنگ تلاش کیا گیا کہ فلاں بزرگ لکھتے ہیں کہ آپ کو امورِ خمسہ کا علم دیا گیا مگر ساتھ ہی چھپانے کا حکم بھی تھا۔ فلاں یہ فرماتے ہیں اور فلاں یہ کہتے ہیں اور ان میں سے بعض کی مجمل اور گول مول عبارتوں سے یہ ثبوت کشید کیا گیا حالانکہ اُن کی صریح عبارتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں اکثر و بیشتر وہ غیر معتبر مجہول اور محض صوفی ہیں جن کو دائیں بائیں کی تمیز نہیں اور غلبۂ سکر میں کچھ کا کچھ کہہ دیتے ہیں، اور انہوں نے رطب و یابس کمزور اور واہی کہانیاں اور صدری نسخے پیش کر کر کے کتابیں لکھ ماری ہیں، دین کے بارے میں ان پر ایک رتی کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا اور ان متفسرین اور متصوفین کی بات پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہرگز اس کا مکلف نہیں ٹھہرایا کہ قرآن کریم کی قطعی نصوص اور احادیث متواترہ اور امت کے اجماع کے مقابلہ میں ان غیر معتبر اور مجہول شخصیتوں سے دین اور دین کے مسائل اخذ کریں حاشا وکلا ثم حاشا وکلا۔

امام بیہقی رح (المتوفی ۴۵۶ھ) نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

ولم یکلفنا اللہ تعالیٰ ان نأخذ دیننا عمّن لا نعرفه (کتاب القرأة ص ۱۲) ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ہرگز مکلف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین غیر معروف لوگوں سے حاصل کریں۔

صرف نام کے معلوم ہونے سے یا اس کو علامہ کہہ اور لکھ دینے سے کچھ نہیں بنتا جب تک کہ تاریخی طور پر ان کا قابلِ اعتماد ہونا ثابت نہ کیا جائے۔ ان میں جن حضرات پر اعتبار کیا جا سکتا ہے مثلاً علامہ قسطلانی رح امام سیوطی رح شیخ عبدالحق رح اور ملا جیون رح وغیرہ، تو ہم نے انہی کی عبارات سے

اس مسئلہ کو واضح کر دیا ہے کہ نہ تو قیامت کا علم جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھا اور نہ اولیاء کرام کو امور خمسہ کا علم دیا گیا تھا۔ باقی رہے شامی و ہجوری اور صاوی وغیرہ تو ان پر ایک رتی برابر اعتبار بھی دین کے بارے میں ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

صاحب روح البیان الشیخ اسمٰعیل حقی رح (المتوفی ۱۱۲۷ھ) جنہوں نے تفسیر ہی علیٰ لسان التصوف لکھی ہے، ان کے متعلق تاریخ یہ بتاتی ہے کہ :-

وانی بها راجیف کثیرة لا ینبغی الا لتفات الیها وفتاوی ضعیفة لا یعتمد علیها ولیس فی الحقیقة من التفسیر لکتاب العزیز بشیئ الی ان قال واجترأ علیٰ کتاب اللہ بادخال مالیس منه فی تفسیره۔ (اکسیر فی اصول التفسیر ص۸۲)	اور بہت سی بے تکی باتیں بھی اس میں موجود ہیں جن کی طرف ذرا بھی التفات مناسب نہیں اور ضعیف فتوے بھی ہیں جن پر کوئی اعتبار نہیں درحقیقت اس (روح البیان) کو قرآن کریم کی تفسیر سے ذرّہ کا تعلق بھی نہیں ہے۔ اور اس بندہ خدا نے بڑی جرأت اور دیدہ دلیری سے کتاب اللہ کی تفسیر میں ایسی باتیں داخل کر دی ہیں جن کا تفسیر سے کوئی لگاؤ ہی نہیں

اور عرائس البیان شریف کے مصنف الشیخ ابو محمد روزبہان البقلی الشیرازی الصوفی رح (المتوفی ۶۰۶ھ) جن کو خود کھلے لفظوں میں اقرار ہے کہ :-

وبسیار است کہ تفسیری آیتے میکنم کہ مشائخ تفسیر وی نکردہ اند۔ (بحوالۂ اکسیر ص۸۶)	اور بسا اوقات میں قرآن کریم کی آیتوں کی ایسی تفسیر کروں گا جو مشائخ (اور معتبر علماء) سے منقول نہ ہوں اور نہ انہوں نے ایسی تفسیر کی ہوگی۔

بتایئے ایسی خود ساختہ تفسیروں کو کون مانتا ہے؟ اور یہی حال صاوی وغیرہ کا ہے جن کی وفات ۱۲۴۱ھ میں ہوئی جو غیر معتبر اور جاہل ہیں ایسے صوفیوں کی باتیں عمل کے اثبات کے لیے بھی ناکافی ہیں چہ جائیکہ ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو چن چن کر ان پر عقائد کی عمارت استوار کی جائے۔ ایسی مردود اور باطل باتیں اس قابل ہیں کہ بقول علامہ اقبال رح (المتوفی ۱۳۵۷ھ) ؏ اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں۔

شرح مواقف ص۲۷، و شرح فقہ اکبر ص۶۸، مسامرہ ج ۲ ص۸۰، شرح عقائد ص۱۰۱ اور فتح الباری ج ۸ ص۴۲۱ (وغیرہ) میں ہے، واللفظ لہ

الاحادیث اذا کانت فی مسائل عملیةٍ	یعنی جن مسائل کا تعلق عمل کے ساتھ ہے ان میں صحیح احادیث سے

يكفي في الاخذ بها بعد صحتها افادتها الظن اما اذا كانت في العقائد فلا يكفي فيها الا مايفيد القطع ۔

استدلال کافی ہے کیونکہ اعمال کے لیے ظنی دلائل ہی کافی ہیں لیکن جب عقائد کی باری آئے گی تو ان میں صرف وہ حدیثیں قابل قبول ہوں گی جو یقین کا فائدہ دیں۔ (مثلاً یہ کہ متواتر ہوں)

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ عقیدت اور چیز ہے اور عقیدہ اور چیز ہے۔ اثباتِ عقیدہ کے لیے نص قطعی یا خبر متواتر درکار ہے، یہاں خبر واحد صحیح سے بھی گاڑی نہیں چل سکتی، اور قرآنِ کریم کے مقابلہ میں خبر واحد کا پیش کرنا ہی سرے سے باطل ہے، چنانچہ فریقِ مخالف کے قائد مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں کہ:-

ان نصوص القرآن لا تعارض بالاحاد (العیوس الملکیہ ص۲۲) اخبار احاد نصوص قرآن کے معارضہ میں نہیں پیش کی جا سکتیں

نیز لکھتے ہیں کہ " اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گے بے دلیلِ شرعی تخصیص و تاویل کی اجازت نہیں ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے نہ حدیث آحاد اگرچہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو عموم قرآن کی تخصیص کر سکے بلکہ اس کے حضور مضمحل ہو جائے گی بلکہ تخصیص متراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن اور تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد سے کسی ظنی سے تخصیص ہو سکے"۔ بلفظہ (انباء المصطفیٰ ص۴)

بلکہ یہی خان صاحب لکھتے ہیں کہ " عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار آحاد سے استناد محض ہرزہ بافی"۔ (انباء المصطفیٰ ص۴)

اور مفتی احمد یار خانصاحب دوسروں سے مطالبہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:" وہ آیت قطعی الدلالت ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو"۔ (جاء الحق ص۹)

قارئینِ کرام! پوچھیے خان صاحب بریلی اور مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی سے کہ دوسروں سے تو مطالبہ قطعی الدلالت آیت کا اور حدیث متواتر کا ہو اور خود آپ لوگ بیجوری، عشماوی اور صاوی (وغیرہ) جیسے حاطب لیل متفسرین اور متصوفین کی عبارتوں سے قرآن کریم کی قطعی الدلالت اور صحیح احادیث کو رد کرتے پھریں، تمہیں اس تخصیص اور نسخ کا حق کس نے دیا ہے؟ اور کیا اخبار میں ان کے اقوال سے نسخ جائز ہے؟ عقیدہ اور نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں تو تمہارے مسلمات کے رُو سے بھی صحیح حدیث جب کہ خبر واحد ہو نہیں پیش کی جا سکتی تو پھر بیجوری اور صاوی کو کون پوچھتا ہے؟ ہوش و حواس کو ٹھکانے رکھ کے جواب دینا ہوگا ؎

یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی کدورتوں کی کچھ انتہا بھی ‏ ‏ زبان سکتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے؟

مفتی احمد یار خان صاحب یہ فرمائیں کہ آپ نے تو خود تحریر فرمایا ہے کہ :-

" رہی تفسیر قرآن تابعین یا تبع تابعین کے قول سے یہ اگر روایت سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر ماخذ از اعلاء کلمۃ اللہ للعلامہ گولڑوی قدس سرہٗ " (بلفظہٖ جاء الحق ص۹)

فرمایئے کہ آپ کو کیا داعیہ پیش آیا ہے کہ ایک طرف تو تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کی تفسیریں بھی جب کہ روایت اور حدیث سے نہ کی گئی ہوں مردود اور غیر معتبر ہیں اور دوسری طرف اسمٰعیل حقی اور صاوی وغیرہ جیسے مفسرین کی تفسیریں بھی معتبر ہیں۔ جن کی تائید میں ایک صحیح روایت بھی تا قیامت نہیں پیش کی جا سکتی۔ بتایئے مفتی صاحب، ایک طرف تو آپ حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث کو موقوف قرار دے کر اس سے گلو خلاصی کی ناکام سعی کرتے ہیں، (جیسا کہ گذر چکا ہے) اور دوسری طرف بیجوری اور صاوی کے غیر معتبر بلکہ سو فیصدی باطل اور مردود اقوال سے قرآنِ کریم کی نصوص قطعیہ کو اپنی خواہش کی زنجیروں میں جکڑتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ فرمایئے مفتی صاحب! آپکو اپنا یہ بیان یاد نہیں کہ " قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث احاد سے بھی خاص نہیں بنا سکتے چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے انتہیٰ " بلفظہٖ (جاء الحق ص۶)

مولوی محمد عمر صاحب سے جب حدیث انك لا تدری الخ کا اور کوئی جواب نہ بن سکا تو بخاری و مسلم کی اس صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینے کے درپے ہو گئے (جس کا مکمل جواب راقم نے تبرید النواظر میں دے دیا ہے) اور لکھتے ہیں کہ " دوسری یہ بات ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے حجت نہیں ہو سکتی" (انتہیٰ بلفظہٖ ص۴۲) شاباش مولوی محمد عمر صاحب! بخاری وغیرہ کی حدیث ضعیف ہو کر حجت نہیں ہو سکی مگر صاوی وغیرہ کی بے سند بات بھی حجت ہے، انصاف اور دیانت شاید اسی کا نام ہو گا؟ مگر توحید و سنت سے اعراض کے بعد ہاتھ کیا آتا ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ :-

" عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس نیست کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم و امر ایشاں را بالحق سبحانہٗ و تعالیٰ مفوض داریم اینجا قول امام ابی حنیفہ رحؒ و امام ابی یوسف رحؒ و امام محمد رحؒ معتبر است نہ عمل ابوبکر شبلی رحؒ و ابو الحسن نوری رحؒ " (مکتوبات، مکتوب ۲۶۶ دفتر اول ص۳۳۵)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

کلام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم درکار است نہ کلام محی الدین اکبر ابن عربی رح و صدر الدین قونیوی رح و عبد الرزاق کاشی رح مارا بنص کار ست نہ بفص فتوحات مدنیہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ اند۔

(مکتوبات حصہ دوم صـ۱۰ مکتوب ۱۰)

محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام درکار ہے نہ کہ ابن عربی، قونیوی رح اور کاشی رح کا۔ ہمیں نص قرآنی درکار ہے ابن عربی کی فصوص الحکم کی ضرورت نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشن حدیثوں نے ابن عربی رح کی فتوحات مکیہ سے ہمیں مستغنی کر دیا ہے۔

علامہ محمد طاہر الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :۔

النصوص علی ظواهرها والعدول عنها الی معان باطن الحاد (مجمع البحار ج۳ صـ۵۲۳ خاتمہ)

نصوص کو ظاہر پر حمل کیا جائے گا اور ظواہر سے باطنی معانی کی طرف عدول کرنا الحاد ہے۔

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

واما کلام الصوفی فلیس بتفسیر وتفسیر ابی عبد الرحمٰن السلمی ان کان قد اعتقد انه تفسیر فقد کفر۔ (مجمع البحار ج۳ صـ۱۵)

بہر حال صوفی کا کلام تفسیر نہیں ہے اور ابو عبد الرحمٰن السلمی رح (الصوفی) کی تفسیر کو جس نے تفسیر اعتقاد کیا تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔

علامہ ذہبی رح انہیں ابو عبد الرحمٰن السلمی رح (المتوفی ۴۱۲ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ :۔

الف حقائق التفسیر فاتی فیه بمصائب و تأویل الباطنیة نسأل الله العافیة۔

(تذکرہ ج۳ صـ۲۴۹)

انہوں نے تفسیر میں چند حقائق لکھے ہیں اور اس میں بڑی بڑی مصیبتیں اور باطنی تاویلیں انہوں نے کی ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

اور حضرت مجدد الف ثانی رح لکھتے ہیں کہ "تبرہات صوفیہ مفتون نہ گردی" (مکتوبات حصہ ۵ صـ۱۲)

مسلم اور مستند حضرات محدثین کرام رح کا صوفیوں کی تفسیر سے متعلق نظریہ تو یہ ہے مگر فریق مخالف ان کی ایسی بے سروپا تفسیروں کو لے کر ان سے قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ کو رد کرنے کے درپے ہے ع ببیں تفاوت رہ ست از کجا تا بکجا

اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رح (المتوفی ۷۵۸ھ) فرماتے ہیں، "حجت در اقوال و اعمال مشائخ نیست حجت آنحضرت کہ در کتاب و سنت است"

ومثله فی البلاغ المبین صـ۵۵ المنسوب بشاه ولی اللہ صاحب رح

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح لکھتے ہیں کہ "مشرب پیر حجت نیست دلیل از کتاب وسنت مے باید" (اخبار الاخیار ص۹۳)

اور ایک عارف فرماتے ہیں: سہ

نیست حجت قول وفعل ہیچ پیر — قول حق فعل احمد را بگیر

خان صاحب بریلوی عرسوں میں قوالوں کے ڈھول، سارنگی، باجے اور بانسری وغیرہ کے شرعاً ممنوع ہونے پر بحث کرتے ہوئے بخاری (ج ۲ ص ۸۳۷) کی ایک حدیث شریف نقل کرکے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ضرور میری امت میں وہ لوگ آنے والے ہیں جو حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑوں اور شراب اور باجوں کو حدیث صحیح جلیل متصل الخ پھر آگے لکھتے ہیں کہ بعض جہاں بدمست یا نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بادبدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف متعین کے آگے محتمل محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے پھر کہاں قول کہاں حکایت فعل پھر کجا محرم کجا مبیح ہر طرح یہی واجب العمل اسی کو ترجیح مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے؟ کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے اقرار لاتے یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں اپنے لیے حرام کو حلال بنالیں۔ بلفظہٖ (احکام شریعت حصہ اول ص۱۶ طبع برقی پریس مرادآباد)

ہماری طرف سے خود خان صاحب اور ان کی روحانی ذریت کو ہر ایسے مقام پر یہی جواب کافی ہے جہاں وہ نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ وصریحہ اور محکمات کے مقابلے میں قصے اور کہانیاں اور ضعیف حدیثیں اور بعض صوفیوں اور بزرگوں کی محتمل اور مجمل عبارات اور غیر مستند اور بے سروپا حوالے پیش کیا کرتے ہیں اور دلیل محرم کو چھوڑ کر مبیح کے چور دروازے سے دین کی مضبوط اور محفوظ عمارت میں داخل ہو کر اپنے باطل عقائد اور بدعات کے جواز اور حق ہونے پر اہل حق کے دلائل اور الزامات کے ٹالنے کی بے جا کوشش کیا کرتے ہیں "کَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا" ع جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔

محترم جناب مولانا حکیم سید محمد برکات احمد صاحب ٹونکی (جنہوں نے براہین قاطعہ کی متنازعہ فیہ عبارت کا بزعم خویش خوب رد کیا ہے) فرماتے ہیں۔

غرض عدمِ علم غیوب خمسہ پر بہت سی صریح آیات اور صریح احادیث ناطق ہیں اور کسی حدیث یا اثر صحابہ رض سے یہ مفہوم نہیں ہوتا ہے کہ غیوب خمسہ کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا گیا تھا اگر اقوال بعض محدثین یا مشائخ سے علم غیوب خمسہ کا ثابت کیا جاوے تو وہ اقوال بمقابلہ آیات صریحہ و احادیث صحیحہ کیونکر مسموع ہوں گے لہٰذا عقیدہ ان اقوال سے ثابت نہیں ہوگا اور نہ وہ مذہب مرجح قرار پاوے گا احادیث اور اقوال صحابہ رض اور محدثین رح بہت ہیں جو عدم علم غیوب خمسہ پر ناطق ہیں الخ (فصل الخطاب ص۳۴ فی العلم بالغاب طبع دہلی)

اور سنیئے ۔ وقف کے ایک اختلافی مسئلہ پر بعض علماء نے ایک مالکی المذہب عالم امام عبدالرحمٰن ابن القاسم رح (المتوفی ۱۹۱ھ) کی ایک عبارت پیش کی تھی، جس پر مولوی احمد رضا خان صاحب سیخ پا ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کہ " ذرا براہِ مہربانی تھوڑی دیر کو ہوش میں آ کر فرمایئے کہ ابن القاسم رح نے کہا مقبرے کو بعد بے نشانی کر دینا روا اور ابوالقاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مقابر پر مسجد بنانا حرام آپ کے نزدیک یہ دونوں حکم حالتِ واحد پر وارد جب تو آپ کا ایمان ہے کہ ابن القاسم رح کی بات حق جانیں اور ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نہ مانیں" انتہیٰ بلفظہٖ (اہلاک الوہابیین ص۳۲)

کیا خوب ؟ فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت بھی بقول شخصے ؏

یہ بھی لگا کے خون شہیدوں میں مل گیا

اب پوچھنا یہ ہے کہ اگر کسی بزرگ یا صوفی اور مولوی کے کسی قول سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُمورِ خمسہ کا علم حاصل تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ ارشاد فرمائیں کہ ان امور کا علم اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کو حاصل نہیں ہے، تو فریقِ مخالف الصاف سے فرمائے کہ کس کے قول و ارشاد کو تسلیم کرنا ہوگا ؟ احمد بن محمد الصاوی یہ کہتے ہوں کہ ان پانچ اشیاء کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھا مگر چھپانے کی تاکید تھی اور خود سردارِ دوجہاں احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ فرمائیں کہ مجھے ان پانچ اشیاء کا علم عطا ہی نہیں کیا گیا اور یہ دونوں حکم حالتِ واحد پر وارد ہیں ۔ جب تو تمہارا ایمان ہے کہ احمد الصاوی کی بات حق جانیں اور احمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نہ مانیں العیاذ باللہ تعالیٰ

اُنہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُن کی
اُنہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی

الغرض فریقِ مخالف عشاوی۔ بیجوری اور صاوی وغیرہ کے باطل اقوال کو پیش کرنے کی ہرگز تکلیف نہ اٹھائے قرآن کریم اور متواتر احادیث سے یا کم از کم خبر واحد صحیح ہی سے (جو مرفوع اور متصل ہو اور تمام علل سے پاک ہو) یہ ثابت کردے کہ ان پانچ چیزوں کا علم جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کر دیا گیا تھا۔ بس اسی پر نگاہ رکھئے۔ ع اسی ہی بات پر ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا۔

قیامت کا علم اور فریقِ مخالف کے دلائل

مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آپ کو علم قیامت ہے۔ مستدرک ج ۴ ص ۵۶۷ عمران رضؓ بن حصین رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کا بیان فرماتے ہوتے ارشاد فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ دن کون سا ہے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ اللہ اور اُس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آپ کو علمِ قیامت ہے۔ (بلفظہٖ مقیاس ص ۳۸۳/۳۸۴)

الجواب

مولوی صاحب کا اس حدیث سے استدلال باطل اور مردود ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں الحسن البصری رحؒ (المتوفی ۱۱۰ھ) عن عمران رضؓ بن حصین رضؓ ہے۔ امام ابوحاتم رحؒ یحییٰ رحؒ بن سعید القطان رحؒ، علیؒ بن المدینی رحؒ اور ابن معین رحؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ حسن رحؒ کی حضرت عمران رضؓ سے سماعت ثابت نہیں ہے۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۹) اور حافظ ابن حجر رحؒ لکھتے ہیں کہ۔

کان یرسل کثیرًا ویدلس (تقریب ص ۸۰) حسنؒ کثرت سے ارسال اور تدلیس کیا کرتے تھے۔

علامہ ذہبی رحؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وھو مدلس فلا یحتج بقولہ عن من لم یدرکہ (تذکرہ ج ۱ ص ۶۷) وہ مدلس ہیں جب وہ اس شخص سے روایت کریں جس سے ملاقات نہیں کی تو اُن کی بات حجت نہیں ہے۔

جب اس کی سماعت ہی صحیح نہیں اور ارسال و تدلیس کا سنگین الزام بھی ان پر عائد کیا گیا ہے۔ تو اُصولِ حدیث کے رُو سے یہ روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ اور اس سے احتجاج کیونکر جائز ہوگا؟

وثانیاً یہ حدیث اس پر ہرگز دلالت نہیں کرتی کہ قیامِ ساعت کا وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم تھا بلکہ اسی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ:۔

فینادیہ ربہ فیقول یا آدم ابعث بعث النار — اللہ تعالیٰ حضرت آدمؑ کو ندا کر کے فرمائے گا اے آدمؑ دوزخ کے

من علیٰ الف تسع مائۃ وتسعۃ وتسعین فی النار وواحد فی الجنۃ (مستدرک ج ۴ ص ۵۶۷) الحدیث۔ گروہ کو کھڑا کر کے ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے ۹۹۹ دوزخ میں اور صرف ایک جنت میں داخل کیا جائے گا۔

یہ تو قیامِ ساعت کے بعد کا واقعہ ہے جو محشر میں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش آئے گا، قیامت کی خاص گھڑی کا (جس میں نزاع ہے) اس سے کیا تعلق ہے؟ مگر مولوی محمد عمر صاحب کی بلا سے۔ مولوی صاحب موصوف نے تو اپنی عادت مالوفہ کے مطابق اس حدیث سے بھی کہ قیامت جمعہ کے دن آئیگی یہ ثابت کرنے کی بے جا سعی کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وقت قیامت کا علم تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ قیامت جمعہ کے دن آئے گی، مگر وہ جمعہ کتنے سالوں کے بعد آئے گا اور کس مہینے کا کون سا جمعہ ہوگا؟ اور پھر جمعہ کے دن کے بارہ گھنٹوں میں سے کونسا گھنٹہ ہوگا وغیرہ وغیرہ یہ امور اس سے ہرگز مل نہیں سکتے۔

مولوی محمد عمر صاحب کا اپنی کتاب مقیاس ص ۴۳۲ طبع جدید میں فوجداری عدالت کے دفتر کی المایاں اور فائلیں گنوا کر اُن کے سرسری اور ظاہری حالات کے جاننے والے کو ہمہ دان تصور کر کے اس پر جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشراطِ ساعت کو بیان کرنے کی بنا پر وقت قیامت کے علم کو قیاس کرنا ایک مضحکہ خیز قیاس ہے جس کو درحقیقت ہذیان سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے اور جو اس کا مصداق ہے کہ ع

"کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی"

مفتی احمد یار خان صاحب کا مفتیانہ اجتہاد

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ۔ حضور علیہ السلام نے قیامت قائم ہونے کا دن بتایا، مشکوٰۃ باب الجمعۃ میں ہے قیامت نہ قائم ہوگی مگر جمعہ کے دن۔ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا ہم اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں (مشکوٰۃ باب خطبہ یوم الجمعۃ) یعنی ہمارے زمانے کے بعد بس قیامت ہی ہے اور اس قدر علاماتِ قیامت ارشاد فرمائیں کہ ایک بات بھی نہ چھوڑی آج میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آسکتی کیونکہ نہ ابھی دجال آیا نہ حضرت مسیح و مہدی نہ آفتاب مغرب سے نکلا اُن علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرمادیا پھر قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا معنی؟ بس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ نہ بتایا کہ فلاں سنہ میں قیامت ہو لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں سنہ مقرر ہی نہ ہوئی تھی سنہ ہجری عہدِ فاروقی میں مقرر ہوئی الیٰ ان قال نیز ہم ثبوت علم غیب میں وہ حدیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قیامت ختم ہونے تک من وعن واقعات بیان کر دیے

اب کیسے ممکن ہے کہ قیامت کا علم نہ ہو، کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا تو جو آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہ ہی دنیا کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتداء دو ملی ہوئی چیزوں میں سے ایک کی انتہاء کا علم دوسری کی ابتداء کا علم ہوتا ہے اس پر خوب غور کر لیا جاوے نہایت نفیس تحقیق ہے جو حضرت صدر الافاضل مرشدی اُستاذی مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے ایک تقریر کے دوران میں ارشاد فرمائی" انتہیٰ بلفظہ (جاء الحق صـ ۸)

الجواب جمعہ کے دن قیامت کے قائم ہونے سے اس کے صحیح وقت کا اثبات مفتی صاحب وغیرہ کی خوش فہمی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ باقی انا والساعۃ کھاتین کی روایت سے قیامت کی ٹھیک مقدار اور وقت پر استدلال کرنا نری جہالت ہے۔ چنانچہ امام رازی رح اور خطیب شربینی رح لکھتے ہیں کہ:۔

فان قیل الیس انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بعثت انا والساعۃ کھاتین فکان عالما بقرب وقوع القیٰمۃ فکیف قال ھٰھنا لا ادری اقریب ام بعید اجیب بان المراد بقرب وقوعہ ھو ان ما بقی من الدنیا اقل مما انقضی فھٰذہ القدر من القرب معلوم فاما معرفۃ مقدار القرب فغیر معلوم۔

(تفسیر کبیر ج ۸ صـ ۲۶۳ و سراج منیر ج ۴ صـ ۴۰۲)

اگر یہ کہا جائے کہ حضور علیہ السلام نے تو یہ فرمایا ہے کہ میری بعثت اور قیامت میں اتنا قرب ہے جتنا انگشت شہادت اور اُسکی قریب والی انگلی میں تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو قرب قیامت کا علم تھا پھر آپنے یہ کیوں فرمایا کہ مجھے اس کے قرب و بُعد کی خبر نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے قریب ہونے کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دنیا کی باقیماندہ عمر اُسکی گذشتہ عمر سے کم ہے۔ پس اتنا قرب تو معلوم ہے لیکن اس قرب کی ٹھیک مقدار معلوم نہیں ہے۔

اور یہی امام رازی رح دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

المراد ان العلم بالوقوع غیر العلم بوقت الوقوع فالعلم الاول حاصل عندی وھو کاف فی الانذار والتحذیر واما العلم الثانی فلیس الا للہ ولا حاجۃ فی کونی نذیرا مبینا الیہ

(تفسیر کبیر ج ۸ صـ ۱۹۱)

مطلب یہ ہے قیامت کے نفس وقوع کا علم اور چیز ہے اور اس کے وقت وقوع کا علم علیحدہ چیز ہے پس پہلا علم تو مجھ کو حاصل ہے اور انذار و تخویف کے لیے وہی کافی ہے اور دوسرا علم خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے اور میرے نذیر مبین ہونے کے لیے اُس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

یہ بالکل ٹھیک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول اور حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور اور دجالِ لعین کے خروج وغیرہ کا ذکر فرمایا ہے اور اس میں کسی ادنیٰ مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا مگر سوال صرف یہ ہے کہ کیا ان کے نزول اور ظہور و خروج کا وقت بھی بتایا ہے کہ فلاں وقت ان کا نزول اور ظہور و خروج ہوگا؟ جھگڑا تو وقت کی تعیین کے علم اور عدمِ علم کا ہے۔ اگر اس کے بارے میں کوئی دلیل ہے تو مفتی صاحب اس کو پیش کریں گول مول باتوں سے یہ گاڑی نہیں چل سکتی۔

علامہ الذہبی اور حافظ ابنِ حجرؒ علی بن احمد الحرانی المغربی (المتوفی ۶۳۸ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:

وزعم انه استخرج من علم الحروف وقت خروج الدجال ووقت طلوع الشمس من مغربها وهذه علوم وتحديدات ماعلمتها رسل الله بل كل منهم حتىٰ نوح عليه الصلوٰة والسلام يتخوف من الدجال وينذر امته الدجال وهذا نبينا صلے الله عليه وسلم يقول ان يخرج وانا فيكم فانا حجيجه وهؤلاء الجهلة اخوته يدعون معرفة حتى يخرج نسأل الله السلامة انتهىٰ۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۱۲ و لسان المیزان ج ۴ ص ۲۰۴)

اس نے یہ گمان کیا ہے کہ اس نے علم حروف سے دجال کے خروج کا وقت اور مغرب سے طلوعِ آفتاب کا وقت نکالا ہے حالانکہ یہ علوم اور ان کی تعیین اور تحدید وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو بھی نہ تھا بلکہ سب کے سب رسول حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کو دجال لعین کے فتنہ سے ڈراتے رہے اور یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اگر میری موجودگی میں دجال نکلا تو میں (امت کی طرف سے) اس کے ساتھ جھگڑا کروں گا اور یہ جاہل دجال کے بھائی یہ دعوے کرتے ہیں کہ ان کو دجال کے خروج کا وقت معلوم ہے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ایسے گندے عقائد سے محفوظ رکھے۔ انتہیٰ

فرمایئے مفتی صاحب، طبیعت صاف ہوئی یا نہیں۔ حافظ ذہبی رح اور حافظ ابن حجر رح تو فرماتے ہیں کہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حتیٰ کہ خود جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علی التعیین دجال کے خروج کا وقت اور اسی طرح طلوعِ شمس من المغرب کا وقت معلوم نہ تھا اگر آپ کو وقت معلوم ہے یا اس کا ادعا کرتے ہیں تو حافظ صاحبؒ نے اس گروہ کا تذکرہ بھی کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ایک جست لگایئے اور شوق سے اس گروہ میں شامل ہو جایئے۔

ہستی سے تا بملکِ عدم ایک جست تھی جھپکی نہ آنکھ بھی کہ اِدھر سے اُدھر گیا

مفتی صاحب کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ وقت کی تحدید اور تعیین کے لیے سنہ کی تقرری ضروری نہیں ہے۔ آپ سنہ ہجری سے صرف نظر کرتے ہوئے بھی یہ فرما سکتے تھے کہ مثلاً آج سے پندرہ سو ایک سال دو ماہ اور چار یوم کے بعد قیامت آئے گی۔ باقی جس روایت کا مفتی صاحب نے حوالہ دیا ہے کہ آپ نے قیامت تک کے من وعن واقعات بتا دیے تھے۔ لہٰذا قیامت کا علم لازم ہے، اس روایت کی بحث اپنے مقام پر آئے گی، انشاء اللہ العزیز۔ اس سے وقت قیامت کا علم ثابت نہیں ہو سکتا۔
اسی طرح مفتی صاحب کا اپنے مایۂ نازاستاد اور صدر الافاضل سے یہ نقل کرنا کہ دو ملی ہوئی چیزوں میں ایک کی ابتداء دوسری کی انتہا ہوتی ہے، روایۃً و درایۃً باطل اور مردود ہے۔

اولاً تو اس لیے کہ اشراط ساعت اور علامات قیامت کی جملہ روایات کو پیش نظر رکھ کر بھی جمہور شراح حدیث بجز چند واقعات کے ان کی صحیح ترتیب بیان نہیں کر سکے اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ یہ یہ واقعات قیامت سے قبل ضرور رونما ہوں گے مگر کونسا واقعہ پہلے اور کونسا بعد کو ہوگا سوائے معدودے چند واقعات کے اور کسی میں ٹھیک ترتیب معلوم نہیں ہے۔
صدر الافاضل اگر حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی یہی ایک روایت دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں روشن ہو جاتیں کہ :-

قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول ان اول الاٰیات خروجاً طلوع الشمس من مغربہا وخروج الدابۃ علی الناس ضحیً وایہما ماکانت قبل صاحبتہا فالاخریٰ علیٰ اثرہا۔ (مسلم ج ۲ ص و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۷۲)	میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ (ایمان کے نفع نہ دینے کی) نشانیوں میں سے پہلی نشانی مغرب سے طلوع آفتاب اور خروج دابہ ہے۔ چاشت کے وقت یہ لوگوں پر ظاہر ہوں گی۔ ان دونوں میں سے جونسی نشانی پہلے ظاہر ہوئی تو دوسری اس کے بعد ظاہر ہو جائیگی۔

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ ان دونوں میں بھی ٹھیک ترتیب کہ پہلے کون سی ہوگی اور بعد کو کون سی نہیں بتلائی گئی یہی بتلایا ہے کہ ان میں سے جونسی ایک پہلے ظاہر ہوئی تو دوسری اس کے بعد ظاہر ہو جائے گی۔

وثانیاً جب واقعات کے اندر ترتیب ہی معلوم نہیں تو مفتی صاحب کا یہ دعوے کیسے درست ہوا کہ حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کون سا واقعہ کس کے بعد ہوگا۔ علاوہ ازیں اگر بالفرض تمام واقعات کی ترتیب بھی معلوم ہو اور من وعن تمام واقعات اور حوادث اس میں بھی شامل بھی ہوں تو اس سے

صرف یہی ثابت ہوگا کہ بڑے بڑے اور اہم واقعات کا علم مراد ہے۔ غیر ضروری واقعات کا اس سے کیا لگاؤ ہے؟ کہ فلاں مرغی انڈے دیگی، اور فلاں مرغی فلاں درخت کے پتے کھائے گی اور فلاں آدمی کے پیٹ میں فلاں کھانا جائے گا اور پھر فضلہ بن کر فلاں جگہ خارج ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ پھر واقعات کے معلوم ہونے سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ ان کا علی التعیین ٹھیک وقت بھی معلوم ہو؟ اور کس قطعی دلیل سے اس کا ثبوت ہے؛ مفتی صاحب کو محض اپنی رائے سے تعیین کا حق کس نے دیا ہے اور ان کے صدر الافاضل کو یہ منصب کہاں سے حاصل ہوا ہے؟ پھر اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ آخری واقعہ کا وقت بھی معلوم تھا تو اس کا ثبوت کہاں سے ملے گا کہ اس آخری واقعہ کے آناً فاناً بعد فوراً قیامت آجائے گی درمیان میں سالوں اور مہینوں کا، ہفتوں اور دنوں کا اور لمحوں کا وقفہ نہ ہوگا؟ اور اس فرضی طریقہ سے قیامت کا ٹھیک وقت معلوم ہو جائے گا۔ الغرض یہ تمام باتیں مفروض ہیں اور ظُلُمٰتٌ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ کا صحیح مصداق ہیں؛ ؎

حجت تمام کرتے ہیں آج آسماں سے ہم ۔۔۔ آخر تو لائیں گے کوئی آفت فغاں سے ہم

مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ: "اسی بنا پر آپ نے اپنے سبابہ اور وسطیٰ کو ملا کر کے اپنا اور قیامت کا تعلق ظاہر فرمایا، اگر کہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے تعیین کا امر ہمیں کیوں نہیں ارشاد فرمایا تو آپ کا ظاہر نہ فرمانا آپ کے عدم علم پر دلالت نہیں کرتا۔" انتہیٰ بلفظہ (مقباس ص۱۷۱)

الجواب بلاشک عدم اظہار عدم علم کی دلیل نہیں ہوا کرتا مگر جب سائل آپ سے یہ پوچھے کہ قیامت کب ہوگی اور آپ یہ فرمائیں کہ غَیۡبٌ وَمَا یَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰہُ یا سائل یہ پوچھے کہ کیا ایسے علوم بھی ہیں جو آپ کو معلوم نہیں تو اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ فرمائیں کہ گو اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت سے بھلائی کے علوم عطا کیے ہیں مگر ان پانچ کا علم مجھے نہیں دیا گیا وغیرہ وغیرہ، تو عدمِ علم کی اس تصریح کے بعد پھر بھی مولوی محمد عمر صاحب یہ کہتے جائیں کہ آپ کا ظاہر نہ فرمانا آپ کے عدمِ علم پر دلالت نہیں کرتا۔ سراسر بہتان اور خالص افترا ہے۔

اسی طرح مولوی محمد عمر صاحب کا یہ استدلال کہ "مسلم ص۲۷۲ ج۱ جابرؓ بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے ہر چیز پیش کی گئی جس میں تم داخل ہو گے اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کلی عطا کیا گیا قیامت کا بھی کیونکہ اس میں بھی

ہمارا دخول ہے اور مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا بھی کیونکہ تُرْجِعُوْنَهٗ صیغۂ استقبال ہے اور مَا فِی الْاَرْحَام کا بھی اور نزولِ غیث کا بھی " (بلفظہٖ، مقیاس ص ۳۷۲) تو یہ اس پر مبنی ہے کہ لفظ کُل عموم میں نصِّ قطعی ہے، اس کا مفصل جواب اپنے مقام پر عرض کیا جائے گا انشاء اللہ العزیز کہ لفظ کُل استغراقِ کُلی کو نہیں چاہتا علاوہ بریں لفظ عرض بھی اس کو نہیں چاہتا کہ ہر ہر چیز پر تفصیلی نگاہ پڑے صرف اجمالی طور پر دیکھ لینا بھی عرض کے تحت داخل ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کا حساب قیامت کے دن ہو گا وہ ہلاک ہی ہو جائے گا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا، حضرت! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ (مومنوں کا) عنقریب آسان حساب لیا جائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

انما ذالك العرض ولكن من نُوْقِشَ فی الحساب یھلك (متفق علیہ۔ المشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۸۴)

یہ تو محض عرض اور پیشی ہے مگر جس کا پورا پورا حساب لیا گیا تو وہ ہلاک ہی ہو جائے گا۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ لفظ عرض اس کا ہرگز مقتضی نہیں ہے کہ ہر ایک ایک چیز کو تفصیلاً دیکھا جائے گا اور ہر ایک ایک سے الگ الگ بحث کی جائے بلکہ صرف اجمالی طور پر پیشی سے اس کا مفہوم پورا ہو جاتا ہے لہٰذا عرض کی جتنی بھی حدیثیں فریقِ مخالف اپنے مدعا کے اثبات کے لیے پیش کرتا ہے وہ ان کے لیے کسی طرح بھی سود مند نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام نووی رحؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے فرماتے ہیں کہ:۔

ای تدخلونه من جنة ونار وقبر ومحشر وغیرھا (انتہیٰ ج ا ص ۲۹۷)

یعنی جس چیز میں تم داخل ہو گے مثلاً جنت اور دوزخ اور قبر اور محشر وغیرہ۔

اور ان چیزوں کی اجمالی خبر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے، اس میں کیا شک ہے؟ اگر اس سے پوری تفصیل مراد ہو اور مطلب یہ ہو کہ جنت اور دوزخ وغیرہ کی پوری تفصیل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم تھی تو اس سے نصوصِ قطعیہ کی مخالفت لازم آئے گی جو سراسر باطل ہے علاوہ بریں یہ فریقِ مخالف کے عقیدہ کے بھی خلاف ہو گی کیونکہ آخر ان کا بھی تو یہی عقیدہ ہے کہ ماکان وما یکون کا اطلاق تا دخولِ جنت ونار ہی پر ہوتا ہے بعد کی طویل اور ابدی زندگی پر نہیں ہوتا جیسا کہ خان صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ سے باحوالہ یہ بات اسی کتاب میں عرض کر دی گئی ہے۔

مولوی محمد عمر صاحب کا مبلغ علم

مولوی محمد عمر صاحب سُرخی یہ قائم کرتے ہیں کہ: "علم نزول غیث"۔ پھر اس کے اثبات کے لیے بخاری ج ۱ ص ۱۳۸ اور مسلم ج ۱ ص ۲۹۴ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ: "انس بن مالکؓ سے روایت ہے، فرمایا کہ ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اچانک ایک آدمی آیا تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بارش کا کال پڑ گیا ہے اللہ سے دعا فرمائیے آپ نے دعا فرمائی تو بارش شروع ہوگئی ہمیں اپنے مکانوں تک پہنچنا مشکل ہوگیا" الخ، پھر آگے لکھتے ہیں "اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ بارش کا برسنا آپ کے فرمان اور اشارے سے ہوتا تھا جس کے اشارے سے بارش برسے اور جس کے اشارۂ پاک سے بادل پھٹ جائے۔ بادل کیا چاند ٹکڑے ہوجائے، سورج واپس لوٹ آئے۔ (یہ حدیث کہ سورج لوٹ آیا بالکل جعلی اور من گھڑت ہے، دیکھئے راقم کی کتاب "دل کا سرور"۔ صفدر) اُس ذات کی نسبت یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کو بارش کا علم نہ تھا تو اس سے زیادہ کم فہمی اور کیا ہوسکتی ہے" (مقیاس ص ۲۴۵ و ص ۲۴۶)۔

الجواب

مولوی محمد عمر صاحب از روئے انصاف و دیانت یہ فرمائیں (بشرطیکہ ان کے نزدیک انصاف و دیانت کوئی چیز ہو) کہ اس حدیث سے علم نزولِ غیث کا کیا تعلق ہے؟ اور پھر یہ بتائیں کہ کیا آپ کو ایک ہی دفعہ کی بارش کا علم ہوگیا تھا یا ہر ہر دفعہ کی اور ہر ہر جگہ کی بارش کا علم تھا؟ اور کیا یہ بارش آپ کی دعا کی برکت سے خدا تعالیٰ نے برسائی تھی یا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برسائی تھی؟ اگر آپ نے برسائی تھی تو خدا تعالیٰ سے سوال اور دعا کرنے کا کیا مطلب تھا؟ اور اس ایک دفعہ کے معجزے سے مولوی محمد عمر صاحب نے (اشارہ سے ہوتا تھا، کہہ کر) ماضی استمراری کیسے بنا دی؟ اور پھر علم نزولِ غیث کے ثبوت میں مسلم ج ۲ ص ۴۰۱ کی یہ روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال آسمان (یعنی بادل) کو حکم کرے گا تو بارش شروع ہوجائے گی الخ (مقیاس ص ۲۴۷) پیش کرکے علم اور انصاف کا جو جنازہ مولوی محمد عمر صاحب نے نکالا ہے۔ وہ ہرگز قابل فراموش نہیں ہے، کیونکہ دجال لعین کا یوں بارش برسانا جادو اور مسمریزم کے طور پر ہوگا اور آج بھی بعض مغربی حکومتیں مصنوعی بادل بنا کر اس سے بارش برساتی ہے اور سحر بقول علامہ شمس الدین الخیالی رحمہ اللہ (المتوفی سنہ ۸۶۰ھ) خارقِ عادت نہیں بلکہ اسباب پر مرتب ہوتا ہے (الخیالی ص ۱۴) اور باقی حضرات فرماتے ہیں کہ

خارق عادت کام اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اگر یہ کافر کے ہاتھ پر صادر ہو اور اس کی غرض کے موافق ہو تو استدراج کہلاتا ہے (الخیالی ص۱۴۲) یہ کافر کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔ مگر مولوی محمد عمر صاحب کو اس سے کیا۔ وہ تو یہ کہہ دیں گے کہ ع

"بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا"

علم مافی الارحام اور فریق مخالف کے دلائل

مولوی محمد عمر صاحب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم مافی الارحام ثابت کرتے ہوئے یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ "دلائل النبوۃ ج۲ ص۲۰۰ و ص۲۰۱ و تاریخ الخلفاء ص۱۵ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے جب ان کی والدہ حضرت ام فضلؓ (لبابہ بنت الحارث (المتوفاۃ سنہ ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذریں تو آپ نے فرمایا کہ تیرا حمل لڑکے کا ہے جب تو اس کو جنے تو لڑکا میرے پاس لانا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا" پھر آگے مولوی محمد عمر صاحب فرماتے ہیں کہ ——— "تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے دائیں کان میں اذان فرمائی اور داہنے کان میں اقامت" بلفظہ (مولوی محمد عمر صاحب کو دائیں اور بائیں کی خیر سے تمیز نہیں ہے، ان کے نزدیک داہنے کا معنی بائیں ہے۔ یہ فریق مخالف کا مناظر اعظم بلکہ مناظر اسلام ہے جس کا مناظرہ ہی ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ رہتا ہے۔ ع بریں عقل و دانش بباید گریست۔ صفدر) پھر آپ نے بچے کا نام عبداللہ رکھا جو عبداللہؓ بن عباسؓ سے مشہور ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ خلفاء (عباسیہ) کا باپ ہے جس کی نسل سے سفاح اور مہدی اور وہ شخص پیدا ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھے گا" (محصلہ مقیاس حنفیت ص۳۳۹ و ص۳۴۰) پھر اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے یوں ارقام فرمایا کہ "۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پردے میں عورت کے حاملہ ہونے کی غیبی اطلاع دینا ۲۔ آپ کا علم مافی الارحام کی حقیقت کا مطلع ہونا اور قبل از ولادت لڑکے کی مبارک دینا" پھر چند فوائد اور زیب قلم فرما کر یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ "کیوں جناب تم تو کہتے ہو کہ سوائے خدا کے مافی الارحام کا علم اور مافی غد کا علم کسی کو ہے ہی نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قیامت تک نسلوں کا ثبوت دے دیا کیا اس پر بھی ایمان لاؤ گے یا نہ"؟ (بلفظہ مقیاس ص۳۴۱)

الجواب

مولوی محمد عمر صاحب کا یہ استدلال باطل اور مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ سند کے لحاظ سے یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں احمد بن راشد بن خثیم الہلالی ہے۔

علامہ ذہبی رح میزان ج ۱ صــ۹۷ میں اور حافظ ابن حجرؒ لسان ج ۱ صــ۱۷۱ میں لکھتے ہیں کہ بخبر باطل (کہ اس نے یہ باطل حدیث روایت کی ہے) پھر آگے لکھتے ہیں فسرد حدیث رکیکا (نہایت ضعیف اور رکیک روایت اس نے بیان کی ہے) اور پھر لکھتے ہیں احمد بن راشد فھو الذی اختلقہٗ بجھلٍ (لسان ج ۱ صــ۱۷۲) کہ احمد بن راشد ہی نے حماقت سے یہ روایت گھڑی ہے۔

مولوی محمد عمر صاحب بتائیں کیا ان کا یہ ایمان ہے کہ قرآن کریم کی قطعی الدلالہ نصوص کو رد کرنے کے لیے ایسی ہی باطل اور من گھڑت روایتوں سے کام چل جاتا ہے؟

وثانیاً کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف حضرت ام فضل رض کے حمل کا علم تھا یا تمام روئے زمین پر عورتوں (بلکہ جملہ حیوانات کی اناث) کے ارحام کا بھی علم تھا؟ اور کیا آپ نے صرف چند خلفاء کے متعلق یہ فرمایا ہے یا قیامت تک تمام نسلوں کے لیے؟ بات صاف اور دو ٹوک ہو گی لیٹی نہ کہنا سہ

اُور ہوں گے جو سہیں ان کی جفائیں بے محل ہم کسی کا غمزۂ بے جا اٹھا سکتے نہیں

مولوی محمد عمر صاحب مسلم ج ۲ صــ۳۹۲ کے حوالہ سے روایت نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ ان کی زبانی یہ ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے قریب دس اسپ سوار نکلیں گے تو آپ نے فرمایا کہ میں ان کے ناموں کو بھی جانتا ہوں اور اُن کے آباء کے ناموں کو بھی اور اُن کے گھوڑوں کے رنگوں کو بھی وہ اس دن تمام روئے زمین کے اسپ سواروں سے بہتر ہوں گے۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مافی غد اور مافی الارحام کے علوم قیامت تک بیان فرما دیئے" (بلفظہٖ مقیاس صــ۳۴۲)

الجواب مولوی محمد عمر صاحب کا تقریر و تحریر میں ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے (اور اب اس بڑھاپے میں وہ بھلا جا بھی کیسے سکتا ہے؟) کہ وہ خاموش نہیں رہا کرتے، ان کے نزدیک کچھ نہ کچھ کہہ اور لکھ دینا کافی اور معقول جواب تصور ہوتا ہے اور غالباً ان کا اس پر عمل ہے ع

"مُلّاں آں باشد کہ چپ نشود"

اس خدا کے بندے کو اس کی تمیز ہی نہیں ہے کہ دعوےٰ اور دلیل میں مطابقت کو ملحوظ رکھ سکے۔ دعوےٰ تو ہے مافی الارحام کے علم کا اثبات کرنا اور دلیل یہ پیش ہو رہی ہے کہ آپ نے قیامت کے قریب دس سواروں کے نام اور ان کے آباء کا نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگ بیان فرما دیئے، کیا یہ لوگ ماں کے پیٹ میں ہی گھوڑوں پر سوار ہو جائیں گے؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) مولوی صاحب آپ کو ایک

دو تین اور چار کا نہیں بلکہ کُلّی طور پر مافی الارحام کے علم کا ثبوت پیش کرنا ہے اور وہ بھی نص قطعی اور خبر متواتر سے خبر واحد سے بھی نہیں۔ علاوہ بریں کیا آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے صرف اُن دس آدمیوں کے اور ان کے آباء اور گھوڑوں کے بارے میں اطلاع دی ہے یا تمام روئے زمین کے ارحام اور تمام کے مافی غد کے واقعات کی اطلاع دی ہے؟ غور سے بتائیں اور دعوےٰ اور دلیل میں مطابقت ملحوظ رکھیں:۔

سنبھل کر قدم رکھیو دشتِ خار میں مجنوں　　کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

مفتی احمد یار خان صاحب جاء الحق ص۱۱۱ میں اور مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم مافی الارحام تھا۔ پھر مؤطا امام مالک ص۳۱۴، بیہقی ج ۶ ص۱۷۰، طحاوی ج ۲ ص۲۴۵، تاریخ الخلفاء ص۹۱ اور اصابہ ج ۸ ص۲۸۶ کی روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے وفات کے وقت وراثت کی تقسیم کے سلسلہ میں حضرت عائشہ رضؓ کو ارشاد فرمایا جس کا آخری حصّہ یہ ہے اور ترجمہ مولوی محمد عمر صاحب کا ہے:۔

"دو تیرے بھائی ہیں اور دو تیری بہنیں ہیں تو اللہ کی کتاب کے مطابق تم اس کو تقسیم کر لو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، قسم اللہ کی اگر ایسے ایسے ہوتا تو میں اس کو چھوڑ دیتی (میری ہمشیرہ) وہ اسماءؓ ہی تو ہے اور کوئی نہیں دوسری کون ہے؟ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تیری والدہ کے پیٹ میں حمل لڑکی کا ہے جو پیدا ہونے والی ہے۔ میں اس حمل کو لڑکی دیکھ رہا ہوں۔"

اس کے بعد مولوی محمد عمر صاحب فرماتے ہیں ــــ کیوں جناب تم تو کہتے ہو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پیٹ کا علم نہیں، یہاں تو آپ کے نام لیوا پیٹ کا علم ظاہر فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرما دیا کہ میں تیری والدہ کے پیٹ میں لڑکی دیکھ رہا ہوں۔ (بلفظہٖ مقیاس ص۲۴۴ و ۲۴۵)۔

الجواب اس روایت سے فریقِ مخالف کا احتجاج بچند وجوہ باطل ہے۔

اوّلاً اس لیے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضؓ نے صرف ایک رحم کی خبر دی ہے، مافی الارحام کے علم کی خبر نہیں دی اور مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ کا دعوےٰ یہ ہے کہ حضرت صدیق رضؓ کو علم مافی الارحام تھا۔ ایک رحم کے علم سے جمیع مافی الارحام کا علم کیسے حاصل ہوا؟ بندگانِ خدا دعوےٰ اور دلیل کی مطابقت تو پیشِ نظر رکھیں۔

وثانیاً اُرٰلھا جاریۃ کے یہ معنی جو مولوی محمد عمر صاحب نے کیا ہے "میں اس حمل کو لڑکی دیکھ رہا ہوں" یہ فن عربی سے ناواقفی کی روشن اور واضح دلیل ہے۔ اُریٰھا (بضم الھمزۃ) ظن کے معنی میں آتا ہے نہ کہ علم کے معنی میں چنانچہ امام ابوالفتح ناصر بن عبد السید المطرزی الحنفی رح (المتوفی سنہ ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

وما اُراہ یفعل کذا ای ما اظنہ ومنہ وذو بطن بنت خارجۃ اُراھا جاریۃ ای اظن ان ما فی بطنھا انثیٰ۔

(مغرب ج ۱ ص ۱۹۷)

ما اُراہ یفعل کذا کا یہ معنی ہے کہ میرا اس کے متعلق ظن یہ ہے کہ وہ ایسا نہیں کریگا اور اسی سے ہے کہ حضرت ابوبکر رض نے اپنی بیوی (رض) بنت خارجہ کے حمل کے متعلق فرمایا کہ اُراھا جاریۃ یعنی میرا ظن اور گمان یہ ہے کہ وہ لڑکی ہوگی۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح لکھتے ہیں کہ :۔

اُراھا بضم الھمزۃ ای اظھر ما فی بطنھا جاریۃ وفیہ حصول الظن بمثل ذالک وانما الممتنع العلم فلا یخالفہ قولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ۔

(مصفٰی برمؤطا ص ۲۱۴)

اُراھا بضم ہمزہ ہے یعنی میں ظاہر کرتا ہوں کہ اس کے پیٹ میں لڑکی ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ اس طرح کا ظن حاصل ہو سکتا ہے، ہاں البتہ علم کا حاصل ہونا ممتنع ہے تو یہ روایت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف نہیں ہے کہ اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت کا اور نازل کرتا ہے بارش اور علم رکھتا ہے مافی الارحام کا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رض نے جس چیز کا اظہار فرمایا تھا، وہ ظن ہے اور آیت میں جس چیز کا ذکر ہے وہ یقینی علم ہے اور علم یقینی کلّی طور پر مافی الارحام کا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ امام سیوطی رح علامہ ابن سعد رح کے حوالہ سے روایت میں یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رض نے فرمایا قد القی فی روعی انھا جاریۃ الخ یعنی میرے دل میں یہ خیال ڈالا گیا ہے کہ وہ لڑکی ہوگی چنانچہ لڑکی ہی پیدا ہوئی اور اس کا نام ام کلثوم رض رکھا گیا (تاریخ الخلفاء ص ۶۱)

مفتی احمد یار خان صاحب کا کمال ملاحظہ کرلیں کہ وہ انجاح الحاجۃ سے مفید مطلب حوالہ اور عبارت تو نقل کرتے ہیں۔ (دیکھئے جاء الحق ص ۱۱۱) مگر آگے یہ عبارت شیر مادر سمجھ کر ہضم کر جاتے ہیں کہ :۔

ومع ھذا لا یخرج عن درجۃ الظن ولا یدخل فی حد العلم فافترقا۔

باوجودیکہ یہ (فراست اور ظن ہے اور خدا تعالیٰ مومن کی فراست کو سچا کر دیتا ہے۔ جاء الحق ص ۱۱۱) واقعہ صحیح ثابت ہوا مگر

(انجاح الحاجۃ ص۳۰۲) پھر بھی ظن اور گمان کے درجہ سے خارج نہیں اور نہ علم کی حد میں داخل ہے اور دونوں میں فرق ہے۔

دیکھا آپ نے کہ ان نام نہاد مفتیوں اور مولویوں نے خدا کی کتاب پر کیسا ظلم روا رکھا ہے کہ غیر معصوم اقوال سے قطعی احکام کو اور ظن اور گمان سے علم یقینی کو اور ادعویٰ اور نامکمل حوالجات سے مکمل اور ناقابلِ تنسیخ آیات کو رد کر رہے ہیں اور شرک ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں ؎

لائے گا تابِ سماعت کس کا دل کس کا جگر داستان ہے دردِ غم داستانِ عندلیب

وثالثاً اگر فریقِ مخالف کا مقصد اس حوالہ سے یہ ہو کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کو علم غیب حاصل تھا جبھی تو آپ نے پیٹ کے حمل کا تذکرہ فرمایا کہ میرے خیال میں وہ لڑکی ہوگی تو ان کا یہ مزعوم تصور بھی یقیناً باطل ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات سے چند لمحات پہلے حضرت عثمانؓ کو بلا کر فرمایا کہ

اکتب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھٰذا ما عھد ابوبکر بن ابی قحافہ فی اٰخر عھدہٖ بالدنیا خارجاً عنھا وعند اول عھدہٖ بالاٰخرۃ داخلاً فیھا حیث یؤمن الکافر و یوقن الفاجر ویصدق الکاذب اِنّی استخلفت علیکم بعدی عمر بن الخطاب فاسمعوا لہ واطیعوا و انی واللہ لم اٰل اللہ و رسولہ و دینہٗ ونفسی وایاکم خیرًا فان عدل فذلک ظنی بہ وعلمی فیہ وان بدل فلکل امرأٍ ما اکتسب والخیر اردتُ ولا اعلم الغیب وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ (تاریخ الخلفاء ص۶۰ و شرح عقائد جلالی ص۱۰ والکامل للمبرد ج۱ ص۹ و

لکھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ وصیت ہے جو ابوبکرؓ بن ابی قحافہؓ دنیوی زندگی کے آخری لمحات میں اور دنیا سے جدائی اختیار کرتے ہوئے اور آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہوتے ہوئے کر رہا ہے یہ وہ وقت ہے جس میں کافر ایمان لاتے اور فاجر یقین کرنے اور جھوٹا سچ بولنے پر مجبور ہوتا ہے میں نے تمہارے اوپر عمرؓ بن الخطاب کو خلیفہ بنا لیا ہے اس کی بات سُنو اور اس کی اطاعت کرو اور خدا تعالےٰ کی قسم میں نے اللہ تعالےٰ اس کے رسول اور اس کے دین اور اپنے نفس اور تمہارے ساتھ بھلائی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اگر عمرؓ عدل و انصاف سے کام لے تو میرا خیال اور دانست بھی اس کے متعلق یہی ہے اور اگر عدل و انصاف سے ہٹ کر اور کوئی طریقہ اختیار کرے تو ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہوگا جو اس نے کمایا ہے میں

الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص۱۹ لابن قتیبۃ رح — نے نیکی ہی کا ارادہ کیا ہے اور میں غیب کا علم نہیں رکھتا اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کس کروٹ وہ پھرتے ہیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ملاحظہ کیا آپ نے کہ افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر رض نے وفات سے چند لمحات پہلے کیا فرمایا؟ اگر حضرت ابوبکر رض کو علم غیب نہیں تو کسی اور ولی اور بزرگ کو کیسے اور کہاں سے ہوگا؟ اور اگر وہ اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے عدل وانصاف اور رعایا پروری کے نشیب وفراز سے آگاہ نہیں تو فرمایئے اور کون ہوسکتا ہے؟ اور اگر حضرت ابوبکر رض کو مافی غد کے واقعات کا علم نہیں تو اور کس کو ہوسکتا ہے؟ انصاف اور دیانت کے ساتھ ملاحظہ کرنے والے کو صرف اس ایک ہی واقعہ سے بہت کچھ حاصل ہوسکتا ہے، مگر حرماں نصیبوں اور تہی دستان قسمت کو اس سے کیا حاصل؟ ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ۔۔۔ چوں خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

لطیفہ بریلوی حضرات نے علم مافی الارحام کا عقیدہ شیعہ امامیہ سے لیا ہے چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رح (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں

لان الامامیۃ یعتقدون انما الامام المعصوم یعلم مافی بطن الحامل وماوراء الجدار (تاریخ الخلفاء ص۲۱۲) — شیعہ کے امامیہ فرقے کا یہ اعتقاد ہے کہ امام معصوم حاملہ کے پیٹ کا اور دیوار کے پیچھے کی اشیاء کا علم رکھتے ہیں۔

سچ ہے ع کبوتر با کبوتر باز با باز

علم مَافِیْ غَدٍ اور بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اور فریق مخالف کے دلائل

مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مَاذَا تَکْسِبُ غَدًا کی خبر دینا (مقیاس ص۲۲۷) پھر اس کی دلیل میں قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ کی سورت میں آیت وَلَآ اَنَا عَابِدٌ الآیۃ سے یوں استدلال کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کل کی خبر دی کہ جس کی تم عبادت کرتے ہو اس کی میں نہیں عبادت کروں گا الخ (مقیاس ص۲۲۷)

الجواب مولوی محمد عمر صاحب کا یہ استدلال بھی کمزور ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ اسم فاعل اور مضارع اگرچہ حال اور استقبال دونوں کا احتمال رکھتے ہیں مگر علی التعیین اس سے استقبال ہی مراد لینا اور اس پر بضد ہو جانا صحیح نہیں ہے!

وثانیاً اگر اس آیت کا یہ معنی تسلیم بھی کر لیا جائے جیسا کہ بعض حضرات مفسرین کرام رح نے لکھا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے لفظ قُل سے اطلاع دے کر اعلان کروایا ہے، کہ تم کہدو کہ جیسے میں اب غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتا آئندہ بھی نہیں کروں گا۔ یہ بات تو محل نزاع سے بالکل خارج ہے۔

وثالثاً کیا آپ نے کل کے ______ متعلق صرف عبادت ہی کی خبر دی ہے یا ہر ہر چیز کی جو کل واقع ہونے والی ہے؟ جھگڑا امورِ خمسہ کے جزئیات میں نہیں کلیات میں ہے۔ فاین الثریٰ من الثریٰ۔ مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ ابوداؤد ج ۲ صہ ۸ و نسائی ج ا ص ۲۹۳، مسلم ج ۲ صہ ۳۸۷ و ۲ صہ ۱۰۲ مسند ابوداؤد طیالسی صہ ۹، خصائص الکبریٰ ج ا صہ ۱۹۹ میں حضرت انس رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہے کل فلاں کے گرنے کی جگہ اور آپ نے اپنے دستِ پاک کو زمین پر رکھا اور یہ ہے کہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ اور آپ نے اپنے دستِ پاک کو زمین پر رکھا تو فرمایا حضرت انس رض نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ پاک کی جگہ سے اُن فرمودہ آدمیوں سے کوئی بھی پس و پیش نہیں ہوا تو بمطابق حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹ کر قلیبِ بدر میں ڈالا گیا۔ اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امورِ خمسہ سے امرین کی اطلاع قبل از وقت فرمائی (۱) مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا کا علم یعنی کل کیا ہوگا؟ (۲) وبِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ کا علم یعنی کونسی زمین میں مرے گا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظ غد یعنی کل کا علم ظاہر فرمایا الخ (مقیاس صہ ۳۲۸)

اور مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں کہ۔۔ خیال رہے کہ کون کس جگہ مرے گا یہ علوم خمسہ میں سے ہے جس کی خبر حضور علیہ السلام جنگِ بدر میں ایک روز پہلے ہی دے رہے ہیں۔ (جاء الحق صہ ۶۵)

الجواب جھگڑا اس میں نہیں ہے کہ اُمورِ خمسہ میں سے بعض اُمور کی بعض بعض جزئیات کا علم بھی کیا اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو ہے یا نہیں اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے بعض جزئیات کی اطلاع دی گئی ہے یا نہیں؟ جزئیات کا علم مفروغ عنہ ہے، اہل حق میں سے کوئی اس کا منکر نہیں ہے۔ جھگڑا صرف اس امر میں ہے کہ کیا ان اُمور کے کلیات کا علم اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو حاصل ہے؟ اہل حق اس کا انکار کرتے ہیں اور فریقِ مخالف اِس پر اہلِ حق سے مخالفت کرتا ہے اور اس پر بضد ہے۔ مولوی محمد عمر صاحب کا از راہِ جہالت یا خیانت یہ ارشاد فرمانا کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلّم نے امورِ خمسہ سے امرین کی اطلاع قبل از وقت فرمائی الخ سراسر باطل ہے کیونکہ آپ نے امورِ خمسہ میں سے امرین کی اطلاع نہیں دی بلکہ ان امرین میں سے صرف دو جزئیات بتائی ہیں اور ان دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح مفتی احمدیار خان صاحب کا یہ لکھنا خالص خود فریبی پر مبنی ہے کہ کون کس جگہ مرے گا یہ علوم خمسہ میں سے ہے۔ مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ علوم خمسہ میں سے نہیں ہے بلکہ علومِ خمسہ کے جزئیات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ عطا فرمائے۔ بشرطیکہ وہ اس سمجھ کے اہل بھی ہوں ؎

ترا وجود ہے بے فیض مُردہ دلِ زاہد — کہ نخلِ خشک سے امّید برگ وبار نہیں

قارئین کرام! ہمارا ایمان ہے کہ جو خبر آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے بدر کی لڑائی سے ایک دن پہلے دی تھی وہ بالکل صحیح اور حق تھی مگر وہ صرف یہ خبر تھی کہ فلاں کافر کل اس جگہ قتل کیا جائے گا۔ رہا یہ کہ اس کو کون قتل کرے گا؟ کل کی جملہ گھڑیوں اور گھنٹوں کے اندر وہ کس گھڑی یا گھنٹے یا گھنٹے کے کون سے حصّے، منٹ یا سکینڈ میں وہ قتل ہوگا؟ یہ اور اس قسم کی دیگر تفصیلات وقوع سے قبل آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو حاصل نہ تھیں۔ جب ان مقتولوں کے بارے میں پوری تفصیلات کا علم آپ کو حاصل نہ تھا تو جمیع مافی غد کی تفصیل کا علم کس طرح حاصل ہوگا؟ ایک جزئی واقعہ سے کلّی بنا لینا فریقِ مخالف کے بائیں ہاتھ کا کرتب اور کھیل ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے جب بدر کے مقتولوں کے سرغنہ ابوجہل کے قتل کی سرسری اور اُڑتی ہوئی خبر سُنی تو:-

قال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر من ینظر ما فعل ابوجھل فانطلق ابن مسعودؓ فوجدہٗ قد ضربہ ابنا عفراء،	جناب رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ نے بدر والے دن فرمایا کون ہے جو جا کر دیکھے کہ ابوجہل اس وقت کس حال میں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ تو ابن مسعودؓ تشریف لے گئے اور جا کر دیکھا
(بخاری ج۲ ص۵۶۵ ومسلم ج۲ ص۱۱۰)	کہ اُس کو عفراءؓ کے دو بیٹوں نے مارا ہے۔

اگر جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ان مقتولوں کے اور خصوصیت سے ان کے سرکردہ لیڈر ابوجہل کے قتل کے مکمل تفصیلی حالات معلوم ہوتے تو آپ یہ کیوں فرماتے کہ کون جا کر ابوجہل کے حال کو دیکھ کر آتا ہے کہ وہ اس وقت کیا کر رہا ہے (ما فعل، وفی روایۃ للبخاریؒ ومسلمؒ ما صنع) اور لطف کی بات یہ ہے کہ جب دونوں قاتل آنحضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی خدمت میں ابوجہل کا قصہ بیان کرتے

ہیں تو آپ مزید قرائن اور شواہد کو دیکھ کر طمانیتِ قلب کا سامان تلاش فرماتے ہیں۔ آخر صحیح روایت ہی کے اندر یہ بھی تو موجود ہے کہ

ثمّ انصرفا الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فاخبراہ فقال ایکما قتلہ فقال کل واحدٍ منهما انا قتلتہ فقال هل مسحتما سیفیکما فقالا لا فنظر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی السیفین فقال کلا کما قتلہ، وقضی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بسلبه لمعاذ بن عمروؓ بن الجموح والرجلان معاذؓ بن عمروؓ بن الجموح ومعاذ بن عفراء (بخاری ج۱ ص۴۴۴ و مسلم ج۲ ص۸۸ ومشکوٰۃ ج۲ ص۳۵۲)

پھر وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان دونوں نے ابوجہل کے قتل کی خبر آپ کو سنائی آپ نے فرمایا تم میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے؟ ان دونوں میں سے ہر ایک نے یہ کہا کہ میں نے اس کو قتل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اپنی تلواریں پونچھی ہیں؟ دونوں بولے نہیں۔ جب آپ نے دیکھا تو دونوں کی تلواریں خون آلود تھیں۔ آپ نے فرمایا تم دونوں نے ہی اس کو قتل کیا ہے مگر آپ نے ابوجہل کا سلب کا کل سامان معاذؓ بن عمروؓ بن الجموح کو دیا اور یہ دونوں آدمی ایک معاذؓ بن عمروؓ اور دوسرا معاذؓ بن عفراء تھے۔

فائدہ:۔ بعض روایات میں معوذؓ اور معاذؓ کا نام آتا ہے۔ ان دونوں کی والدہ ایک تھی مگر باپ الگ الگ تھے، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ ابنِ مسعودؓ نے ابوجہل کا سر کاٹا تھا۔ امام ابوداؤد الطیالسیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے قتل ابوجہل کے بعد سخت گرمی کے دن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر یہ فرمایا کہ:۔

یا رسول اللّٰہ ھذا عدوّ اللّٰہ ابوجهل قد قتل فقال النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللّٰہ لقد قتل قلتُ اللّٰہ لقد قتل فانطلق بنا فاریناہ فجاءہ فنظر الیہ فقال ھذا کان فرعون ھذہ الامۃ (ابوداؤد طیالسی ص۴۲)

یا رسول اللہ، یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابوجہل قتل کر دیا گیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا بخدا ابوجہل قتل ہو چکا ہے؟ میں نے کہا ہاں حضرت، خدا کی قسم وہ قتل ہو چکا ہے۔ پس آپ ہمارے ساتھ تشریف لے گئے اور ہم نے ابوجہل آپ کو دکھایا اور آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ اس اُمت کا فرعون تھا۔

یہ روایت بھی اس بات کی صریح اور واضح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابوجہل کے قتل کے تفصیلی حالات اور جملہ کیفیات معلوم نہ تھیں، اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ آپ جنگ بدر سے ایک دن پہلے ھذا مصرع فلان غدا ان شاء اللہ کہنے کی وجہ سے عالم الغیب

اور جمیع ماکان و مایکون کے عالم ہو گئے ہیں، ورنہ ان کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ واقع خاص اہتمام سے بتانا کوئی معنیٰ ہی نہیں رکھتا اور حضرت ابن مسعود رضؓ کا بیان سن کر آپ نے ان کو مزید طمانیتِ قلب کے لیے قسم دی اور پھر ان کے ساتھ جاکر بچشمِ خود اس امت کے فرعون کو مقتول حالت میں دیکھا بھی۔ یہ تمام اندرونی اور بیرونی شواہد اور قرائن فریق مخالف کے "ہذا مصرع فلان الخ" سے اخذ کردہ نظریۂ علم جمیع ماکان و مایکون پر پانی پھیرتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ علم و فہم اور دیانت و انصاف سے محروم نہ ہو چکے ہوں اور جہل و ضد جیسے اپنے متاعِ عزیز کو چھوڑنے پر بھی آمادہ ہوں مگر وہ یہ کہہ دیں گے کہ:۔

یہ سب سوچ کر دِل لگایا ہے ناصح   نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

امام نووی رح اور علامہ طیبی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :۔

قالوا و انما اخذ السیفین لیستدل بهما علی حقیقة کیفیة قتلهما فعلم ان ابن الجموح اثخنه ثم شارکه الثانی بعد ذالک وبعد استحقاق السلب فلم یکن له حق فی السلب۔

(نووی ج ۲ ص ۸۸ وہامش مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۵۲)

حضرات علماء کرام نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ دونوں تلواریں اسلیے لی اور دیکھی تھیں تاکہ ان کے ذریعے سے ان دونوں کے قتل کی کیفیت کی حقیقت کو معلوم کر سکیں جب آپ نے تلواریں دیکھیں تو آپکو معلوم ہوا کہ ابن جموح رضؓ کے زخم کاری ہیں اس کے بعد دوسرا قاتل اس کے ساتھ شریک ہوا ہے اور چونکہ ابن جموح رضؓ اپنے کاری زخموں کی وجہ سے سلب کا مستحق ہو چکا تھا اس لیے دوسرے کو سلب سے کچھ نہ مل سکا۔ مگر تطییبِ خاطر کے لیے آپ نے دونوں کو قاتل فرمایا۔)

پوچھیے مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خاں صاحب وغیرہ اہل بدعت حضرات سے کہ مافی غد کے اندر جو لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں دیگر حوادث اور واقعات پیش آئے تھے ان کا تو قصہ ہی چھوڑ دیجیے۔ جن مقتولینِ بدر کے قتل کی خبر آپ نے ایک دن پہلے سنائی تھی، ان کے قتل کی کیفیت، قاتلوں کا صحیح علم۔ اور یہ کہ کس کی تلوار سے وہ قتل ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ یہ بھی تو معلوم نہ تھا۔ اہل بدعت تو رائی کا پہاڑ بنانا جانتے ہیں اور بقول حضرت عیسٰی علیہ السلام (بروایت انجیل) "تم مچھروں کو جانتے ہو اور اونٹوں کو نگل جاتے ہو" کہ صریح روایت کو چھوڑ کر صرف ادھورے جملوں پر عقائد کی بنیاد رکھتے ہیں۔ مگر ہم کیا کریں۔ کیا قرآن کریم کی قطعی آیات اور ان صحیح احادیث کو چھوڑ دیں اور تمہارے باطل اور خود ساختہ عقائد کو اپنا لیں؟ حاشا و کلا ہم تو اس کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ تم جانو اور تمہارا کام ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے

رسولِ برحق کے ارشاد کو سب سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں ؎

جاؤ تم عالمِ فرصت کا تماشا دیکھو ۔۔۔۔ چھوڑ دو گردشِ تقدیر کو تقدیر کے ساتھ

اس کے بعد مولوی محمد عمر صاحب نے علم ما غد پر چند روایات اور بھی پیش کی ہیں مثلاً یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسےٰ علیہ السلام زمین پر نازل ہوں گے اور شادی کریں گے ان کی اولاد ہو گی اور کم وبیش پینتالیس سال حکومت کریں گے، پھر ان کی وفات ہوگی اور میری قبر کے پاس ہی دفن ہونگے اسی طرح یہ روایت کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام باب لُد کے پاس دجال لعین کو قتل کریں گے وغیرہ وغیرہ (دیکھئے مقیاس ص۲۲۹ و ص۲۳۰) مگر ان روایات سے استدلال باطل ہے کیونکہ یہ اشراط ساعت اور علاماتِ قیامت سے ہیں اور ان کے بارے میں کسی مسلمان کو ذرہ برابر بھی شک نہیں ہو سکتا ان سے علمِ جمیع ما فی غد ثابت کرنا دُور از کار بات اور ٹیڑھی کھیر ہے۔ ہم نے باب اول میں اس قسم کی روایات کو قدرے تفصیل سے پیش کر دیا ہے۔

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ "مشکوٰۃ باب مناقب علی رضؓ میں ہے حضور علیہ السلام نے خیبر کے دن فرمایا کہ ہم کل یہ جھنڈا اس کو دیں گے جس کے ہاتھ پہ اللہ خیبر فتح فرمائے گا۔ اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔" (جاء الحق ص۶۵)

الجواب اگر اس سے مراد یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کل کے واقعات میں سے صرف ایک واقعہ کی اطلاع دی کہ حضرت علی رضؓ کے ہاتھ پر قلعہ فتح ہوگا تو بالکل صحیح ہے اس میں کسی کو کلام نہیں ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ کل کے اندر رونما ہونے والا ہر ہر واقعہ آپ کو معلوم تھا اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے تو یہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ اس ارشاد کے بعد ہی خیبر میں زینب نامی ایک یہودیہ عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ڈال کر آپ کو اور آپ کے چند ساتھیوں کو کھلایا جس کی وجہ سے حضرت بشر رضؓ بن براء بن معرور کی شہادت ہوگئی۔ (دیکھئے ابوداؤد ج۲ ص۲۶۴ و مستدرک ج۳ ص۲۱۹) بلکہ یہ روایت بھی آتی ہے کہ وَتُوُفِّيَ اَصْحَابُهُ الَّذِينَ اَكَلُوا مِنَ الشَّاةِ الخ (مشکوٰۃ ج۲ ص۵۴۲ اور ابوداؤد ج۲ ص۲۶۴ میں وَتُوُفِّيَ بعض اصحابه الحديث) کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ حضرات صحابہ کرام رضؓ جنہوں نے وہ زہر آلود بکری کھائی تھی وفات پا گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وفات پانے والے متعدد صحابہ کرام رضؓ تھے، اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کل کی بات معلوم ہوتی جس کے اثبات کے فریق مخالف درپے ہے۔ تو

بتائے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمداً اور دیدہ دانستہ ان حضرات صحابہ کرامؓ کو زہر کھلا کر مروا ڈالا تھا؟ بیّنوا توجروا۔

کیا تمہارا یہی عشق رسول ہے۔ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ (المتوفی ۵۴ھ) کے واقعہ میں آپ ایک کلمہ گو کے قتل کر دینے سے اتنے ناراض ہوئے کہ حضرت اسامہؓ کو یہ کہنا پڑا کہ کاش میں اس وقت تک مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا (مسلم ج ۱ ص۶۸) مگر جب اپنی دی آئی تو کئی مخلص صحابہ کرامؓ کو شہید کروا دیا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) رہا یہ بہانہ کہ شہادت بھی ایک بلند مقام ہے لہٰذا آپ نے عمداً ایسا کروایا تھا، یہ کہہ کر فریق مخالف ہرگز گلو خلاصی نہیں کر سکتا اور نہ اس سے کوئی سمجھدار مطمئن ہو سکتا ہے۔ حضرت اسامہؓ کے واقعہ میں آپ ایسی شہادت سے کیوں ناراض ہوئے تھے؟ یہ توجیہ سراسر مردود اور باطل ہے: ؎

چل دیے آپ دل کو تڑپا کر کون دیکھے یہ بے بسی دل کی

قارئین کرام! کوئی معقول اور صحیح دلیل فریق مخالف کی طرف سے اس پر نہیں پیش کی جا سکی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کلی طور پر علم قیامت، نزول باران، ما فی الارحام اور بای ارض تموت وغیرہ امور خمسہ کا علم حاصل تھا، اور آپ نے ان کے دلائل کی کائنات بھی دیکھ ہی لی، اب اس کے بعد ہم اپنے دلائل پیش کرتے ہیں۔ اور فریق مخالف کے بے ڈھنگے اعتراضات اور غلط فہم کے جوابات کو حل کرنے کے درپے ہم نہ ہوں گے کیونکہ ہمارا راستہ اب بالکل صاف ہے۔ ہاں اگر کوئی بات ایسی ان کی نظر آئی جس کی طرف توجہ مناسب ہوتی تو ہم اس کو حل کر کے جائیں گے، انشاء اللہ العزیز۔ ہاں ان کی طرف سے جو آیات اور احادیث وغیرہ پیش کی جائیں گی، ان کے جوابات مستقل ابواب میں ہم عرض کریں گے انشاء اللہ العزیز! ؎

یہ دیکھ کر میرا دیدۂ تر سمجھ لو خود حالِ قلبِ مضطر کہ ہوگا کس جوش میں سمندر جو یہ تلاطم سحاب میں ہے

دُوسری آیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:-

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ○ (پ ۲۲۔ احزاب، رکوع ۸)

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے اس کا علم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور آپ کو کس چیز نے بتایا، شاید کہ وہ قیامت کی گھڑی قریب ہی ہو۔

اس آیت سے بھی بصراحت یہ ثابت ہوا کہ قیامت کا علم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل نہ تھا۔ امام سفیان بن عیینہؒ اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رہ کے حوالہ سے پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کا علم عطائی طور پر بھی نہیں دیا اور یہی آیت ان بزرگوں نے اپنی دلیل میں پیش کی ہے۔

امام علیؒ بن محمد خازن رہ فرماتے ہیں کہ:۔

ان المشركين كانوا يسألون رسول الله صلى الله عليه وسلم عن وقت قيام الساعة استعجالا على سبيل الهزء وكان اليهود يسألونه امتحانا لان الله عمّى عليهم علم وقتها فى التوراة فامر الله تعالى نبيه صلى الله عليه وسلم ان يجيبهم بقوله. قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ يعنى ان الله تعالىٰ قد استأثر به ولم يطلع عليه نبيًّا ولا ملكًا

(تفسیر خازن ج ۵ ص ۲۲۸)

مشرکین از راہ شرارت وعجلت خواہی کے اور یہود بطور امتحان کے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے، کیونکہ تورات میں قیامت کے وقت کو پوشیدہ رکھا گیا تھا سو خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ ان سب کو یہی جواب دیں کہ اس کا علم بس صرف خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے اس نے اس کو اپنے ہی ساتھ مختص کر لیا ہے۔ اور اس نے اس کی اطلاع کسی نبی اور کسی فرشتہ کو نہیں دی ہے۔

امام محی السنۃ بغوی رہ فرماتے ہیں کہ:۔

وَيَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُدْرِيكَ اى اى شئ يعلمك امر الساعة ومتى يكون قيامها اى انت لا تعرفه

(معالم التنزیل برخازن ص ۵۲۸)

لوگ آپ سے قیامت کی بابت سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم بس خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور کس نے آپ کو بتایا؟ یعنی کس چیز نے آپ کو قیامت کے معاملہ کی خبر دی ہے کہ وہ کب واقع ہوگی؟ یعنی آپ اس کو نہیں جانتے۔

اور خطیب شربینی رہ کے اس موقع پر یہی الفاظ ہیں۔ (دیکھئے السراج المنیر ص ۲۷۲ ج ۲)

اور امام رازی رہ لکھتے ہیں کہ:۔

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ لا يتبين لكم فان الله اخفاها لحكمة.

(کبیر ج ۶ ص ۵۴۳)

آپ فرما دیجئے کہ قیامت کا علم بس خدا تعالیٰ ہی کو ہے تمہیں اس کا علم نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک خاص حکمت کی وجہ سے مخفی رکھا ہے۔

اور قاضی بیضاوی رحؒ لکھتے ہیں کہ :-

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ لم یطلع علیها ملکاً ولا نبیًّا۔ (بیضاوی ج۲ ص۱۷۱)

آپ فرما دیجئے کہ قیامت کے وقت خاص کا علم بس خدا تعالیٰ ہی کو ہے اس نے نہ تو کسی فرشتہ کو اسکی اطلاع دی ہے اور نہ کسی نبی کو۔

اور علامہ معینؒ بن صفی رحؒ لکھتے ہیں کہ :-

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ لم یطلع علیه احدًا۔ (جامع البیان بر جلالین ص۲۵۶)

آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم بس خدا تعالیٰ ہی کو ہے اور آپکو یہ کس نے بتایا؟ یعنی آپ اس کو نہیں جانتے۔

اور علامہ ابو السعودؒ فرماتے ہیں کہ :-

یعنی ان اللّٰه تعالیٰ قد استأثر به ولم یطلع علیه نبیا ولا ملکاً۔ (تفسیر ابو السعود ج۷، ص۳۵۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے علم قیامت کو اپنے ہی لیے خاص کر لیا ہے اور کسی فرشتہ اور کسی نبی کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے۔

اور بعینہ یہی الفاظ اس مقام پر علامہ نسفی الحنفیؒ کے ہیں (دیکھئے تفسیر مدارک ج۳ ص۲۴)۔

اور حافظ ابن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :

یقول تعالیٰ مخبرًا لرسوله صلوات الله وسلامه علیه انه لا علم له بالساعة وان سأله الناس عن ذالك وارشده ان یردّ علمها الی الله عزّوجل کما قال تعالیٰ فی سورة الاعراف وهی مکیة وهٰذه مدنیة فاستمر الحال فی رد علمها الی الذی یقیمها لکن اخبره انها قریبة بقوله وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا۔ (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۵۱۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلوات اللہ سلامہ علیہ) کو بتلایا کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں ہے اگرچہ لوگ پوچھتے ہیں اور آپ کو ہدایت کی ہے کہ اس کے علم کو بس خدا تعالیٰ ہی کے سپرد کریں جیسا کہ سورۃ اعراف میں بھی یہی حکم ہے اور وہ آیت مکی ہے اور یہ مدنی ہے۔ اس مدنی آیت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ علم قیامت کو اس کے قائم کرنے والے کے حوالہ کرنا ہی مستمر رہا البتہ وَمَا یُدْرِیْكَ الخ فرما کر آپ کو یہ بتلا دیا گیا ہے کہ فی الجملہ قیامت کا وقوع قریب ہی ہے۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

یَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ای عن وقت قیامها استهزاءً او تعنّتًا او امتحانًا الی ان قال قُلْ یا محمدؐ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ

آپ سے لوگ قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں یعنی قیامت کے برپا ہونے کے مخصوص وقت کے متعلق استہزاءً یا عناداً یا امتحاناً آپ سے پوچھتے ہیں (پھر فرمایا) اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ فرما

الله لم يطلع الله احدًا من الانبياء والملائكة وَمَا يُدْرِيكَ واى شيئ يعلمك وقت قيامها اذا لم يطلع الله عليه احدًا من خلقه	یعنی کہ قیامت کے وقتِ خاص کا علم تو بس خدا تعالےٰ ہی کے پاس ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتوں میں سے کسی ایک کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی اور آپکو کس چیز نے بتایا ہے اسکے قیام کا وقت؟ اللہ تعالیٰ نے تو اسکے قیام پر مخلوق میں سے کسی ایک کو بھی مطلع نہیں کیا۔

(تفسیر مظہری ج ۷، ص ۴۲۰)

قرآنِ کریم کی یہ آیت اور اس کے تحت حضرات مفسرین کرامؒ کی یہ صریح عبارتیں اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ وقتِ قیامِ قیامت کا علم جناب رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو حاصل نہ تھا اور نہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس پر مطلع کیا تھا اور قرآنِ کریم کی اس آیت سے حضرات مفسّرین کرام رہ نے یہی سمجھا ہے (جیساکہ ان کی عبارات سے یہ روشن ہوگیا ہے) کہ قیامت کا عطائی علم بھی جناب رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو حاصل نہ تھا۔ نہ تو مکہ مکرمہ میں یہ علم آپ کو عطا ہوا تھا اور نہ ہی مدینہ طیبہ میں، آخر تک یہی حال مستمر رہا۔ مگر نہ معلوم اہلِ بدعت کو یہ کہاں سے منکشف ہوا اور ان پر اب کون سی نئی وحی نازل ہوئی جس سے ان کو یہ بتلا دیا گیا کہ قیامت کا علم جناب رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو بھی عطا ہو گیا تھا اور آپ کی امّت کے حضرات اولیاء کرام کو بھی؟ ؎

سرّ خدا کہ عارف و زاہد بکس نگفت — در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

فائدہ:۔ علامہ خازن رہ نے یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں علمِ قیامت کو مخفی رکھا ہے اور علامہ ابو السعودؒ نے اور علامہ نسفی رہ نے اسی موقع پر اس کی تصریح کی ہے کہ حق تعالےٰ نے قرآنِ کریم سے پہلی تمام آسمانی کتابوں میں بھی علمِ قیامت کو پوشیدہ ہی رکھا ہے:۔

اور انجیل متّی، باب ۲۴، آیت ۳۶ میں ہے: "لیکن اُس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ"۔ اور یہی عبارت انجیل مرقس باب ۱۳ آیت ۳۲ میں مذکور ہے۔

الغرض قرآنِ کریم اور صحیح احادیث کی طرح سابق آسمانی کتابیں بھی اس پر متفق ہیں کہ قیامت کا ٹھیک وقت اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو معلوم نہیں نہ کسی فرشتہ کو اور نہ کسی رسول کو۔

تیسری آیت

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ط وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ○ (پ ۲۰-نمل-ع ۵)

آپ فرمادیجئے کہ نہیں علم رکھتے غیب کا وہ جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمین میں ہیں مگر صرف اللہ تعالےٰ، اور مخلوق کو یہ علم اور خبر بھی نہیں کہ کب جلائے جائیں گے۔

یہ نص بھی قطعی طور پر اس کو واضح کر رہی ہے کہ آسمان اور زمین میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کو غیب کا علم حاصل ہو۔ غیب کا علم تو صرف ذاتِ خداوندی کے ساتھ مخصوص ہے اور بس انباءِ غیب اور اخبارِ غیب کا معاملہ ہی جدا ہے۔ پہلے تفصیل سے باحوالہ یہ عرض کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کی نفی پر اس آیت سے استدلال کیا ہے اور ان کا استدلال سو فیصدی حق اور صحیح ہے۔ ذاتی اور عطائی وغیرہ کا جھگڑا پہلے مفصّل گزر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، وہاں ہی ملاحظہ کر لیا جائے۔ نیز یہ بھی گذر چکا ہے کہ جن حضرات نے ذاتی اور مستقل وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان کی مراد بھی ہرگز یہ نہیں کہ کلّی طور پر یہ سب علمِ غیب غیر اللہ کو حاصل تھا بلکہ انہوں نے نفی اور اثبات کے دلائل کو پیشِ نظر رکھ کر صرف بعض جزئیات کے بارے میں ایسا کہا ہے چنانچہ خود ان کی تصریحات ہم نے باحوالہ عرض کر دی ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی علمِ غیب حاصل نہ تھا۔

علامہ بغوی رہ اس آیت کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں کہ :-

نزلت فی المشرکین حیث سألوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن وقت قیام الساعۃ (معالم التنزیل ج ۵ ص۱۲۵)

یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا تھا۔

اور یہی شانِ نزول جلالین ص۳۲۱، مدارک ج ۲ ص۱۶۷ اور جامع البیان ص۳۲۱ وغیرہ میں مذکور ہے۔

علامہ خازنؒ فرماتے ہیں کہ :-

والمعنیٰ ان اللہ ھو الذی یعلم الغیب وحدہٗ ویعلم متی تقوم الساعۃ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ یعنی ان من فی السّٰمٰوٰت

مطلب آیت کا یہ ہے کہ بس خدا تعالیٰ ہی کو علمِ غیب ہے اور وہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی اور ان کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے یعنی جو مخلوق کہ آسمانوں

وھم الملائکة ومن فی الارض وھم بنو آدم لا یعلمون متیٰ یبعثون واللہ تعالیٰ تفرّد بعلم ذالک۔

(خازن ج ۵۔ ص ۱۲۵)

میں ہے اور وہ فرشتے (وغیرہ) ہیں اور جو زمین میں ہے یعنی بنی آدم (اور جنات وغیرہ) ان کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کے علم کے ساتھ متفرد ہے۔ (اس کو اس کے بغیر اور کوئی نہیں جانتا)۔

اور حافظ ابن کثیرؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

یقول تعالیٰ آمرًا لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان یقول معلّما لجمیع الخلق انہ لا یعلم احد من اھل السّمٰوٰتِ والارضِ الغیبَ اِلّا اللہَ وقولہٗ الغیبَ اِلّا اللہ استثناءٌ منقطع ای لا یعلم احد ذالک اِلّا اللہ عزوجل فانہ المتفرد بذٰلک لاشریک لہ کما قال تعالیٰ وعندہٗ مفاتح الغیب لا یعلمھا اِلّا ھو الآیة۔ وقال تعالیٰ ان اللہ عندہٗ علم الساعة الیٰ اٰخر السورة والاٰیاتُ فی ھذا کثیرة۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۳۷۲)

اللہ تعالیٰ اپنے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ آپ تمام مخلوق کو تعلیم دیتے ہوئے یہ بتلا دیں کہ آسمان اور زمین کے رہنے والوں میں سے کوئی ایک بھی خدا تعالیٰ کے سوا غیب کا علم نہیں رکھتا، اور اِلّا اللہ کی استثناء منقطع ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو بھی غیب کا علم نہیں ہے، وہی اس کے ساتھ متفرد ہے۔ اسمیں اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ دوسری جگہ فرماتا ہے، وعندہ مفاتح الغیب الآیة اور فرماتا ہے عندہٗ علم الساعة الآیة اور اس بارے میں بہت سی آیات قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

قل یا محمد فی جوابھم لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ من الملائکة ومن فِی الْاَرْضِ من الجنّ والانس ومنھم الانبیاء علیھم السّلام مَن موصول او موصوف الغیب یعنی ماغاب عن مشاعرھم ولم یقم علیہ دلیل عقلی اِلّا اللہَ۔

(تفسیر مظہری ج ۷ ص ۱۲۶)

اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ فرما دیجئے کہ غیب بجز خدا تعالیٰ کے نہیں جانتے وہ جو آسمانوں میں ہیں یعنی فرشتے، اور وہ جو زمین میں ہیں یعنی جن اور انسان اور انہی انسانوں میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰة والسلام بھی ہیں۔ حرف مَن موصول یا موصوف ہے اور غیب وہ چیز ہے جو ان کے حواس سے اوجھل ہو اور اس پر کوئی عقلی دلیل بھی قائم نہ ہو۔

غرضیکہ اس آیت سے بھی یہ ثابت ہوگیا کہ جن، انسان اور فرشتے کوئی بھی آسمان و زمین میں رہنے

والی مخلوق غیب کا علم نہیں رکھتی کیونکہ علمِ غیب کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی متفرد ہے :-

مفتی احمد یار خان صاحب کی اختراع

مفتی احمد یار خان صاحب قُل لا یَعْلَمُ الآیۃ کا جواب دیتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں بگاڑتے ہیں " تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ " پھر آگے تفسیر انموذج جلیل کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ " اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ بغیر دلیل یا بغیر بتائے یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر مدارک یہی آیت غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق کو اس پر مطلع نہ کیا گیا، مدارک کی اس توجیہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو علم عطائی ہو وہ غیب ہی نہیں کہا جاتا غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ جن آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی ہے " بلفظہٖ جاء الحق ص۹۱)

الجواب

مفتی صاحب کتنے جری اور دلیر ہیں کہ تفسیر ہی میں نہیں بلکہ قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں بھی اپنی طرف سے لفظ خود داخل کرنے سے نہیں چوکتے۔ نہ ان کو خدا کا خوف ہے اور نہ مرنے کا، نہ قبر کا اور نہ حشر کا، اور ہیں ماشاء اللہ مفتی۔ مفتی صاحب! آپ کو قرآن کریم کے ترجمہ میں لفظ خود کوئی نہیں ہضم ہونے دے گا اور پھر انموذج جلیل کی جو عبارت پیش کی اس پر بھی مطلقاً کوئی غور ہی نہیں کیا کہ کیا اس سے غیر اللہ کے لیے کل غیب ثابت ہوتا ہے یا بعض ؟ اور پھر یہ عبارت اُن کی تائید میں ہے یا تردید میں ؟ پھر مدارک کی عبارت سے جو مسئلہ بزور کشید کیا وہ اس سے بھی عجیب تر ہے کیا صاحب مدارک نے یہ کہا ہے کہ تمام ماکان و مایکون کا غیب غیر اللہ کے لیے ثابت ہے ؟ اور کیا جو علوم فریق مخالف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرتا ہے ان پر بقول علامہ نسفیؒ کوئی قطعی دلیل قائم ہے ؟ اور کیا صاحب مدارک نے قیامت کے علم کو غیب نہیں کہا ؟ اور کیا یہ بھی نہیں فرمایا کہ باوجود غیب ہونے کے اللہ تعالیٰ نے اس کی اطلاع کسی کو نہیں دی پہلے ان کی مفصل عبارت عرض کر دی گئی ہے۔ اور پہلے مفصل گذر چکا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم شعر، تفصیلی قصص حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور قیامت وغیرہ کا عطائی علم بھی حاصل نہ تھا۔

مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ جن آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی ہے، سراسر باطل اور مردود ہے کیونکہ مفصل گذر چکا ہے کہ کلیات کا عطائی طور پر بھی علم کسی کو نہیں بعض بعض جزئیات کا معاملہ ہی الگ ہے۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو سمجھ عطا فرمائے مگر جس گروہ اور جن عقائد و اعمال سے ان کا

تعلق ہے ان سے وابستہ ہونے کے بعد عقل وسمجھ رہتی ہی کہاں ہے؟ مفتی صاحب یہ تو فرمایئے کہ آپ نے جو خود اور ذاتی علم غیب کی تفسیر کی ہے کیا یہ روایت اور حدیث سے ثابت ہے؟ اگر ہے تو لایئے ورنہ ایسی تفسیر تو آپ کے نزدیک بھی غیر معتبر ہے (دیکھئے جاء الحق ص۹) پھر اس سے استدلال کیسا؟ ع

"صحرا ہیں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں"

حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) موضوع اور جعلی حدیثوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اور ایسی حدیثوں کو رواج دینے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

ومنها ما يذكره الوعاظ من ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أعطى علم الاولين والآخرين مفصلاً ووُهب له علم كل ما مضى وما يأتي كلياً وجزئياً وانه لا فرق بين علمه وعلم ربه من حيث الاحاطة والشمول وانما الفرق بينهما ان علم الله تعالى ازلى ابدى بنفس ذاته بدون تعليم غيره بخلاف علم الرسول فانه حصل له بتعليم ربه وهذا زخرف من القول وزور على ما صرح به ابن حجر المكيّ في المنحة المكية شرح القصيدة الهمزية وغيره من ارباب الشعور والثابت من الآيات القرآنية والاحاديث النبوية هو ان الاحاطة والشمول وعلم كل غيب مختص بجناب الحق ولم توهب هذه الصفة لاحد من الخلق نعم علوم نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم أزيد و اكثر من علوم سائر الانبياء والرسل

ان جعلی حدیثوں میں سے وہ بھی ہیں جن کو واعظ بیان کیا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اولین اور آخرین کا مفصل علم دیدیا گیا تھا اور آپ کو تمام ماضی کے اور آئندہ کے کلی وجزئی واقعات عطا کر دیئے گئے تھے اور یہ کہ آپ کے علم اور رب تعالیٰ کے علم میں احاطہ اور شمول کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہاں ان دونوں کے علم کا فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ابدی اور ذاتی ہے اللہ تعالیٰ کو کسی اور نے تعلیم نہیں دی بخلاف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے کہ وہ آپکو اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے حاصل ہوا ہے اور یہ خالص دھوکہ کی بات اور جھوٹ ہے جیسا کہ امام ابن حجر المکیؒ نے اپنی کتاب المنحۃ المکیۃ شرح القصیدۃ الھمزیۃ میں اور اسی طرح دیگر ارباب شعور نے اس کی تصریح فرمائی ہے قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبویہ (علی صاحبہا التحیۃ) سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ احاطہ اور شمول بھی اور ہر غائب چیز کا علم بھی حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے اور یہ صفت مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی گئی ہاں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم باقی تمام حضرات انبیاء کرام اور رسولوں سے علیہم الصلوٰۃ والسلام زیادہ اور کثیر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن امور غیبیہ کی تعلیم آپ کو دی ہے

وتعلیم ربه الامور الغیبیة له بالنسبة الی تعلیمه غیره اکمل فهو صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اکمل علماً وعملاً وسید المخلوقات مرتبةً وفضلاً۔ (الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة ص۲۶۸)

اس میں آپ بہ نسبت اوروں کے اکمل ہیں خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علم وعمل کے لحاظ سے اکمل اور تمام مخلوقات کے اپنے مرتبہ اور فضیلت کے لحاظ سے سردار ہیں۔

چوتھی آیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ؕ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ؕ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰهَا ۝ (پ ۳۰۔ نزعات۔ رکوع ۲)

آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کب اس کا قیام ہوگا؟ آپ کو اس کے ذکر سے کیا؟ تیرے رب ہی کی طرف ہے اس کی انتہا۔ تُو تو صرف ڈر سنانے کو ہے اُس کو جو اُس سے ڈرتا ہے۔

یہ آیت بھی اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ سوال کرنے والوں نے قیامت کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے سوال کیا تھا، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ آپ تو مُنذر ہیں۔ وقت قیام ساعت کا علم آپ کے منصب میں داخل نہیں ہے اس کو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، آپ کو اس کے علم سے کیا غرض؟

حضرت علیؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:۔

كان النبی صلی الله علیه وسلم یسأل عن الساعة فنزلت فیم انت من ذكرٰها ؕ (اخرجه ابن مردویه۔ درمنثور ج ۶ ص ۳۱۴)

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے وقت خاص کو دریافت فرماتے تھے تو آپ پر یہ آیت فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا نازل ہوئی کہ آپ کو اس کے ذکر سے کیا تعلق؟

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ:۔

لم یزل رسول الله صلی الله علیه وسلم یسأل عن الساعة حتیٰ انزل علیه فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا فلم یسأل عنها (مستدرک ج ۱ ص ۵ قال الحاکم صحیح وسکت عنه الذهبی رح)

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برابر قیامت کے متعلق دریافت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کو اس کے ذکر سے کیا تعلق؟ تیرے رب ہی کی طرف ہے اس (کے علم) کی انتہاء۔ پھر آپ نے اس کے

واخرجہ ابن مردویہؒ درمنثور ج ۶ ص ۳۱۴) بارے میں کبھی دریافت نہیں فرمایا۔

حضرت طارق بن شہاب رضؓ (المتوفی ۸۲ھ) علامہ ابن حزم ؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ صحیح الصحبة مشہور کہ اُن کا صحابی ہونا صحیح ہے اور وہ مشہور ہیں۔ محلی ج ۲ ص ۱۴۵) فرماتے ہیں کہ:۔

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ذکر الساعة حتیٰ نزلت فِیمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھا اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھٰىھَا فکف عنھا۔ (اخرجہ عبدؒ بن حمیدؒ والنسائیؒ وابن جریرؒ والطبرانیؒ وابن مردویہؒ، درمنثور ج ۶ ص ۳۱۴)

کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کا بکثرت ذکر فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ آیت فِیمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھا الخ نازل ہوئی تو آپ نے اس کو ترک فرما دیا۔

حضرت امام شافعی ؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وقال اللہ عزوجل لنبیہ علیہ الصلوٰة والسلام یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا ط فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھَا اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھٰھَا ط اخبرنا سفیان عن الزھری عن عروة قال لم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسأل عن الساعة حتیٰ انزل اللہ فِیمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھَا فانتھیٰ قال الشافعی ؒ وقال اللہ عزوجل قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ وقال تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ الیٰ اخر سورة انتھیٰ بلفظہ

(رسالہ فی اصول الفقہ ص ۱۶ للامام الشافعی ؒ)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ آپ سے لوگ قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب اس کا قیام ہوگا؟ آپ کو اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے تیرے رب ہی کی طرف ہے اس کی انتہا، ہم سے سفیان ؒ نے بیان کیا وہ زہریؒ سے اور وہ حضرت عروہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برابر قیامت کے متعلق دریافت فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت فِیمَ اَنْتَ الآیة نازل ہوئی امام شافعیؒ فرماتے ہیں نیز باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ خبر دیجئے کہ آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کے بغیر غیب کا علم کسی کو نہیں ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور بارش کا نازل کرنا (وغیرہ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ۔ الآیة)

جس طرح کہ ان آیات سے حضرت عائشہ رضؓ اور دیگر جلیل القدر حضرت صحابہ کرام رضؓ نے غیر اللہ سے علم غیب کی نفی ثابت کی ہے۔ اسی طرح امام اہل السنت والجماعت حضرت امام شافعی ؒ بھی اسی مقصد کے لیے ان آیات کو پیش فرما رہے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ قیامت کے وقتِ خاص کا علم جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور نہ تو غیب کا علم

رکھتا ہے اور نہ اُمورِ خمسہ کا ؛۔

یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے وقتِ خاص کا علم مخصوصاتِ باری تعالیٰ میں سے ہے اس لیے مشرکین اور منافقین کے سوال سے متاثر ہو کر بار بار آپ اسکے متعلق دریافت فرماتے تھے اور آپ کو اس کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا، جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ نے اس خیال کو ترک کر دیا۔ جیسا کہ ابھی ابھی روایات میں اس کی تصریح گذر چکی ہے لیکن کفار اور منافقین کی طرف سے ازراہِ شرارت و امتحان (اور بعض مخلص مسلمانوں کی طرف سے محض اپنی تشفی کے لیے پھر بھی) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات تک یہ سوال ہوتا رہا جس کا جواب بار بار قرآنِ کریم میں دیا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا کہ مکی اور مدنی زندگی کے مکمل دور میں قیامت کا علم آپ کو عطا نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ نصوصِ قطعیہ اس پر بوضاحت دلالت کرتی ہیں اور احادیث کا ذکر اپنے مقام پر پورے بسط سے کیا جائے گا، انشاء اللہ العزیز!

حافظ ابن کثیرؒ فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا الآیۃ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :۔

ای لیس علمها الیك ولا الیٰ احد من الخلق بل مردّها و مرجعها الی الله عزوجل فهو الذی یعلم وقتها علی التعیین ولهذا لما سال جبرائیل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن وقت الساعة قال ما المسئول عنها باعلم من السائل۔

یعنی اس (قیامت کے وقتِ خاص) کا علم نہ آپ کو ہے اور نہ کسی اور مخلوق کو بلکہ اس کا مدار اور مرجع بس صرف خدا تعالےٰ ہی ہے۔ وہی اس کے وقتِ معین کو جانتا ہے اور اسی واسطے جب حضرت جبرئیلؑ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ (اس میں) مسئول کا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے (یعنی جس طرح تم اس کو نہیں جانتے میں بھی نہیں جانتا)۔

(تفسیر ابن کثیرؒ ج ۴ ص ۴۶۹)

اور علامہ علیؒ بن محمد خازنؒ فرماتے ہیں کہ :۔

يَسْئَلُونَكَ ای یا محمد عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ای متی ظهورها وقیامها فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا ای لست فی شیئٍ من علمها و ذکراها حتیٰ تهتمّ لها وتذکر وقتها۔ الیٰ

یعنی اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب ہوگا اس کا قیام؟ کس چیز میں ہیں آپ اس کے ذکر سے یعنی آپ کو اس کے علم و ذکر سے کوئی سروکار نہیں یہاں تک کہ آپ اس کا اہتمام کریں

رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ای منتھیٰ علمھا لا یعلم متیٰ تقوم السّاعۃ الّا ھو

(خازن ج ۷ صـ ۱۷۳)

اور اس کے وقت کا خیال کریں آپ کے رب ہی کی طرف ہے اس کی انتہا یعنی اس کا علم بس صرف خدا تعالیٰ پر ہی ختم ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی؟

اور امام بغوی رح لکھتے ہیں کہ:۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا متیٰ ظهورها وقیامها فِيْمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا لست فی شیئ من علمها و ذِكْرٰهَا ای لا تعلمها۔

(معالم التنزیل ج ۷ ص ۱۷۳)

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا ظہور اور قیام کب ہوگا آپ کو اس کے ذکر اور علم سے کوئی تعلق نہیں اور آپ اس کو نہیں جانتے۔

اور خطیب شربینی رح لکھتے ہیں کہ:۔

إِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ای منتھیٰ علمھا لم یؤت احدا من خلقه کقوله تعالیٰ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ وقوله تعالیٰ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ

(السراج المنیر ج ۴ ص ۴۸۳)

یعنی قیامت کے وقت کا علم خدا تعالیٰ پر ہی ختم ہے اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کو بھی اس کا علم عطا نہیں کیا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا اس کا علم تو صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اور نیز اس کا ارشاد ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم۔

اور بعینہٖ یہی الفاظ اس موقع پر امام رازی رح کے ہیں۔ دیکھئے تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۵۴)

اور علامہ نسفی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ:۔

إِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا منتھیٰ علمھا متیٰ تکون لا یعلمھا غیرہ (مدارک ج ۴ ص ۳۴۸)

تیرے رب ہی کی طرف ہے اُس کے علم کی انتہا کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کے سوا کوئی اس کو نہیں جانتا۔

اور قاضی بیضاوی رح تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وقتها ای وقت السّاعۃ مما استأثر اللّٰہ بعلمه

(بیضاوی ج ۲ ص ۳۵۸)

قیامت کا علم اُن چیزوں میں سے ہے جن کے علم کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے ہی لیے مخصوص کر لیا ہے۔

اور علامہ ابو السعود رح لکھتے ہیں کہ:۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا

یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ

فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا اى فى اىّ شيئٍ من ان تذكر لهم وقتها وتعلمهم به حتّٰى يَسْئَلُوْنَكَ بيانها لان ذالك فرع علمك به وانّٰى لك ذالك وهو مما استأثر بعلمه علام الغيوب ...... اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا اليه تعالى يرجع منتهى علمها اى علمها بكنهها و تفاصيل امرها و وقت وقوعها لا الى احد غيره۔

(ابوالسعود ج ۸ ص ۴۰)

کب اس کا قیام ہوگا؟ کس چیز میں ہیں آپ اس کے ذکر کرنے سے یعنی آپ کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور آپکا یہ منصب ہی نہیں کہ آپ اُن کو قیامت کا وقت بتلائیں یہانتک کہ وہ آپسے اُس کے بیان کرنے کا سوال کریں کیونکہ یہ تو جب ہوسکتا ہے جب آپ کو خود اس کا علم ہو اور وہ بھلا آپ کو کیونکر حاصل ہوسکتا ہے درآنحالیکہ قیامت ان چیزوں میں سے ہے جن کے علم کو اللہ تعالیٰ علام الغیوب نے اپنی ذات سے مختص کر لیا ہے آپ کے رب ہی کو ہے اس کے علم کی انتہا یعنی اسکی کنہ و حقیقت کا علم اور اس کی تمام تفصیلات کا علم اور اس کے وقتِ خاص کا علم خدا تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو نہیں ہے۔

اور علامہ جلال الدین محلیؒ (المتوفی ۸۶۴ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

اى ليس عندك علمها حتّٰى تذكرها اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا اى منتهى علمها لا يعلمها غيره

(جلالین ص ۴۸۸)

آپکے پاس قیامت کے وقت کا علم نہیں ہے کہ آپ اس کو بتا سکیں خدا تعالیٰ ہی کی طرف ہے اس کی انتہا یعنی اس کا علم بس خدا تعالیٰ ہی پر ختم ہے اس کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا

اور علامہ معینؒ بن صفیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا اى منتهى علمها الى الله وحده۔ (تفسیر جامع البیان ص ۴۸۸ برجلالین)

تیرے رب ہی کی طرف ہے اس کی انتہا یعنی اس کا علم بس اکیلے خدا تعالیٰ ہی پر ختم ہے (اور کوئی نہیں جانتا)

قرآن کریم کہ یہ نص قطعی الدلالۃ اور اس کی تفسیر میں اقوال حضرات مفسرین کرامؒ اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ قیامت کا وقتِ خاص اور اس کی جملہ تفاصیل کا علم جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل نہ تھا اور نہ یہ علم آپ کو عطا ہوا تھا۔ فریق مخالف کی طرف سے اس آیت کے جواب میں جو بیہودہ اور فرسودہ باتیں پیش کی گئی ہیں۔ (مثلاً اس میں علم ذاتی کی نفی ہے، اور یہ کہ اس کے بعد آپ کو اس کا علم عطا کردیا گیا تھا جیسا کہ روح البیان اور صاوی وغیرہ میں لکھا ہے، اور یہ کہ قیامت جمعہ کے دن آئے گی اور سات ہزار سال کے بعد آئے گی وغیرہ وغیرہ (دیکھئے جاء الحق ص ۹۴ تا ص ۱۰۱ وغیرہ) ان

تمام کا مفصّل جواب پہلے عرض کر دیا گیا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے ایک منیب اور منصف مزاج کے لیے یہ پیش کردہ دلائل بالکل کافی ہیں، ہاں ہٹ دھرم کے لیے کچھ بھی نہیں ہے وہ تو اس کا مصداق ہے

نصیحت کن مرا چنداں کہ خواہی   کہ نتواں شستن از زنگی سیاہی

پانچویں آیت

اللہ تعالیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

(پ ۹۔ اعراف۔ رکوع)

(اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) فرما دیجیے کہ میں تو اپنی جان کے بھلے اور بُرے کا مالک نہیں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے اور اگر میں جانا کرتا غیب کی بات تو بہت خیر حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی تکلیف نہ پہنچتی میں تو صرف ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں۔

قرآن کریم کی یہ قطعی نص اس امر کو بالکل عیاں کر رہی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خداوندی صفات کے حامل نہ تھے۔ نہ تو آپ مختارِ کُل تھے کہ دوسروں کا تو کہنا ہی کیا خود اپنی جان کے نفع و نقصان کے مالک ہوتے اور نہ آپ کو علمِ غیب حاصل تھا، ورنہ آپ کی زندگی سدا بہار رہتی اور آپ کو کبھی حالاتِ زمانہ اور دشمنوں کی طرف سے گزند اور تکلیف نہ پہنچتی اور یہ اعلان بھی اللہ تعالیٰ نے آپ سے کروایا ہے تاکہ آپ کے منصبِ نبوّت کا علم ہر ایک مؤمن کو بخوبی ہو سکے کہ نہ تو آپ متصرف فی الامور ہیں اور نہ عالم الغیب ہیں مگر شرط یہ ہے کہ اس پر ایمان لانے والا بھی تو کوئی ہو (لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ بغویؒ اور خازن رہ حضرت عبد اللہؓ بن عباس رضؓ سے اس کا شانِ نزول یوں نقل کرتے ہیں کہ:۔

ان اهل مكة قالوا يا محمد الا يخبرك ربك بالسعر الرخيص قبل ان يغلو فنشتريه فنربح عند الغلاء وبالارض التى يريد ان تجدب فنرحل عنها الى ماقد اخصبت

اہل مکہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا تمہارا پروردگار اشیاء کی گرانی سے پہلے نرخ کی ارزانی کی خبر تجھے نہیں دیتا تاکہ آپ ارزانی میں خرید کر گرانی کے زمانہ میں خاطر خواہ نفع حاصل کریں؟ اور کیا آپکا رب آپکو یہ نہیں بتاتا کہ فلاں زمین میں قحط نازل ہونیوالا

فانزل الله تعالیٰ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا الآية

(معالم ج۲ ص۲۶۶ وخازن ج۲ ص۶۸۱)

ہے تاکہ آپ وہاں سے کسی سرسبز و شاداب علاقہ کی طرف کوچ کر جائیں اور خوشی و عیش سے زندگی گزاریں تو اس پر یہ آیت کریمہ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ الخ نازل ہوئی۔

اور قاضی بیضاوی رح لکھتے ہیں کہ:۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا جلب نفع ولا دفع ضر وهو اظهار للعبودية والتبرئ عن ادعاء العلم بالغيوب۔ الا ماشاء الله من ذالك فيلهمني اياه ويوفقني له وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ولوكنت اعلمه لخالفت حالي ماهي عليه من استكثار المنافع واجتناب المضار حتّٰى لا يمسني سوء۔ (بیضاوی ج۲ ص۶۸۱)

فرما دیجئے کہ میں اپنے نفس کے نفع و ضرر کا مالک نہیں ہوں کہ میں نفع حاصل کر سکوں اور ضرر کو ٹال سکوں۔ اس میں اظہار عبودیت ہے اور غیوب کے علم کے دعوے سے بیزاری کا اعلان ہے ہاں مگر جو خدا تعالیٰ چاہے تو مجھے اس پر آگاہ کر دے اور بتا دے اور اگر میں غیب کا علم جانتا ہوتا تو مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی یعنی اگر میں غیب جانتا تو اپنی اس موجودہ حالت کو بدل دیتا بایں طور کہ بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور مضرات سے بچ سکتا اور مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

اور علامہ نسفی رح لکھتے ہیں کہ:۔

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ۔ اى لكانت حالي على خلاف ماهي عليه من استكثار الخير واجتناب السُّوْٓء والمضار حتّٰى لا يمسني شيئ منها۔

(مدارک ج۲ ص۶۸۱)

اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں اپنی موجودہ حالت کو بدل دیتا کہ منافع بہت سے حاصل کر لیتا اور تکلیف و پریشانی سے مجتنب رہتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

اور علامہ ابو طاہر محمد بن یعقوب الشافعی رح (المتوفی سنہ ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ النفع والضر لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ من النفع وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ۔ الضر

(تنویر المقباس ج۲ ص۶۸۱)

اگر میں غیب جانتا ہوتا یعنی نفع اور ضرر جانتا تو میں بہت خیر یعنی نفع جمع کر لیتا اور مجھے تکلیف یعنی ضرر نہ پہنچتا۔

اور علامہ معین رح بن صفی رح لکھتے ہیں کہ:۔

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ

اگر میں غیب ہوتا تو میرا حال موجودہ حال کے برعکس ہوتا یعنی

وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ ای لکانت حالی من استکثار الخیر واستغزار المنافع واجتناب السّوء علی خلاف ماھی علیه فلم اکن غالبا مرّةً ومغلوبا اُخری ورابحا وخاسرا (جامع البیان ص۱۴۲)

یُں خیر کثیر حاصل کرتا اور بہت زیادہ منافع سمیٹ لیتا اور تکلیف ونقصان سے بالکل محفوظ رہتا اور یہ نہ ہوتا کہ کبھی غالب رہتا اور کبھی مغلوب اور کبھی تجارت میں نفع اُٹھاتا اور کبھی نقصان۔ (بلکہ ہمیشہ نفع اور غلبہ ہی ہوا کرتا)۔

اور علامہ ابو السعودؒ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

ای ما انا الا عبد مرسل للانذار والبشارة شانی حیازة ما یتعلق بهما من العلوم الدینیة والدنیویة لا الوقوف علی الغیوب التی لا علاقة بینها وبین الاحکام والشرائع (ابو السعود ج۴ ص۵۴۶)

یعنی میں تو اللہ کا ایک بندہ ہوں جو ہوشیار کرنے اور بشارت سنانے کے لیے بھیجا گیا ہوں میرا تعلق ان دینی اور دنیوی علوم سے ہے جن کا انذار وتبشیر سے کچھ لگاؤ ہو باقی غیب کی وہ باتیں جن کا احکام اور شرائع سے کچھ تعلق نہیں، اُن کو معلوم کرنا میری شان نہیں ہے۔

اور امام ابن جریرؒ (المتوفی ۳۱۰ھ) نقل کرتے ہیں کہ:۔

معنیٰ ذالك لو کنت اعلم الغیب لاعددت للسنة المجدبة من المخصبة ولعرفت الغلاءَ من الرخص فاستعددت له فی الرخص۔ (تفسیر ابن جریر ج۹ ص۱۴۳ وحکاه ابن کثیر ج۲ ص۲۷۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو قحط کے سال کے لیے شادابی کے سال سے اور گرانی کے زمانہ کے لیے ارزانی کے موسم سے سامان تیار کر لیا کرتا۔

اور امام بغوی رح فرماتے ہیں کہ:۔

ای لو کنت اعلم الخصب والجدب لاستکثرت من المال لسنة القحط وما مسّنی السّوء ای الضر والفقر والجوع (معالم ج۲ ص۲۲۶)

اگر میں شادابی اور قحط کو جانتا تو قحط کے سال کے لیے بہت سامان اور متاع پہلے سے جوڑ لیا کرتا اور مجھے تکلیف نہ ہوتی اور ناداری اور بھوک میرے قریب نہ پھٹکتی۔

اور حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں کہ:۔

ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ای من المال وفی روایة لعلمت اذا اشتریت شیئا ما اربح فیه فلا ابیع شیئا الا ربحت فیه ولا یصیبنی

اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سامال حاصل کر لیتا اور جب کوئی چیز بغرض تجارت خریدتا تو مجھے انجام معلوم ہو جایا کرتا اور ہر معاملہ میں مجھے نفع ہی ہوا کرتا اور فقر وناداری میرے

الفقر۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۳) پاس بھی نہ پھٹکتی۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفی رح لکھتے ہیں کہ:۔

قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا. ای جلب منفعة ولا دفع مضرة دينية ولا دنيوية و هو اظهار للعبودية والتبرئ عن دعوى العلم بالغيب اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ من ذالك فيعلمني به وحيا جليا اوخفيا ويعطني قدرة على جلب النفع اودفع الضرر. وَلَوْكُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ الاٰية يعني لاستكثرت من جلب المنافع و دفع المضار حتى لا يمسني سوء ولما اكن مغلوبا فی الحروب تارة وغالبا اُخرٰی۔

(تفسیر مظہری ج ۳ ص ۴۹۶)

فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے نفع اور ضرر کا مالک نہیں یعنی جلب منفعت اور دفع مضرت کا عام اس سے کہ نفع دینی ہو یا دنیوی ہو میں مالک نہیں ہوں اور اس میں عبودیت کا اقرار اور دعوئے علم غیب سے بیزاری کا اظہار ہے مگر جو اس سے خدا تعالیٰ چاہے تو وہ مجھے وحی جلی یا خفی سے خبردار کر دیتا ہے اور مجھے جلب نفع اور دفع ضرر پر قدرت دے دیتا ہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت خیر جمع کر لیتا یعنی میں منافع حاصل کر لیتا اور مضرات سے محفوظ رہتا اور مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچتی اور میں جنگوں میں کبھی مغلوب اور کبھی غالب نہ ہوتا۔ (بلکہ ہمیشہ غالب ہی رہتا)

اور علامہ السید محمود آلوسی الحنفی رح نے اس آیت کی چند تفاسیر نقل کر کے اس کو ترجیح دی ہے کہ:۔

نفي علمه عليه الصلوٰة والسلام اذ ذاك بالمفيد لجلب المنافع ودفع المضار التي لا علاقة بينها وبين الاحكام والشرائع وما يعلمه صلى الله عليه وسلم من الغيوب ليس من ذالك النوع وعدم العلم به مما لا يطعن في منصبه الجليل عليه الصلوٰة والسلام۔

(روح المعانی ج ۹ ص ۱۲۱)

یعنی اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے جس علم کی نفی کی گئی ہے وہ ایسا علم ہے جو جلب منافع اور دفع مضار میں مفید ہے اور یہ ایسا علم ہے جس کو احکام اور شرائع سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جن غیوب کو آپ جانتے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں (کیونکہ ان کا تعلق تو احکام و شرائع وغیرہا سے ہے) اور جلب منفعت اور دفع مضرت کے علوم کے نہ حاصل ہونے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصب جلیل پر ہرگز کوئی طعن نہیں آتا۔

حضرات مفسرین کرام رح کی ان عبارت کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ الخیر سے ایمان، عمل اور ایسی دینی و اُخروی خیر جس کا تعلق منصب نبوت سے ہے، ہرگز مراد نہیں ہے کیونکہ اس خیر سے جو حصہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا ہے وہ اور کس کو مل سکتا ہے؟ بلکہ الخیر سے مراد اس آیت میں مال، فتح، تجارت میں نفع اور سرسبز وشاداب زمین اور علاقہ کا علم ہونا وغیرہ اشیاء مراد ہیں اور ان امور کا علم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اخیر زمانۂ حیات تک حاصل نہیں ہوا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کو غیب کا علم حاصل نہیں تھا اور اس عدم علم کی وجہ سے آپ کے منصب رفیع پر کوئی اثر بھی نہیں پڑتا جیسا کہ علامہ آلوسیؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔

اسی طرح اس آیت کریمہ میں السّوٓء کے لفظ سے کفر، شرک، بدعت اور دینی طور پر السّوٓء ہرگز مراد نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے سُوٓء سے تو خدا تعالیٰ کے نیک بندے بھی محفوظ رہتے ہیں چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور معصوم رسول اور صرف رسول ہی نہیں بلکہ امام الانبیاء سرور دو جہاں خاتم النّبیّین محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بلکہ اس مقام پر حسب تصریح حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ (جن کے حوالجات ذکر کر دیے گئے ہیں) السّوٓء سے مراد فقر، فاقہ، ضرر، بھوک، قحط، گرانی اور تجارت وغیرہ میں خسارہ مراد ہے اور اس قسم کے السوء سے تا دمِ زیست جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی محفوظ نہیں رہی، دشمنوں کی طرف سے آپ کا دانت مبارک شہید کرنا چہرہ مبارک کا زخمی کرنا، یہودی کی طرف سے زہر کا دیا جانا (اور آپ کی وفات کا ایک ظاہری سبب یہ بھی تھا۔ مستدرک ج ۳ ص ۲۱۹ علی شرطہما) لبید بن اعصم یہودی کی طرف سے جادو کیا جانا اصحاب بئر معونہ کا واقعہ وغیرہ وغیرہ صحیح واقعات اس السوء کے ثبوت پر شاہد عدل ہیں۔ اور یہی حال آپ کے فقر و فاقہ کا تھا جس کے ثبوت کے لیے اتنا ثبوت ہی کافی ہے کہ جس وقت آپ نے وصال فرمایا تو آپ کی زرہ مبارک چند صاع جَو کے بدلے ایک یہودی کے ہاں رہن رکھی ہوئی تھی (بخاری ج ۱ ص ۲۴۱ ومسلم ج ۲ ص ۳۱) جس کو حضرت ابوبکرؓ نے آپ کی وفات کے بعد چھڑایا تھا اور آپ کے ایک مہمان کے لیے آپ کی جملہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے گھروں سے کھانا مہیا نہ ہو سکا ناچار حضرت ابو طلحہ انصاریؓ نے اس کو ایک لطیف اور قابلِ رشک طریقہ سے کھانا کھلایا تھا۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۲۵) اور مرض الموت میں تین دفعہ مسجدِ نبوی میں جا کر نماز پڑھنے کے لیے اٹھنا اور ہر بار غشی کا طاری ہونا (دیکھئے بخاری ج ۱ ص ۹۵ ومسلم ج ۱ ص ۱۷۷ وغیرہ) اس مسّ سوء کی بیّن دلیل ہے۔ بہر حال یہ حقیقت بالکل ناقابل انکار ہے کہ اخیر زمانۂ حیات تک بھی عدم استکثارِ خیر اور مسّ سوء کے باب میں آپ کا وہی حال رہا جو پہلے تھا۔ پس معلوم ہوا کہ اس آخر وقت تک بھی آپ کو ان غیوب کا پورا علم عطا نہیں فرمایا گیا تھا جو استکثارِ خیر اور اجتناب عن مسّ السّوٓء میں عادتاً موثر ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے

جس کا انکار خالص جہالت اور بے دینی ہے۔ بشرطیکہ ایمان وبصیرت کی دولت حاصل ہو ورنہ صرف نام کے اسلام اور زبانی حق پرستی سے کیا بنتا ہے؟ ؎

تو بے بصر ہو تو یہ مانع نگاہ بھی ہے — وگرنہ آگ ہے مومن، جہاں خس و خاشاک

اس آیت کریمہ میں اَلْخَیْرَ کا مطلب آپ نے مفسرین کرام رح کی زبانی سُن ہی لیا ہے، اب آپ فریق مخالف کی ہرزہ گوئی یا بزعم خود نہایت نفیس تحقیق بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

فریق مخالف کے مجدد اور اعلیٰحضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب اور صدر الافاضل مولوی نعیم الدین صاحب وغیرہ نے جو شگوفے کھلائے ہیں، وہ تو قابل دید ہیں ہی مگر مفتی احمد یار خان صاحب کی بھی سُن لیجئے کہ بڑے میاں تو خیر بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ کیا ارشاد فرماتے ہیں اور قرآن پاک کی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت آیت کو کاٹنے کے لیے (معاذ اللہ تعالیٰ) کس طرح عشق پیچیہ لڑاتے ہیں۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"ہم یہ ترجمہ کر سکتے ہیں کہ غور کر لو اگر میرے پاس خیر ہو اور میں مصیبت سے بچوں تو سمجھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے میرے پاس بہت خیر تو ہے مَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا۔ نیز اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ نیز یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ اور میں مصیبت سے بھی محفوظ کہ رب تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ لہٰذا مجھے علم غیب بھی ہے یہ آیت تو علم غیب کے ثبوت میں ہے نہ کہ انکار میں۔" (بلفظہ جاء الحق ص ۸۸، ۸۹)

الجواب مفتی صاحب! ہوش و حواس کو ٹھکانے میں لا کر خیر سے اُس اَلْخَیْرَ کو پیش نظر رکھئے جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے اور جس کا بیان حضرات مفسرین کرام رح نے مال غلبہ اور تجارت میں نفع وغیرہ سے کیا ہے۔ آپ الخیر کی جس لائن پر چل کر راہ فرار اختیار کر رہے ہیں۔ وہ محل نزاع نہیں ہے۔ اُس الخیر سے جو وافر حصہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے، اس کا کس کو انکار ہے؟ اسی طرح وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ میں جس عصمت اور حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو جان سے کوئی نہیں مار سکتا اور اللہ تعالیٰ اس میں آپ کا محافظ اور نگران ہے۔ اس میں اس کا ذکر نہیں کہ آپ کو کبھی بیماری قحط، فقر اور بھوک وغیرہ سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا، اور نہ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گا اور نہ دانت

مبارک شہید ہوگا۔ اور الخیر کے ان دونوں مفہوموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ فاین الثریٰ من الثریا۔
اور مجاہد تحریف مولوی محمد عمر صاحب کی باری جب آتی ہے تو بقول شخصے "پدر نتواند پسر تمام کند" کے مطابق وہ سب سے بازی لے جاتے ہیں، اور یوں لب کشائی کرتے ہیں کہ اگر بقول کسے آپؐ کو نقصان ہو سکتا ہے اور آپ نقصان دور کرنے کے اہل نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا قائل نہیں کیونکہ رحمت اور زحمت کا اجتماع ایک ذات میں محال ہے اسی واسطے اجتماع نقیضین محال ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقصان کے قائل کی مثال یوں سمجھئے جیسا ایک شخص ایک ہی وقت میں دن کا بھی قائل ہو اور اسی دن کو رات بھی سمجھے۔ لہٰذا مذکورہ بالا آیت سے آپ کی ذات کے واسطے بمشیت الٰہی نفع ہی نفع ثابت ہے الخ (مقیاس حنفیت ص۳۰۶ و ص۳۰۷)
پھر اس کے بعد مولوی محمد عمر صاحب نے اس آیت کو قضیہ شرطیہ بنا کر اور شرط و جزاء کی طرف تحلیل اور تجزیہ کر کے بزعم خود متعدد آیات اور احادیث جن میں کہیں الخیر سے اطاعت خداوندی کہیں بشارت اور کہیں کوئی اور عمل صالح وغیرہ مراد ہے اور اسی طرح السوء سے کہیں بدکاری اور کہیں بُرے اعمال وغیرہ مراد ہیں جن سے بہرحال آپؐ کی ذات گرامی محفوظ رہی ہے، پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ آپ نے چونکہ استکثار خیر کیا اور اجتناب سوء سے موصوف ہے لہٰذا آپ کو علم غیب حاصل ہوا۔ ورنہ قضیہ شرطیہ باطل ہو جائے گا اور اس پر کئی صفحات انہوں نے بلاوجہ سیاہ کر دیے ہیں۔
مگر بے سود، کیونکہ اس مقام پر الخیر اور السوء سے دینی طور پر خیر اور سوء ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ الخیر سے یہاں مال، فتح، اور نفع وغیرہ اور السوء سے فقر و شکست اور خسارہ وغیرہ مراد ہے، کما مر، اعادہ کی ضرورت ہی نہیں ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں)۔

الجواب مولوی محمد عمر صاحب کی یہ تمام خود تراشیدہ منطق باطل اور مردود ہے۔
اولاً اس لیے کہ گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہوا۔ دانت مبارک کا ایک حصہ شہید ہوا، زہر خورانی کا واقعہ پیش آیا اور اس قسم کے متعدد واقعات کتب احادیث میں آتے ہیں مثلاً ایک مرتبہ آپ گھوڑے سے گر پڑے اور آپ کی ٹانگ مبارک زخمی ہو گئی حتیٰ کہ آپ نے نماز بھی بیٹھ کر پڑھی بلکہ پڑھائی بھی (دیکھئے بخاری ج۱ ص۹۶ وغیرہ) یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ دنیوی امور میں آپؐ کو کبھی نقصان نہیں ہوا؟ مولوی محمد عمر صاحب کا تمام حدیثی اور تاریخی صحیح واقعات سے

انکار کرنا ایک کھلی ہوئی جہالت یا خیانت ہے۔

وثانیاً آپ کو نقصان بھی ہوا اور آپ کو اس کے ٹالنے کی قدرت بھی نہ تھی متعدد نصوص قطعیہ اس پر دال ہیں اور خود یہی آیت قُلْ لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ الآیۃ اس کا بیّن ثبوت ہے۔ اگر آیات اور احادیث پر یقین نہیں آتا تو ہم سے مت پوچھیے اپنے ہی ہم مسلک یارِ غار مفتی احمد یار خان صاحب سے پوچھ لیجیے۔ وہ لکھتے ہیں "تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا اس طرح کہ میں اپنی مراد کے واقع کرنے پر قادر ہوتا تو خیر بہت سی جمع کر لیتا" پھر آگے لکھتے ہیں کہ "اور صرف کسی چیز کا جاننا خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لیے کافی نہیں، جب تک کہ خیر کے حاصل کرنے اور مصیبت سے بچنے پر قدرت نہ ہو، الیٰ ان قال تو علم غیب سے وہ علم مراد ہے جو قدرت کے ساتھ ہو یعنی علم ذاتی جو لازم الوہیت ہے جس کے ساتھ قدرت لازم ہے" (ملخصہ۔ جاء الحق صـ۸۸) علم غیب ذاتی کے متعلق مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے اور اشارۃً ابھی مذکور ہوگا۔ مگر اتنی بات تو مفتی احمد یار خان صاحب کو بھی مسلّم ہے کہ آنحضرت صلی تعالیٰ علیہ وسلم کو نقصان کے ٹالنے پر قدرت نہ تھی، وہو المطلوب، اور کیا مولوی محمد عمر صاحب کے نزدیک مفتی احمد یار خان صاحب بھی رحمۃ للعٰلمین ہونے کے منکر ہیں؟ صاف بتانا۔ یہاں تو مفتی صاحب یہ لکھ گئے مگر جاء الحق صـ۱۸۵ ہی میں حضور کے مختارِ کل ثابت کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ سچ ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نباشد"

ثالثاً باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نقصان ہوا اور آپ کو اس کے ٹالنے پر قدرت بھی نہ تھی، معہذا آپ رحمۃٌ للعٰلمین بھی تھے اور اس میں نہ تو رحمت و زحمت کا اجتماع ہے اور نہ اجتماعِ نقیضین ہے (یہ مولوی محمد عمر صاحب ہی کی خوش نصیبی اور نیک بختی ہے کہ انکو اس مقام پر اجتماعِ نقیضین نظر آتا ہے)۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ مفعول لہ ہے اور اس کا اور اسکے فعل کا فاعل ایک ہی ہوتا ہے (دیکھئے متن متین صـ۱۳ وغیرہ) اس لحاظ سے معنی یہ ہونگے۔ کہ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے اس لیے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ ہم اس ارسال کی وجہ سے تمام جہانوں پر رحمت کریں۔ تو یہ رحمت صفتِ خداوندی ہے۔ رحمت خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور نقصان نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچا۔ جب محل ایک نہ رہا تو اجتماعِ نقیضین کہاں سے اور کیسے لازم آیا؟ علاوہ ازیں اگر یہ رحمت بھی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت ہو تو یہ رحمت دینی لحاظ سے ہے اور آپ کو جو نقصان پہنچا وہ دُنیوی اعتبار سے ہوا۔ اور یہ تو منطق کا مسئلہ ہی ہے کہ وبتفاوت الاعتبار یتفاوت الاحکام (سلم العلوم صـ۲۴) کہ اعتبار کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں۔

اور نیز یہ بھی مذکور ہے ۔ لو لا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ ۔ ایضاً کہ اگر اعتبارات کا اعتبار نہ کیا جائے تو حکمت باطل ہو جائے گی۔

ورابعاً مولوی محمد عمر صاحب کے کلام سے یوں مترشح ہوتا ہے کہ یونانی منطق کا یہ جزئیہ کہ اجتماع نقیضین محال ہے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے کئی ہزار سال پہلے بنا ہی اس لیے تھا کہ آپ چونکہ رحمۃ للعلمین ہیں لہٰذا رحمت اور زحمت دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا اور بقول مولوی محمد عمر صاحب اسی واسطے اجتماع نقیضین محال ہے ۔ یہ ہیں وہ علوم عقلیہ جن سے مولوی محمد عمر صاحب کی ذات گرامی موصوف ہے ۔ فَسُبْحَانَ مَنْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ : ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے ۔۔۔ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

رہا فریق مخالف کا یہ کہنا کہ اس آیت میں ذاتی علم غیب کی نفی ہے تو سراسر باطل اور مردود ہے ۔

اولاً اس لیے کہ جن اہل مکہ کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اُن کا سوال علم ذاتی سے ہرگز نہ تھا ۔ بلکہ انہوں نے تو یہ دریافت کیا تھا (جیسا کہ پہلے حضرات مفسرین کرام رح سے باحوالہ نقل کیا جا چکا ہے) کہ الا یخبرك ربك بالسعر الرخیص الخ (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا تیرا پروردگار تجھ کو گرانی سے پہلے ارزانی کی خبر اور اطلاع نہیں دیتا ؟) اور کیا زمین پر قحط نازل ہونے سے پہلے تیرا رب تجھے اس کی اطلاع نہیں دیتا تاکہ آپ اُس کے مطابق عمل کر کے خاطر خواہ نفع حاصل کریں اور نقصانات سے بچ جائیں (ملخصاً) اس سے معلوم ہوا کہ ان مشرکین کا سوال بھی علم عطائی ہی کے متعلق تھا ذاتی کا سوال نہ تھا ورنہ یہ سوال از آسمان اور جواب از ریسمان کا مصداق ہوگا ۔

وثانیاً اس عالم اسباب میں صرف اسباب جلب منفعت اور دفع مضرت کا معلوم ہونا کافی ہے یہ لازم اور ضروری نہیں کہ علم ذاتی ہو ۔ ایک سلیم الطبع اور صاحب عقل کو زہر کی مضرت سے بچنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس کو یہ بات معلوم ہو کہ یہ زہر ہے اور اس کے کھانے کا نتیجہ ہلاکت ہے ۔ اسی طرح شہد کے منافع کا مطلق علم اس کو درکار ہے علم ذاتی کی ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی احمق یہ جانتے ہوئے بھی زہر کھالے کہ مجھے تو اس کے نقصان کا ذاتی علم نہیں بلکہ کسی کا بتلایا ہوا ہے تو ایسے بیوقوف اور احمق کا دنیا میں کیا علاج ہو سکتا ہے ؟ ہاں اگر بروقت علاج کرے تو شائد کہ مفید ہو ورنہ بے سود ؎

علاج نفس ظالم زود ہنگام جوانی کن ۔۔۔ کہ ایں مار سیاہ چوں پیر گرددا اژدھا گردد

چھٹی آیت

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:-

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِىْ مَا يُفْعَلُ بِىْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَىَّ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○

(پ ۲۶- الاحقاف- رکوع ۱)

اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں آیا اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا پیش آئے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائیگا۔ میں تو صرف اسی راہ پر چلتا ہوں جس کا مجھے حکم آیا اور میرا کام تو ڈر سنانا ہے کھول کر۔

یعنی میری باتوں سے تم اس قدر کیوں بدکتے ہو؟ میں کوئی نئی اور انوکھی چیز لے کر نہیں آیا مجھ سے پہلے بھی دنیا میں سلسلۂ نبوت و رسالت جاری رہا ہے، اُن سب رسولوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ وہی کچھ میں کہتا ہوں جو ان سب نے کہا باقی مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا مال میرا کام صرف وحی الٰہی کا اتباع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا اور کفر و عصیان کے سخت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کر دینا ہے۔

اس آیت کریمہ سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ جو جو واقعات جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور قوم سے پیش آنے تھے آپ کو اُن کا علم اور درایت نہ تھی، اگر آپ کو علم غیب ہوتا اور آپ جمیع ماکان و ما یکون کے عالم ہوتے تو آپ کو ضرور ان حوادثات اور واقعات کی تفصیل معلوم ہوتی حضرت ام العلاء الانصاریۃ رضہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

واللہ لا ادری و اللہ لا ادری وانا رسول اللہ مایفعل بی ولا بکم (رواہ البخاری ج ۲ ص ۱۰۲۹، وصاحب المشکوۃ ج ۲ ص ۵۶۷ واللفظ لہ)

خدا کی قسم میں نہیں جانتا، خدا کی قسم میں نہیں جانتا، حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

مایفعل بی ولا بکم سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات مفسرین کرام رہ سے (جن میں حضرت ابن عباس رض، حضرت عکرمہ رح، حضرت حسن رح اور حضرت قتادہ رح وغیرہ کا نام بھی آیا ہے) یہ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلے آخرت میں اپنی نجات کا علم نہ تھا حتیٰ کہ سورۃ الفتح نازل ہوئی اور اس میں لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کا ارشاد نازل ہوا تو آپ کو اپنی نجات کا علم ہوا اور یہ آیت منسوخ ہوگئی اور اسی پر فریق مخالف کے اعلیحضرت نے انباء المصطفےٰ

ص۹۱،۹۵ وغیرہ میں اور مفتی احمد یار خان صاحب نے جاء الحق ص۹۷،۹۸ میں اور مولوی محمد عمر صاحب نے مقیاس حنفیت ص۳۹۵ میں زور دیا ہے اور دیگر اہل بدعت حضرات نے بھی یہی کچھ کہا ہے۔

الجواب اگرچہ اس آیت کے منسوخ ہونے کے متعلق بعض مفسرین کرام ؒ نے دعوی کیا ہے مگر اس میں چند وجوہ سے کلام ہے:۔

اوّل اس لیے کہ نص قرآنی میں وما ادری ما یفعل بی ولا بکم خبر ہے اور خبر میں نسخ جائز نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ فاما الاخبار فلا یکون فیہا ناسخ ولا منسوخ۔ (ابن کثیر ج ۱ ص۱۴۹) "اخبار میں ناسخ ومنسوخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ھذا خبر لا یجوز نسخہ (تفسیر ج ۱ ص۵۲۷) "یہ خبر ہے اور اس میں نسخ جائز نہیں ہے"۔

اور شیخ احمد المدعو بہ ملا جیونؒ نسخ اور النساء کا فرق نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وبعضهم على ان النسخ لا يكون الا فى الامر والنهى دون الخبر (تفسیرات احمدیہ ص۱۰)

کہ بعض نے کہا کہ نسخ امر اور نہی میں ہوتا ہے خبر میں نہیں ہوتا۔

اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔ "نسخ در اخبار نیست زیرا کہ وقوع آں خلاف خبر مخبر صادق غیر متصور است" بلفظہ (افادۃ الشیوخ ص۵)

اور علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:۔ "خبر اور وعد و وعید میں نسخ کا وقوع نہیں ہوتا" (اتقان ج ۲ ص۲۱)

اور حضرت ملا علی ن القاریؒ حضرت ام العلاء الانصاریہ رضؓ کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

قلت وفيه ان النسخ على تقرير صحة تاخير الناسخ انما يكون فى الاحكام لا فى الاخبار (مرقات ہامش مشکوٰۃ ج ۲ ص۴۵۱)

میں کہتا ہوں کہ اس میں کلام ہے اس لیے کہ باوجود تاخیر ناسخ کے صحیح ہونے کے نسخ کا وقوع احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نسخ کا وقوع نہیں ہوتا۔

اور فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت خان صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ "اور اخبار کا نسخ ناممکن" (بلفظہ انباء المصطفیٰ ص۴)

اور یہی کچھ مولوی ابو البرکات سید احمد صاحب کہتے ہیں کہ:۔ "اس لیے کہ اخبار کا نسخ ناممکن ہے" (بلفظہ روئداد مناظرہ تلون ص۵)

ان تمام اقتباسات سے معلوم ہوا کہ خبر میں نسخ کا وقوع جائز نہیں ہے بلکہ بقول خانصاحب یہ ناممکن ہے، اور لا ادری الآیۃ خبر ہے لہذا اس کا نسخ کیسے؟

مفتی احمد یار خان صاحب کا ارشاد

مفتی صاحب نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ :۔ اگر کوئی کہے کہ آیت لَا اَدْرِیْ خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہو سکتی تو اس کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ بہت سے علماء نسخ خبر جائز کہتے ہیں جیسے وَاِنْ تُبْدُوْا الآیۃ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا سے منسوخ ہے اِلٰی ان قال دوسرے یہ کہ یہاں گویا فرمایا گیا قُلْ لَا اَدْرِیْ اور قُلْ امر ہے نسخ کا تعلق اسی سے ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض آیات صورت میں خبر اور معنیٰ میں حکم ہے جیسے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ یا لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ وغیرہ ان جیسی خبروں کا نسخ جائز ہے۔ چوتھے یہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ ان تفاسیر و احادیث پر ہے جن سے نسخ ثابت ہے۔ (بلفظہ جاء الحق صد ۹۸)

الجواب

مفتی صاحب کے یہ جوابات بچند وجوہ باطل ہیں۔ اولاً تو اس لیے کہ علماء کے ذمہ یہ الزام کہ وہ مطلقاً خبر کے نسخ کو جائز کہتے ہیں، بالکل بے بنیاد ہے، کیونکہ علماء نے اس کی تفصیل کی ہے کہ اگر وعید یا حکم وغیرہ کی صورت میں خبر ہو تو اس کا نسخ جائز ہے اور خبر بحیثیت خبر کا نسخ جائز نہیں ہے اور لَا اَدْرِیْ خالص خبر ہے، لہٰذا اس کا نسخ کسی صورت میں صحیح نہیں ہوگا، رہا وَاِنْ تُبْدُوْا الآیۃ سے استدلال تو ہرگز صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرات مفسرین کرام رح کا ایک جمّ غفیر اس کو منسوخ تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ امام بغوی رح اور علامہ خازن رح وغیرہ لکھتے ہیں کہ:۔

وقال بعضہم الآیۃ (وَاِنْ تُبْدُوْا الآیۃ) غیر منسوخۃ لان النسخ لا یرد علی الاخبار انما یرد علی الامر و النہی وقولہ یحاسبکم بہ اللّٰہ خبر لا یرد علیہ النسخ (معالم التنزیل ج ۱ صہ ۲۰۲ و خازن ج ۱ صہ ۲۰۸)

اور بعض حضرات مفسرین کرام رح فرماتے ہیں کہ آیت وَاِنْ تُبْدُوْا الخ منسوخ نہیں ہے کیونکہ نسخ کا وقوع اخبار میں نہیں ہوتا، بلکہ نسخ کا وقوع تو امر اور نہی میں ہوتا ہے اور یحاسبکم بہ اللّٰہ خبر ہے اس میں بھلا نسخ کیونکر صحیح ہے؟

اور علامہ نسفی الحنفی رح اسی آیت وَاِنْ تُبْدُوْا الآیۃ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

والمحققون علی ان النسخ یکون فی الاحکام لا فی الاخبار۔ (مدارک ج ۱ صہ ۱۴۴)

محققین علماء کا یہ مسلک ہے کہ نسخ کا وقوع احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نہیں ہوتا۔

باقی جن حضرات مفسرین کرام رح نے اس آیت کے منسوخ ہونے کا ادعاء کیا ہے تو وہ اور قاعدہ پر مبنی ہے، جمہور علماء کرام کا یہ مسلک ہے کہ جب خبر کسی حکم یا وعید یا تکلیف پر مشتمل ہو تو اس کا نسخ جائز ہے۔ ابو علی اور ابو ہاشم وغیرہ اس کے بھی منکر ہیں۔ (ملاحظہ ہو افادۃ الشیوخ صہ ۶) اور چونکہ

یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللهُ اگرچہ خبر ہے مگر از قسم وعید اور تکلیف ہے، اس لیے اس میں اس اعتبار سے نسخ جائز ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خبر من حیث الخبر کو وہ مورد نسخ قرار دیتے ہیں اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اہل بدعت حضرات کو جو بدعات و رسوم کے پابند و محکوم ہیں ان غامض اور دقیق مباحث میں بصیرت حاصل نہ ہو مگر اس میں علم اور علماء کا کیا قصور کیا ہے؟ ؎

آزاد کی دولت دل روشن نفس گرم ... محکوم کا سرمایہ فقط دیدۂ نمناک

قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفی رح آیت مَا یُفْعَلُ بِیْ الآیۃ کی تفسیر میں نسخ کا قول نقل کرکے ارقام فرماتے ہیں کہ۔

وهذا القول عندي غير مرضي الى ان قال وقوله لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ الآية بعد بضع عشر سنة تاخير للبيان عن الحاجة وذالك محال۔

(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۹۶)

اس آیت کے منسوخ ہونے کا قول میرے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ پھر آگے ارشاد فرمایا کہ یہ اس لیے کہ لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ الآیۃ کا دس سال سے زیادہ عرصہ گذر چکنے کے بعد نزول (جس میں نجات اُخروی کا ذکر ہے۔) اس پر مبنی ہے کہ وقت ضرورت سے بیان مؤخر ہوا اور یہ محال ہے۔

حضرت قاضی صاحب رح کی یہ عبارت اس امر کو بالکل واضح کرتی ہے کہ کئی سال گذر چکنے پر بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی اور مؤمنین کی نجاتِ اُخروی کا علم نہ ہونا یقیناً محال ہے اور اس لیے نسخ کا یہ قول قابلِ التفات ہی نہیں ہے اور نہ یہ پسندیدہ ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں تنقیصِ شان کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) کہ سالہا سال تک آپ کو اپنی نجات کا علم بھی نہ تھا تو پھر آپ لوگوں کو کس چیز کی دعوت دیتے تھے؟ مگر فریقِ مخالف کو اپنے باطل عقیدہ کے اثبات کے لیے اسی میں توقیر نظر آتی ہے۔

سچ ہے فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ ؎

ہر سینہ نشیمن نہیں جبریلِ امیں کا ... ہر فکر نہیں طائر فردوس کا صیاد

وثانیاً [۲] مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ متنازع فیہ جملہ لا ادری الآیۃ کا ہے، لفظ قُل کا نہیں ہے جو امر ہے۔ کلام کے سمجھنے کا سلیقہ بھی درکار ہے کہ یہاں بات قُل کے مقولہ میں ہو رہی ہے۔ قُل میں نہیں ہو رہی۔

وثالثاً [۳] جملہ لا ادری صورت میں بھی خبر ہے اور معنیٰ میں بھی خبر ہے۔ یہ خبر کسی حکم کو متضمن نہیں ہے

جیسا کہ مفتی صاحب نے ٹھوکر کھائی یا مغالطہ دینے کی ناکام سعی کی ہے۔

ورابعاً۔ مفتی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ تفاسیر اور احادیث پر اعتراض ہے جس سے نسخ ثابت ہے۔ یہ بھی مفتی صاحب کی نری خوش فہمی ہے۔ حدیث تو اس بارے میں ایک بھی موجود نہیں ہے چہ جائیکہ احادیث باقی موقوفات حضرات صحابہ رضؓ و تابعینؒ کا نام اگر ان کے نزدیک عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے حدیث ہے تو لا مشاحۃ فی الاصطلاح۔ علاوہ ازیں حضرت ابنِ عباسؓ وغیرہ کی روایت اس کے خلاف بھی آرہی ہے۔ پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ہمارا اعتراض آپ پر ہو یا حضرات مفسرین کرام کے ایک غیر معصوم نظریہ پر، ہمارا مدعیٰ تو بہر حال ثابت ہے اور تمہارا استدلال باطل ہے کما لا یخفی مگر دینی نگاہ بلند ہو تو تب حقیقت آشکارا ہوگی۔ ؎

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پرسوز　　　یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

دوم اس لیے کہ نسخ کا قول اس بات پر مبنی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلے اپنی نجاتِ اُخروی کا علم نہ تھا جب سورۃ فتح نازل ہوئی تو پھر یہ علم ہوا اور مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ مغفرت کی خبر آپ کو حدیبیہ کے سال دی گئی تو یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ (بلفظہ جاء الحق ص۹۸) اور حدیبیہ کا معاملہ ۶ھ میں پیش آیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت کے بعد انیس ۱۹ سال تک (تیرہ سال بعد از نبوت مکی زندگی میں اور چھ سال مدنی زندگی میں، کیونکہ معاہدہ حدیبیہ ذوالقعدہ ۶ھ میں ہوا تھا) اپنی اخروی نجات کا علم نہیں تھا (معاذ اللہ تعالیٰ) اگر آپ کو اپنی نجات اور مغفرت کا علم نہ تھا اور اپنی اخروی فلاح کا یقین نہ تھا تو آپ لوگوں کو کس فلاح کی دعوت دیتے تھے؟ فریقِ مخالف سینہ پر ہاتھ رکھ کر انصاف سے یہ کہے (اگر ان کے نزدیک انصاف و دیانت کسی چیز کا نام ہے) کہ کیا ایسا نظریہ رکھنے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین تو نہ ہوگی؟ اور بتلائیے کہ یہ کس کے ایمان پر رجسٹری ہوگی اور کس کا ایمان کامل ہوگا؟ لوگوں کو توہین و تحقیر کا طعن دینے والو ذرا اپنے گھر کی خبر بھی تو لو کہ یہ کیا راز ہے؟ ؎

راز ہے رازِ ہے تقدیرِ جہانِ تگ و تاز　　　جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

ہمارا یہ ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس دن نبوت عطا ہوئی تھی، اسی دن آپ کو اپنی اُخروی نجات کا علم تھا، یہ وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کو اُنیس ۱۹ سال بعد از نبوت اپنی اُخروی

نجات کا علم ہی نہ تھا۔ باقی صحیح دلائل کی موجودگی میں غیر معصوم ہستیوں کی لغزشوں اور خطاؤں کو چن چن کر اپنا سہارا بنانا فریقِ مخالف ہی کو زیب دیتا ہے، کیونکہ وہ ایسے ہوائی قلعہ میں پناہ لینے کے اور تارِ عنکبوت میں پناہ لینے کے عادی ہیں اگرچہ ان کی اس کارروائی سے داعیانِ توحید و حق کا خون ہی کیوں نہ ہوتا ہو جس کی تلافی وہ اکثر عشق و محبت کے جھوٹے دعوؤں سے کرتے رہتے ہیں ؎

خون بہا کی ہے عبث فکر مرے قتل کے بعد   اب دعا کیجئے کیا فائدہ گھبرانے سے

سوم :- اس آیت کا صحیح مفہوم اور مطلب ہی صرف یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم دنیاوی اُمور کے متعلق یہ فرماتے ہیں لَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آئیں گے اور تمہارے ساتھ کیا کیا پیش آئیں گے۔ چنانچہ متعدد تفاسیر کے حوالے اس پر موجود ہیں مگر ہم صرف چند حوالجات ہی اس پر عرض کرتے ہیں جن میں ایک حوالہ تفسیر ابن کثیر کا ہوگا اور یہ وہی تفسیر ہے جس سے نسخ کا ذکر تو مفیدِ مطلب سمجھتے ہوئے مولوی محمد عمر صاحب (دیکھئے مقیاس ص ۳۹۵) وغیرہ نے نقل کر دیا ہے مگر اس عبارت کو ولایتی کھانڈ سمجھ کر پھانک گئے ہیں ممکن ہے کہ اس کو انہوں نے سفوف ملین ہی سمجھ رکھا ہو۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ :-

وقال الضحاك وما ادری ما يفعل بی ولا بكم۔ ای ما ادری بماذا اُؤمر وبماذا اُنهی بعد هٰذا ؟ وقال ابوبكر الهذلی ؒ عن الحسن البصری فی قوله تعالیٰ وما ادری ما يفعل بی ولا بكم قال اما فی الاٰخرة فمعاذ الله وقد علم انه فی الجنة ولكن قال لا ادری ما يفعل بی ولا بكم فی الدنيا اخرج كما اخرجت الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام من قبلی ؟ ام اقتل كما	حضرت ضحاکؒ نے فرمایا کہ ما ادری ما یفعل بی ولا بکم کا یہ مطلب ہے کہ میں یہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد مجھے کس چیز کا حکم دیا جائے گا اور میں کس چیز سے منع کیا جاؤں گا ؟ ابوبکر الہذلیؒ حضرت حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ معاذ اللہ تعالیٰ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہو کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کو اُخروی نجات کا علم نہ تھا آپ کو یہ معلوم تھا کہ آپ جنت میں جائیں گے لیکن آپ نے یہ فرمایا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ دُنیا میں میرے ساتھ کیا پیش آئے گا، کیا میں ملک سے نکال دیا جاؤں گا جیسے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نکالے گئے ؟ یا قتل کیا جاؤں گا جیسے کہ پہلے

قتلت الانبیاء من قبلی؟ ولا ادری ایخسف بکم او ترمون بالحجارۃ؟ وھٰذا القول ھو الّذی عوّل علیه ابن جریر وانه لا یجوز غیرہ ولا شك ان ھٰذا ھو اللائق به صلی اللّٰه علیه وسلم فانه بالنسبة الی الاٰخرۃ جازم انه یصیر الی الجنّة ھو ومن اتبعه، واما فی الدّنیا فلم یدرما کان یؤل الیه امرہ و امر مشرکی قریش الی ماذا؟ ایؤمنون ام یکفرون فیعذبون فیستاصلون بکفرھم (بلفظہ)

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۵۵)

بہت سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قتل کئے گئے؟ اور میں یہ نہیں جانتا کہ کیا تمہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا یا تم پر پتھر برسائے جائیں گے؟ اور اسی قول پر امام ابن جریرؒ نے اعتماد کیا ہے، اور یہ کہ اس کے بغیر اور کوئی قول جائز ہی نہیں اور کوئی شک نہیں کہ یہی آنحضرت صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ رفیع کے لائق ہے کیونکہ آخرت کے بارے میں تو آپ کو یقین تھا کہ آپ بھی اور آپ کے پیرو کار بھی جنّت میں جائیں گے ہاں البتہ دُنیاوی اُمور کا علم آپ کو نہ تھا کہ آپ کا انجام کیا ہوگا؟ اور مشرکین مکّہ کا کیا حشر ہوگا؟ کیا وہ ایمان لائیں گے یا کفر کریں گے اور عذاب میں مبتلا کر کے ان کا استیصال کر دیا جائیگا۔

حافظ ابنِ کثیرؒ کی یہ عبارت ہر ایک منصف مزاج آدمی کے لیے حجّتِ قاطعہ ہے کہ اس آیت سے مراد نجاتِ اُخروی نہیں بلکہ اُمورِ دنیوی مراد ہیں اور حضرت ملا علی ن القاریؒ فرماتے ہیں کہ لا ادری الخ امور دنیوی کے ساتھ مخصوص ہے، اور پھر امورِ دنیوی کی یہ تفسیر کی ہے کہ:۔

والمراد من الامور الدنیویة بالنسبة الیه صلی اللّٰه علیه وسلّم ھی الجوع والعطش والشبع والری والمرض والصحة والفقر والغنی وکذا حال الامة وقیل المعنی اخرج من بلدی ام اقتل کما فعل بالانبیاء من قبلی او ترمون بالحجارۃ ام یخسف بکم کالمکذبین من قبلکم والحاصل انه

اُمورِ دُنیوی سے آنحضرت صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور آپ کی اُمّت کے حق میں بھوک، پیاس، سیر شکمی، سیرابی، مرض، صحت فقر اور غنی (وغیرہ) مراد ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُمورِ دُنیوی سے مراد یہ ہے کہ کیا میں اس طرح شہر بدر کیا جاؤں گا جیسا کہ مجھ سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسلام شہر بدر کئے جاتے رہے، یا قتل کیا جاؤں گا جیسا کہ مجھ سے پہلے پیغمبر قتل کیے جاتے رہے اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تم سابق مکذّبین کی طرح زمین میں خسف کیے جاؤ گے یا تم پر پتھر برسائے جائیں گے اور حاصل یہ ہے کہ آنحضرت

يريد نفي علم الغيب عن نفسه وانه ليس بمطلع عليه وانه غير واقف ولا مطلع على المقدر له ولغيره والمكنون من امره وامر غيره لا انه متردد في امره غير متيقن بنجاة لما صح من الاحاديث الدالة على خلاف ذالك (بلفظه۔)

(مرقات هامش مشكوٰة ج۲ ص۴۵۶)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم لَو ادری فرما کر اپنی ذات مبارک سے علمِ غیب کی نفی کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ آپ غیب پر مطلع نہیں ہیں اور اسی طرح جو آپ کیلئے اور دوسروں کے لیے مقدّر ہے آپ اس پر بھی آگاہ نہیں ہیں یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ آپ کو اپنی نجات کے بارے میں تردّد تھا اور اس کا آپ کو یقین نہیں تھا (حاشا وکلّا) کیونکہ صحیح احادیث سے اس کے خلاف ثابت ہو چکا ہے کہ آپکو نجاتِ اُخروی کا کامل یقین تھا۔

امام بغوی رح فرماتے ہیں کہ:

وقال جماعة قوله مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ فِي الدُّنْيَا واما في الآخرة فقد علم انه في الجنة وان من كفر به فهو في النار ثم اختلفوا فيه فقال ابن عباس رض لما اشتد البلاء باصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما يرى النائم وهو بمكة ارضاً ذات سباخ ونخل رفعت له يهاجر اليها فقال له اصحابه متى تهاجر الى الارض التي اريت فسكت فانزل الله تعالى هذه الآية وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ اترك في مكاني ام اخرج

ایک بڑی جماعت نے یہ کہا ہے کہ مَا اَدْرِیْ الخ کی آیت اُمور دنیوی کے بارے میں ہے، رہی آخرت تو اس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم تھا کہ آپ جنت میں اور آپکو جھٹلانے والے دوزخ میں جائینگے، پھر ان دنیوی اُمور کی تفصیل میں بھی اختلاف ہے حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ رض پر مصائب کا ہجوم ہوا تو حضور نے مکہ مکرمہ میں خواب دیکھا کہ آپکے سامنے ایک ایسی زمین پیش کی گئی ہے جس میں شور اور بکثرت کھجوریں تھیں (جو مدینہ طیبہ کی زمین تھی) آپ سے حضرات صحابہ رض نے دریافت کیا کہ آپ کب اُس سرزمین کی طرف ہجرت کریں گے تو آپ خاموش رہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ فرما دیجئے کہ مجھے معلوم نہیں میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟ یعنی کیا میں اور تم اس جگہ میں چھوڑ دیے جائیں گے یا جو زمین خواب میں دکھائی گئی ہے وہاں کی طرف ہجرت کا حکم دیا جائے گا؟ اور بعض حضرات مفسرین کرام رح یہ فرماتے ہیں کہ

انا وایاکم الی الارض التی رفعت لی وقال بعضهم وما ادری مایفعل بی ولا بکم الی ماذا یصیر امری وامرکم فی الدنیا اما انا فاخرج کما اخرجت الانبیاء من قبلی وانتم ایها المصدقون لا ادری تخرجون معی ام تترکون ام ماذا یفعل بکم ولا ادری ماذا یفعل بکم ایها المکذبون اترمون بالحجارۃ من السماء ام یخسف بکم ام ای شیٔ یفعل بکم کما فعل بالامم المکذبۃ اھ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۵۹ تا ۱۶۰)

ما ادری الخ کا مطلب یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرے لئے تمہارے معاملہ کا دنیا میں انجام کیا ہوگا؟ کیا میں شہر سے نکالا جاؤں گا جیسا کہ مجھ سے پہلے رسول نکالے گئے؟ یا میں قتل کیا جاؤں گا جیسا کہ مجھ سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قتل کیے گئے اور میری تصدیق کرنے والو میں تمہارے متعلق بھی نہیں جانتا کہ کیا تم میرے ساتھ نکالے جاؤ گے یا پیچھے چھوڑ دیے جاؤ گے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا؟ اور اے میری تکذیب کرنے والو، میں تمہارے متعلق بھی نہیں جانتا کہ کیا تم پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے یا تمہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور عذاب آئے گا۔ جیسا کہ پہلے جھٹلانے والوں پر آیا تھا؟

اس عبارت سے ایک تو یہ بات بصراحت معلوم ہوئی کہ حضرات مفسرین کرام کی ایک بہت بڑی جماعت کے نزدیک یہ آیت امورِ دنیوی سے متعلق ہے، نجات وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا یہ آیت کسی طرح منسوخ نہیں ہوگی، اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ حضرت ابن عباسؓ سے نسخ کی روایت کے علاوہ یہ بھی مروی ہے کہ اس آیت کا نزول ہجرت کے مقام کے متعلق حضرات صحابہ کرامؓ کا سوال تھا اور یہ ظاہر ہے کہ ہجرت اسی دنیا کے اندر مدینہ طیبہ میں ہوئی، کوئی معقول وجہ پیش نہیں کی جا سکتی کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو جو نقلی اور عقلی دلائل سے مؤید ہے ترک کر کے ان کی اس روایت کو ترجیح دی جائے جس کی تائید میں عقلی اور نقلی دلائل مفقود ہیں، جس میں تعظیم اور توقیر رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا پہلو بھی عنقا ہے اور جس پر بلاوجہ فریقِ مخالف زور دے رہا ہے۔ نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کیا حضرت ابن عباسؓ کی طرف یہ نسبت کسی صحیح سند سے ثابت بھی ہے یا یہ محض دلِ مضطرب کو دلاسا دیا جا رہا ہے؟ ؎

عجب دیا اس نے دلاسا شب کو وقتِ اضطراب
دل کی وہ بیتابیاں سب راحتِ جاں ہو گئیں

الحاصل قرآن کریم کی آیت اور اسی طرح حضرت ام العلاء الانصاریہؓ کی صحیح حدیث نہ تو منسوخ ہے اور نہ اس کی مراد یہ ہے کہ آپ کو اپنی اُخروی نجات کا علم نہ تھا، حاشا وکلا ثم حاشا وکلا بلکہ اس سے علمِ غیب کی نفی اور امورِ دنیوی کے بارے میں لاعلمی مراد ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ امورِ دنیوی سے نہ تو آپ کا کوئی لگاؤ تھا اور نہ ان کا علم تھا اور نہ ان سے لاعلمی سے آپؐ کی شانِ رفیع پر کوئی حرف آتا ہے بلکہ ان دُنیوی امور کا نہ جاننا ہی آپ کا کمال سمجھا جاتا ہے جیسا کہ سید آلوسی الحنفیؒ وغیرہ سے نقل کیا جا چکا ہے۔

چہارم اگر ولا ادری ما یفعل بی ولا بکم سے آخرت ہی مراد ہو تو اس درایت سے تفصیلی درایت مراد ہوگی۔ چنانچہ حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ :-

ان یکون نفیا للدرایۃ المفصلۃ دون المجملۃ قلت ھذا ھو الصحیح۔ (مرقات ہامش مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۶۴ و مثلہ فی ہامش بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۹)

اس لا ادری میں درایت مفصلہ کی نفی ہے درایت مجملہ کی نفی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہی بات صحیح ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ :-

ومع ذالك ما ادری تفصیلاً ما یفعل بی ولا بکم فی جزاء کل عمل مخصوص۔ (مظہری ج ۸ ص ۳۹۷)

اس (اجمالی جزاء کے علم کے) باوجود میں تفصیلاً نہیں جانتا کہ ہر ایک عمل مخصوص کی جزاء کے سلسلہ میں میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔

درایت مفصلہ کا یہ مطلب لینا چاہیئے کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نجات کا یقین کامل تھا مگر حشر میں آپ سے کیا کیا جزئی اور تفصیلی واقعات پیش آئیں گے اور اسی طرح جنت کی ابدی زندگی میں جو ابد الآباد تک قائم رہے گی کیا کیا اور کس کس نوعیت اور مقدار کی نعمتیں آپ کو دی جائیں گی اور اسی طرح جو جو حالات دوسرے لوگوں سے پیش آئیں گے، اس مفصل درایت اور علم کی نفی ہے نہ کہ نفس نجات کی کیونکہ وہ تو یقینی تھی اور اس کے متعلق آپ کا علم بھی یقینی تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود آیت کریمہ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ سے جنت کی غیر محدود و لامتناہی نعمتوں پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولم یخطر علی قلب بشر ولا یعلمہ ملك مقرب ولا نبی مرسل

ان کو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خطرہ گزرا، اور اُن کو نہ تو کوئی

(ابن ابی شیبہ۔ طبرانی۔ ابن جریر۔ درمنثور ج ۵ ص ۱۸۱) مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔

اور مستدرک میں ان کی روایت یوں آتی ہے کہ:۔

ولا یعلمہ نبی مرسل ولا ملك مقرب (مستدرک ج ۲ ص ۴۱۴ قال الحاکم و الذہبی صحیح) نہ تو ان کو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ فرشتہ مقرب۔

اور علامہ بیضاوی رح لکھتے ہیں کہ:۔

فلا تعلم نفس لا ملك مقرب ولا نبی مرسل (بیضاوی ج ۲ ص ۱۵۸) نہ تو ان کو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ نبی مرسل جانتا ہے۔

اور علامہ ابوالسعود رح لکھتے ہیں کہ:۔

فلا تعلم نفس من النفوس لا ملك مقرب ولا نبی مرسل (ابوالسعود ج ۷ ص ۳۱۰) ان نعمتوں کو نفوس میں سے کوئی نفس نہیں جانتا، نہ تو کوئی مقرب فرشتہ اور نہ نبی مرسل۔

اور علامہ نسفی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ:۔

لا یعلم احدٌ ما اُعِدَّ لھٰؤلاء من الکرامۃ (مدارک ج ۲ ص ۲۲۲) کوئی بھی ان خاص مخفی انعامات کو نہیں جانتا جو عباد صالحین کے لیے تیار کئے گئے ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں کہ:۔

ای فلا یعلم احد عظمۃ ما اخفی اللہ لھم فی الجنات من النعیم المقیم واللذات التی لم یطلع علی مثلہ احد (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۶۳) یعنی کوئی بھی ان دائمی لذات اور نعمتوں کی عظمت کو نہیں جانتا جو اللہ تعالیٰ نے جنت کے اندر اپنے بندوں کے لیے چھپا رکھی ہیں کیونکہ ان پر کسی کو اطلاع نہیں دی گئی۔

اور یہی کچھ حافظ ابن تیمیہ رح نے شرح حدیث النزول ص ۱۳ طبع امرتسر میں لکھا ہے لا یعلمہ ملك مقرب ولا نبی مرسل الخ۔

اور قیامت کے بعد کے تمام واقعات کے علم کا دعوےٰ فریق مخالف کو بھی نہیں ہے۔ چنانچہ خانصاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات جملہ ماکان ومایکون الیٰ یوم القیمۃ جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا۔" (انباء المصطفےٰ ص ۱)

اور الدولۃ المکیۃ صد ۲۳۳ میں لکھتے ہیں کہ:۔

کل کائن من اول یوم الی الیوم الآخر بل الی دخول اھل الدارین منازلھم۔ وھو المعبر عنہ بماکان ومایکون	تمام وہ باتیں جو روزِ اول سے روزِ آخر تک ہونے والی ہیں بلکہ اہل جنت کے داخلۂ جنت اور اہلِ نار کے داخلۂ نار تک کے واقعات کو ماکان ومایکون سے تعبیر کیا جاتا ہے

یعنی اہل جنت اور اہلِ نار کے جنت اور دوزخ میں اپنی اپنی منزلوں پر پہنچنے کے بعد کا علم ماکان و مایکون سے خارج ہے۔ وھو المطلوب۔

اور مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعوے نہیں کرتے"۔ (بلفظہٖ۔ جاء الحق صد ۹۰)

اِن تمام عبارت کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ بالکل روزِ روشن کی طرح سامنے آجاتا ہے کہ اگر آیت اور حدیث سے مراد اُمورِ اُخروی بھی ہوں تو نفس مغفرت اور نفسِ نجات اس سے ہرگز مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تو ایک یقینی امر ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اُمورِ اُخروی کی پوری تفصیلات اور بعد از قیامت اہلِ جنت کے لیے بے انتہا نعمتوں اور اہلِ نار کے مکمل حالات کا علم آپ کو حاصل نہ تھا اور یہ آیت اور حدیث بھی صرف یہی بتلا رہی ہے اور اس معنی میں فریقِ مخالف کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا جیسا کہ آپ نے ان کی عبارات سے ملاحظہ کر لیا ہے اور جنت کی اِن نعمتوں کے لیے ہر مسلمان کے دل میں صحیح تڑپ ہونی چاہیئے اگرچہ فساق و فجار کی ان رکاوٹوں کا جو انہوں نے جنت کے حصول کے راستے میں کھڑی کر رکھی ہیں بیان نہیں ہو سکتا ہے

زباں بے دِل ہے اور دِل بے زباں ہے ہائے مجبوری!
بیاں میں کس طرح آئے کہ جو دِل پر گذرتی ہے؟

پنجم[۵]: اگر فریقِ مخالف کا یہ جواب صحیح ہے کہ سنہ ۶ ھ تک جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نجات اور فلاح کا علم بھی نہ تھا (معاذ اللہ تعالیٰ) تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ آپ کو سنہ ۶ ھ تک علم غیب حاصل نہ تھا اور نہ جمیع ماکان ومایکون کے آپ عالم تھے۔ کیونکہ پہلے گذر چکا ہے کہ فریق مخالف کے نزدیک اہلِ جنت کے داخلۂ جنت تک اور اہل نار کے داخلۂ نار تک کا کُل علم ماکان ومایکون میں داخل ہے اور جب آپ کو انیس[۱۹] سال تک بعد از نبوت اپنی نجات کا بھی علم نہیں تھا اور اسی طرح والدین کی قوم کی نجات اور فلاح کا علم بھی نہیں تھا، تو مولوی احمد رضا خان صاحب، مولوی نعیم الدین صاحب

مولوی محمد صالح صاحب مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کو دیانت اور انصاف کے ساتھ (بشرطیکہ وہ دیانت اور انصاف کو سمجھیں اور پھر ملحوظ بھی رکھیں) سلہ ھ سے قبل کی نازل شدہ آیات اور پہلے کی وارد شدہ احادیث سے ہرگز اپنے مزعوم دعوائے علم غیب پر استدلال کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ سنہ ھ تک تو آپ کو ان کے خیال کے مطابق اپنی اور قوم کی نجات اور فلاح ہی کا علم نہیں تھا اور یہ ماکان ومایکون میں داخل ہے اور اگر پہلے کی آیات (جن میں مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ مَاكَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ وغیرہ وغیرہ آیات اور ہذا مصرع فلان غداً وغیرہ وغیرہ احادیث جن کی کچھ بحث پہلے گذر چکی ہے اور پوری تفصیل اپنے مقام پر آئے گی ان شاء اللہ العزیز) سے کلی غیب ثابت ہے تو اس آیت کے منسوخ ہونے کے کیا معنی؟ اور پھر اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی اور قوم کی نجات کے متعلق علم کا حاصل نہ ہونا کیونکر صحیح ہوا؟ کوئی معقول اور صحیح وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ جب فریق مخالف اس آیت کو منسوخ قرار دیتا ہے تو اس سے پہلے کی نازل شدہ آیات سے علم غیب کلی اور جمیع ماکان ومایکون پر اس کا استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ واضح دلیل بیان کریں لیکن یہ

پہنچے گا تا نہ مرکزِ عرفانِ زندگی ۔۔۔ جو رازِ دانِ مرتبۂ علم وفن نہیں

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"اس سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی نہ کسی اور کی کہ قیامت میں ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا لیکن اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں اوّلاً یہ کہ اس آیت میں درایت کی نفی ہے نہ کہ علم کی، درایت اٹکل اور قیاس کے جاننے کو کہتے ہیں یعنی میں بغیر وحی اپنے قیاس سے یہ امور نہیں جانتا وحی سے جانتا ہوں دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانے سے پہلے کی ہے لہٰذا یہ منسوخ ہے۔" (بلفظہٖ جاء الحق ص۹۷)

الجواب مفتی صاحب نے جس دجل کا ثبوت اس آیت میں دیا ہے وہ قابلِ غور ہے:۔

اوّلاً اس لیے کہ مخالفین کے ذمہ یہ الزام لگایا کہ وہ حضور علیہ السلام کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ آپ کو اپنے اور دوسروں کے متعلق یہ خبر نہ تھی کہ قیامت میں ہم سے کیا معاملہ کیا جائے گا۔ اگر اس سے نفس نجات مراد ہے تو یہ ہم پر مفتی صاحب کا خالص افتراء اور بہتان ہے جیسا کہ مفصل گذر چکا ہے

اور اگر جنت کی تمام نعمتوں کا معاملہ ہے تو اس میں مفتی صاحب اور ان کی جماعت بھی ہمارے ساتھ ہے۔ پھر الزام کس پر ہوگا؟ ؎

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر اپنا بے گانہ ذرا پہچان کر!

وثانیاً۔ مفتی صاحب! وہ تیسری صحیح تفسیر جو ہم نے باحوالہ نقل کی ہے، اس کو آپ کیوں ہڑپ کر گئے ہیں؟ کیا وہ صحیح تفسیر حضرات مفسرین کرامؒ نے نہیں کی؟ اور کیا اس تفسیر سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت کا پہلو نمایاں نہیں ہوتا؟۔

وثالثاً درایت کے یہ معنی کہ اٹکل اور قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں، یہ بھی مفتی صاحب کی بدایونی ایجاد یا مفتیانہ اختراع ہے۔ ائمہ لغت نے درایت اور علم کو مترادف قرار دیا ہے یا درایت کو خاص علم کہا ہے یا جو چیز شک کے بعد حاصل ہو وہ درایت ہے مگر یہ قول ضعیف ہے جو قیل سے مروی ہے۔ چنانچہ مختار الصحاح صـ۵۵۲ میں ہے: دری به ای علمہ به و ادراہ اعلمہ۔ (ومثلہ فی القاموس ج۴ صـ۳۲۷)

اور علامہ الزبیدی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فی التکملة قال شیخنا باتحاد العلم والدرایة وصرح غیرہ بان الدرایة اخص من العلم کما فی التوشیح وغیرہ وقیل ان دری فیما سبقہ شك قالہ ابو علیؒ۔

(تاج العروس ج۱۰ صـ۱۲۱)

تکملہ میں ہے کہ ہمارے شیخؒ نے کہا کہ علم اور درایت متحد ہیں اور دوسروں نے تصریح کی ہے کہ درایت علم سے خاص ہے۔ توشیح وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو چیز شک کے بعد حاصل ہو وہ درایت ہے، ابو علیؒ نے ایسا ہی کہا ہے۔

ساتویں آیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○

نبی کو لائق نہ تھا کہ ان کے پاس قیدی ہوتے جب تک کہ وہ ان کا خون زمین پر نہ بہا دیتا، تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے اس سے قبل تو تم پر اُس چیز کی وجہ سے جو تم

(پ ۱۰۔ الانفال۔ رکوع ۹) نے لی ہے، بڑا عذاب نازل ہوتا۔

اس آیت کا شانِ نزول متعدد حضرات صحابہ کرامؓ سے (جن میں خصوصیت سے حضرت عمرؓ، حضرت ابنِ مسعودؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ قابلِ ذکر ہیں دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۵ وص ۳۲۶ وغیرہ) مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے، جس کا قدرِ مشترک خلاصہ یہ ہے کہ جنگِ بدر میں (جو ۱۷ رمضان ۲ھ کو ہوئی) مشرکین کے ستر آدمی جن میں بڑے بڑے نامی گرامی سردار اور رؤساء اور صنادیدِ قریش شامل تھے قتل کئے گئے اور ستر قیدی بنائے گئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کے بارے میں حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ میری رائے یہ ہے کہ ان قیدیوں پر احسان کیا جائے اور کچھ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس سے ہمیں کچھ تو مالی قوت حاصل ہو جائے گی اور پھر یہ بھی اُمید ہے کہ شاید یہ لوگ کسی دن راہِ راست پر آجائیں اور اسلام قبول کر لیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت یہ سب کے سب آئمہ کفر اور مشرکوں کے سردار ہیں ان کو اگر یہیں تہ تیغ کر دیا جائے تو کفر کی بڑی طاقت ٹوٹ جائے گی اور میری رائے یہ ہے کہ ہر ایک اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے، میرا فلاں عزیز میرے حوالے کر دیا جائے۔ حضرت علیؓ کا بھائی ان کے ہاتھ میں اور حضرت حمزہ کا بھائی ان کے ہاتھ میں دے دیا جائے، اور ہم خود اپنے عزیزوں کو قتل کریں رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند نہ فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ کو قبول کر لیا اور ان تمام قیدیوں کو معاوضہ لے کر چھوڑ دیا۔ دیکھئے مسلم ج ۲ ص ۹۳، مسند احمد ج ۱ ص ۴۹، ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰، ترمذی ج ۲ ص ۱۳۴، مستدرک ج ۲ ص ۳۲۹، مجمع الفوائد ج ۲ ص ۲۷ اور ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۵ و ۳۲۶ وغیرہ) اور امام حاکمؒ (المتوفی ۴۰۵ھ) اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ سے اس روایت میں یہ ٹکڑا بھی نقل کرتے ہیں کہ:۔

فلقی النبی صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم عمرؓ قال کاد ان یصیبنا فی خلافک بلاء۔ (مستدرک ج ۲ ص ۳۲۹۔ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح)

(نزول آیت کے بعد) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی اور فرمایا کہ (اے عمرؓ) بہت قریب تھا کہ تیری رائے کی مخالفت کی وجہ سے ہم پر کوئی مصیبت نازل ہوتی۔

یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ یہ واقعہ جنگِ بدر کے اختتام کے بعد کا ہے اور جنگ کے شروع ہونے سے ایک دن پہلے آپ یہ فرما بھی چکے ہیں کہ ھذا مصرع فلان غداً انشاء اللہ (جس سے فریقِ مخالف بلاوجہ

علمِ غیب کا اثبات کرتا ہے) اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب اور جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل ہوتا تو آپ دیدہ دانستہ اُس رائے کو اختیار نہ فرماتے جو حق تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسند نہ تھی بلکہ صحیح مسلم کی روایت میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضؓ دونوں اس لغزش کی وجہ سے روئے اور خداوند کریم کا عذاب آپ نے بہت ہی قریب دیکھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضؓ ہی کی روایت میں ہے:۔

فلما کان من الغد جئت فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکرؓ قاعدین وھما یبکیان قلت یارسول اللہ اخبرنی من ای شیئ تبکی انت و صاحبك فان وجدت بکاء بکیت وان لم اجد بکاءً تباکیت لبکائکما فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابکی للذی عرض علی اصحابك من اخذھم الفداء لقد عرض علیّ عذابھم ادنیٰ من ھذہ الشجرۃ شجرۃ قریبۃ من نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ عزّوجل ما کان لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ الآیۃ (مسلم ج ۲ ص ۹۳)

مَیں جب کل حاضر ہوا تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضؓ دونوں رو رہے ہیں میں نے کہا یارسول اللہ! مجھے بھی بتایئے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ اگر مجھے بھی رونا آیا تو ضرور روؤں گا ورنہ آپ کے رونے میں شریک ہونے کے لیے بتکلف رونے کی کوشش کروں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے ساتھیوں کے فدیہ لینے کی وجہ سے جو عذاب مجھے بتایا گیا اس کی وجہ سے میں رو رہا ہوں، وہ عذاب اس درخت کے قریب آپہنچا تھا۔ اور آپ نے اپنے قریب ہی ایک درخت کی طرف اشارہ کرکے یہ فرمایا اس پر یہ آیت ما کان لنبی الخ نازل ہوئی۔

دیکھا آپ نے کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کے بعد من الغد کا علم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو (اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور دیگر تمام حضرات صحابہ کرام رضؓ کو جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں میں بلند درجہ اور شان رکھتے ہیں اور ہر ایک اپنے مقام پر ولی کامل ہے،) یہ معلوم نہیں کہ ہماری اس رائے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرمائے گا اور عذاب کی ابتدائی نشانیاں ہمارے سامنے بہت ہی قریب رونما کی جائیں گی حتّیٰ کہ ہمیں اپنی اس رائے پر پچھتاتے ہوتے رونا بھی پڑے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی نوازش اور مہربانی سے درگزر فرما کر بعد کو فدیہ وغیرہ حلال قرار دیا، اس واقعہ کی ایک ایک جزو اپنے اندر حقیقت رکھتی ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کی نفی کی واضح سے واضح تر دلیل ہے اور ہے

بھی صرف واقعہ اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا ہے اور قیامت سے پہلے کا ہے اور اس دن کے بعد کا ہے جس دن آپ نے ھذا مصرع فلان الخ فرمایا تھا، لہٰذا مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کا یہ عذر لنگ بھی ختم ہو گیا کہ "جس کے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہو اور قیامت تک کا ہو" (بلفظہٖ جاء الحق صنٰکہ) دیکھئے مفتی صاحب کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ ہم تو یہی کہیں گے کہ:

ہمارا حق محبت ہے آپ کے ذمہ   غریب خانے پہ آکر حساب صاف کرو

ان صحیح اور صریح روایت کے بعد اس کی ضرورت نہیں کہ ہم حضرات مفسرین کرامؒ کی تفاسیر اس مضمون کی تشریح میں نقل کریں اور خواہ مخواہ دامن بیان کو دراز کریں۔ البتہ یہ عرض کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ہمارے حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے اس آیت سے ایک تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غیر منصوص احکام میں اجتہاد کے صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے اور عالم ماکان و مایکون کو اجتہاد کی کیا ضرورت ہوتی ہے؟ اور دوسرا یہ استدلال کیا ہے کہ مجتہد کو اس کی غلطی اور خطا کی صورت میں گرفت نہیں ہوتی۔ توضیح اور تلویح کا ایک حوالہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اور حضرت ملا جیون رحؒ لکھتے ہیں کہ:۔

لان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم لما حکم بلاخذ الفداء بالاجتہاد ثمّ نزل بعدہٗ نص بخلافہ وھو ھذہ الآیۃ لم ینتقل من اخذ الفداء الی القتل بل استقر علیہ (تفسیراتِ احمدیہ صہ۲۹۳)

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے فدیہ لینے کا حکم صادر فرمایا اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جو اس اجتہاد کے خلاف تھی تو فدیہ کے بعد قتل کا فیصلہ پھر اختیار نہ کیا گیا بلکہ فدیہ پر ہی بات قائم رہی۔

آٹھویں آیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ط

(پ۴۔ آل عمران۔ رکوع ۱۳)

(اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم!) آپ کا کچھ اختیار نہیں یا تو اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرمائے (اور وہ توبہ کریں) یا ان کو عذاب کرے کیونکہ وہ ناحق پر ہیں۔

صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول غزوۂ اُحد میں (جو شوال ۳ھ میں واقع ہوا تھا) مشرکینِ مکہ کی وہ سخت بے اعتدالیاں تھیں جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ

مبارک بھی زخمی ہوا اور دانت مبارک کا ایک حصہ (کذافی وفاءالوفاء ج ۱ ص ۲۰۸ للعلامۃ السمہودی رح المتوفی سنہ ۹۱۱ھ) شہید ہوا تو آپ نے اس موقع پر فرمایا کہ :-

کیف یفلح قوم شجوا نبیھم صلی اللہ علیہ وسلم وکسروا رباعیتہ وھو یدعوھم الی اللہ فانزل اللہ لیس لک الایۃ (بخاری ج ۲ ص ۵۸۲ و مسلم ج ۲ ص ۱۰۸ واللفظ لہ)

وہ قوم کس طرح اور کیونکر فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی (کے چہرۂ مبارک) کو زخمی کر دیا ہو اور ان کا دانت مبارک شہید کر دیا ہو حالانکہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے رہا ہے تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اور حضرت سالم بن عبداللہ رض (المتوفی سنہ ۱۰۶ھ) سے روایت ہے کہ :-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعو علی صفوان بن امیۃ وسھیل بن عمرو والحارث بن ھشام فنزلت لیس لک من الامر الایۃ (بخاری ج ۲ ص ۵۸۲ واللفظ لہ تعالیٰ ونسائی ج ۱ ص ۱۳۳ وابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۲)

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام (جو ابو جہل کا بھائی تھا) کے حق میں بد دعا کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ قرآن کریم یہ آیت نازل ہوئی۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے انجام اور فلاح و ہدایت کا علم نہ تھا اس لیے آپ نے ان کے حق میں بد دعا فرمائی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں چونکہ ان کی قسمت میں ایمان کی دولت تھی اور یہ سب حضرات بعد کو مسلمان ہو گئے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے حق میں بد دعا کرنے سے منع کر دیا اور اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضرت امام احمد رح (المتوفی سنہ ۲۴۱ھ) کی روایت میں جو حضرت عبداللہ بن عمر رض سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، یوں آتا ہے :-

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم العن فلانا اللھم العن الحارث بن ھشام اللھم العن سھیل بن عمرو اللھم العن صفوان بن امیۃ فنزلت ھذہ الایۃ لیس لک من الامر الایۃ فتیب علیھم کلھم وفی روایۃ لہ وھداھم اللہ للاسلام (مسند احمد ج ۲ ص ۹۳ وتفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۲)

حضرت ابن عمر رض نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا اے اللہ فلاں اور فلاں پر لعنت نازل کر اے اللہ حارث بن ہشام اور سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ پر لعنت نازل کر۔ اس پر لیس لک الآیۃ نازل ہوئی، اور ان سب کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق دے کر ان پر رجوع فرمایا اور ان کو اسلام کی ہدایت نصیب ہوئی۔

اور کتب احادیث اور تواریخ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات نے فتح مکہ کے موقع پر (جو ۸ھ کو ہوا) اسلام قبول کیا تھا اور مخلص مسلمانوں کی صف میں داخل ہو کر وہ کارنامے دکھلائے جو اسلامی تاریخ میں آفتاب نیمروز کی طرح درخشندہ ہیں۔ سچ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اسلام سے نوازے اس کو کون روک سکتا ہے؟ آپ نے اپنے چچا ابوطالب کے ایمان کے لیے بڑی انتھک کوشش کی مگر خدا تعالیٰ کو منظور نہ تھا اور ان حضرات پر لعنت اور بددعا بھی کی مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہی غالب ہو کر رہا۔

اس آیت سے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختارِ کُل ہونے کی نفی بھی صاف طور پر ثابت ہو گئی ہے، دیکھئے فریقِ مخالف اس کو تسلیم کرتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ صحیح بات کو تسلیم کرنا ان کا شیوہ نہیں ہے اور اس کا انہیں کوئی احساس بھی نہیں ہے۔ ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا　　کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

فریقِ مخالف کا تو یہاں تک دعوےٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر ایک کے ایمان اور کفر اور ظاہر و باطن کو اور جو کچھ کہ آئندہ پیش آنے والا ہے، سب کو جانتے ہیں مگر یہ آیت کریمہ مع ان احادیث کے جو اس کی تشریح و تفسیر میں پیش کی گئی ہیں، اس باطل نظریہ کی قطعی تردید کرتی ہیں۔ اس لیے کہ جو کافر آپ کے مدِ مقابل میں لڑنے آئے تھے (اور جن کی وجہ سے ستر صحابی شہید ہوئے جن میں آپ کے چچا محترم حضرت حمزہؓ سید الشہداء بھی تھے) اور جو اللہ تعالیٰ کے علم میں اس واقعہ کے صرف پانچ سال بعد فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والے تھے، ان کے انجام اور ایمان کا علم بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہرگز نہ تھا ورنہ آپ کیوں اَللّٰھم العن الخ کے الفاظ سے ان کے حق میں بددعا کرتے؟ آپ کو اگر ذرا سی بھی ان کے ایمان لانے کی امید ہوتی تو آپ وہی پیکرِ عفو و کرم تو ہیں جنہوں نے طائف کی بستی میں سارے بدن کے لہولہان ہونے کے بعد بھی اہل طائف کی حسن عاقبت کی امید کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ، اور گویا اس طرح آپ نے ان کو ایک گونہ امان دی۔ ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی؟
میرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفوِ بندہ نواز میں

اور اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب ہوتا تو آپ

کو یہ ضرور معلوم ہوتا کہ میری اس بددعا پر اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوگا اور مجھے اس پر تنبیہ کی جائے گی لہٰذا میں بددعا ہی کیوں کروں، کیا فریقِ مخالف کی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ عقیدت ہے کہ آپ دیدہ دانستہ اور عمداً اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کیا کرتے تھے؟ معاذ اللہ تعالیٰ بیّنوا توجروا فریقِ مخالف کا اس آیت کے جواب میں کوئی قابلِ توجہ قول ہماری نظر سے نہیں گزرا تاکہ اس کا جواب دیا جائے۔ اور ہے بھی یہ واقعہ اور قیامت سے قبل کا ہے اور مفتی احمد یار خان صاحب کی منہ مانگی مراد ہے ہ

بجز الفاظ کے حاوی نہیں کُلی پہ کام ان کے یہ خود جزئی ہیں لیکن گیت کُلی کے سناتے ہیں

نویں ۹ آیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ○ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ○

(پ ۲۸ - تحریم - رکوع ۱)

اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ تعالیٰ نے تجھ پر چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے، مقرر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کھول ڈالنا تمہاری قسموں کا اور اللہ تعالیٰ مالک ہے تمہارا اور وہی علیم اور حکیم ہے اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے کوئی بات پھر جب اس نے خبر کر دی اس کی اور اللہ تعالیٰ نے جتلا دی نبی کو وہ بات تو جتلا دی نبی نے اس میں سے کچھ اور اعراض کیا کچھ حصہ سے پھر جب وہ جتلائی عورت کو وہ بولی آپ کو کس نے بتلا دی ہے یہ بات، فرمایا مجھ کو بتایا اس خبر رکھنے والے واقف نے۔

ان آیات کے شانِ نزول میں روایت میں جو چیزیں سامنے آتی ہیں ایک یہ کہ ایک خاص مصلحت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی لونڈی حضرت ماریہ قبطیہؓ (المتوفاۃ ۱۶ھ) کو اپنے اوپر حرام کر دیا تھا، اس سلسلہ میں حافظ ابن کثیرؒ ایک روایت نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وھذا اسناد صحیح (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۸۶) اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں بسند صحیح (فتح الباری ج ۹ ص ۳۰۸) مگر زیادہ تر حضرات محدثینؒ اور مفسرینؒ اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت زینبؓ بنت جحش ام المومنین کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو طبعی طور پر شہد

سے اُنس تھا خلافِ معمول حضرت زینبؓ کے پاس شہد نوش کرنے کے سلسلہ میں دیر ہو جایا کرتی تھی حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو بمقتضائے بشریت یہ چیز ناگوار گذری کہ آپ زیادہ دیر کسی کے پاس ٹھہریں۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کسی لطیف حیلہ اور بہانہ سے آپؐ کا حضرت زینبؓ کے پاس کثرت سے آنا جانا بند کر دیں سوچا اور اس پر اتفاق کر لیا کہ اگر آپ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائیں تو وہ اور اگر حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لائیں تو وہ یہ کہدیں کہ آپ کے دہنِ مبارک سے مغافیر (ایک قسم کا گوند ہے) کی بُو آتی ہے۔ جب آپؐ ان میں سے ایک کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے یہ بات آخر کہہ ہی دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اور تو کچھ نہیں کھایا ہاں البتہ زینبؓ کے پاس شہد استعمال کیا ہے۔

فلن اعود له وقد حلفت لا تخبري بذالك احدًا (بخاری ج ۲ ص ۷۲۹ واللفظ لہٗ و مسلم ج ۱ ص ۴۷۸) — لیکن میں پھر نہ کھاؤں گا اور اس کے ترک پر قسم کھا چکا ہوں مگر تم کسی کو نہ بتانا۔

اس زوجۂ مطہرہؓ سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے یہ راز کی بات کسی اور بی بی کو بھی بتا دی جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے آپ کو کر دی کہ آپ کی بیوی نے وہ راز افشا کر دیا ہے۔ جب آپؐ نے اس کا کچھ حصہ اُس زوجۂ مطہرہؓ کے سامنے پیش کیا اور دوسرے حصہ سے اعراض کر دیا تاکہ اس کو مزید ندامت نہ ہو، تو اس نے کہا، حضرت آپ کو یہ کس نے بتایا ہے کہ میں نے وہ راز کی بات کسی اور کو بتا دی ہے؟ آپؐ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے اس سے آگاہ کر دیا ہے جو علیم بھی ہے اور خبیر بھی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور لونڈی (یا شہد) کو پھر استعمال کیا۔ (تفسیر ابنِ کثیر ج ۴ ص ۳۸۶)

ہمارا استدلال اس مضمون سے اس طرح ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب یا جمیع ماکان و مایکون کا علم ہوتا تو آپ کو نزول آیات سے قبل ہی معلوم ہوتا کہ میرا یہ فعل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہوگا، لہٰذا میں ایسا نہ کروں۔ کیا فریق مخالف کے نزدیک جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمداً ایسا کیا تھا؟ اس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر اور مختارِ کُل نہ ہونے کی بھی صاف وضاحت ہو گئی ہے کیونکہ اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے، اور حضرات ازواج مطہراتؓ نے جہاں خفیہ مشورہ کیا تھا آپ وہاں تشریف فرما ہوتے تو آپ کو یہ تمام قصہ معلوم ہوتا۔ اور اگر مختارِ کُل

ہوتے تو جب آپ نے اپنی مرضی سے صرف اپنی ذات بابرکات کے لیے (لونڈی یا) شہد حرام کر دیا تھا تو وہ حرام ہی رہتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل نہ ہوتی۔ اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو آپکی بشریت بھی اس سے ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت ماریہ رض کا مخصوص واقعہ اور شہد کا استعمال بشریت کے لوازمات میں سے ہے۔ نورِ محض (جیسے فرشتے) کو نہ تو عورت کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ کھانے اور پینے کی، اور اللہ تعالیٰ کا نور ازلی وابدی ہے، وہ اس کی ایک صفت ہے جیسے کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ وہ قابلِ انفکاک ہی نہیں اور نہ وہ کھانے پینے اور بیوی کا محتاج ہے اور نہ وہ نور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود کا مادہ ہے ہاں اللہ کے نور کے فیض اور سبب سے آپ کا نور بنا ہے دیکھئے الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ص۴۳ جو لوگ نور من نور اللہ کی رٹ بایں معنی لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود کا مادہ قرار پائے تو یہ قطعاً باطل اور سرا سر مردود ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرات ازواج مطہرات رض اور خصوصیت سے حضرت عائشہ رض (اور حضرت حفصہ رض) کا جو قرآنِ کریم کی حافظہ اور تفسیرِ قرآنِ کریم حدیث اور دین کی بڑی مہارت رکھتی تھیں، جن کی نظیر نہ تو پہلی امتوں میں ہے نہ پچھلی امتوں میں، (کما صرح بہ ابن کثیرؒ فی البدایۃ والنہایۃ ج۲ ص۱۱) کا بھی ہرگز یہ عقیدہ نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمیع ماکان وما یکون کا علم رکھتے اور ہر جگہ حاضر وناظر تھے۔ ورنہ جس طرح آپ کی موجودگی میں انہوں نے کوئی سازش اور مشورہ نہیں کیا تھا آپ کی غیر حاضری میں بھی ان کو یہ جرأت ہرگز نہ ہوتی اس لیے کہ آپ بخیال ان کے عالم الغیب اور حاضر وناظر تھے۔ پھر آگے جس بی بی نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت آپ کو یہ کس نے بتایا ___؟ یہ تو نص قطعی ہے کہ ان کا اعتقاد آپ کے متعلق علم غیب کا ہرگز نہ تھا اور آپ نے بھی جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ میں تو جمیع ماکان وما یکون کا عالم اور ہر جگہ حاضر وناظر ہوں میرے لئے باتوں کا علم ہونا کیا دشوار؟ بلکہ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس واقعہ کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے دی ہے کیونکہ وہی علیم اور خبیر ہے۔ یاد رہے کہ یہ واقعہ ۹ھ کا ہے اور وہ تمام آیات جن سے فریقِ مخالف مسئلہ علم غیب اور حاضر وناظر کشید کرتا ہے۔ اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں، کیا وجہ ہے کہ ان آیات سے جناب امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو اپنا حاضر وناظر اور جمیع ماکان وما یکون کا عالم ہونا سمجھ میں نہ آسکا۔

اور حضرات ازواج مطہراتؓ کو بھی ان آیات سے یہ مسائل سمجھ نہ آسکے، اور فریق مخالف کو یہ سمجھ آگئے۔ پھر کیسے باور کر لیا جائے کہ واقعی ان آیات سے یہ مسائل ثابت ہوتے ہیں؟ یہ بات ہماری سمجھ سے بالکل بالاتر ہے اور ہر ایک باشعور اور منصف مزاج اس کی تائید کرے گا۔ اور تقریباً تمام وہ احادیث جن سے فریق مخالف علم غیب اور حاضر و ناظر پر استدلال کیا کرتا ہے اس واقعہ سے قبل کی ہیں۔ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ واقعی ان احادیث سے یہ مسائل اخذ اور ثابت ہوتے ہیں، اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرات ازواج مطہراتؓ کا آپ کے گھر میں رہتے ہوئے آپ کے بارے میں علم غیب اور حاضر و ناظر وغیرہ کا عقیدہ نہیں تھا تو فریق مخالف عموماً اور مفتی احمد یار خان صاحب خصوصاً یہ فرمائیں کہ کس کے ایمان پر رجسٹری ہوئی؟ اہل حق کے ایمان پر یا اہلِ بدعت کے؟ ؎

ہے روکش آفتاب ذرہ بغیر پردہ بلا وسیلہ　　وہاں لگائی ہے آنکھ دل نے جہاں مجالِ نظر نہیں ہے

مفتی احمد یار خان صاحب کا چٹکلہ

مفتی صاحب ازراہِ شفقت و عنایت اہل حق کی جماعت کی طرف سے مفت وکالت کرتے ہوئے اس مضمون کو نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ”جس پر یہ آیت اتری لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ معلوم ہوا کہ آپ کو اپنے دہنِ پاک کی بو کا بھی علم نہ تھا کہ اس سے بو آرہی ہے یا نہیں؟ **جواب** اس کا جواب اسی آیت میں ہے۔ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ اے حبیب یہ حرام فرمانا آپ کی بے خبری سے نہیں بلکہ ان معترض ازواج کی رضا کے لیے ہے نیز اپنے منہ کی بو غیب نہیں محسوس چیز ہے، ہر صحیح الدماغ محسوس کر لیتا ہے کیا دیوبندی انبیاء کے حواس کو بھی ناقص ماننے لگے“ اھ (بلفظہ جاء الحق صـ۱۳۴)

الجواب

نہ معلوم مفتی صاحب کی یہ منقول اور مفروضہ باتیں کس نے کہی ہیں؟ اور کن الفاظ میں کہی ہیں مگر مفتی صاحب اپنے ہوش و حواس کو قائم کرتے ہوئے پہلے ہمارا استدلال ملاحظہ کر لیں، پھر جواب کی ہمت ہو تو ارشاد فرمائیں۔ استدلال یہ نہیں ہے کہ آپ کے دہن مبارک کی بو محسوس ہے یا غیب ہے؟ اس کا آپ کو علم تھا یا نہیں تھا؟ ہمارا استدلال پہلے گزر چکا ہے اس کو دیکھ لیں۔ آپ حواس باختہ ہو کر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حواس کی طرف کیوں چلے گئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حواس کی طرح اور کس کے حواس ہو سکتے ہیں؟ نیز مفتی صاحب کا یہ لکھنا کہ اے حبیب یہ حرام فرمانا آپ کی بے خبری سے نہیں

بلکہ ان معترض ازواج کی رضا کے لیے ہے۔ مفتی صاحب فرمائیں کہ یہ کس آیت کا ترجمہ ہے؟ یہ قرآن کریم کی کیسی کھلی ہوئی تحریف ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو علم تو تھا کہ واقعی اس تحریم سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے اور مجھ پر وہ تنبیہ بھی نازل فرمائے گا۔ مگر چونکہ معترض ازواج کو راضی کرنا ہے لہٰذا میں عمداً اور دیدہ دانستہ اس حلال چیز کو حرام کرتا ہوں۔ کیا واقعی مفتی صاحب اور ان کی جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمداً خدا تعالیٰ کی نافرمانی کیا کرتے تھے اور حضرت ازواج کو راضی رکھا کرتے تھے؟ معاذ اللہ تعالیٰ، استغفر اللہ تعالیٰ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ تعالیٰ۔ یہ ہے فریقِ مخالف کے عشق و محبت کی جھلک ؎

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

دسویں آیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (پ۱۱۔ التوبہ۔ رکوع)	اور بعض مدینے والے اڑے ہوئے ہیں نفاق پر اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ان کو نہیں جانتے صرف ہم ہی ان کو جانتے ہیں۔

یہ ارشادِ خداوندی سورۃ توبہ میں ہے جو سب سے آخری سورت ہے۔ چنانچہ بخاری ج ۲ ص ۶۲۶ اور مسلم ج ۲ ص ۳۵ میں حضرت براء بن عازبؓ (المتوفی ۷۲ھ) سے اور مستدرک ج ۲ ص ۲۲۱ میں (جس کی تصحیح پر امام حاکم رہ اور علامہ ذہبی رہ دونوں متفق ہیں) حضرت عثمانؓ بن عفان (المتوفی ۳۵ھ) سے روایت ہے کہ آخر سورۃ نزلت سورۃ التوبۃ۔ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورۃ توبہ ہے۔ ہاں البتہ اس کی صرف دو آیتیں مکی ہیں۔ وَمَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ الآیتین (الفتیر اتقان ج ۱ ص ۳۱)

یہ ارشاد اس امر پر واضح دلیل ہے کہ دور نہیں بلکہ مدینہ طیبہ میں اور معمولی منافقوں کو ہی نہیں بلکہ ان منافقوں کو جن کا نفاق حد کمال کو پہنچا ہوا تھا اور جو نفاق پر اڑے ہوتے اور لیندتے تھے ان کو بھی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے، ان کا علم بھی بس صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تھا اگر آپ کو علمِ غیب اور جمیع ماکان وما یکون کا علم حاصل ہوتا تو لامحالہ آپ کو ان منافقوں کے حالات معلوم ہوتے اور اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ آپ ان کو نہیں جانتے فقط ہم ہی جانتے ہیں۔

قاضی بیضاوی رحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

لا تعلمهم لا تعرفهم باعيانهم وهو تقرير لمهارتهم فيه وتوقيهم فی تحامی مواقع التهم الى حد خفی عليك حالهم مع كمال فطنتك وصدق فراستك نحن نعلمهم و نطلع على اسرارهم ان قدروا ان يلبسوا عليك لم يقدروا ان يلبسوا علينا۔

(اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ ان منافقوں کی شخصیتوں کو نہیں جانتے اور اس میں اس بات کو واضح کرنا ہے کہ وہ اپنے نفاق کو چھپانے میں اتنے ماہر ہیں کہ وہ ان باتوں سے بے حد بچتے ہیں جو ان کے معاملہ کو مشکوک کرتی ہیں حتیٰ کہ آپ باوجود کمال ذکاوت اور صحیح فراست کے ان کے نفاق پر مطلع نہیں ہو سکتے ہم ہی ان کو جانتے اور ان کے بھیدوں پر مطلع ہیں اگر وہ آپ کو فریب دینے پر قادر ہو گئے تو ہم کو تو وہ فریب نہیں دے سکتے۔

(بیضاوی ج ۲ ص ۱۸۶)

امام بغوی رحمہ لکھتے ہیں کہ:۔

لا تعلمهم انت يا محمد نحن نعلمهم الخ

اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ان منافقوں کو نہیں جانتے ہم ہی ان کو جانتے ہیں۔

(معالم ج ۲ ص ۹۹)

اور علامہ خازن رحمہ لکھتے ہیں کہ:۔

لا تعلمهم يعنى انهم بلغوا فى النفاق الى حيث انك لا تعلمهم يا محمد مع صفاء خاطرك واطلاعك على الاسرار نحن نعلمهم يعنى لكن نحن نعلمهم لانه لا تخفى علينا خافية وان دقت

آپ ان کو نہیں جانتے یعنی وہ نفاق کی اس حد کو پہنچ چکے ہیں کہ آپ باوجود روشن دلی اور اطلاع بر اسرار کے ان کو نہیں جانتے لیکن ہم ہی ان کو جانتے ہیں کیونکہ ہم پر کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ اگرچہ ایک ذرہ بے مقدار ہی کیوں نہ ہو۔

(خازن ج ۲ ص ۱۸۶)

اور علامہ نسفی رحمہ لکھتے ہیں کہ:۔

لا تعلمهم اى يخفون عليك مع كمال فطنتك وصدق فراستك لفرط توقيهم فى تحامى ما يشكك فى امرهم ثم قال نحن نعلمهم اى لا يعلمهم الا الله ولا يطلع على سرهم

آپ ان کو نہیں جانتے یعنی وہ آپ پر باوجود آپ کی کمال فطانت اور صدق فراست کے مخفی ہیں کیونکہ وہ ایسے معاملات سے بہت پرہیز کرتے ہیں جو ان کے نفاق پر آپ کو شک میں ڈال دیں ہم ہی ان کو جانتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ

غير لأنهم يبطنون الكفر في سويداء قلوبهم ويبرزون لك ظاهرًا كظاهر المخلصين من المُؤمنين
(مدارک ج ۲ ص ۱۸۶)

کے بغیر اور کوئی بھی ان کو نہیں جانتا اور نہ ان کے بھید پر کوئی اور واقف ہے کیونکہ وہ کفر کو تو سویدائے قلب میں مخفی رکھتے ہیں اور ظاہر میں آپ کے سامنے وہ مخلص مومنوں کی صورت میں پیش آتے ہیں۔

علامہ ابو طاہر محمد بن یعقوبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

لَا تَعْلَمُهُمْ لا تعلم نفاقهم نحن نَعْلَمُهُمْ نعلم نفاقهم (تنویر المقباس ج ۲ ص ۱۸۶)

آپ ان کو یعنی ان کے نفاق کو نہیں جانتے بس ہم ہی ان کو یعنی ان کے نفاق کو جانتے ہیں۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

لَا تَعْلَمُهُمْ يعني لا تعرفهم يا محمد بصفة النفاق مع كمال فطنتك وصدق فراستك فهو تقرير لمهارتهم وترقيهم في تحامي مواقع التهم الى حد خفي عليك نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ نطلع على سرائرهم ان قدروا على ان يلبسوا عليك فلا يقدرون ان يلبسوا علينا
(تفسیر مظہری ج ۴ ص ۲۸۹)

یعنی اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ باوجود کمال فطانت اور صحیح فراست کے ان کو بصفت نفاق نہیں جانتے اس میں اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ بڑے ماہر ہیں اور تہمت کے مواقع سے یہاں تک پرہیز کرتے ہیں کہ آپ ان کو نہیں جان سکتے بس ہم ہی ان کو جانتے اور ان کے بھیدوں پر مطلع ہیں اگر وہ آپ کو فریب دینے پر قادر ہیں تو ہم کو تو فریب دینے کی اُن کو کوئی قدرت نہیں ہے۔

اور قریب قریب یہی کچھ علامہ معینؒ بن صفیؒ نے لکھا ہے (دیکھئے جامع البیان ص ۱۶۴)

اور علامہ آلوسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

لَا تَعْلَمُهُمْ بيان لتمردهم اى لا تعرف انت بعنوان نفاقهم الى ان قال وحاصله لا تعرف نفاقهم۔
(روح المعانی ج ۱۱ ص ۱۰)

آپ ان کو نہیں جانتے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کیا ہے کہ وہ نفاق میں کتنے سرکش واقع ہوئے ہیں کہ آپ ان کو عنوان نفاق سے نہیں جانتے۔۔ حاصل یہ ہے کہ آپ ان کے نفاق کو نہیں جانتے۔

نیز اسی آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

وقال الله تعالى لمحمد صلى الله عليه وسلم

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا

لا تعلمهم نحن نعلمهم وهذه الآيات ونحوها اقوى دليل فى الرد على من يزعم الكشف والاطلاع على المغيبات بمجرد صفاء القلب وتجرد النفس عن الشواغل وبعضهم يتساهلون فى هٰذا الباب جدا (روح المعانی ج ۱۱ ص۱۰)	کہ آپ ان کو نہیں جانتے ہم ہی ان کو جانتے ہیں اور یہ اور اس قسم کی دوسری آیات اِن لوگوں کی تردید کے لیے جو محض صفائی قلب اور شواغل نفس سے الگ ہونے کی وجہ سے کشف اور اطلاع بر مغیبات کا دعوےٰ کرتے ہیں قوی ترین دلائل ہیں بعض لوگوں نے یوں ہی بلا وجہ اس باب میں تساہل سے کام لیا ہے۔

نوٹ:۔ صاحب روح المعانی مطلق کشف و کرامت کے منکر نہیں ہے جیساکہ پہلے گذر بھی چکا ہے اور آگے آبھی رہا ہے بلکہ ایسے کشف کے منکر ہیں جو تمام امور کو محیط ہو اور ہر ایک کے ظاہر و باطن پر حاوی و مشتمل ہو علاوہ ازیں کشف اور غیب کی بعض خبریں بقول ابن خلدونؒ مجانین وغیرہ کو بھی معلوم ہو سکتی ہیں اس کی مبسوط بحث مقدمہ ابن خلدونؒ ص۱۰ میں دیکھئے۔

ظاہر ہے کہ مدینہ طیبہ کے جن منافقین کا ذکر یہاں کیا گیا ہے ان کا نفاق اور ان کے دوسرے ظاہری اور باطنی احوال سب ہی علمِ غیب اور جمیع ماکان ومایکون میں سے ہیں لیکن اس آیت میں اس کی تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی منافقت اور منافقانہ چالوں اور ریشہ دوانیوں کا علم نہ تھا۔ اور قطعی طور پر معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول تک جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ تو علمِ غیب حاصل تھا اور نہ جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط حاصل تھا۔ اور یہ آیت سورۂ توبہ کی ہے جو قرآن کریم کی تمام سورتوں کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اب فریقِ مخالف پر لازم ہے کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد کی کوئی آیتِ قرآنی یا حدیثِ متواتر بتائے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان منافقوں کا نفاق اور ان کی منافقانہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا علم ہو گیا تھا۔ خبرِ واحد صحیح بھی اس بات میں ہرگز حجت نہیں چہ جائیکہ غیر معصوم لوگوں کی آراء اور خصوصاً صاوی شریف و بیہقی شریف اور جمل وغیرہ کا نام بھی مت لیجئے ؎

ٹوٹ جائے نہ تیغ اے قاتل! سخت جاں ہوں ذرا سمجھ کر کھینچ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر فریقِ مخالف کے بزعم خود جوابات کا بھی سرسری طور پر طائرانہ جائزہ لیں۔

فریقِ مخالف کے اعلیحضرت

فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت اور مجدد مأتہ حاضرہ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمیع ما کان و ما یکون کے علم پر استدلال کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ "بلکہ ہر صغیر و کبیر ہر رطب و یابس جو پتہ گرتا ہے زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جُداجُدا تفصیلاً جان لیا" (بلفظہٖ انباء المصطفیٰ ص۲) یہ لکھتے ہیں کہ "اور جب کہ یہ قرآنِ عظیم کے تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہونے نے دیا اور پر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے نہ کہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہو لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ یا منافقین کے باب میں فرمایا جائے لَا تَعْلَمُهُمْ ہرگز ان آیات کے منافی اور احاطہ علم مصطفوی کا نافی نہیں۔ الحمد للہ طائفہ تالفہ وہابیہ جس قدر قصص و روایات و اخبار و حکایات علمِ عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھٹانے کو آیات قطعیہ قرآنیہ کے مقابل پیش کرتا ہے، سب کا جواب دہن دوز فتن سوز انہی دو فقروں میں ہو گیا" (بلفظہٖ انباء المصطفیٰ ص۴)

الجواب

خانصاحب کا یہ مجددانہ مغالطہ پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ اوّلاً اس لیے کہ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ کی جس آیت سے خانصاحب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کلی علم غیب ثابت کرتے ہیں وہ تو سورۂ نحل کی آیت ہے اور سورۂ نحل مکی سورت ہے۔ اگر آپ کو مکہ مکرمہ ہی میں سب غیب عطا ہو گیا تھا تو اور باتیں تو رہیں الگ مدینہ طیبہ میں سورۂ بقرہ۔ آل عمران اور مائدہ وغیرہ جیسی لمبی لمبی سورتیں کیوں نازل ہوئیں؟ کیا خان صاحب اور ان کے اتباع کے نزدیک یہ ہر صغیر و کبیر ہر رطب و یابس میں نہ تھیں؟

وثانیاً اگر واقعی آپ کو مکہ مکرمہ میں کل صغیر و کبیر اور ہر رطب و یابس کا علم حاصل ہو گیا تھا تو مدینہ طیبہ میں بہت سی چیزوں کے بارے میں آپ کے علم کی نفی قرآن کریم و احادیث متواترہ میں کیوں وارد ہوئی ہے جیسا کہ بہت سی آیات پہلے عرض کی گئی ہیں اور احادیث کا ذکر آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

وثالثاً خان صاحب کو کوئی نص قرآنی اور حدیث متواتر پیش کرنی چاہیئے تھی کہ جن حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا علم آپ کو لم نقصص علیک کے نزول تک نہیں دیا گیا تھا وہ آپ کو اس آیت یا حدیث متواتر سے ملنا ثابت ہے اسی طرح ان کو لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ کے بعد کوئی

نصِ قرآنی یا خبرِ متواتر پیش کرنی چاہیئے تھی کہ ان منافقین کا علم آپ کو اس قطعی الدّلالۃ نص سے اور اس متواتر اور صریح حدیث سے حاصل ہوگیا تھا۔ خاں صاحب کو اس جہان میں کوئی آیت اور خبرِ متواتر اس پر دستیاب نہیں ہوسکی تو اس جہان سے (جہاں وہ پہنچ چکے ہیں) ہی اپنے اتباع و اذناب کو بتا دینا چاہیئے تاکہ وہ بیچارے یہ اُدھار تو ختم کرسکیں۔ آخر خانصاحب نے مردُوں کی امداد اور اعانت پر تو کئی کتابوں میں صفحات کے صفحات سیاہ کردیئے ہیں۔ اگر اُن سے یہ بھی نہ ہوسکا تو وہ کس کام کے؟ ان میں کوئی دم خم ہے تو یہ ادھار ہی چکا دیں۔ ہے کوئی خانصاحب کا لائق علمی بیٹا جو یہ حساب بے باق کردے۔ دیدہ باید فہل من مبارز؟

وراٰبعًا خانصاحب کا تغافل یا قلتِ تدبّر کا حیرت ناک مظاہرہ دیکھیئے کہ کس طرح یہ لکھ گئے ہیں۔ کہ "الحمد للہ طائفہ تالفہ وہابیہ جس قدر قصص و روایات و اخبار و حکایات علمِ عظیم محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے گھٹانے کو آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کے مقابل پیش کرتا ہے سب کا جواب دہن دوز و فتن سوز انہیں دونوں فقروں میں ہوگیا"۔ خاں صاحب ہوش میں آکر فرمایئے کہ وہ کون سی آیات قطعیہ قرآنیہ آپنے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ماکان ومایکون کے علم پر پیش کی ہیں؟ لفظ کُلّ اور لفظِ مَا کے عموم سے آپ کا استدلال خالص خیانت یا نری جہالت پر مبنی ہے۔ جیسا کہ اسی کتاب میں باقرارِ خود خانصاحب یہ مذکور ہوگا کہ یہ کبھی استغراقِ حقیقی اور کبھی استغراقِ عُرفی کے لیے آتے ہیں اور یہی مطلب حضرات مفسرین کرام رح نے بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ با دلائل یہ بحث اپنے مقام پر آرہی ہے، انشاء اللہ العزیز۔

اور خاں صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اہلِ حق محض قصص و روایات و اخبار و حکایات ہی نہیں پیش کرتے بلکہ وہ تو صرف وہ قصص و اخبار و حکایات پیش کرتے ہیں جو قرآنِ کریم کی قطعی آیات سے ثابت ہیں اور وہ صحیح روایات پیش کرتے ہیں جن کا قدرِ مشترک متواتر ہے اور ان کے خلاف ایک حرف بھی ثابت نہیں ہے۔ یہ خاں صاحب کا انتہائی فاسد اور باطل عقیدہ اور بے جا غلو ہے۔ خانصاحب جیسے فاسد عقیدہ رکھنے والے کسی غالی فرقہ کی شکایت امام سیوطی رح نے یوں کی ہے جس کو حضرت ملّا علی القاری اس طرح نقل کرتے ہیں کہ:۔

ولکن ھٰؤلاء الغلاۃ عندھم ان علم رسول — اور لیکن یہ غالی فرقہ اس کا قائل ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ

الله منطبق على علم الله سواء فكل ما يعلمه الله يعلم رسوله والله تعالى يقول وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ وهذا فی براءة وهی من اواخر ما نزل من القرآن هذا والمنافقون جیرانه فی المدینة انتهی و من اعتقد تسویة علم الله ورسوله یکفر اجماعًا کما لا یخفی۔

(موضوعات کبیر ص۱۱۹)

وسلم کا اور خدا تعالیٰ کا علم برابر ہے۔ سو جس چیز کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی جانتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور تمہارے آس پاس دیہاتیوں میں کچھ منافق ہیں اور اہل مدینہ میں بھی کچھ منافق ہیں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں آپ ان کو نہیں جانتے ہیں بس ہم ہی ان کو جانتے ہیں اور یہ ارشاد سورت برأت میں ہے جو قرآن کریم کی آخری سورت ہے اور منافق بھی دور نہ تھے آپ کے پڑوس میں مدینہ کے اندر رہتے تھے اور جس نے یہ اعتقاد کر لیا کہ خدا تعالیٰ کا اور رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا علم برابر ہے تو وہ اجماع اُمت کے رُو سے کافر ہے۔

نوٹ ضروری اس تسویہ سے تسویہ فی الکیفیت مراد نہیں ہے کہ ذاتی اور عطائی کا دُور دراز کا جھگڑا شروع کر دیا جائے، بلکہ اس سے ظاہراً تسویہ فی المقدار والکمیتہ مراد ہے جیسا کہ خود خانصاحب کو اقرار ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ:

وان اراد مجرد التسویة فی المقدار کما هو ظاهر کلامه الخ (الدولة المکیة ص۱۲)

اور اگر اس سے تسویہ فی المقدار مراد ہو جیسا کہ ان (حضرت ملا علی القاریؒ) کی ظاہری عبارت اور کلام کا اقتضاء ہے الخ

اس کے بعد خانصاحب نے آئیں بائیں شائیں کر کے بہت سی فضول باتیں لکھی ہیں جو اس قابل ہی نہیں کہ ان کی طرف التفات کیا جائے۔

وخامساً ۵ خان صاحب کا دعوےٰ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نزول جمیع قرآن کریم کے وقت سب ماکان وما یکون کا علم حاصل ہوا تھا پہلے نہ تھا۔ پھر خانصاحب نے تبیانا لکل شیء وغیرہ آیات سے (جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں) کیوں ہر صغیر و کبیر اور رطب و یابس وغیرہ کا ثبوت فراہم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے؟ اور خواہ مخواہ لوگوں کو مغالطہ دے کر اپنے تجاہل یا تغافل کا ثبوت دیا ہے؟ خاں صاحب، جس وقت کا دعوےٰ ہے، اس وقت کے مطابق دلیل بھی درکار ہے۔ اس کو کوئی عقلمند نہیں باور کرے گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب تو

حاصل ہو آخری وقت میں اور دلائل پیش کئے جائیں مکی زندگی کے اور جنگ بدر کے کہ ھذا مصرع فلان غدا انشاء اللہ۔ دعویٰ تو یہ ہو کہ آپ کو نزول جمیع قرآن کے وقت ماکان وما یکون کا علم عطا ہوا تھا اور دلیل پیش کی جائے لفظ النبی کو کہ اس کے معنی ہی غیب دان کے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے جس دن آپ کو نبوت و رسالت عطا ہوئی تھی اسی دن سے آپ کے لیے کلی غیب کا دعوے کرنا چاہیئے۔ الغرض بدعت پسند حضرات قرآن کریم اور حدیث کے علم سے تو ویسے ہی کورے ہیں، جو اشیاء صرف متوسط قسم کی عقل سے حاصل ہوتی ہیں وہ ان سے بھی محروم ہیں۔ مگر کیا کیا جائے کہنے والے نے کیا ہی پتے کی بات کہی ہے ؎

بلند بال تو بھا نہ تھا جسور و غیور ۔۔۔ حکیم سرّ محبت سے بے نصیب رہا

الغرض خان صاحب کی طرف سے لَا تَعۡلَمُهُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ کا کوئی جواب نہیں ہو سکا اور نہ ہی ان کی جماعت سے تا قیامت اس کی امید کی جا سکتی ہے، وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ مَّكَانٍۭ بَعِيۡدٍ

مولوی محمد عمر صاحب کی راگنی

دیکھتے وہ خانصاحب بریلی سے بولتے تھے اور یہ مولوی محمد عمر صاحب اچھرہ سے بول رہے ہیں دونوں کو خدا تعالیٰ نے موزوں و مناسب جگہیں دی ہیں۔ بریلی کا پاگل خانہ بھی مشہور ہے اور اچھرہ کا پاگل خانہ بھی ملک میں کم شہرت نہیں رکھتا۔ مشہور ہے جیسی روح ویسے فرشتے، بھلا خدا تعالیٰ کے کاموں میں کس کو دخل ہے۔ جیسے عقیدے ویسے بندے، جیسے بندے ویسی ہی جگہیں، اور لطف یہ کہ جیسے مولوی ویسے ان کے ماننے والے۔ کمی پھر کس چیز کی ہو گی؟ ع "قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا"

مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"محمد عمر — ذرا گستاخی سے کام نہ لو، یہ کلی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی طرف منسوب ہے ایسے الفاظ آپ کی نسبت لگانا کفر ہے۔ باقی رہا اللہ تعالیٰ کا فرمانا لَا تَعۡلَمُهُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے محاورے کو سمجھانے کے واسطے سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ فرمایا ہے۔ یہ محاورہ اُس وقت استعمال کیا جاتا ہے۔ جب کسی دوست کے مقابلہ میں اس کے دشمن کو ضروری سزا دینی مقصود ہو تو دوست کی طرف مخاطب ہو کر اور دشمن کی طرف تہدیدی نظر اٹھا کر کہا جاتا ہے۔ کہ تو نہیں جانتا یہ منکر بڑا بے ایمان ہے میں اس کو جانتا ہوں تا کہ دوست کے علم پر ہی موقوف رکھے اور

اس کی سفارش نہ کریں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ اس مقام پر لَا تَعْلَمُهُمْ فرما کر آپ کی بے علمی مراد نہیں لے رہا۔ بلکہ ان کی بے ایمانی کو سختی سے اظہار کرنا مقصود ہے تاکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کی منافقانہ چال دیکھ کر اپنی رحمت سے نہ چھڑالیں اور آپ کے علم منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ وضاحت فرمائی ہے۔ ۷،۲ مائدہ ﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ آپ ملاحظہ فرماتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ اگر آپ کو منافقین کے نفاق کا علم نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کے نفاق کی رؤیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کیوں فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ منافقین کے دلوں کی مرض کو جانتے ہیں اور ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ (انتہیٰ مقیاس۔ ص ۲۸۷)

الجواب مولوی محمد عمر صاحب کا یہ جواب قرآن کریم کی خالص تحریف اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر سفید جھوٹ اور صریح بہتان ہے اور بالکل باطل اور قطعاً مردود ہے۔

اوّلاً اس لیے کہ آپ نے قرآن کریم کی آیت اس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر میں متعدد حضرات مفسرین کرام کے اقوال ملاحظہ کر لیے ہیں ان میں سے کسی کو یہ مبارک اجتہاد نہ سوجھا۔ نہ معلوم مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب کو (دیکھئے جاء الحق ص ۱) یہ کہاں سے معلوم ہوا؟ کتب تفاسیر کی ورق گردانی کر لیجئے، کوئی ایک معتبر اور مستند مفسر بھی آپ کو ایسا نہ ملے گا جس نے ایسی تحریف کی ہو۔ جیسی مولوی محمد عمر صاحب (وغیرہ) نے کی ہے۔ حاشا و کلا ثم حاشا و کلا۔

وثانیاً یہ جتنے حضرات مفسرین کرام ہیں (جن کا ذکر ہو چکا ہے) وہ تو اس آیت کریمہ کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منافقین کا نفاق اور اُن کا باطن معلوم نہ تھا اور مولوی محمد عمر صاحب کہتے ہیں کہ ایسے الفاظ آپ کی نسبت نکالنا کفر ہے۔ کیا مولوی محمد عمر صاحب کے نزدیک یہ سب حضرات مفسرین کرام کافر ٹھہرے؟ دل کی کہنا لگی لپٹی نہ ہو؟ ع

"جو قلب کو گرما دے اور رُوح کو تڑپا دے"

وثالثاً مولوی محمد عمر صاحب نے فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ پیش کر کے جو یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کے نفاق کی رؤیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کیوں فرمایا؟ تو یہ بھی مولوی محمد عمر صاحب یتیم علم کی عجیب جہالت کا ثبوت ہے۔ مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ فَتَرَى کا مفعول الذین ہے فی قلوبھم نہیں ہے اور معنی یہ ہے کہ اے مخاطب آپ اُن لوگوں کو

دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے یُسَارِعُونَ فِیۡهِمۡ کہ دوڑ دوڑ کر اُن اہلِ کتاب میں گھستے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے لہٰذا ہمیں ان سے بگاڑ مناسب نہیں ہے۔ منافقوں کا اور ان کے ظاہری طور پر اہلِ کتاب سے میل جول کا دیکھنا کہاں؟ اور دلوں کا دیکھنا کہاں؟ مگر مولوی محمد عمر صاحب کی بلا سے ان کو تو مال و زر درکار ہے، ایمان رہے یا نہ رہے، ان کا مالی ٹھیکہ ہاتھ سے نہ نکل جائے اور وہ مفت خوری سے محروم نہ ہو جائیں ؎

بداں مرغے کہ پروردی بہ زنجیر   تلاشش دانہ در صحرا گراں است

مفتی احمد یار خان صاحب کا مفتیانہ کرشمہ

مفتی صاحب نے اس آیت کے جواب میں جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِی لَحۡنِ الۡقَوۡلِ سے منسوخ ہے جیسا کہ تفسیر جمل میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے۔ عینی شرح بخاری ج ۴ ص۲۲۱ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھا اور فرمایا، اے فلاں نکل جا کیونکہ تو منافق ہے۔ اُن میں سے بہت سے آدمیوں کو رسوا کر کے نکال دیا شرح شفا ملا علی قاری رہ جلد اول ص۲۴ میں ہے۔ ابنِ عباس رضہ سے روایت ہے کہ منافقین مرد تین سو اور عورتیں ایک سو ستر تھیں۔ (محصلہ جاء الحق ص۹۹)

الجواب:۔ مفتی صاحب کی یہ سب باتیں اس آیت کریمہ کا ہرگز جواب نہیں بن سکتیں۔ اوّلاً اس لیے کہ سورۃ توبہ قرآن کریم کی آخری سورت ہے اور یہ لَا تَعۡلَمُهُمۡ اسی میں مذکور ہے۔ اور تمام معتبر حضرات مفسرین کرامؒ یہی فرماتے اور بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان منافق لوگوں کا علم نہ تھا کیونکہ یہ اس نصِ قطعی سے ثابت ہے اور سورۃ محمد جس میں وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ الآیۃ ہے پہلے نازل ہوئی ہے لہٰذا متقدم سے متأخر کا منسوخ ہونا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اور جمل (جو الشیخ سلیمان الجمل رحؒ نے ۱۱۹۶ھ میں چار جلدوں میں لکھی ہے) کا یہ مقام ہی نہیں کہ اُسکی غیر معتبر تفسیر کو لے کر صحیح روایات اور معتبر حضرات مفسرین کرامؒ کی مستند تفسیروں کو رد کیا جا سکے، اس لیے جمل کا یہ حوالہ اور تفسیر سرے سے قابلِ التفات ہی نہیں ہے۔ مفتی صاحب ایک طرف تو یہ لکھتے ہیں کہ "رہی تفسیر قرآن تابعینؒ یا تبع تابعینؒ کے قول سے یہ اگر روایت سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر ماخذ از اعلاء کلمۃ اللہ للعلامہ گولڑوی قدس سرہٗ" (انتہیٰ جاء الحق ص۹) اور دوسری طرف جمل کی تفسیر کو لے کر نیز سے قرآن کریم کی آیت کو منسوخ کرنے کے

در پے ہیں ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔

وثانیاً لَا تَعْلَمُهُمْ خبر ہے اور خبر میں نسخ کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کما مرّ ۔

وثالثاً ان دونوں آیتوں کا محل ہی الگ الگ اور جُدا جُدا ہے ۔ نہ تو ان میں تعارض کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ نسخ کا ۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ :-

وقوله لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ لا ینافی قوله تعالیٰ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ لان هذا من باب التوسم فيهم بصفات يعرفون بها لا انه يعرف جميع من عنده من اهل النفاق والريب على التعين ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۴)

باری تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ اُس کے اس ارشاد ولو نشاء الخ کے منافی نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ منافق دکھا دیں، سو آپ اُن کو ان کے چہرے بشرے کی نشانیوں سے پہچان سکتے ہیں اور آپ ان کو بات کے ڈھب سے پہچان سکتے ہیں کیونکہ یہ تو ان علامات سے پہچاننا مراد ہے جو اُن کے چہرے پر رونما ہوں جس سے وہ پہچانے جا سکتے ہیں یہ مطلب نہیں کہ آپ تمام منافقوں اور مشکوک لوگوں کو علی التعیین جانتے تھے ۔

اور یہی حافظ ابن کثیرؒ وَلَوْ نَشَاءُ الخ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

ولو نشاء یا محمد لاریناك اشخاصهم فعرفتهم عیانا ولکن لم یفعل تعالیٰ ذالك فی جمیع المنافقین سترا منه علی خلقه وحملا للامور علی ظاهر السلامة ورد السرائر الی عالمها وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ای فیما یبد ومن کلامهم الدال علی مقاصدهم یفهم المتکلم من ای الحزبین هو بمعانی کلامه وفحواه وهو المراد من لحن القول (ابن کثیر ج ۴ ص ۱۸۰)

یعنی اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر ہم چاہیں تو منافقین کو باشخاصہم معین کر کے آپ کو دکھلا دیں اور نام بنام مطلع کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام منافقوں کے بارے میں از روئے تستر اور امور کو ظاہری سلامت روی پر رکھتے ہوئے اور بھیدوں کو ان کے جاننے والے کے حوالہ کرتے ہوئے ایسا نہیں کیا اور آپ ان کو ان کے ظاہری کلام سے جو ان کے مقاصد پر دال ہے اور متکلم کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے پہچان سکتے ہیں کہ وہ کس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ اس کی بات کے رنگ ڈھنگ سے اس کو پہچانا جا سکتا ہے اور لحن القول سے یہی مراد ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ میں حقیقی علم مراد ہے کہ ان منافقوں کا حقیقی علم آپ کو نہیں وہ صرف ہمیں کو ہے اور وَلَوْ نَشَاءُ الآیۃ میں چہرے بشرے اور طرز گفتگو سے پہچاننا مراد ہے جو صرف ظاہری قرائن اور شواہد کے تحت ہے اور یہ ظن کے درجہ سے اوپر نہیں جاتا کیونکہ منافق اور مخلص کی بات کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے، جو زور شوکت، پختگی اور خلوص کا رنگ مخلص کی باتوں میں جھلکتا ہے۔ منافق کتنی ہی کوشش اور تصنع سے کام لے وہ اپنے کلام میں پیدا نہیں کر سکتا۔

اور علامہ السید محمود آلوسی الحنفی رح ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

ولا تنحصر السیماء بالکتابۃ بل قد تکون بغیرها ایضًا مما یعرفہ بہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم کما یعرف القائف حال الشخص بعلامات تدل علیہ وکثیرا ما یعرف الانسان محبہ و مبغضہ من النظر و یکاد النظر ینطق بما فی القلب وقد شاھدنا غیر واحد یعرف السنی والشیعی بسمات فی الوجہ وان صح ان بعض الاولیاء قدست اسرارھم کان یعرف البر و الفاجر والمؤمن والکافر ویقول اشم من فلان رائحۃ الطاعۃ ومن فلان رائحۃ المعصیۃ ومن فلان رائحۃ الایمان ومن فلان رائحۃ الکفر اھ

(روح المعانی ج۲۶ صک)

اور یہ علامت کتابت ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر بھی ہو سکتی ہے جس کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم ان منافقوں کو پہچان سکتے تھے جیسا کہ قیافہ دان کسی شخص کے ظاہری حالات اور علامات کو دیکھ کر اس کا حال معلوم کر لیتا ہے اور لبا اوقات انسان اپنے دوست اور دشمن کو اس کی نظر ہی سے پہچان لیتا ہے اور نظر ہی اس کے دل کی ترجمانی کر دیتی ہے اور ہم نے متعدد حضرات کو دیکھا ہے کہ وہ چہرے پر علامات کو دیکھ کر سنی اور شیعہ کو پہچان لیتے ہیں، اور اگر یہ صحیح ہو تو اس سے مزید تائید حاصل ہو جاتی ہے) کہ بعض حضرات اولیاء کرام نیک اور بد، مومن اور کافر کو پہچان لیتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ فلاں سے مجھے طاعت کی اور فلاں سے معصیت کی بُو آتی ہے اور فلاں سے ایمان اور فلاں سے کفر کا رائحہ محسوس ہوتا ہے الخ

الغرض لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ کو فَلَعَرَفْتَهُمْ سے منسوخ قرار دینا سراسر باطل اور مردود ہے کیونکہ ان کا محل جدا جدا ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ منافقوں کو جمعہ کے دن خطبہ کے موقع پر مسجد سے باہر نکال دیا گیا تھا تو اس سے بھی استدلال صحیح نہیں۔ اولاً تو اس لیے کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تب بھی خبر واحد ہے اور بقول خانصاحب اس کو قرآن کریم قطعی

آیت کے مقابلہ میں پیش کرنا محض ہرزہ بافی ہے۔ قرآن کریم کی نص قطعی کا جواب یہ کیسے بن سکتی ہے؟
خان صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔
"کہ عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض ہرزہ بافی ہے" (انباء المصطفیٰ ص۴)
نیز لکھتے ہیں کہ " نہ حدیث احاد اگرچہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو عموم قرآن کی تخصیص کر سکے بلکہ اس کے حضور مضمحل ہو جائے گی بلکہ تخصیص متراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن اور تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص ہو سکے" (ملفظہ انباء المصطفیٰ ص۴)
اور مفتی صاحب کا حوالہ بھی پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ دوسروں سے قطعی الدلالۃ دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں اور یوں لکھتے ہیں کہ " وہ آیت قطعی الدلالت ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو" (ملفظہ جاء الحق ص۹)
اور نیز مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ " قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث احاد سے بھی خاص نہیں بنا سکتے چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے" انتہیٰ (جاء الحق ص۹)
جب تک وہ اس حدیث کا تواتر ثابت نہ کریں ان کو پلے اس استدلال میں پیش کرنے کا کیا حق ہے؟
وثانیاً اس مضمون کی کوئی روایت صحیح ہی نہیں ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس سلسلہ کی روایات کا باحوالہ تذکرہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے رجال کا ذکر خیر بھی کتب اسماء الرجال سے کر دیتے ہیں تاکہ اصل حقیقت سامنے آ جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت

ان کی روایت امام ابن جریرؒ (اور طبرانیؒ و ابن ابی حاتمؒ و ابن مردویہؒ و ابو الشیخؒ) وغیرہ نے نقل کی ہے۔
اور ان کی سند یوں ہے:۔ اسباط عن السدی عن ابی مالک عن ابن عباس رض الخ دیکھئے تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص۹ وعمدۃ القاری ج ۴ ص۲۲۱ و در منثور ج ۳ ص۱۷۲ و ابن کثیر ج ۲ ص۲۸۵ و روح المعانی ج ۱۱ ص۱۰ وغیرہ
مگر یہ سند کمزور اور ضعیف ہے، اس قابل نہیں کہ اس سے احتجاج کیا جا سکے۔ کیونکہ ایک تو اس کی سند میں اسباط۔ بن نصر الہمدانی ابو یوسف ہے۔ امام حربؒ کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اس کو ضعیف سمجھتے تھے۔ امام ابو حاتمؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابو نعیمؒ سے اس کی تضعیف سنی ہے اور انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ اس کی اکثر حدیثیں عامی ساقط الاعتبار اور مقلوب الاسانید ہیں، امام نسائیؒ

کا بیان ہے کہ وہ قوی نہیں ہے۔ ساجی رح اس کو ضعفاء میں بیان کرتے ہیں۔ امام ابنِ معینؒ سے ایک روایت میں لیس بشیئ کے الفاظ مروی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۱۲) اور دوسرے راوی اس میں السدی الکبیر ہیں جن کا نام اسمٰعیلؒ بن عبدالرحمٰنؒ بن ابی کریمہؒ ہے۔ یہ اگرچہ فنِ تفسیر کے امام ہیں مگر فن حدیث کے بارے میں حضرات محدثین کرام رح کی رائے ان کے بارے میں اچھی نہیں ہے۔ چنانچہ امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ ان کی روایت میں ضعف ہوتا ہے۔ امام جوزجانی رح فرماتے ہیں کہ ھو کذاب شتام" (وہ بہت بڑا جھوٹا اور تبرائی تھا) امام ابو زرعہ رح فرماتے ہیں کہ وہ کمزور ہے۔ ابو حاتم رح کہتے ہیں اس کی حدیث لکھی تو جا سکتی ہے مگر اس سے احتجاج درست نہیں ہے۔ عقیلی کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ساجیؒ کا بیان ہے کہ صدوق فیہ نظر۔ امام طبریؒ کہتے ہیں لا یحتج بحدیثہ کہ اس کی حدیث سے احتجاج و استدلال جائز نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۱۴) اور معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۳۱ بر ابن کثیر، اور مجموع التفاسیر ج ۳ ص ۱۷۶ میں اس مضمون کی ایک روایت کلبی اور سدی دونوں سے مروی ہے

کلبی کا حال بھی سن لیجئے اور سدی اس مقام پر الصغیر ہے۔ اس کا حال بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ کلبی کا نام محمد بن السائب بن بشر ابو النضر الکلبی ہے۔ امام معتمرؒ بن سلیمانؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ کوفہ میں دو بڑے بڑے کذاب تھے، ایک اُن میں سے کلبی تھا اور لیثؒ بن ابی سلیمؒ کا بیان ہے کہ کوفہ میں دو بڑے بڑے جھوٹے تھے، ایک کلبی اور دوسرا سدی۔ امام ابنِ معینؒ کہتے ہیں کہ لیس بشیئ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰؒ اور ابنِ مہدی رح نے اس کی روایت بالکل ترک کر دی تھی۔ امام ابن مہدی فرماتے ہیں کہ ابو جزء رح نے فرمایا کہ میں اس بات پر گواہی دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے۔ میں نے جب یہ بات یزیدؒ بن زریعؒ سے بیان کی تو وہ بھی فرمانے لگے کہ میں نے بھی اُن سے یہی سنا کہ اشھد انہ کافر اس کے کفر کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ :-

یقول کان جبرائیل یوحی الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقام النبی لحاجتہ وجلس علی رض فاوحی الی علی رض

کلبی کہتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی لایا کرتے تھے ایک مرتبہ آپ کسی حاجت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی جگہ حضرت علی رض بیٹھ گئے تو جبرئیل علیہ السلام نے ان پر وحی نازل کر دی۔

(یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام مورد وحی اور مہبطِ وحی کو نہ پہچان سکے اور حضرت علیؓ کو رسول سمجھ کر ان کو وحی

سُنا گئے، اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس بھولے بھالے جبرائیل علیہ السلام نے آگے پیچھے کیا کیا ٹھوکریں کھائی ہوں گی اور کن کن پر وحی نازل کی ہو گی اور نہ معلوم حضرت علیؓ کو بھی وہ اس خفیہ وحی میں کیا کچھ کہہ گئے ہوں گے۔ ممکن ہے یہ خلافت بلافصل ہی کی وحی ہو جس کو حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت علیؓ کے کان میں پھونک گئے ہوں گے۔ بات ضرور کچھ ہو گی۔ آخر کلبی کا بیان بلا وجہ تو نہیں ہو سکتا، اور کلبی کے اس نظریہ کے تحت ممکن ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی ہی وحی میں بھول کر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو وحی سُنا گئے ہوں اور مقصود کوئی اور ہو بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ حضرت علیؓ ہی ہوں۔ آخر کلبی ہی کے کسی بھائی کا یہ نظریہ بھی تو ہے کہ: ؎

جبرائیل کہ آمد چوں از خالق بے چوں — بہ پیش محمد شُد و مقصود علی بودہ

معاذ اللہ تعالیٰ، استغفر اللہ تعالیٰ، کلبی نے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور وحی کو ایک ڈراما اور کھیل بنا کر رکھ دیا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ ثم العیاذ باللہ تعالیٰ۔ صفدر) بلکہ کلبی نے خود یہ کہا ہے کہ جب میں بطریق ابو صالح عن ابن عباسؓ کوئی روایت اور حدیث تم سے بیان کروں تو فہو کذب، (وہ جھوٹ ہے) امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ حضرات محدثین کرامؒ سب اس امر پر متفق ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ اس کی کسی روایت کو پیش کرنا صحیح نہیں ہے امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور اس کی روایت لکھی بھی نہیں جا سکتی۔ علیؒ بن الجنیدؒ، حاکم ابو احمدؒ اور دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ جوزجانیؒ کہتے ہیں کہ وہ کذّاب اور ساقط ہے۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ اس کی روایت پر جھوٹ بالکل ظاہر ہے اور اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ ساجیؒ کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے اور بہت ہی ضعیف اور کمزور تھا کیونکہ وہ غالی شیعہ ہے۔ حافظ ابو عبد اللہ الحاکمؒ کہتے ہیں کہ ابو صالحؒ سے اس نے جھوٹی روایتیں بیان کی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد اتفق ثقات اهل النقل علی ذمه و ترك الرواية عنه فی الاحکام والفروع (تہذیب التہذیب ج ۹ ص۱۷۸ تا ص۱۸۱ ملتقطاً)

تمام اہلِ نقل ثقات اس کی مذمت پر متفق ہیں اور اس پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ احکام اور فروع میں اس کی کوئی روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔

اور امام احمدؒ بن حنبلؒ نے فرمایا کہ کلبی کی تفسیر اوّل سے لے کر آخر تک سب جھوٹ ہے اس کو پڑھنا

بھی جائز نہیں ہے (تذکرۃ الموضوعات ص۸۲) ، اور علامہ محمد طاہر الحنفی رح لکھتے ہیں کہ کمزور ترین روایت فنِ تفسیر میں کلبی عن ابی صالح عن ابنِ عباس رضہ ہے ، اور

فاذا انضم الیہ محمد بن مروان السدی الصغیر فھی سلسلۃ الکذب (تذکرۃ الموضوعات ص۸۲ والاتقان ج۲ ص۱۸۹) جب اس کے ساتھ محمد بن مروان السدی الصغیر بھی مِل جائے پھر تو یہ جھوٹ کا ایک پلندہ ہے ۔

اور اس روایت میں خیر سے یہ دونوں شیر جمع ہیں ۔ سچ ہے ع شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

اور محمد بن مروان السدی الصغیر کا حال بھی سُن لیجئے :-

امام بخاری رح فرماتے ہیں کہ اس کی روایت ہرگز نہیں لکھی جاسکتی ۔ (ضعفاء صغیر امام بخاری رح ص۲۹) ۔ اور امام نسائی رح فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے ۔ (ضعفاء امام نسائی رح ص۵۲) علامہ ذہبی رح لکھتے ہیں کہ حضرات محدثین کرام رح نے اس کو ترک کر دیا ہے ، اور بعض نے اس پر جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگایا ہے ۔ امام ابنِ معین رح کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے ۔ امام احمد رح فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا تھا ۔ ابنِ عدی رح کا بیان ہے کہ جھوٹ اس کی روایات پر بالکل بیّن ہے ۔ (میزان الاعتدال ج۳ ص۱۳۲) ۔ امام بیہقی رح فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے ۔ (کتاب الاسماء والصفات ص۲۹۴) ۔ حافظ ابنِ کثیر رح فرماتے ہیں کہ وہ بالکل متروک ہے ۔ (تفسیر ابنِ کثیر ج۳ ص۵۱۵) ۔ علامہ سُبکی رح لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (شفاء السقام ص۲۷) ۔ علامہ محمد طاہر رح لکھتے ہیں کہ وہ کذاب ہے ۔ (تذکرۃ الموضوعات ص۹) جریر رح بن عبد الحمید رح فرماتے ہیں کہ وہ کذاب ہے ۔ ابنِ نمیر رح کہتے ہیں کہ وہ محض ہیچ ہے ۔ یعقوب بن سفیان رح کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ۔ صالح رح بن محمد رح فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف تھا وکان یضع ۔ (خود جعلی حدیثیں بھی بنایا کرتا تھا) ۔ ابو حاتم رح کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے ، اس کی حدیث ہرگز نہیں لکھی جاسکتی ۔ (تہذیب التہذیب ج۹ ص۴۳۶)

یہ ہیں وہ شیر جن کی روایات سے دیگر اہلِ بدعت حضرات عموماً اور مفتی احمد یار خان صاحب خصوصاً قرآن کریم کی نصِّ قطعی کو کاٹنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے غلط اور باطل عقیدہ پر زد نہ پڑے ۔ فوا اسفا ۔ اور خود یوں گوہر افشاں ہیں کہ ۔ قرآنِ پاک کے عام کلمات کو حدیث احاد سے بھی خاص نہیں بنا سکتے چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے ۔ (جاء الحق ص۱۰۹) ۔

رہی حضرت ابنِ عباس رضہ کی وہ روایت جو شرح شفاء میں حضرت ملّا علی ن القاری رح نے نقل

کی ہے کہ منافق مرد تین سو اور عورتیں ایک سو ستر تھیں تو اس کی سند انہوں نے کوئی بیان نہیں کی ظن غالب یہی ہے کہ اس کی سند میں بھی کوئی کلبی اور سدی جیسا شیر موجود ہے تو ایسی بلا سند اور موقوف روایت سے قرآن کریم کی قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت نص کو کیونکر رد کیا جا سکتا ہے؟ اور ایسی روایت قرآن کریم کی آیت کا جواب کیسے بن سکتی ہے؟ مفتی صاحب اور دوسروں سے تو آپ قطعی الدلالت نص اور حدیث متواتر مانگتے ہیں، کیا اپنے گھر شریف کی بھی آپ کو کچھ خبر ہے؟ ذرا ادھر بھی تو نگاہ کیجئے اور دل کی کہئے۔ عوام کے سامنے تو آپ دل کی کہنے کو تیار نہ ہوں گے۔ ہمارے سامنے ہی کہہ دیجئے ؂

میں اگر حائل تو نکلے مطلب دل کچھ نہ کچھ | میرا جانا اور ہے قاصد کا جانا اور ہے

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت

اس سلسلہ میں ایک یہ روایت بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن خطبہ کے موقع پر بہت سے منافقوں کو نام بنام پکار کر مسجد سے نکال دیا تھا اور ان منافقوں کی تعداد چھتیس تھی۔ یہ روایت عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۲۱ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۵ و ج ۴ ص ۱۸۰ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۷ اور خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۲ و روح المعانی ج ۱۱ ص ۱۰ و تاریخ کبیر للبخاریؒ ج ۷ ص ۲۳ وغیرہ میں مذکور ہے۔

صحابی کا نام بعض روایتوں میں ابن مسعودؓ اور بعض میں ابو مسعود (عقبۃؓ بن عمرو انصاری) آتا ہے دونوں جلیل القدر صحابی ہیں۔

یہ روایت امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۸۶ میں ابو احمد الزبیری کے علاوہ بھی دو سندوں سے نقل کی ہے لیکن دونوں میں مدار عیاض بن عیاض عن ابیہ الخ پر ہے

قرین قیاس یہ بات ہے کہ یہ روایت حضرت عبداللہؓ بن مسعود الہذلی سے نہیں بلکہ ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاریؓ سے ہے۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ اس کو اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ عن ابی مسعود الانصاریؓ الخ (درمنثور ج ۳ ص ۲۷۲) ابن مسعودؓ اور ابو مسعودؓ میں کتابت وغیرہ میں غلطی واقع ہو گئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

پہلی وجہ یہ ہے کہ امام بیہقیؒ کی سند میں "ابو احمد الزبیری عن سفیان الخ" واقع ہیں اور یہ اگرچہ اکثر حضرات محدثین کرامؒ کے نزدیک ثقہ ہیں مگر امام احمدؒ بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: کثیر الخطأفی

حدیث سفیان (سفیانؒ سے جب یہ روایت کرتے ہیں تو اس میں کثرت سے خطا کر جاتے ہیں) اور یہ روایت بھی ان کی سفیان ہی سے ہے۔ عجلیؒ کہتے ہیں کہ ثقہ ہے مگر شیعہ ہے۔ اور ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ حافظ حدیث تھے مگرؒ لہ اوھام ان سے اوہام صادر ہوتے رہتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۵۵) اور دوسرے راوی اس سند کے سلمہؒ بن کہیلؒ ہیں۔ یہ اگرچہ ثقہ اور ثبت تھے مگر عجلیؒ، یعقوبؒ بن شیبہؒ اور امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ ان میں تشیع تھا۔ (تہذیب ج ۴ ص ۱۵۷) اور شیعہ کا نظریہ علمِ غیب کے بارے میں نیز حضرات صحابہ کرامؓ کے اوپر طعن کرنے اور نفاق وغیرہ کے الزام عائد کرنے میں کسی سے مخفی نہیں ہے اور ابنِ مردویہ کی روایت میں جو بطریق ابنِ مسعودؓ مروی ہے یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ :-

ماکنا نعرف المنافقین علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ببغضھم علی بن ابی طالب (درمنثور ج ۶ ص ۶۶)

ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں صرف اس علامت سے منافقوں کو پہچانتے تھے کہ وہ حضرت علیؓ سے بغض رکھتے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ کیا منافقوں کا بغض صرف حضرت علیؓ سے تھا، حضرت عمرؓ وغیرہ سے نہ تھا؟ ان کے ساتھ بغض کرنے کو کیوں علاماتِ نفاق سے شمار نہیں کیا گیا؟ بلکہ اسی سابق روایت میں ایک لطیف حیلہ سے حضرت عمرؓ کا خطبۂ جمعہ میں دیر سے آنا بھی مذکور ہے اور جس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ آئے تو منافق مسجد سے نکل رہے تھے اور حضرت عمرؓ حیا کے مارے چھپتے پھرتے تھے کہ لوگ تو جمعہ پڑھ کر خارج ہو رہے ہیں اور میں اب آرہا ہوں مگر بعد کو حقیقت معلوم ہوئی۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں عیاض بن عیاض عن ابیہ الخ ہے۔ اور بعض کتب اسماء الرجال (مثلاً تاریخ کبیر للبخاریؒ ج ۷ ص ۲۳ و کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتمؒ ج ۳ ص ۴۰۹ و کتاب الثقات لابن حبانؒ ج ۵ ص ۲۶۷ وغیرہ) میں بلا توثیق اس راوی کا نام تو مذکور ہے اور تعجیل المنفعۃ لابن حجر ص ۳۲۶ میں ہے فوثقہ ابن حبانؒ (یعنی کتاب الثقات میں اس کے ذکر کرنے سے اس کی توثیق ہوئی) لیکن آگے تصریح ہے ولم یذکر سماعا عن ابیہ ولا ابوہ من ابی مسعودؓ (تعجیل المنفعۃ ص ۳۲۶ طبع حیدر آباد دکن) تو اصول حدیث کے رُو سے یہ روایت منقطع ہوئی جو صحیح نہیں ہے اور تفسیر المنار میں اس کی تصریح ہے کہ

والذی اراہ ان الروایۃ غیر صحیحۃ (المنار ج ۱۱ ص ۳۰)

ہمارے خیال کے مطابق یہ روایت ہرگز صحیح نہیں ہے۔

الغرض اصول حدیث اور فن روایت کے تحت منافقوں کی تعداد اور ان کے صحیح علم کے متعلق کوئی

روایت صحیح نہیں ہے اور اگر کوئی روایت صحیح ثابت ہو جائے تب بھی خبر واحد ہی رہے گی اور قرآن کریم کا جواب وہ ہرگز نہیں بن سکتی۔ علاوہ بریں روایتی حیثیت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے بھی اگر محض درایت ہی سے سوچا جائے تب بھی ان روایات سے فریق مخالف کا مدعیٰ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بصورت صحت ایں روایات ان سے صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ چھتیس[۳۶] منافق تھے۔ اس سے یہ کیونکر ثابت ہو گا کہ ان کے علاوہ اور کوئی منافق نہ تھا؟ مسجد سے خطبہ جمعہ کے موقع پر چھتیس آدمیوں کو نکال دینے سے یہ کیسے لازم آیا کہ مدینہ طیبہ میں منافق ہی صرف یہ تھے باقی اور کوئی نہ تھا؟ اور یہ کیا ضروری ہے کہ سب منافق مسجد میں حاضر ہی ہوئے ہوں؟ یہ اور اسی قسم کے کئی اور احتمال اس میں پیدا ہوتے ہیں اور اگر صرف یہی منافق تھے تو حضرت ابن عباس رضؓ کی بے سند روایت کا فریق مخالف کیا جواب دے گا۔ ان کے نزدیک تو وہ بھی صحیح ہے جن میں تین سو[۳۰۰] مرد اور ایک سو ستر[۱۷۰] عورتیں شامل تھیں؟ دیکھئے فریق مخالف کیا اب کتائی کرتا ہے ؎

کوئی یہ پیش کر دے شاعر خوش نوا کا قول ‏ ‏ ‏ وعدے کا اعتبار کیا جب اس میں اک مگر بھی ہے

فائدہ:۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تبوک کے سفر میں ایک گھاٹی کے اندر بارہ (اور ایک روایت میں چودہ اور ایک میں پندرہ کا ذکر بھی آیا ہے) منافقوں نے اچانک حملہ کر دیا تھا تاکہ آپؐ کو شہید کر دیا جائے (العیاذ باللہ تعالیٰ) مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا اور ان بارہ منافقوں کے نام آپ نے صرف حضرت حذیفہ رضؓ کو بتا دیئے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ صاحب سِرّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشہور تھے۔ دیکھئے مسلم ج ۲ ص ۳۶۹ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۹ و زاد المعاد ج ۲ ص ۹ و ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۳ و خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۲۷۹ وغیرہ اور یہی وہ سِرّ اور راز ہے جس کا تذکرہ ملا علی ن القاری نے مرقات ج ۵ ص ۶۱۸ میں کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضؓ کو منافقوں کے نام اور ان کا نسب نامہ بتایا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام کے تمام منافقوں کا علم حاصل تھا اور آپ نے ان کے نام حضرت حذیفہ رضؓ کو بتا دیئے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

انہ علیہ السلام اعلم حذیفۃ باعیان اربعۃ عشر او خمسۃ عشر منافقا وھذا تخصیص لا یقتضی انہ اطلع علی اسمائھم واعیانھم کلھم۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضؓ کو چودہ یا پندرہ منافقوں کے نام (مع ان کی شخصیتوں کے) بتا دیئے تھے اور یہ صرف ان چودہ پندرہ کے ساتھ خاص تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۴) حضرت حذیفہؓ کو سب کے نام اور ذوات بھی بتلادی تھیں۔

الحاصل مرقاۃ کے حوالہ سے یہ ثابت کرنا کہ آپ کو جملہ منافقوں کا علم تھا اور آپ نے حضرت حذیفہؓ کو وہ سب بتلا دیے تھے اور اسی لیے وہ رازداں مشہور تھے وغیرہ وغیرہ یہ حدیث اور تاریخ اسلام سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اس سابق مفصل بحث کے بعد کوئی خلجان باقی نہیں رہتا ؎

آثار سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا
ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

گیارھویں آیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (پ ۱۰۔ التوبہ۔ رکوع ۷)

اللہ تعالیٰ بخشے تجھ کو کیوں رخصت دے دی تو نے اُن کو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے تجھ پر سچ کہنے والے اور جان لیتا تو جھوٹوں کو۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ۹ھ میں قیصر روم کے مقابلہ کے لیے تبوک کے مقام پر جانے کا ارادہ فرمایا اور اس کے لیے نفیر عام کا صاف اعلان فرمایا، تو منافقین نے یہ دیکھ کر کہ فصل کی کٹائی کا موسم ہے، گرمی بڑی سخت ہے، سفر اور مسافت بہت لمبی ہے۔ پھر رومیوں کی مسلح اور آزمودہ کار لاتعداد فوجوں سے مقابلہ ہے۔ وہاں سے بھلا کامیابی اور غنیمت کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آ آکر مختلف قسم کے عذر پیش کئے اور اپنی مجبوریاں بیان کیں اور اس غزوہ میں نہ جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت نے ان کو ان بہانوں میں صادق تصور کرتے ہوئے شرکت نہ کرنے کی اجازت دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ سے ایک گونہ عتاب آمیز مگر نہایت پیارے انداز میں کہا گیا کہ آپ نے ان کے اعذار کا سچ اور جھوٹ معلوم ہونے سے پہلے کیوں ان کو اجازت دے دی۔ انہوں نے غزوۂ تبوک میں جانا تو بہر حال نہ تھا اور ان کی عدم شرکت سے قرائن اور حالات کے تحت ان کا سچا اور جھوٹا ہونا آپ کو بخوبی معلوم ہو جاتا۔ اب تو یہ آپ کی اجازت کو بطور سند پیش کرتے ہیں اور لوگوں کے نزدیک سرخرو ہونے کی سعی کرتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی ؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وکان صلی اللہ علیہ وسلم اذن لجماعۃ فی التخلف باجتہاد منہ فنزل عتابا لہ وقدم العفو تطمینا لقلبہ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ فی التخلف وھلا ترکتھم حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا فی العذر وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ○

(تفسیر جلالین ص۱۵۸)

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے منافقوں کی ایک جماعت کو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی تھی، اسی کے عتاب میں یہ آیت نازل ہوئی اور آپ کی تسلی کے لیے معافی کے اعلان کو مقدم کر کے اس طرح فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا آپ نے ان کو پیچھے رہ جانے کی اجازت کیوں دی؟ اور کیوں نہ ان کے معاملہ کو اس وقت تک کے لیے ملتوی رکھا جب تک آپ ان میں سچے عذر کرنے والوں اور جھوٹوں کو جان نہ لیتے۔

اور علامہ معین بن صفی رح نے بھی اس کے قریب قریب تحریر فرمایا ہے۔ (دیکھئے جامع البیان ص۱۵۸)

اور علامہ ابو السعود لکھتے ہیں کہ:-

کانہ قیل لِمَ سارعت الی الاذن لھم وھلا تأنیت حتیٰ ینجلی الامر کما ھو قضیۃ الحزم۔

(ابو السعود ج ۵ ص۲۳۱)

گویا آپ سے یہ کہا گیا کہ آپ نے ان منافقوں کو اجازت دینے میں کیوں اتنی جلدی کی؟ اور کیوں اتنا توقف بھی نہ کیا کہ اصل معاملہ آپ پر کھل جاتا جیسا کہ حزم و احتیاط کا مقتضیٰ ہے۔

اور علامہ نسفی رح لکھتے ہیں کہ:-

معناہ مالک اذنت لھم فی القعود عن الغزو حین استاذنوک واعتلوا لک بعللھم وھلا استأنیت بالاذن حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ○ (مدارک ج ۲ ص۹۸)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو کیا ہوا تھا کہ آپ نے ان کو غزوہ سے رہ جانے کی اجازت دے دی جب انہوں نے اجازت چاہی اور حیلے کئے اور کیوں نہ آپ نے اتنا توقف کیا کہ آپ کو ان کے سچے اور جھوٹے معلوم ہو جاتے۔

اور اسی کے قریب قریب قاضی بیضاوی رح نے تحریر فرمایا ہے۔ (دیکھئے بیضاوی ص۲۹۲)

اور حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں کہ:-

یقول تعالیٰ ھلا ترکتھم لما استاذنوک فلم تاذن لاحد منھم فی القعود لتعلم الصادق منھم فی اظہار طاعتک

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منافقوں نے جب آپ سے اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو اس حالت میں کیوں نہ چھوڑ دیا۔ کہ ان میں سے کسی کو بھی ترک جہاد کی آپ اجازت نہ دیتے

فانهم كانوا مصرين على القعود عن الغزو وان لم تأذن لهم فيه ـ (ابن کثیر ج ۲ ص ۳۶۱)

تاکہ آپ ان میں سے اُن کے صدق کو جو آپ کی اطاعت کا اظہار کرتے ہیں نہ جان لیتے کیونکہ وہ تو ترکِ جہاد پر مُصر تھے ہی، اگرچہ آپ ان کو اجازت نہ بھی دیتے۔

اور حضرت عبداللہ رضؓ بن عباسؓ سے اسی آیت کے ذیل میں مروی ہے کہ:۔

لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرف المنافقين يومئذٍ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۸۹)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت منافقوں کو نہ جانتے تھے (اور بعد کو بھی سب کا علم نہیں ہو سکا)

اور حضرت ابن عباس رضؓ کی ایک روایت میں ہے کہ:۔

فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يأذن لهم لا يدري ما في انفسهم ـ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۴۹)

تو جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو اجازت دینے لگے (کہ وہ تبوک کی مہم میں شریک نہ ہوں) لیکن آپ ان کے دلوں کی باتوں کو نہ جانتے تھے۔

اس آیت سے اور اس کی ذیل میں حضرات مفسرین کرامؒ کے اقوال اور عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے پیش کردہ اعذار کی بناء پر غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت دی تھی، ان کے اعذار اور بہانوں کا سچ اور جھوٹ ہونا اس وقت تک آپ کو معلوم نہ تھا۔ حالانکہ یہ واقعہ ۹ھ کا ہے، اور یہ آیت سورۂ توبہ کی ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔ کما مرّ۔

مفتی احمد یار خاں صاحب کی اُپج

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ "جواب، نہ اس آیت میں آپ پر عتاب ہے اور نہ حضورؐ اُن کے فریب سے بے خبر تھے۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے اُن کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اجازت دی۔ رب نے فرمایا کہ اے مجرموں کے پردہ پوش آپ نے اُن کو رسوا نہ کیا؟ عتاب غلطی پر ہوتا ہے۔ یہاں غلطی کونسی ہوئی تھی؟ عفا اللہ، کلمۂ دعائیہ ہے نہ کہ عتاب۔" (انتہی بلفظہ۔ جاء الحق ص ۱۰۳)

الجواب

مفتی صاحب نے حسبِ عادت یہاں بھی عجیب قسم کی خیانت یا جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ اولاً اس لیے کہ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ○ کو بالکل ہضم ہی کر گئے ہیں، اور ان کا معدہ ایسا قوی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ڈکار تک نہیں لیتے۔ اگر

اس جملہ کا تذکرہ کرتے اور اس کو بھی ملاحظہ کر لیتے تو ان کو حقیقت معلوم ہو جاتی کہ اصل معاملہ کیا ہے اور میں کیا کہہ اور لکھ رہا ہوں کہ نہ حضور ان کے فریب سے بے خبر تھے۔

وثانیاً، نہ معلوم یہ کس آیت کا ترجمہ اور مفہوم ہے کہ اے مجرموں کے پردہ پوش آپ نے ان کو رُسوا کیوں نہ کیا؟ اس آیت میں تو کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں آپ کی اجتہادی لغزش پر آپ کو تنبیہ کی گئی ہے جیسا کہ آپ نے حضرات مفسرین کرام رہ کے اقوال اور عبارات میں ملاحظہ کر لیا ہے۔

وثالثاً، مفتی صاحب کا یہ لکھنا کہ "نہ اس آیت میں آپ پر عتاب ہے"۔ سراسر غلط ہے۔ تفسیر جلالین وغیرہ کی عبارت میں صراحت کے ساتھ عتاب کا لفظ موجود ہے، اور حافظ ابن کثیر حضرت عون سے نقل کرتے ہیں کہ:۔

هل سمعتم بمعاتبة احسن من هذا؟ بدء بالعفو قبل المعاتبة۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ صفحہ ۳۶۱)

کیا تم نے اس سے بہتر عتاب سنا ہے؟ کہ عتاب سے پہلے عفو کا پروانہ دیا جائے۔

غرضیکہ اس آیت میں عتاب بھی ہے اور عفو کی سند اور پروانہ بھی ہے۔

ورابعاً، مفتی صاحب کی یہ بھی غلطی اور کوتاہ فہمی ہے کہ وہ یہ لکھتے ہیں کہ عتاب غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کونسی تھی؟ مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عتاب، لغزش اور خطائے اجتہادی پر بھی ہوتا ہے۔ اور اس مقام پر خطائے اجتہادی کا صدور ہوا ہے۔ جیسا کہ خود یہ نص اور حضرات مفسرین کرام رح کے اقوال اس پر دال ہیں۔

بارھویں آیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ط وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنٰى ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ○ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ط الآية

اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد اور کفر پر اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے اور مورچہ لگانے کے لیے اس شخص کے لیے جو اس سے قبل لڑتا رہا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی کا ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ وہ

مدینہ طیبہ میں ایک خبیث قسم کا عیسائی پادری تھا جس کا نام ابو عامر راہب تھا، جو بیر مفتی اور مولوی تھا، اور زمانۂ جاہلیت میں لوگ اس کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، تو ابو عامر کی مکاریاں اور دینی فریب کاریاں آفتاب نبوت کے سامنے بے نقاب ہوگئیں۔ وہ مجبور ہو کر وہاں سے مکہ مکرمہ بھاگ گیا اور مشرکین مکہ کو اہل اسلام کے خلاف اکسایا۔ جنگ اُحد میں خود میدان میں لڑا، اور اسی کی سازش سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید اور چہرہ مبارک زخمی ہوا۔ جب حنین کے مقام پر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح دی اور سارا عرب ان کے زیر اثر آگیا، تو ابو عامر نے محسوس کر لیا کہ اب عرب میں کوئی طاقت اسلام کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو وہ بھاگ کر ملک شام جا پہنچا اور منافقین مدینہ کو لکھا کہ میں قیصر روم سے مل کر ایک جرار لشکر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں لانے والا ہوں جو چشم زدن میں مسلمانوں کو پامال کر دے گا (العیاذ باللہ تعالیٰ) تم فی الحال ایک عمارت مسجد کے نام سے بنالو، جہاں نماز کے بہانے سے جمع ہو کر اسلام کے خلاف ہر قسم کے سازشی مشورے ہو سکیں اور قاصد تم کو وہیں میرے خطوط وغیرہ پہنچا دیا کریں اور میں بذاتِ خود آؤں تو ایک موزوں و مناسب جگہ میرے ٹھہرنے اور ملنے کی ہو۔ یہ خبیث اور ناپاک مقاصد تھے جن کے لیے مسجد ضرار تعمیر ہوئی اور منافقوں نے حضور کے سامنے یہ کہا کہ حضرت واللہ ہماری نیت اچھی ہے۔ بیماری اور سردی وغیرہ میں بالخصوص بیماروں اور ناتوانوں کا مسجد قبا تک جانا دشوار ہے۔ اس لیے یہ مسجد بنائی گئی ہے تاکہ نمازیوں کو سہولت ہو۔ آپ وہاں نماز کا افتتاح فرمائیں تاکہ ہمارے لیے موجب برکت و سعادت ہو۔

آپؐ نے فرمایا کہ میں اس وقت تبوک کی مہم پر جا رہا ہوں۔ (اور بعید نہیں کہ تبوک کے مقام پہ جانے کے لیے جو مجبوری اہلِ اسلام کو پیش آئی تھی اس میں بھی ابو عامر کا ہاتھ ہو اور اس نے رومیوں کو اس بات پہ آمادہ کر لیا ہو کہ وہ عرب پر چڑھائی کریں جیسا کہ اس کا مذکور بیان بتا رہا ہے)

ولو قد منا ان شاء اللہ تعالیٰ اتیناکم فصلّینا لکم فیہ۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۸)

جب ہم واپس آئے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس مسجد میں نماز پڑھیں گے۔

جب آپ تبوک کی مہم سے بخیر و عافیت واپس تشریف لاتے اور مدینہ طیبہ میں ابھی داخل نہ ہوئے

تھے کہ ایفائے عہد کا وقت بالکل قریب پہنچ گیا۔

ولم یبق بینہ وبینھا الا یوم او بعض یوم نزل علیہ جبرائیل بخبر المسجد الضرار وما اعتمدہ بانوہ من الکفر والتفریق بین جماعۃ المؤمنین الی ان قال فبعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی ذالک المسجد من ھدمہ قبل مقدمہ المدینۃ۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۸)

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مدینہ طیبہ میں ایک دن یا اس کا کچھ حصہ باقی رہا تو حضرت جبرائیلؑ مسجد ضرار کی حقیقت سے آپ کو آگاہ کرنے آئے اور اس مسجد کے تعمیر کرنے والوں نے کفر اور تفریق بین المسلمین کا جو پروگرام بنایا تھا اس سے آپؐ کو باخبر کیا۔ تو آپ نے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے قبل ہی اپنے قاصد بھیجے جنہوں نے اس مسجد کو گرا کر اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے ان منافقین کے سرغنہ یخدج سے دریافت فرمایا کہ اس مسجد سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ تو اس نے کہا۔ یا رسول اللّٰہ!:۔

واللّٰہ ما اردت الا الحسنیٰ وھو کاذب فصدقہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

(در منثور۔ ج ۳ ص ۲۷۶)

خدا کی قسم میرا مقصد اس مسجد کی تعمیر سے صرف نیکی ہے حالانکہ وہ جھوٹا تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو سچا سمجھ کر اس کی تصدیق فرما دی

اور حضرت ملا جیون رح لکھتے ہیں کہ:۔

فقال علیہ السلام انا علیٰ جناح سفر اذا قدمنا من تبوک انشاء اللّٰہ تعالیٰ صلینا فیہ فلما قفل من غزوۃ تبوک سألوہ اتیان المسجد فنزلت علیہ فقال علیہ السلام لوحشی رض قاتل حمزۃ رض ومعن بن عدی رض وغیرھما انطلقوا الی ھذا المسجد الظالم اھلہ فھدموہ واحرقوہ ففعل اھ

(تفسیرات احمدیہ ص ۳۱۱)

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اس وقت تو سفر کی تیاری میں ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب تبوک سے واپس آئے تو اس میں نماز پڑھیں گے۔ جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ان منافقوں نے آپ سے ایفاء عہد کا سوال کیا۔ اس پر یہ ارشاد نازل ہوا۔ آپ نے حضرت وحشی رض قاتل حضرت حمزہ رض اور معن رض بن عدی وغیرہ کو بھیجا اور یہ حکم دیا کہ ان ظالموں کی مسجد کو گرا کر جلا دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس کا شان نزول دیگر حضرات مفسرین کرام رح نے بھی یہی کچھ لکھا ہے مگر ہم خوف طوالت سے اُن

کی عبارات قلم انداز کرتے ہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ کے ایک محلہ میں رہنے والے منافقوں کی ان گہری سازشوں اور اسلام کے خلاف مہلک اور خطرناک قسم کی ریشہ دوانیوں کا علم نہ تھا۔ اگر آپ کو اس کا علم ہوتا تو آپ کبھی ان جھولوں کو سچا تصور نہ فرماتے اور نہ ان سے وعدہ کرتے اور اگر آپ کو اس سازش کا علم ہوتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نازل ہو کر اس سے آپ کو آگاہ کرنے اور قرآن کریم کے نازل ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں نکلتا۔
اس سے معلوم ہوا کہ غزوہ تبوک سے رجوع تک بھی آپ کو علم غیب اور جمیع ماکان ومایکون کا علم حاصل نہ تھا اور نص قرآنی سے یہی کچھ ثابت ہے اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت زیدؓ بن ارقم کے واقعہ میں سورۃ المنافقون کا نزول اور عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کا جنازہ پڑھانا وغیرہ متعدد واقعات قرآن کریم میں ایسے موجود ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمیع ماکان ومایکون کے عالم ہونے کی صراحت سے نفی ثابت ہوتی ہے۔ مگر ہم بخوفِ طوالت ان کا ذکر ترک کرتے ہیں اور ہم نے پہلے ہی یہ بات عرض کر دی ہے کہ ارادہ تو کم وبیش پچاس آیات پیش کرنے کا تھا مگر کتاب کے حجم کے بڑھ جانے کے خوف سے ہم نے صرف ان آیات اور ان کی تفاسیر پر اقتصار کیا ہے اور یہ بارہ آیات بجولئے آیۃ کریمہ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا۔ صرف جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمیع ماکان ومایکون کے علم کی نفی پر نص قطعی ہیں اور ان میں بیشتر واقعات اور اخبار ہیں جن کا نسخ بالکل ناممکن ہے ؎

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ ازیں سخنم پند گیر و خواہ ملال

جملہ اہلِ اسلام کے مسلّمہ اصول و قواعد کے رُو سے قرآنِ کریم کی نصوصِ قطعیہ کے بعد دلائل اور براہین کی مد میں حضرت امام الانبیاء خاتم النبیین سید الرسل محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مقام ہے جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

اصلِ دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیثِ مصطفےٰ بر جاں مسلّم داشتن

اسی وجہ سے ہم قرآن کریم کی واضح تر آیات کے بعد آئندہ باب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چند صحیح اور صریح حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ احادیث کی رُو سے بھی آپ جمیع ماکان ومایکون کے عالم نہ تھے اور یہی کچھ حضرات محدثین کرامؒ ، بزرگانِ دینؒ اور شراح حدیث نے سمجھا ہے، نہ جیسا کہ فریق مخالف کا باطل اور بے بنیاد عقیدہ ہے کہ آپؐ کو تمام غیوب اور جملہ ماکان ومایکون کا علم حاصل تھا۔

باب ہفتم

اس باب میں ہم چند احادیث عرض کریں گے جن سے بخوبی یہ معلوم ہو جائے گا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو نہ تو علمِ غیب حاصل تھا اور نہ آپ جمیع ما کان وما یکون کے عالم تھے اور جب خود جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے نفی فرمادی ہے تو کسی اور کی بات کیسے اور کیونکر حجت ہو سکتی ہے؟ اور ہم اس کا التزام کریں گے کہ کوئی حدیث ضعیف پیش نہ ہو۔ جو حدیث بھی ہم استدلال میں پیش کریں گے وہ صحیح ہی ہوگی یا کم از کم درجہ میں حسن ہوگی۔ ملل متابعات اور شواہد میں حضرات محدثین کرام رح کا قاعدہ ملحوظ رکھا جائے گا۔ کیونکہ ع

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

پہلی حدیث ۱

حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ :-

قال كان النبىّ صلى الله عليه وسلّم بارزا يوما للناس فاتاه رجل فقال ما الايمان قال الايمان ان تؤمن بالله وملائكته وبلقائه ورُسُلِه (وفى نسخة وكتبه) وتؤمن بالبعث قال ما الاسلام قال الاسلام ان تعبد الله ولا تشرك به

ایک دن جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم باہر لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا، ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں اور آخرت پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کتابوں پر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لاؤ۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا

(وفی نسخة شیئاً) وتقیم الصلوٰة
وتؤدی الزکوٰة المفروضة و
تصوم رمضان قال ما الاحسان
قال ان تعبد الله كانك تراه فان
لم تكن تراه فانه يراك قال متى
الساعة قال ما المسئول (وفی
نسخة عنها) باعلم من السائل
وسا خبرك عن اشراطها اذا ولدت
الامة ربها واذا تطاول رعاة
الابل البهم فی البنیان فی
خمس لا یعلمهن الا الله ثم
تلا النبی صلی الله علیه و
سلم ان الله عنده علم الساعة
الآیة ثم ادبر فقال ردوه فلم
یروا شیئاً فقال هذا جبرائیل
جاء یعلم الناس دینهم۔

(بخاری ج ۱ ص۱۲ ومسلم ج ۱ ص۲۹ ونسائی ج ۲
ص۲۲۹ وترمذی ج ۲ ص۸۵ تحویلاً وابن ماجه ص۲۶
وابوداؤد ج ۲ ص۲۸۹)

کہ اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور
اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز قائم
کرو اور فریضۂ زکوٰۃ ادا کرو اور ماہ رمضان کے
روزے رکھو پھر اس شخص نے عرض کیا کہ احسان
کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح
خشوع اور خلوص سے ادا کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے
ہو سو اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھتا ہے
پھر اس شخص نے عرض کیا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ
نے فرمایا کہ جس سے یہ بات پوچھی جا رہی ہے، وہ خود
سائل سے زیادہ اس کو نہیں جانتا اور میں تم کو اس کی
(کچھ) علامتیں بتلائے دیتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے آقا کو
جنے اور جب سیاہ اونٹوں کے چرانے والے بڑی بڑی
بلند عمارتیں بنانے لگیں (تو سمجھ لینا کہ قیامت قریب ہے
اور وقت قیامت تو ان پانچ چیزوں میں سے ہے
جن کا علم بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں۔ پھر آپ نے
سورۂ لقمان کی یہ آیت پڑھی ان الله عنده علم الساعة الخ۔
اس کے بعد سوال کرنے والا شخص چلا گیا تو حضور نے فرمایا اس کو
واپس لاؤ مگر وہ نظر نہ آیا، آپ نے فرمایا کہ یہ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے
لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔

یہ روایت حضرت عمرؓ سے بھی مروی ہے۔ (مسلم ج ۱ ص۲۷ وابوداؤد ج ۲ ص۲۸۹ وطیالسی ص۵
ومشکوٰۃ ج ۱ ص۳ ونسائی ج ۲ ص۲۲۹) اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت انسؓ، حضرت جریرؓ
بن عبداللہ البجلی (المتوفی ۵۱ھ) اور حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوعامر الاشعریؓ (المتوفی
۸ھ) سے بھی مروی ہے (فتح الباری ج ۱ ص۱۰۶ وعمدة القاری ج ۱ ص۲۸۳) اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ

(المتوفی ۵۲ھ) اور حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضؓ (المتوفی ۷۸ھ) سے بھی مروی ہے (کنز العمال ج ۱ صفحہ ۶۹، ۷۱) اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کے ساتھ حضرت ابوذر غفاری رضؓ سے بھی مروی ہے۔ (نسائی ج ۲ صفحہ ۲۲۹)۔ یہ جلیل القدر دس حضرات صحابہ کرام رضؓ وہ ہیں جن سے یہ حدیث مروی ہے اور پھر ذیل میں طبقات رواۃ کی اتنی کثرت ہے کہ ان کا ضبط و شمار بھی مشکل ہے۔ اس حدیث میں جتنے علوم و معارف اور دقائق و اسرار ہیں وہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں ان کی تفصیل کے لیے کتب شروح حدیث وغیرہ کی طرف مراجعت کریں۔ ہم اس حدیث کے پیش نظر جو کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں وہ صرف تین امور ہیں:۔

امرِ اوّل:۔ یہ روایت اس پر نص قطعی ہے کہ قیامت کے قیام کا ٹھیک وقت جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا، ہاں البتہ قیامت کی چند چیدہ چیدہ اور چنیدہ چنیدہ نشانیاں آپ نے ضرور بیان فرمائی ہیں مگر یہ محل نزاع سے خارج ہیں۔ کما مرّ؛

امرِ دوم:۔ اس حدیث کے اندر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ خالص دین ہے، کیونکہ اس کے آخر میں صاف طور پر یہ ارشاد موجود ہے کہ سائل حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ جاء یعلم الناس دینھم وہ اس لیے آئے تھے کہ لوگوں کو ان کا دین سکھلا جائیں اور جامع المسانید ج ۱ صفحہ ۱۷۵ کی روایت میں ہے ھذا جبرائیل اتاکم یعلمکم معالم دینکم۔ کہ یہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے وہ تمہیں تمہارے دین کے واضح نشانات سکھانے آئے تھے۔

امرِ سوم:۔ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری دور کا واقعہ ہے جس میں تمام احکامِ دین نازل ہو چکے تھے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام لوگوں کے ذہن میں اِن امُور کا اہتمام پیدا کرنے اور ان امورِ دین پر مُہرِ تصدیق ثبت کرنے کے لیے تشریف لائے تھے، مگر ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نہیں پہچان سکے تھے، بعد میں آپ کو یہ علم ہوا تھا کہ وہ تو حضرت جبرائیل عؑ تھے۔ ہم ان امور پر اسی ترتیب سے بحث کرتے ہیں اور چند دلائل عرض کرتے ہیں

امرِ اوّل:۔ جب آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ متٰی الساعۃ قیامت کب ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا کہ ما المسئول عنھا باعلم من السائل۔ جس سے یہ پوچھا جا رہا ہے وہ اس کو سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ شراح حدیث نے اس کے دو معنے بیان کئے ہیں اول یہ کہ سائل اور مسئول عنہا دونوں نفی علم میں مساوی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ:۔

فان المراد انهٗ التساوی فی عدم العلم بہ (فتح الباری ج ۱ ص۱۱۴)

مراد اس سے بھی صرف یہی ہے کہ سائل اور مسئول عنہا، دونوں نفی علم میں برابر ہیں۔

اور حافظ بدر الدین عینی الحنفی رہ لکھتے ہیں کہ:-

لانهما متساویان فی نفی العلم به وان کل سائل ومسئول فهو کذالك (عمدۃ القاری ج ۱ ص۳۴۰)

وہ دونوں نفی علم میں مساوی ہیں اور ہر ایک سائل اور مسئول عنہا کا یہی حکم ہے۔

اور علامہ قسطلانی رح ارقام فرماتے ہیں کہ:-

والمراد نفی علم وقتها لان علم مجیئها مقطوع به فهو علم مشترك وهذا وان اشعر بالتساوی فی العلم الا ان المراد التساوی فی العلم بان الله استأثر بعلم وقت مجیئها بقوله بعد فی خمس لا یعلمهن الا الله الخ۔

(قسطلانی ج ۱ ص۱۱۵)

اس سے مراد وقتِ قیامت کے علم کی نفی کرنا ہے۔ کیونکہ اس کے آنے کا علم قطعی ہے لہٰذا وہ مشترک ہے اور اگرچہ بظاہر اس سے علم میں مساوات مفہوم ہوتی ہے لیکن دراصل مراد یہ ہے کہ اس بات کے جاننے میں برابری جتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خاص وقت کا علم اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے کیونکہ اس کے بعد یہ قول موجود ہے کہ قیامت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہے۔

اور شیخ الاسلام زکریا رح (المتوفی ۹۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ:-

انما المراد التساوی فی نفی العلم به الخ (تحفۃ الباری ج ۱ ص۲۸۰)

اس سے مراد بس نفی علم میں برابری ہے۔

اور حافظ ابن کثیر رح تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ای التساوی فی العجز عن درك ذالك علم المسئول والسائل (تفسیر ج ۳ ص۴۲۳)

مطلب یہ ہے کہ علم قیامت کی تحصیل سے عاجز ہونے میں مسئول اور سائل دونوں برابر ہیں۔

اور امام نووی رح ما المسئول عنها باعلم من السائل کے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ:-

فیه انه ینبغی للعالم والمفتی وغیرهما اذا سئل عن مالا یعلم ان یقول لا اعلم وان ذالك لا ینقصه

اس جواب میں اس کی تعلیم ہے کہ عالم اور مفتی وغیرہ کو چاہیے کہ جب ان سے کسی ایسی بات کا سوال ہو جو انہیں معلوم نہ ہو تو وہ صاف صاف کہہ دیں کہ ہم کو علم

(شرح مسلم ج ۱ ص ۲۸) نہیں اور اس سے ان کی تنقیصِ شان نہیں ہوتی۔

اور علامہ سندی الحنفی رح فرماتے ہیں کہ:۔

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المسئول عنہا باعلم من السائل کنایۃ عن تساویہما فی عدم العلم۔ (بحوالۃ التعلیق الصبیح ج ۱ ص ۲۱)

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد ما المسئول عنہا باعلم من السائل کا مطلب یہ ہے کہ سائل و مسئول دونوں اس میں برابر ہیں کہ قیامت کا علم ان کو نہیں ہے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں کہ:۔

یعنی نیستم من دانا تر از تو بداں یعنی من و تو ہر دو برابر یم درنا دانستن آں بلکہ ہر سائل و مسئول ہمیں حال دارد کہ آنرا جز خداوندِ تعالیٰ کسے نداند و وے تعالیٰ ہیچکس را از ملائکہ و رسل براں اطلاع نداده۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۵)

یعنی میں اس وقتِ قیامت کو تم سے زیادہ نہیں جانتا یعنی میں اور تم دونوں اس کے نہ جاننے میں برابر ہیں بلکہ ہر سائل و مسئول کا اس بارہ میں یہی حال ہے کہ اس کو خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور رسولوں میں سے کسی کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی۔

اہلِ علم کے نزدیک یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ جب کسی جملہ اور کلام کا معنی ایک مقام پر باعثِ اشکال ہو (اور اس مقام میں تو سرے سے اشکال ہے ہی نہیں) تو اس جملہ اور کلام کا دوسرا مقام دیکھ کر اس کی مدد سے معنیٔ مراد کی تعیین کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ہم نے جب ما المسئول عنہا باعلم من السائل کا جملہ دوسرے مقام پر دیکھا تو اس سے بھی نفیِ علم ہی کا معنی حاصل ہوا۔ چنانچہ حضرت ابو امامہ رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک یہودی عالم آیا، اس نے جناب رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ زمین کے ٹکڑوں اور بقاع میں کون سے بقعات سب سے بہتر ہیں۔ آپ نے سکوت اختیار فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد تک خاموش رہوں گا، اُن سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ دریافت فرمایا:۔

فقال ما المسئول عنها باعلم من السائل ولكن اسأل ربي تبارك وتعالى (الحديث)

تو حضرت جبرئیل ع نے فرمایا کہ جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا لیکن میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں گا۔

چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لے گئے اور باری تعالیٰ سے پوچھ کر آئے اور فرمایا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اس مرتبہ باری تعالیٰ کے اتنا قریب ہوا کہ اتنا قرب مجھے کبھی نصیب نہیں ہوا آپ نے فرمایا، اے جبرائیلؑ وہ کیسے؟ انہوں نے کہا کہ مجھ میں اور باری تعالیٰ میں اس دفعہ صرف ستر ہزار پردے نور کے حائل تھے اور باری تعالیٰ نے فرمایا کہ :۔

شر البقاع اسواقها وخير البقاع مساجدها۔ بدترین ٹکڑے بازار ہیں اور بہترین ٹکڑے مسجدیں ہیں۔

رواہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابن عمرؓ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۷۱)

اس روایت میں ما المسئول عنها باعلم من السائل کا مطلب اور معنی بغیر نفی علم کے اور کچھ بھی نہیں بیا کہ مخفی نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ترکیب علم کی مقتضی نہیں بلکہ نفی علم کی مقتضی ہے موارد الظمآن ص ۹۷ کی روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سائل نے یہ سوال کیا کہ زمین کے ٹکڑوں میں سے کون سے ٹکڑے بدترین ہیں تو آپ نے فرمایا لا ادری میں نہیں جانتا یہاں تک کہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے نہ پوچھ لوں جب آپ نے حضرت جبرائیلؑ سے سوال کیا تو انہوں نے بھی فرمایا لا ادری میں نہیں جانتا الحدیث یہ روایت اس بات پر نص قطعی ہے کہ اس مقام پر اس جملہ سے مراد صرف نفی علم ہے اور بس۔

مولوی محمد عمر صاحب کی منطق دانی

آپ نے حدیث کے اندرونی اور بیرونی دلائل کے تحت حضرات محدثین کرامؒ اور شراح حدیث سے اس کا معنی اور مطلب بھی سُن ہی لیا ہے۔ اب ذرا مولوی محمد عمر صاحب کی بھی سُن لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"اور وہابی صاحب اگر مَا الْمَسْئُوْلُ بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ کے معنی معاذ اللہ بے علم ہونے کے ہی کرو گے تو تم مَا اُخْبِرُكَ عَنْ اَشْرَاطِهَا اور اِذَا وَلَدَتِ الْاَمَةُ رَبَّهَا اور وَاِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْاِبِلِ الْبُهْمِ فِي الْبُنْيَانِ کے مکذب ثابت ہو گے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جملے کے معنی اُلٹے سے آپ کے تین جملوں کا انکار لازمی ہوگا کیونکہ ما المسئول باعلم من السائل کے تمہارے مطلب سمجھنے سے لگے تین جملوں سے اس کا تناقض لازم آئے گا" (بلفظہٖ مقیاس حنفیت ص ۴۳۱)

جواب

یہ ہے مولوی محمد عمر صاحب کا جوابِ انیق یا جہل مرکب گویا وہ تمام حضرات محدثین کرامؒ جن سے ہم نے ما المسئول عنها باعلم من السائل کا مطلب نقل کیا ہے بقول مولوی محمد عمر صاحب وہ سب کے سب وہابی صاحب ہوئے اور انہوں نے اس ایک جملہ کا معنی اُلٹ کر

اگلے تین جملوں کا انکار کر دیا اور وہ ان جملوں کے مکذب بھی ثابت ہو گئے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ مولوی محمد عمر صاحب خود اپنے علم کے مطابق اور انصاف و دیانت سے (اور درحقیقت اُن سے اِن میں کسی چیز کی کسر سے توقع ہی بے جا ہے) فرمائیں کہ آپ ما المسئول عنہا باعلم من السائل کا یہ ایجاد بندہ اور خود ساختہ معنی کر کے فی خمس لا یعلمھن الا اللہ الخ کا کیا مطلب بیان کریں گے؟ اور ایک روایت میں ہے: فی خمس من الغیب" لا یعلمھن الا اللہ (مسلم ج ۱ ص ۲۹) اس روایت کی موجودگی میں تو کوئی بھی باطل توجیہ کارآمد نہیں ہو سکتی۔ اور کیا آپ اس کے مکذب نہیں ٹھہریں گے؟ باقی تناقض کا بھی عجیب گر مولوی محمد عمر صاحب کو دستیاب ہوا ہے کہ نہ موضوع و محل ایک اور نہ تناقض کی دوسری شرطوں کا ان میں وجود، مگر تناقض بہرحال ان کے نزدیک ہو ہی جائے گا۔ مولوی محمد عمر صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک ہے نفس قیامت کا علم اور ایک ہے اس کی بعض علامات اور اشراط کا علم۔ یہ دو بالکل الگ الگ اور جدا جدا چیزیں ہیں جیسا کہ ہم اس کتاب میں مختلف ابواب میں مفصل عرض کر چکے ہیں ما المسئول عنہا باعلم من السائل سے نفس قیامت کے علم کی نفی ہے اور آگے جو چیزیں بیان کی گئی ہیں وہ قیامت کی نشانیاں اور علامتیں ہیں۔ نفی اور چیز کی ہے اور اثبات اور چیز کا ہے تو تناقض کیا اور کہاں سے؟ مگر مولوی محمد عمر صاحب اور اُن کی جماعت کو اس سے کیا غرض؟ افسوس ہے مولوی محمد عمر صاحب کے علم اور دیانت پر کہ وہ سَاُخْبِرُكَ عَنْ اَشْرَاطِهَا کے واضح مفہوم کو جو محض قیامت سے قبل بعض نشانیوں کی طرف مشیر ہے کیسے نظر انداز کر گئے ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور سے پوچھا گیا کہ متی الساعۃ؟ تو آپ نے فرمایا ھی سبحان اللہ فی خمس لا یعلمھن الا اللہ الی ان قال ولکن ان شئت حدثتك بمعالم دون ذالك پھر آپ نے چند نشانیاں بیان فرمائیں۔ اور فرمایا کہ:

فذالك من معالم الساعۃ واشراطھا — یہ ہیں قیامت کی علامتیں اور اس کی نشانیاں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۹، ابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۴) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے کہ جب آپ سے سوال ہوا کہ قیامت کب ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ ما المسئول عنہا باعلم من السائل (موارد الظمآن ص ۳۵) کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جس سے سوال کیا گیا وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

یہ سب عبارات اور اقتباسات اس امر کو متعین کر دیتے ہیں کہ اس عبارت سے مراد نفی علم میں برابری ہے اور مطلب یہ ہے کہ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو قیامت کی ٹھیک گھڑی اور وقت معلوم نہیں

بعینہ اسی طرح جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی وہ معلوم نہیں اور حسب تصریح حافظ ابن حجر رح علامہ بدرالدین العینی الحنفی رح اور علامہ قسطلانی رح وغیرہ فی خمسن لا یعلمھن الا اللہ الخ اس کی دلیل ہے کیونکہ یہ قول نفی علم ہی کے ساتھ مناسب ہے نہ کہ علم کے ساتھ۔ جیسا کہ کسی بھی ادنیٰ اہل تامل پر بھی یہ بات مخفی نہیں ہے۔ دوسرا معنی اس کا علم میں برابری سے کیا گیا ہے مگر برابری کس بات میں؟ صرف اس بات میں برابری کہ سائل اور مسئول عنہا دونوں اس کے جاننے میں برابر ہیں کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ قسطلانی رح کی عبارت میں یہ بات صراحت کے ساتھ گذر چکی ہے اور حافظ ابن حجر رح لکھتے ہیں کہ:۔

وھذا وان کان مشعرًا بالتساوی فی العلم لکن المراد التساوی فی العلم بان اللہ تعالیٰ استأثر بعلمھا لقولہ بعد فی خمسٍ لا یعلمھن الا اللہ۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۴)

اگرچہ اس لفظ سے بظاہر علم میں مساوات مفہوم ہوتی ہے لیکن مراد یہ ہے کہ سائل اور مسئول اس بات کے علم میں برابر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس علم کو اپنے ہی لیے مخصوص کر لیا ہے کیونکہ بعد میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ قیامت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بھی نہیں جانتا۔

اور علامہ آلوسی رح لکھتے ہیں کہ:۔

والمراد التساوی فی العلم بان اللہ تعالیٰ استأثر بعلمھا علی الوجہ الاکمل

(روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۰۱)

مراد یہ ہے کہ سائل اور مسئول دونوں کا علم اس میں برابر ہے کہ قیامت کے علی وجہ الاتم علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی ساتھ مخصوص کر لیا ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ علم میں برابری سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ سائل اور مسئول عنہا دونوں کو قیامت کا علم ہے اور اس میں وہ دونوں برابر ہیں بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ سائل و مسئول عنہا دونوں اس علم میں برابر ہیں کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو نہیں ہے۔ اور اس نے یہ علم صرف اپنی ذات

---

[1] بلکہ طیالسی ص ۵ کی روایت میں ہے: قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما المسئول عنھا باعلم من السائل ھن خمس لا یعلمھن الا اللہ ان اللہ عندہٗ الآیۃ۔ اور جامع المسانید ج ۱ ص ۱۶۷ کی روایت میں ہے فھی من الخمس التی استأثر اللہ تعالیٰ بھا۔

کے ساتھ مختص کر دیا ہے حضرت ملا علی ن القاریؒ فرماتے ہیں۔ ان علم الساعة مما استأثر الله تعالیٰ به (مرقات ج ۵ ص۱۹) یعنی بلاشبہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کے ساتھ مختص ہے۔

شراح حدیث کا بیان تو آپ ملاحظہ کر ہی چکے، اب ذرا فریق مخالف کی خوش گپیاں بھی ملاحظہ کر ہی لیجئے۔ مفتی احمدیار خان صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"اس میں حضور علیہ السلام نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی بلکہ زیادتی علم کی نفی کی، ورنہ فرماتے لا اعلم (میں نہیں جانتا) اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اے جبرئیل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو بھی خبر ہے اور تم کو بھی، اس مجمع میں یہ پوچھ کر راز ظاہر کرنا مناسب نہیں" (بلفظہ جاء الحق ص۱۲۱)

اور مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ مسئول سائل سے اعلم نہیں یعنی اے جبرئیل قیامت سے تو بھی بے خبر نہیں اور میں بھی بے خبر نہیں، تو بھی جانتا ہے۔ میں بھی جانتا ہوں۔ (بلفظہ مقیاس حنفیت ص۲۹۴)

جواب فریق مخالف کا یہ جواب قطعاً باطل اور سراسر مردود ہے بلکہ طفل تسلی سے بڑھ کر اس کی کوئی وقعت ہی نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ اگر آپ کو یہ علم تھا تو آپنے فی خمس لا یعلمھن الا اللہ الخ کیوں فرمایا، اور سورۂ لقمان کی آخری آیت جس میں ان اللہ عندہ علم الساعة الآیة مذکور ہے آپنے کیوں تلاوت فرمائی؟ اور اس سے احتجاج کیسے صحیح ہوا؟

وثانیاً شراح حدیث کے اقوال ہم نے پیش کر دیئے ہیں۔ ان سے یہ حقیقت بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد نفی علم ہی ہے۔ راہ راست سے ہٹ کر وہ اختراعی راز مراد نہیں جس کا ذکر فریق مخالف نے کیا ہے:

وثالثاً عنقریب بیان ہوگا کہ جب حضرت جبرئیلؑ نے آپ سے سوال کیا تھا تو اس وقت تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ علم ہی نہ تھا کہ یہ حضرت جبرائیلؑ ہیں تو پھر آپنے یہ کیسے فرمایا کہ تو اور میں دونوں قیامت کا علم رکھتے ہیں؟ سوال کے وقت تو حضرت جبرئیلؑ کی پوزیشن ایک سائل اور اعرابی اور بدو سے بڑھ کر نہ تھی۔ آپنے بھلا ایک اعرابی اور بدو کو یہ کیوں فرما دیا کہ تو اور میں دونوں قیامت کا علم رکھتے ہیں؟

زمانۂ سابق میں کسی احمق اور جاہل سے حضرت امام جلال الدین سیوطی رہ کا سابقہ پڑا ہے جس کو حضرت ملا علی ن القاریؒ یوں نقل فرماتے ہیں کہ:۔

وقد جاهر بالكذب بعض من يدعي في
زماننا العلم وهو متشبع بما لم يعط ان
رسول الله صلى الله عليه وسلم كان
يعلم متى تقوم الساعة قيل له فقد
قال في حديث جبرائيل ما المسؤل
عنها باعلم من السائل فحرفه
عن موضعه وقال معناه انا وانت
نعلمها وهذا من اعظم الجهل
واقبح التحريف والنبي اعلم بالله
من ان يقول لمن كان يظنه اعرابيا
انا وانت نعلم الساعة الا ان يقول
هذا الجاهل انه كان يعرف انه جبرائيل
فرسول الله عليه السلام هو الصادق
في قوله والذي نفسي بيده ما جاءني
في صورة الا قد عرفته غير
هذه الصورة وفي اللفظ الآخر
ما شُبِّهَ عَلَيَّ غير هذه المرة وفي اللفظ
الآخر ردوا علي الاعرابي فذهبوا
فالتمسوا فلم يجدوا شيئا وانما علم
النبي صلى الله عليه وسلم
انه جبرائيل بعد مُدّة كما قال عمرؓ
فلبثت مليا فقال عليه السلام يا عمرؓ
اتدري من السائل والمحرف يقول

ہمارے زمانہ کے بعض مدعیان علم نے جو درحقیقت
علم سے موصوف نہیں بلکہ نرے جعلساز ہیں یہ کھلا ہوا جھوٹ
کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وقتِ قیام
ساعت معلوم تھا جب اس کو یہ کہا گیا کہ حدیث
جبرئیلؑ میں تو یہ آتا ہے کہ مسئول عنہا سائل سے زیادہ
علم نہیں رکھتا تو اس محرف نے اس حدیث کے معنی میں
یوں تحریف کی کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں اور تو
دونوں قیامت کا علم رکھتے ہیں اور یہ عظیم ترین جہل
اور قبیح ترین تحریف ہے اور جناب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ
تعالیٰ کی شان کو زیادہ جانتے ہیں وہ بھلا یہ کیسے کہہ سکتے
تھے جس کو وہ ایک اعرابی اور دیہاتی سمجھتے تھے کہ میں
اور تو قیامت کا علم رکھتے ہیں اِلّا یہ کہ یہ جاہل دعوےٰ
کرے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت حضرت
جبرائیلؑ کو جانتے تھے مگر اس کو کیا کریں کہ جناب رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو صادق ہیں یہ فرماتے
ہیں کہ بخدا حضرت جبرائیلؑ جب بھی میرے پاس آئے
ہیں میں ان کو پہچان لیتا رہا مگر اب کی بار اس صورت
میں میں اس کو نہیں پہچان سکا اور ایک روایت میں
آتا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ مجھ پر کبھی مشتبہ نہیں
ہوئے مگر اس مرتبہ اور ایک روایت میں ہے کہ اس
اعرابی کو واپس بلا لاؤ جب حضرات صحابہؓ گئے تو وہاں
کچھ بھی نہ تھا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ عرصہ کے بعد
اس کا علم ہوا تھا کہ وہ تو حضرت جبرائیل ہی تھے، چنانچہ آپ نے

علم وقت السؤال انه جبرائیل ؑ ولم یخبر الصحابة رضی بذلك الا بعد مدة ثم قوله فی الحدیث ما المسئول عنها با علم من السائل یعم کل سائل و مسئول فکل سائل و مسئول عن الساعة هذا شانهما الخ (موضوعاتِ کبیر ص۱۱۹)

حضرت عمرؓ سے کچھ عرصہ کے بعد فرمایا کہ اے عمرؓ تم جانتے ہو کہ سائل کون تھا؟ اور یہ معروف کہتا ہے کہ آپ سوال کے وقت ہی جانتے تھے کہ وہ حضرت جبرائیلؑ تھے اور حضرات صحابہ کرامؓ کو آپ نے اس کی اطلاع ایک عرصہ کے بعد دی پھر ما المسئول عنہا باعلم من السائل کے عنوان کے اختیار کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ ہر سائل اور ہر مسئول کا یہی حکم ہے کہ قیامت کا علم بجز اللہ تعالٰی کے اور کسی کو نہیں ہے۔

مفتی احمد یار خان صاحب اور مولوی محمد عمر صاحب اس عبارت کو ٹھنڈے دل سے بار بار پڑھیں اور پھر غور فرمائیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب بیان کر کے کہ میں بھی قیامت کو جانتا ہوں اور تو بھی، وہ کن کن خطابات کے مستحق ہوتے ہیں اور علامہ سیوطیؒ اور حضرت ملا علی ن القاری رحمہ نے ان کو کس گروہ میں شامل کیا ہے۔ اور کن کن خطابات سے نوازا ہے؟ ؎

لائے کا تابِ سماعت کس کا دل کس کا جگر
داستانِ درد و غم ہے داستانِ عندلیب

اور اس عبارت کے آخری حصہ سے مفتی احمد یار خان صاحب کا یہ بہانا بھی دور ہو گیا کہ ورنہ فرماتے "لا اعلم" (میں نہیں جانتا) اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی؟ بات یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف یہ فرماتے کہ لا اعلم (میں نہیں جانتا) یا یہ فرماتے کہ "میں اور تو دونوں نہیں جانتے" تو یہ احتمال باقی رہ جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور اس کو جانتا ہے اس لیے آپ نے تعبیر ہی ایسی فرمائی کہ ہر سائل اور ہر مسئول کا یہی حال اور شان ہے کہ قیامت کا علم ان کو نہیں اس میں کسی سائل اور کسی مسئول کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ یہ ہے اس دراز عبارت کا راز۔

چنانچہ علامہ عینی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:-

انما قال کذالك اشعارا بالتعمیم تعریضا للسامعین ان کل سائل و مسئول فھو کذالك (عمدۃ القاری ج ۱ ص۲۹۳)

یہ عام تعبیر آپ نے اس لئے اختیار فرمائی تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے اور سامعین سمجھ جائیں کہ اس بارے میں ہر سائل اور ہر مسئول کا یہی حکم ہے۔

(اور اسی کے قریب حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے۔ فتح الباری ص۱۲۳)

پھر مفتی احمد یار خان صاحب نے قیامت کی چند نشانیوں کے علم سے نفس قیامت کا علم ثابت کرنے کی جو ناکام اور لاطائل کوشش کی ہے (دیکھئے جاء الحق ص۱۰۱) تو وہ عجیب جہالت کا پلندہ ہے۔ مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ چند نشانیوں کے علم سے (جن کا دلائل سے ثبوت ملتا ہے) ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ نفس قیامت کا علم بھی ہو کیونکہ یہ تو اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الآیۃ کی مد میں ہے جس کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ باقی فرضی اور خود ساختہ اور خود تراشیدہ بے معنی دلائل سے یہ محکم قلعہ ہرگز فتح نہیں ہو سکتا اور نہ یہ جاندار دعوے اور شیر قابو آ سکتا ہے جو بزبانِ حال یہ کہتا ہے کہ ؎

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش سے
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

امرِ دوم :۔ اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے (جس میں خصوصیت کے ساتھ غیر اللہ تعالٰی سے قیامت کے علم کی نفی بھی ہے) وہ خالص ایمان اور دین ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

جعل ذالك كله من الايمان (صحیح بخاری ج۱ ص۱۲)

اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے آپ نے اس سب کو ایمان قرار دیا ہے۔

اور شیخ الاسلام ابن دقیق العیدؒ لکھتے ہیں کہ :۔

ويعلمكم دينكم اى قواعد دينكم او كليات دينكم (شرح اربعین نوویہ لابن دقیق العیدؒ ص۱۲)

حضرت جبرائیلؑ تمہیں دین کی تعلیم دینے آتے ہیں یعنی دین کے قواعد یا کلیات سکھلانے کیلئے آئے ہیں

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ :۔

فجعل هذه كله من الدين (العبودیۃ فی تفسیر القرآن ص۳)

اس حدیث میں تمام چیزوں کو آپ کی طرف سے دین قرار دیا گیا ہے۔

اور علامہ ابو العباس احمدؒ بن عمر الانصاری قرطبیؒ (المتوفی ۶۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ :۔

هذا الحديث يصلح ان يقال له ام السنة لما تضمن من جملة علم السنة

اس حدیث کو اُمّ السنۃ کہنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ تمام علوم سنت پر اجمالاً

(فتح الباری ج ۱ ص۱۱۶ وعمدۃ القاری ج ۱ ص۲۹۱) مشتمل ہے۔

اور قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ:

اشتمل هذا الحديث على جميع وظائف العبادات الظاهرة والباطنة من عقود الايمان ابتداءً وحالاً ومالاً ومن اعمال الجوارح ومن اخلاص السرائر والتحفظ من آفات الاعمال حتى ان علوم الشريعة كلها راجعة اليه ومتشعبة منه

(بحوالہ فتح ج ۱ ص۱۱۶ وعمدہ ج ۱ ص۲۹۱)

یہ حدیث ہر قسم کی ظاہری و باطنی عبادات یعنی تمام ایمانیات اور اعمال ظاہرہ اور اخلاص نیّات (وغیرہ روحانی ملکات) اور آفات شیطانیہ کے تحفظات پر حاوی ہے گویا کہ تمام علوم شریعت اسی کی طرف راجع ہیں اور اسی سے نکلتے ہیں۔ (ملخصاً)

پھر علی الخصوص قیامت کے علم کو الگ کر کے شراح حدیث نے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ عینی الحنفی رح تحریر فرماتے ہیں کہ:-

قلت الاعتقاد بوجودها وبعدم العلم بوقتها لغير الله تعالى من الدين ايضاً۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص۳۲۷)

میں کہتا ہوں کہ قیامت کے آنے کا اعتقاد اور اس کے ساتھ یہ یقین رکھنا کہ اس کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہے۔ جزو دین ہے۔

اور علامہ قسطلانی رح لکھتے ہیں کہ:-

يدخل فيه اعتقاد وجود الساعة وعدم العلم بوقتها لغير الله تعالى لانهما من الدين

(ارشاد الساری ج ۱ ص۱۱۵)

اس میں قیامت کے آنے کا اعتقاد اور اسی طرح یہ اعتقاد بھی داخل ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں عقیدے جزو دین ہیں۔

اور شیخ الاسلام زکریا رح نے اس موقع پر بعینہٖ یہی کچھ لکھا ہے (دیکھئے تحفۃ الباری ج ۱ ص۲۲۷ مع القسطلانی)

ان تمام عبارات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو نہیں ہے۔ قواعد دین، کلیات دین، ایمان اور جزو دین ہے۔ اب جو شخص اس عقیدے کے خلاف کوئی اور خود ساختہ عقیدہ رکھتا ہے تو گویا وہ دین کے ایک اہم عقیدہ اور قاعدۂ دین کا منکر ہے اور اس کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیئے ؎

الٰہی خیر ہو کہ فتنۂ آخر زماں آیا رہے ایمان و دیں سالم کہ وقت امتحاں آیا

امرِ سوم :- یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری دور کا تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ :-

ان رجلا فی آخر عمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث بطولہ۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۳ وعمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۶ وعون الباری ج ۱ ص ۱۳۶ رواہ ابن مندۃ وھو صحیح علی شرط مسلم)

ایک شخص (جو درحقیقت حضرت جبرائیلؑ تھے) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے آخری حصہ میں آپ کی خدمت میں آیا۔ (پھر آگے وہ پوری حدیث نقل کی جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں)۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی یہ مخصوص آمد آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرِ مبارک کے آخری حصہ میں ہوئی تھی۔

اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ :-

انما جاء بعد انزال جمیع الاحکام لتقریر امور الدین التی بلغہا متفرقۃ فی مجلس واحد لتنضبط۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۳)

حضرت جبرائیلؑ تمام احکام کے نزول کے بعد اس واسطے اس موقع پر تشریف لائے تھے کہ دین کی جو اصولی اور ضروری باتیں انہوں نے منتشر اور متفرق طور پر پہنچائی تھیں اب ان کو ایک مجلس میں بیان کر دیں تاکہ وہ منضبط ہو جائیں۔

اور علامہ عینی رح رقمطراز ہیں کہ :-

فہذا یدل علی انہ انما جاء بعد انزال جمیع الاحکام لتقریر امور الدین۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۳)

یہ روایت اس امر کی دلیل ہے کہ جناب جبرائیلؑ کی یہ آمد تمام احکام کے نازل ہونے کے بعد امورِ دین کو منضبط کر کے بیان کرنے کے واسطے ہوئی تھی۔

اور حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ صاحب رح اپنی بے نظیر کتاب میں لکھتے ہیں کہ :-

ولما تم امر الارشاد واقترب اجلہ بعث اللہ جبرائیل ع فی صورۃ رجل یراہ الناس فسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان والساعۃ فبیّن النبی صلی اللہ

اور جب وعظ و ارشاد کا سلسلہ مکمل ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کو ایک مرد کی شکل میں بھیجا تاکہ اس کو لوگ دیکھ سکیں سو اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے بارے میں سوال

علیہ وسلم وصدّقہ جبرائیل ؑ لیکون ذالك كالفذلكة لدينه انتهىٰ (حجة اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۱)

کیا، آپ نے جواب دیا تو حضرت جبرائیل ؑ نے تصدیق کی تاکہ اس طریقہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش کردہ دین کا خلاصہ اور خاکہ سامنے آجائے۔

ان تمام عبارات سے یہ بات بالکل بے نقاب ہوگئی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ آمد تمام احکام دین کے نزول کے بعد ہوئی تھی اور یہ محض اس لیے ہوئی تھی تاکہ تمام حاضرین مجلس کے سامنے دینِ قیم کی اصولی اور بنیادی باتوں کا اعادہ کر کے ان کو منضبط کر دیا جائے اور دیگر امور کی طرح یہ بھی اچھی طرح واضح کر دیا جائے کہ قیامت کے علم کا باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا امورِ دین، کلیاتِ دین اور قواعدِ دین میں سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے زندگی کے آخری لمحات میں یہ اعلان کروا دیا جائے کہ قیامت کا علم نہ مجھے ہے نہ سائل کو اور یہی حال ہے ہر ایک سائل اور ہر مسئول عن الساعۃ کا، اس لیے کہ قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو بجز خالق کائنات کے اور کوئی نہیں جانتا فی خمس لا یعلمھن الا اللہ اور بعض روایات میں اس کی تصریح موجود ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک ایک سوال کرتے جاتے تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کا شافی اور کافی جواب ارشاد فرماتے تو حضرت جبرائیل ؑ اس کی تصدیق کرتے کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا۔ حضرات صحابہ کرام رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم بڑے متعجب ہوئے کہ یہ عجیب قسم کا سائل ہے کہ پوچھتا بھی ہے اور پھر تصدیق بھی کرتا ہے (دیکھئے مسلم ج ۱ ص ۲۹ ونسائی ج ۲ ص ۲۲۹ وغیرہ) کیونکہ سوال کرنا تو بظاہر اس بات پر مبنی ہے کہ اس کو کچھ بھی علم نہیں اور تصدیق کرنا اس امر پر متفرع ہے کہ سائل ان مسائل کو بخوبی جانتا ہے مگر تھا وہ بالکل نووارد اور غیر معروف کہ صحابہ کرام رضؓ میں سے کوئی بھی اس کو نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے سوالات کے وقت اس کو نہ پہچان سکے، چنانچہ حضرت عمر رضؓ کی روایت میں ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل ؑ کے چلے جانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ:-

فوالذی نفسی بیدہٖ ماشبّہ علیّ منذ اتانی قبل مرتی ھذہٖ وماعرفتہ حتّیٰ ولّیٰ (موارد الظمآن ص ۳۵ ورواہ الدار قطنی ج ۱ ص ۲۸۲ وقال اسناد ثابت صحیح۔ وفتح الباری ج ۱

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب سے حضرت جبرائیل ؑ میرے پاس آتے رہے ہیں وہ کبھی اس دفعہ سے پہلے مجھ پر مشتبہ نہیں ہوتے (اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے ان کو نہ پہچانا ہو) مگر اب میں ان کو نہیں

صلا و عمدۃ القاری ج ۱ ص۳۳۰) پہچان سکا یہاں تک کہ وہ چلے گئے۔

اور حضرت ابوذر رضؓ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

لا والذی بعث محمدا بالحق هدی و بشیرا ماکنت باعلم من رجل منکم وانه جبرائیل علیه السلام الحدیث (نسائی ج ۲ ص۲۲۹ و فتح الباری ج ۱ ص۱۱۵ و عمدۃ القاری ج ۱ ص۳۳۰)

قسم ہے اس رب جلیل کی جس نے محمدؐ کو رسول برحق بنا کر بھیجا کہ میں اس سائل کو تم میں سے کسی ایک شخص سے بھی زیادہ نہیں جانتا تھا۔ اور (اب معلوم ہوا کہ) وہ تو حضرت جبرائیلؑ تھے۔

اور حضرت ابو عامر اشعری رضؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

والذی نفس محمد بیدہ ما جاءنی قط الا وانا اعرفه الا ان تکون هذه المرة (فتح الباری ج ۱ ص۱۱۵ و عمدۃ القاری ج ۱ ص۳۳۰ و ارشاد الساری ج ۱ ص۱۱۶)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے کہ حضرت جبرائیلؑ جب کبھی میرے پاس آئے ہیں میں اُن کو پہچانتا رہا بجز اس دفعہ کے کہ میں اُن کو نہیں پہچان سکا۔

اور حضرت ابن عمر رضؓ کی روایت میں ہے کہ

والله ما اتانی فی صورۃ الا وانا اعرفه فیها الا هذه الصورۃ۔ (جامع المسانید ج ۱ ص۱۷۵)

بخدا میرے پاس جس صورت میں بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام آتے تھے میں ان کو پہچان لیا کرتا تھا مگر اس صورت میں میں ان کو نہیں پہچان سکا۔

اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضؓ کی حدیث میں ہے۔

اتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی صورۃ اعرابی و رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یعرفه الحدیث (کنز العمال ج ۱ ص۶۹)

حضرت جبرائیل علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک اعرابی کی شکل میں آئے اور حضورؐ اُن کو نہ پہچان سکے۔

اور حضرت عبدالرحمٰن بن غنم کی حدیث میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ:۔

انه اتاہ جبرائیل فی صورۃ لم یعرفه فیها الحدیث (کنز العمال ج ۱ ص۱۷)

حضرت جبرائیلؑ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایسی شکل میں آئے کہ حضور ان کو اس شکل میں نہ پہچان سکے۔

ان روایات سے ایک تو یہ امر ثابت ہوا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ایک نو وارد دیہاتی اور اعرابی سمجھ کر اس سے گفتگو کی تھی۔ پس یہ کیونکر عقل میں آسکتا ہے اور یہ

یکسے باور کیا جاسکتا ہے کہ جس شخص کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک عامی اور اعرابی سمجھتے ہوں اس سے یہ فرمائیں کہ مسئول و سائل یعنی میں اور تو دونوں قیامت کا علم رکھتے ہیں اور مجھے اور تجھے دونوں کو قیامت کا وقت خاص معلوم ہے؟ الغرض اس حدیث کے جملہ اندرونی اور بیرونی قرائن اور شواہد سختی سے اس کی تردید کرتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہو کہ اے سائل تو اور میں دونوں قیامت کا علم رکھتے ہیں۔ جیساکہ مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ نے اس کی تحریف کی ہے، اور دوسرا یہ امر بھی ثابت ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جو یقیناً ماکان و مایکون میں داخل ہیں اور جو بارہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی بھی لاتے رہے ہیں۔ جب ایک اجنبی صورت و شکل میں آئے تو آپ ان کو بھی نہ پہچان سکے۔ اگر آپ کو جمیع ماکان و مایکون کا علم حاصل ہوتا اور اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو ضرور حلیہ اور شکل بدلنے کے بعد بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آپ پہچان لیتے اور آپ پر وہ ہرگز مخفی نہ رہتے۔ کیونکہ عالم الغیب اور عالم ماکان و یکون پر کسی کے حلیہ اور شکل بدلنے کے بعد بھی اس کی حقیقت مشتبہ نہیں ہوا کرتی لہٰذا اس موقع پر آپ کا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نہ پہچاننا علم غیب کے نفی کی ایک مستقل اور جدا دلیل ہے۔ اور علامہ العینی الحنفی رح فرماتے ہیں کہ صحیح ابوعوانہ کی روایت میں ہے کہ تین راتیں گذر چکنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عمر رضا، وہ سائل تو حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور اسی طرح ابو داؤد ج۲ ص۲۸۹ اور ترمذی ج ۲ ص۸۵ کی روایت میں ہے۔ اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ تیسرے دن کے بعد آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا اور محدث ابن مندۃ رح کی روایت میں ہے کہ تین دن کے بعد آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ (محصلہ عمدۃ القاری ج ا ص۲۳۱) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

سبحان اللہ ھذا جبرائیل جاء لیعلم الناس دینھم۔ الحدیث (فتح الباری ج ا ص۱۱۵ وعمدۃ القاری ج ا ص۲۳۰ ومثلہ فی ارشاد الساری ج ا ص۱۱۶)	سبحان اللہ وہ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور اس لیے آتے تھے تاکہ لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم دیں۔

کیا عالم ماکان و مایکون پر بھی کبھی تین دن (یا تین رات) تک حقیقت مخفی رہ سکتی ہے؟ اور کیا اس پر بھی ایسا تعجب طاری ہوتا ہے کہ وہ حقیقت کے منکشف ہونے کے بعد سبحان اللہ سے بات کو شروع کرے؟ اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عمر مبارک کے آخری حصہ میں بھی امور خمسہ اور ان میں سے علی الخصوص وقت قیامت اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا علم حاصل نہ تھا تو اس کے بعد کس دلیل سے یہ حاصل

ہوا؟ اگر انصاف اور دیانت کے ساتھ دیکھا جائے تو یہی ایک روایت فریق مخالف کے باطل عقیدہ اور ان کی طرف سے جملہ پیش کردہ خرافات کا جواب بالکل کافی، وافی اور شافی ہے۔ بشرطیکہ کوئی ماننا چاہے ورنہ ؏

تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

فائدہ:۔ نوادر امام حمیدی رہ (المتوفی ۲۸۸ھ) میں امام عامرؒ بن شراحیل الشعبیؒ (المتوفی ۱۰۴ھ) سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے حضرت جبرائیلؑ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا کہ قیامت کب ہوگی؟ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے:۔

فانتفض باجنحته و قال ما المسئول عنها باعلم من السائل. (فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۴ و عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۲۸ و درمنثور ج ۳ ص ۱۵۰)

زور سے اپنے بازو کو جھٹک کر (گویا لرز کر) جواب دیا اور فرمایا کہ جس سے سوال کیا گیا ہے وہ قیامت کے وقت کو سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن ما لا یدرك بالقیاس کے قبیل سے ہے۔ لہٰذا حکماً مرفوع ہے۔

الغرض یہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے کہ بعض دیگر امور کی طرح وقتِ قیامت کا علم بھی مخصوصاتِ باری تعالیٰ میں سے ہے اور اس کے بغیر ان کو اور کوئی بھی نہیں جانتا۔ نہ تو اس کو حضرت جبرائیلؑ جانتے ہیں اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں اور یہی کچھ قرآن کریم، صحیح احادیث اور امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتفاقی عقیدہ سے ثابت ہے۔

حدیثِ جبرائیل اور فریقِ مخالف کا جواب

فریقِ مخالف کی طرف سے جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ مفتی احمدیار خان صاحب کے الفاظ میں یہ ہے کہ:۔

"اب رہی مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان کی حدیث کہ یہ پانچ چیزیں کوئی نہیں جانتا۔ اس کی شرحیں ملاحظہ ہوں۔ امام قرطبیؒ، امام عینیؒ، امام قسطلانیؒ شرح بخاری میں اور ملا علی قاریؒ مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اوّل میں اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں ــ

فَمَنِ ادَّعٰی عِلْمَ شَیْئٍ مِّنْهَا غَیْرَ مُسْنَدٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ كَاذِبًا فِیْ دَعْوَاهُ۔ پس جو شخص ان پانچ چیزوں میں سے کسی چیز کے علم کا دعوے کرے حضور علیہ السلام کی طرف بغیر نسبت کئے ہوئے وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ لمعات میں شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں اَلْمُرَادُ لَا یَعْلَمُ بِدُوْنِ تَعْلِیْمِ

اللہ تعالیٰ۔ مراد یہ ہے، کہ ان پانچوں باتوں کو (نہیں بلکہ امورِ خمسہ میں سے بعض بعض امور اور جزئیات کو صفدر) بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کوئی نہیں جانتا۔ اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل اینہارا ندانداز امورِ غیب اند کہ جز خدائے تعالیٰ کسے آنرا نداند مگر آنکہ وے تعالیٰ از نزدِ خود کسے را بوحی و الہام بدانا ند، مراد یہ ہے کہ ان امورِ غیب کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل کے اندازے سے کوئی نہیں جان سکتا کیونکہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر وہ جس کو اللہ اپنی طرف سے بتا دے وحی یا الہام سے۔ (بلفظہٖ جاء الحق ص۱۱)

جواب فریقِ مخالف کے مفتی اور وکیل نے اصل عبارت کے پیش کرنے میں خیانت سے کام لیا ہے۔

اصل عبارت یوں ہے۔

قال القرطبی رہ لا مطمع لاحد فی علم شیٔ من ھذہ الامور الخمس لھذا الحدیث و قد فسر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قول اللہ تعالیٰ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ بھذہ الخمس وھو فی الصحیح قال فمن ادعی علم شیٔ منھا غیر مستندۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان کاذبا فی دعواہ۔ (فتح الباری ج ۱ ص۱۱۲ وعمدۃ القاری ج ۱ ص۳۳۷ و ارشاد الساری ج ۱ ص۱۱۵/۱۶ ومرقات ج ۱ ص۶۵)

امام قرطبی رہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے رو سے ان پانچ چیزوں میں سے کسی چیز کے علم کی کسی کے لیے امید نہیں کی جا سکتی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو کی تفسیر انہی پانچ چیزوں سے کی ہے جیسا کہ اس کا ذکر صحیح (بخاری وغیرہ کی) حدیث میں ہے پس جو شخص ان پانچ میں سے کسی چیز کے علم کا دعوے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کیے بغیر کرے تو وہ اپنے اس دعوے میں سراسر جھوٹا ہوگا۔

فریقِ مخالف نے ان امورِ خمسہ کے کلیات کے علم کا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے جو دعوے کیا ہے اور اس عبارت کے آخری حصہ سے جو نتیجہ انہوں نے نکالا ہے۔ وہ محض نافہمی یا غلط فہمی پر مبنی ہے۔ امام قرطبی رہ تو ان امورِ خمسہ کے جزئیات کا تذکرہ فرما رہے ہیں اور صاف کہہ رہے ہیں کہ فی علم شیٔ من ھذہ الامور الخمس ــ اور فمن ادعی علم شیٔ منھا۔ کہاں امورِ خمسہ کے کلیات کا علم اور کہاں ان کے بعض جزئیات کا علم؟ ہم پہلے مفصل عرض کر چکے ہیں کہ ان امورِ خمسہ کے

جزئیات کے علم میں اہلِ حق کا مبتدعین سے کوئی جھگڑا نہیں ہے جھگڑا صرف کلیات میں ہے۔ اہل حق یہ کہتے ہیں کہ اِن امورِ خمسہ کے کلیات کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہے۔ ان امورِ خمسہ کے جزئیات کا جتنا علم اللہ تعالیٰ کسی کو عطا کر دے، وہ محلِ نزاع نہیں ہے۔ نیز یہ بات بھی باحوالہ ہم نے عرض کر دی ہے کہ حضرات اولیائے کرامؒ کا مکاشفہ یا الہام وغیرہ ایک ظنی امر ہوتا ہے، علمِ یقینی کا اطلاق اس پر نہیں کیا جا سکتا الاّ مجازاً اور ان امورِ خمسہ کے جزئیات کا علم بھی وہی قطعی اور یقینی ہوگا جس کی نسبت جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کی جائے اور آپ سے وہ حاصل ہوا ہو۔ کیونکہ امورِ غیب کی یقینی اور غیر مشکوک اطلاع جو وساوس شیطانیہ وغیرہ سے قطعی طور پر محفوظ ہو۔ سوائے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کسی اور کو براہ راست نہیں دی جاتی۔ اور یہی مفاد ہے امام قرطبیؒ کے ارشاد کا جس کو حافظ ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ، خطیب قسطلانیؒ اور حضرت ملا علی ن القاریؒ وغیرہ نے صرف نقل کیا ہے۔ اور یہی وہ جزئیات امورِ خمسہ ہیں جن کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحقؒ لمعات اور اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں کہ یہ بدون تعلیم خداوندی کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ عام اس سے کہ وہ تعلیم قطعی بذریعہ وحی ہو یا ظنی بذریعہ الہام ہو جیسا کہ حضرات اولیاء کرامؒ وغیرہ کو ہوتی ہے، کلیاتِ امورِ خمسہ کے بارے میں حضرت شیخ صاحبؒ ہرگز یہ نہیں فرماتے کہ ان کا علم بھی باعلام خداوندی کسی اور کو ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مفتی احمد یار خان صاحب اور اسی طرح اُن کے اُستاد مفتی نعیم الدین صاحب وغیرہ کو دھوکہ ہوا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کی متعدد عبارتیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور اسی حدیث جبرئیلؑ میں ان کی اشعۃ اللمعات کی عبارت بھی نقل کی جا چکی ہے کہ قیامت کے وقت کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور رُسل میں سے کسی کو نہیں دی اور اس کے عدمِ علم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیلؑ دونوں برابر ہیں کہ من و تو ہر دو برابریم در ندانستن آں الخ۔ ایسی صاف اور صریح عبارات کی موجودگی میں غلط فہمی میں مبتلا ہونا یا دوسروں کو مغالطہ دینا اہل حق اور اہل انصاف سے بالکل بعید ہے مگر کیا کیا جائے اہل بدعت کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ ان کو ہر صحیح بات سے عناد اور کد ہے اور ہر باطل عقیدہ اور عمل سے اُن کو عقیدت ہے ؎

کیوں یہ دل آگیا پسند تمہیں کون سی بات بھاگئی دل میں؟

دوسری حدیث

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ:۔

سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول قبل ان یموت بشھر تسألونی عن الساعۃ وانما علمھا عند اللہ الحدیث (مسلم ج ۲ ص ۳۱۰ واللفظ لہ، ومسند احمد ج ۳ ص ۳۲۶ و درمنثور ج ۳ ص ۱۵۰ ومشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۸۰ ومستدرک ج ۴ ص ۴۹۹ وقال الحاکم صحیح الاسناد وقال الذھبی علی شرط مسلم)

میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ نے اپنی وفات سے صرف ایک مہینہ پہلے یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہو حالانکہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے (اور کسی کو نہیں ہے)۔

یہ صحیح اور صریح روایت بھی اس پر وضاحت سے دلالت کرتی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی وفات حسرت آیات سے ایک ماہ پیشتر تک قیامت کے وقت کا علم نہ تھا اور اس کے بعد کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آپ کو قیامت کے ٹھیک وقت کا علم عطا کر دیا گیا تھا۔ باقی صاوی اور بیجوری اور اسی طرح غلبۂ سکر میں کچھ لکھ یا کہہ دینے والے نیم صوفی ہرگز کسی شرعی دلیل کا نام نہیں ہے اور نہ یہاں قیاس سے کام چل سکتا ہے۔ حضرت ملا علی القاریؒ اس حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

ھمزۃ الانکار مقدرۃ ای تسألونی عن الساعۃ وانما علمھا عند اللہ ای لا یعلمھا الا ھو۔ (مرقات ج ۵ ص ۲۱۲)

ہمزۂ انکاری اس مقام میں مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا تم مجھ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہو حالانکہ اس کا علم تو بس صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بغیر قیامت کے وقت اور کوئی نہیں جانتا۔

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اسی حدیث کے ترجمہ اور شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔

گفت جابرؓ شنیدم آنحضرت راپیش از رحلت خود بیک ماہ تسألونی عن الساعۃ می پرسید مرا از وقت قیام قیامت وانما علمھا عند اللہ ونیست علم بتعیین وقت آں مگر نزد او عزوجل یعنی از وقت وقوع

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کی وفات سے صرف ایک مہینہ قبل سنا آپ نے فرمایا کہ تم مجھ سے قیامت کے آنے کا وقت دریافت کرتے ہو حالانکہ اس کے وقت متعین کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں یعنی تم قیامت کبریٰ کے آنے کا

قیامت کبریٰ کہ پرسیداں خود معلوم من نیست وآں را جز خدا تعالیٰ نداند۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص۳۷۷)	وقت مجھ سے پوچھتے ہو اور وہ تو خود مجھے معلوم نہیں (میں کیا بتاؤں) اور اس کو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی بھی نہیں جانتا۔

اس صحیح حدیث اور اس کی شرح میں حضرت ملا علی ن القاری رح اور شیخ عبدالحق صاحب کی تشریح سے صاف معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے تک قیامت تک کا علم نہ تھا۔ جو لوگ حضرت ملا علی ن القاری اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب کی غیر متعلق عبارتوں سے (مثلاً دیکھئے مفتی احمد یار خان صاحب کی جاء الحق ص۱۰۵ وغیرہ) مسئلہ علم قیامت کشید کرتے ہیں، ان کو ان صریح عبارات کو ٹھنڈے دل سے پڑھنا چاہیئے کہ ان بزرگوں کا کیا عقیدہ اور تحقیق ہے، اور اہل بدعت کیا کہتے ہیں؟

مولوی محمد عمر صاحب نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذاکرہ قیامت کی حدیث کے تحت لکھا ہے کہ اگر کوئی کج طبع آپ کی بے علمی کی دلیل اخذ کرے تو یہ اس کے نقص ایمانی کی دلیل ہے (بلفظہ مقیاس صفحہ ۴۳۹) کیا ان کے نزدیک حضرت ملا علی ن القاری رح اور شیخ عبدالحق رح وغیرہ سب کے سب کج طبع اور ناقص الایمان ہیں؟ یا یہ شوخی صرف دیوبندیوں اور وہابیوں کے لیے رکھ چھوڑی ہے

تیسری حدیث ۳

حضرت حذیفہ رض سے روایت ہے کہ:۔

سُئِل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الساعۃ قال علمھا عند ربی لا یجلیھا لوقتھا الا ھو ولکن اخبرکم بمشاریطھا وما یکون بین یدیھا ان بین یدیھا فتنۃ وھرجا الحدیث (رواہ احمد فی مسندہ ج ۵ ص۳۸۹ بسند صحیح وتفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۲۷۳ ودر منثور ج ۳ ص۱۵۰)	جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وقت قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا علم تو بس میرے رب ہی کو ہے۔ وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا لیکن میں تم کو اس کی کچھ نشانیاں بتلاتا ہوں اس سے پہلے (بکثرت) فتنے اور قتل و غارت ہوگی۔

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نفس قیامت کبریٰ اور چیز ہے اور اس کی نشانیاں اور علامتیں اور ہیں۔ اول کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل نہ تھا اور ثانی الذکر کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو

آپ کی شان کے لائق اور مناسب عطا فرما دیا تھا۔ جو خود غرض یا جاہل لوگ وقتِ قیامتِ کبریٰ اور اس کی نشانیوں کو غلط ملط کر کے اُلجھن پیدا کرنے کی ناکام اور بے سُود کوشش کرتے ہیں ان کو اس مضمون کی دیگر احادیث کی طرح یہ حدیث بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :-

سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الساعۃ وانا شاھد فقال لا یعلمھا الا اللّٰہ ولا یجلّیھا لوقتھا الا ھو ولکن ساخبرکم بمشاریطھا ومابین یدیھا من الفتن والھرج الحدیث (اخرجہ الطبرانی وابن مردویہ درمنثور ج ۶ صـ ۱۵۰)

میرے سامنے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا لیکن میں تم کو اس کی بعض علامتیں بتلائے دیتا ہوں کہ اس سے پہلے بڑے فتنے اور خونریزیاں ہوں گی۔

یہ حدیث بھی اپنے مفہوم اور مراد میں بالکل واضح ہے مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

مولوی محمد عمر صاحب نے اس حدیث کے جواب میں جو جو شگوفے کھلائے ہیں اور جو ہرزہ سرائی کی ہے وہ قابلِ دید ہے (دیکھئے مقیاس صـ ۳۳۳)۔ مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ فوجداری عدالت کے محل وقوع کے علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے دفتر کی اندرونی جملہ کیفیات اور تمام فائلیں اور جو کچھ ان میں لکھا ہوا ہوتا ہے، وہ سب مفصّل معلوم ہو۔ اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ قیامت کی چیدہ چیدہ علامات اور نشانیاں بتانے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ قیامتِ کبریٰ کا ٹھیک وقت بھی آپ کو معلوم ہو جیسا کہ ان پیش کردہ روایات میں نفسِ قیامت اور علاماتِ قیامت کو الگ الگ کر کے بیان کیا گیا ہے کہ اول کا علم آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو حاصل نہ تھا اور ثانی کا علم خدا تعالےٰ نے آپ کو مرحمت فرمایا تھا، اور ہمارا مقصد ان روایات کے پیش کرنے سے اہل بدعت کے خانہ ساز عقیدہ علم غیب کُلّی یا علمِ جمیع ماکان و مایکون کی نفی ہی ہے۔ اس کو اس پر محمول کرنا معاذ اللہ تعالیٰ ثم معاذ اللہ تعالےٰ کہ ہم کو جناب امام الانبیاء خاتم النّبییّن سردارِ دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے علم شریعت کی تنقیص مقصود ہے، انتہائی بے ایمانی اور اعلےٰ درجہ کی شیطنت ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالےٰ کے بعد کمالِ علمی میں جناب رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہی کا رُتبہ اور درجہ ہے۔ جُملہ دیگر کمالات کی

طرح علمی کمال میں بھی آپؐ ع‌ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

چوتھی حدیث حضرت عبداللہ رضؓ بن مسعود جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

قال لقیت لیلة اسری بی ابراهیمؑ وموسیٰؑ وعیسیٰؑ فتذاکروا امر الساعة قال فردوا امرهم الی ابراهیم علیه السّلام فقال لاعلم لی بها فردوا الامر الی موسیٰ فقال لاعلم لی بها فردوا الامر الی عیسیٰ فقال اما وجبتها فلا یعلمها احد الّا الله ذالك الحدیث (رواه احمد فی مسنده ج ۱ ص۳۷۵ واللفظ له وابن ماجه ص۳۰۹ وسنده صحیح والحاکمؒ فی المستدرک ج۴ ص۴۸۸ وج ۴ ص۵۴۵ وج ۲ ص۳۸۴ وقال الحاکمؒ والذهبیؒ صحیح وابن کثیر ج ۲ ص۲۷۲ ودر منثور ج ۳ ص۱۵۲)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ شبِ معراج میری ملاقات حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسّلام سے ہوئی تو ان میں وقت قیامت کا تذکرہ ہوا۔ پہلے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں یہ سوال پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے قیامت کا کوئی علم نہیں ہے پھر یہی سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ مجھے قیامت کا کوئی علم نہیں ہے پھر یہی سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا، تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے وقوع کے وقت کی خبر تو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو نہیں ہے الخ۔

ابن ماجہ اور مستدرک کی ایک روایت میں آتا ہے کہ:۔

فبدؤا بابراهیم فسالوه عنها فلم یکن عنده منها علم فسألوا موسیٰ فلم یکن عنده منها علم الحدیث (ابن ماجه ص۳۰۹ ومستدرک ج۴ ص۴۸۸)

سب سے پہلے قیامت کے بارے میں حضرت ابراہیمؑ سے سوال کیا گیا مگر ان کے پاس قیامت کا کچھ علم نہ تھا پھر حضرت موسیٰؑ سے پوچھا گیا مگر ان کے پاس بھی اس کا کچھ علم نہ تھا۔

اور مستدرک کی ایک روایت میں آتا ہے کہ:۔

فتراجعوا الحدیث الی عیسیٰ فقال عیسیٰ عهد الله الیّ فیما دون وجبتها فلا نعلمها الحدیث (مستدرک ج ۲ ص۳۸۴ وقال الحاکمؒ والذهبیؒ صحیح)

انہوں نے بات کا رخ حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھیر دیا انہوں نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت سے پہلے کی کچھ چیزیں تو مجھے بتائی ہیں لیکن اس کے وقتِ وقوع کو ہم نہیں جانتے۔

اس صحیح اور صریح روایت سے بھی یہی کچھ معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام جیسے اولوالعزم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی قیامت کے خاص وقت کا علم نہیں اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام چونکہ علامات قیامت میں سے ہیں اس لیے بالآخر اس بحث کو ان کی طرف لوٹایا گیا مگر ان سے بھی یہی جواب ملا کہ اگرچہ قیامت کی بعض علامات تو مجھے بتائی گئی ہیں مگر اس کا ٹھیک وقت معلوم نہیں بلکہ صاف لفظوں میں یہ ارشاد فرمایا کہ :-

اما وجبتہا فلا یعلم بہا احد الا اللہ — اس کا ٹھیک وقتِ وقوع اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں ہے حالانکہ بارشادِ خداوندی "وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ" وہ قیامت کی علامت ہیں تو اور کس کو ہو سکتا ہے ؟ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے جواب کو آخری جواب سمجھا گیا، اور اس کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ اور فنِ حدیث کا یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کوئی بات کہی جائے یا کوئی کام کیا جائے اور آپ اس کو سُن اور دیکھ کر اُس کی تردید نہ فرمائیں تو وہ بھی آپ کی (تقریری) حدیث ہے :۔ لانہ لا یسکت علی باطل ولا یقر منکرًا (نووی ج ۲ ص۱۵۱ وغیرہ) کیوں کہ آپ نہ باطل پر سکوت فرماتے تھے اور نہ منکر کو رد کیے بغیر چھوڑتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ :-

اما وجبتہا فلا یعلم بہا احد الا اللہ — بہرحال اُس کا ٹھیک وقت بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا

تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سُن کر اُن کی تردید نہیں فرمائی کہ میں اس سے مستثنیٰ ہوں۔ اس لیے کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع کا وقت بتا دیا ہے۔ لہٰذا اصولِ حدیث کے مسلّم قاعدہ کی رُو سے آپ بھی ان اولوالعزم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زُمرہ میں شامل ہیں جن کو قیامت کا علم حاصل نہیں اور جب اولوالعزم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قیامت کا علم نہیں تو اور کس کو ہوگا یا ہو سکتا ہے ؟ حافظ ابنِ کثیرؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ :-

فھٰؤلاء اکابر اولی العزم من المرسلین لیس عندھم علم بوقت الساعۃ علی التعیین — سو یہ اکابر اور بڑی شان کے رسول بھی قیامت کے وقتِ معیّن کا علم نہیں رکھتے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۲۷۳)

اور اس صحیح اور صریح روایت کے پیشِ نظر گویا اولوالعزم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

والسلام کا اس پر اتفاق و اجماع قائم ہو گیا کہ قیامت کا علم بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہے اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں اور یہی ایک سچے مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو اسی صحیح عقیدہ پر قائم رکھے آمین۔

فریقِ مخالف کی رکیک تاویل فریقِ مخالف کے اس دور میں وکیلِ اعظم نے جو کچھ اس حدیث کے جواب میں لکھا ہے وہ بجائے خود ایک زندہ ڈرامہ ہے اور وہ اس ڈرامائی رنگ میں عجیب و غریب باتیں کہہ گئے ہیں چنانچہ اُن کے جواب کا خلاصہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ :۔

" باقی رہا انبیاء علیہم السلام کا مذاکرہ تو یہ اس لیے تھا اور آپ کے روبرو اسی لیے ایک دوسرے پر بات ڈالتے تھے کہ آپ ملاحظہ فرمالیں کہ ہم نے آج تک قیامت کے راز کو فاش نہیں کیا آپ بھی اس کو فاش نہ فرمائیں، صرف یہ بات بتانی مقصود تھی، ویسے عرض کرنا کہ کہیں قیامت کا ذکر نہ کرنا اس جملہ کو انھوں نے گستاخی سمجھی آپس میں مذاکرہ کر کے آپ کو جتا دیا کہ آپ ملاحظہ فرمالیجیے آپ نے بھی ایسے ہی عمل کرنا ہے۔ کسی کو جتانا نہیں چاہیا کہ انھوں نے ایک دوسرے پر ڈالا ظاہر نہیں فرمایا ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ سے ضرور سوال کرتے انبیاء علیہم السلام کا آسمانوں میں مذاکرہ قیامت آپ کے سامنے اپنی بے علمی ظاہر کرنے کے واسطے نہ تھا جیسا کہ تم نے سمجھا ہے الخ" (بلفظہ مقیاس حنفیت ص۴۳۸)

جواب یہ ہیں وہ جواہر پارے جو فریقِ مخالف کے مناظرِ اعظم نے زیبِ قلم فرماتے ہیں، مولوی صاحب ہوش میں آکر فرمایئے کہ آپ نے تو یہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا آسمانوں میں مذاکرہ قیامت آپ کے سامنے اپنی بے علمی ظاہر کرنے کے واسطے نہ تھا جیسا کہ تم نے سمجھا ہے۔ اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام سے جب قیامت کے بارے میں سوال کیا گیا تو ان میں سے ہر ایک بزرگ نے یہ فرمایا کہ لا علم لی بہا "مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے" کیا مولوی محمد عمر صاحب اپنے بیان میں سچے ہیں یا خدا تعالیٰ کے نبی لا علم لی بہا فرما کر اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے میں سچے تھے؟ غور سے جواب دینا؟ اور پھر یہ بھی غور سے کہنا کہ ہم نے ہی اس سے ان کی لاعلمی کا مفہوم سمجھا ہے یا نفس الامر میں باقرار حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس کا مطلب ہی صرف یہ ہے؟ مولوی محمد عمر صاحب! اصل عبارت کو چھوڑ

کہ ادھر ادھر کی باتیں کرنا اور لوگوں کو مغالطہ دینا کہاں کا انصاف و دیانت ہے؟ پھر اس پر بھی غور نہ کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم جمیع ماکان و مایکون ہیں تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس حکمتِ عملی سے آپ کو یہ جتانا چہ معنی دارد کہ آپ بھی راز کی بات کو فاش نہ کرنا؟ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اولوالعزم حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی آپ کے جمیع ماکان و یکون کے علم کو نہیں مانتے تھے جبھی تو انہوں نے اس لطیف حیلہ سے قیامت کے علم کی رازداری کی آپ کو تلقین کی اور براہ راست کہہ دینے کو بقول مولوی محمد عمر صاحب گستاخی سمجھی۔ مولوی صاحب نے ازراہِ جہالت جس چیز کو اپنی دلیل بنایا وہی ان کے مخالف پڑتی ہے۔ قلندر لاہوری رہ نے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا کہ ؎

چمن میں تھیں ڈالیاں ہزاروں، مگر مقدر کا کھیل دیکھو
گری اسی شاخ پر ہے بجلی بنایا جس پر تھا آشیانہ

دیکھا آپ نے شیر بیشہ کا جواب اور اس پر ضد اور اصرار اور دوسروں کو یوں کوسنا کہ تم نے اپنے اختراع سے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے (بلفظہٖ مقیاس ص ۷۳۹) مگر یہ نہ سوچا کہ اختراع کس نے کی اور دھوکہ کس نے دیا؟ افسوس ہے اس حقیقت پر، وہ تو دل میں ضرور خوش ہوں گے کہ ؎

پکڑ کر لایا ہوں میں شیرِ تحقیق ‏ ‏ ‏ تم اپنے فیل معنی کو نکالو!

پانچویں حدیث آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد لشکرِ اسلام لے کر مقام حنین پر قبیلۂ بنو ہوازن اور ثقیف کو شکست دے کر ان کے مال و اسباب اور مویشی و جنگی اسیروں کو (جو قانونِ جنگ کے مطابق غلام بنائے جا سکتے ہیں) بطورِ غنیمت حضرات صحابہ کرام رضؓ کے درمیان تقسیم کر دیا، تو ہوازن وغیرہ کی طرف سے ایک وفد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور یہ کہا کہ ہم اسلام قبول کر چکے ہیں اس لیے ہماری درخواست ہے کہ ہمارے اموال و اسباب اور قیدی ہمیں واپس دے دیے جائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم ان کو تمام مجاہدین میں تقسیم کر چکے ہیں۔ اور یہ میری ذاتِ واحد کا سوال نہیں۔ لہذا صاف بات یہ ہے کہ تم دو چیزوں میں سے ایک کو واپس لے لو۔ مال لے لو یا قیدی۔ انہوں نے عرض کیا کہ پھر ہمیں قیدی مل جائیں آپ نے فرمایا۔ اچھا میں مسلمانوں سے تمہاری سفارش کر دوں گا۔ نماز کے بعد آپ نے مسلمانوں کے سامنے ان کا معاملہ پیش کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی ہیں، اب اپنے کیے پر نادم ہو کر آتے ہیں اور چاہتے ہیں

کہ ان کے قیدیوں کو رہائی دے دی جاتے، اور میں خود بھی اسی کے حق میں ہوں اور سب سے پہلے اعلان کرتا ہوں کہ بنی ہاشم کے حصہ میں جو اسیر آتے ہیں میں ان کو ان کے حوالہ کرتا ہوں۔ پس تم میں سے جو لوگ بلا معاوضہ بطیب خاطر ایسا کر سکیں تو فبہا ورنہ ہمارا وعدہ ہے کہ اولین موقع پر ان کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس مجمع سے آوازیں بلند ہوئیں کہ حضرت ہم بطیب خاطر ہوازن وغیرہ کے اسیروں کو آزاد کرتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ بات مجمع عام کی تھی اور اس طرح متعین طور پر ہر شخص کی مرضی نہیں معلوم ہو سکتی تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

انی لا ادری من اذن منکم ممن لم یاذن فارجعوا حتیٰ یرفع الینا عرفاء کم امرکم (بخاری ج ۲ ص ۶۱۹ و اللفظ لہ والیف رواہ فی ج ۱ ص ۳۴۲ و ج ۱ ص ۳۰۹ و ج ۲ ص ۶۱۸ ، وابوداؤد ج ۲ ص ۱۱)

بہ تحقیق مجھے پتہ نہیں چلتا کہ آپ لوگوں میں سے کس کی مرضی ہے اور کس کی مرضی نہیں ہے لہذا اب یہاں سے آپ لوگ چلے جائیں پھر ہر قبیلہ اور خاندان کے لیڈر، ممبر اور چودھری اس معاملہ کی رپورٹ ہمارے سامنے پیش کریں۔

اس کے بعد آپ کے سامنے رپورٹ پیش کی گئی اور تمام اسیروں کو رہا کر دیا گیا۔

اس صحیح روایت سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ عام مجمع میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ تجویز کس کو منظور ہے اور کس کو منظور نہیں ہے اور اسی ہی لیے آپ نے یہ معاملہ عرفاء قوم کے حوالہ کیا۔ اگر آپ عالم جمیع ماکان ومایکون ہوتے تو لامحالہ آپ کو ان تمام لوگوں کے قلبی میلانات کا علم ہوتا اور آپ یہ نہ فرماتے کہ انی لا ادری الخ (میں نہیں جانتا) اور ہم پہلے تاج العروس وغیرہ کتب لغت سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ درایت اور علم متحد المعنی ہیں، اور ایک قول کے لحاظ سے درایت خاص اور علم عام ہے اگر آپ حضرات صحابہ کرام کے دلوں کی بات نہیں جانتے تھے تو غائبین کے ضمائر کیسے جانتے ہیں؟ یہ روایت بھی علم غیب اور جمیع ماکان ومایکون کے علم کی نفی کی واضح دلیل ہے اور ہے بھی رمضان ۸ھ کے بعد کی، دیکھئے فریق مخالف کیا جواب ارشاد فرماتا ہے۔

چھٹی حدیث

حضرت خالدؓ بن الولید (المتوفی ۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہ رضؓ (المتوفاۃ ۵۱ھ) (جو حضرت خالدؓ کی حقیقی خالہ تھیں) کے حجرہ میں داخل ہوا تو اُس وقت اُن کے پاس بھُنی ہوئی گوہ

(ضب) رکھی ہوئی تھی۔ جس کو ان کی بہن حضرت حفیدہ رض بنت الحارث نجد سے اپنے ساتھ لائی تھیں۔ تو حضرت میمونہ رض نے وہ گوہ آپ کی خدمت میں پیش کر دی۔ جب آپ نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائے اور آپ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ بہت کم کسی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا کرتے تھے جب تک کہ آپ کو یہ نہ بتلا دیا جاتا کہ یہ کھانا کیا اور کیسا ہے، تو جو حضرات ازواج مطہرات رض وہاں موجود تھیں ان میں سے کسی نے فرمایا کہ :۔

اخبرن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بما قدمتن لہ قلن ھو الضب یارسول اللہ فرفع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یدہ الحدیث (بخاری ج ۲ ص ۸۱۳ ومسلم ج ۲ ص ۱۵۱ واللفظ لہ)

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتلا دو کہ یہ کیا ہے؟ چنانچہ حضرات ازواج رض نے فرمایا کہ حضرت یہ گوہ ہے۔ آپ نے یہ سنتے ہی فوراً اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا (اور گوہ نہیں کھائی اور حضرت خالد رض نے وہ خوب مزے سے کھائی۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب کُلّی اور جمیع ماکان و ما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ حضور کو خود ہی اس کا علم ہوتا کہ میرے سامنے تو گوہ پیش کی گئی ہے اور آپ ابتداء ہی سے اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات ازواج مطہرات کا بھی ہرگز یہ عقیدہ نہ تھا کہ آپ کو جمیع ماکان و مایکون کا علم ہے اگر ان کا یہ عقیدہ ہوتا تو ان کو یہ کہنے کی مطلقاً ضرورت ہی نہ پیش آتی۔ اخبرن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بما قَدَّمْتُنَّ لہ کہ آپکو اس کی اطلاع دے دو کہ یہ کیا ہے جو آپکے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ یہ بات بھی ملحوظِ خاطر ہے کہ حضرت میمونہ رض کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی زوجیت کا شرف ذوالقعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر سرف کے مقام پر حاصل ہوا تھا جوان کا مدفن بھی ہے (دیکھئے مستدرک ج ۴ ص ۳۱ وغیرہ میں ۷ھ کی تصریح موجود ہے) اور حضرت خالد رض بن الولید کا مشرف باسلام ہونا بھی اس کے بعد کا ہے۔ (دیکھئے فتح الباری۔ حصہ ۲۳ ص ۲۱۹ وغیرہ) اور حافظ ابن حجر رح اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :۔

وانہ کان لا یعلم من المغیبات الا ما علمہ اللہ تعالیٰ۔ (فتح الباری ج ۲۳ ص ۲۱۹)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو غیب کی صرف وہی چیزیں معلوم تھیں جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اطلاع دی جاتی تھی۔

اور حضرت جابر رض سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی خدمت میں

ایک گوہ پیش کی گئی تو آپ نے اس کے کھانے سے انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ :-

لا ادری لعلہ من القرون التی مُسِخَتْ (مسلم ۲ ص۱۵۱ وکنز العمال ج ۸ ص۱) — مجھے معلوم نہیں کہ شاید یہ اُن امتوں میں سے ہو جو مسخ کی گئی ہیں۔

اور حضرت ابو سعید الخدری رضؓ کی روایت میں ہے کہ ایک دیہاتی اور بدو نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ میں ایک ایسے نشیبی جنگل میں رہتا ہوں جہاں گوہیں بکثرت ہیں اور ہمارے یہاں کے لوگ عموماً ان کو کھاتے ہیں۔ فرمایئے میں کیا کروں؟ آپ خاموش رہے۔ کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے حاضرین کی تلقین سے پھر سوال کیا۔ آپ نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا کہ :-

یا اعرابی ان اللہ عزوجل لعن او غضب علی سبط من بنی اسرائیل فمسخھم دوابا یدبون فی الارض فلا ادری لعل ھذا منھا الحدیث (مسلم ج ۲ ص۱۵۲ او کنز العمال ج ۸ ص۱) — اے اعرابی بنی اسرائیل کے ایک خاندان پر خدا تعالیٰ کا غضب اور اس کی پھٹکار ہوئی اور ان کو مسخ کر کے زمین پر رینگنے والے جانور بنا دیا گیا جو زمین پر رینگتے ہیں سو مجھے معلوم نہیں ہے شاید کہ یہ گوہ انہی میں سے ہو۔

حضرت ثابتؓ بن یزید الانصاری (المتوفی سـ ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک غزوہ میں بھنی ہوئی گوہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے ان کو تناول نہ فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ :-

ان امۃ من بنی اسرائیل مسخت دواب فی الارض وانی لا ادری ای الدواب ھی۔ (مسند احمد ج ۴ ص۲۲۰، ابوداؤد ج ۲ ص۱۷۶، نسائی ج ۲ ص۱۶۱، ابن ماجہ ص۲۴۱ وکنز العمال ج ۸ ص۹) — بنی اسرائیل کی ایک اُمت کو زمین پر چلنے والے جانوروں کی صورت میں مسخ کر دیا گیا تھا اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون سے جانور ہیں؟ (لہٰذا میں اس کو نہیں کھاتا)

اور حضرت حذیفہ رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

امۃ مسخت قال واکبر علمی انہ قال ما ادری ما فعلت قال وما ادری، لعل ھذا منھا (مسند احمد ج ۵ ص۳۹۰ وکنز العمال ج ۸ ص۱) — ایک اُمت مسخ کر دی گئی تھی۔ میری زیادہ دانست کے مطابق آپ نے فرمایا کہ اس کا حشر کیا ہوا اور مجھے علم نہیں کہ شاید یہ گوہ اسی میں سے ہو۔

اور معجم کبیر طبرانی میں حضرت جابرؓ بن سمرہؓ (المتوفی ۷۴ھ) اور حضرت سمرہؓ بن جندب (المتوفی ۵۹ھ) سے بھی قریب قریب یہی مضمون مروی ہے۔ (دیکھئے کنز العمال ج ۸ ص۱)

حضرت زیدؓ بن ثابت (المتوفی ۵۴ھ) فرماتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے تو ہم نے شکار میں بہت سی گوہیں حاصل کیں۔ لوگوں نے بھی ان کو بھونا اور میں نے بھی بھونا۔ پھر میں نے گوہ لاکر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی۔

فاخذ عوداً فجعل یعد اصابعہ فقال ان امۃ من الامم مسخت دواب فلا ادری ای امۃ فلم یاکل الحدیث (کنز العمال ج ۸ ص۵۲ رواہ ابن جریر وابوداؤد ج ۲ ص۱۷۶ و ابن ماجہ ص۲۴۱ عن ثابتؓ بن یزید)	تو آپ نے ایک لکڑی لی اور اس سے گوہ کی انگلیاں شمار کرنے لگے۔ پھر فرمایا کہ اگلی امتوں میں سے ایک امت کو مسخ کر کے زمین پر رینگنے والے جانور بنا دیا گیا تھا سو مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون سی مخلوق ہے اور آپ نے وہ نہ کھائی۔

اس روایت میں فلا ادری کے صریح جملے کے علاوہ آپ کا لکڑی لے کر اس سے گوہ کی انگلیوں کو شمار کرنا بھی جمیع ماکان ومایکون کے علم کی نفی کی واشگاف دلیل ہے کیونکہ عالم ماکان ومایکون کبھی اس طرح غور سے کسی جانور کی انگلیاں نہیں شمار کیا کرتا۔ یہ مضمون جو متعدد حضرات صحابہ کرام رض سے مروی ہے (جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا) صاف طور پر آپ کے علم کلی اور جمیع ماکان ومایکون کے علم کی نفی کر رہا ہے اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ان میں بیشتر حضرات صحابہ کرام رض انصار مدینہ میں سے ہیں یا آپ کے مدینہ طیبہ میں جانے کے بعد مسلمان ہوئے ہیں (جیسے حضرت خالدؓ بن الولید وغیرہ) اور یہ مختلف واقعات ہجرت کے بعد کے ہیں کیونکہ مکہ مکرمہ میں گوہیں نہیں ہوتی تھیں۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گوہ :-

لم یکن بارض قومی فاجدنی اعافہ (بخاری ج ۲ ص۸۳۱ ومسلم ۲ ص۱۵۱)	میری قوم کی سرزمین میں نہ ہوتی تھی لہٰذا مجھے اس سے کراہت محسوس ہوتی ہے۔

یہ سب واقعات ہیں اور قیامت سے قبل کے ہیں اور معراج شریف کے بعد کے ہیں اور لطف یہ ہے کہ حلت و حرمت اور احکام سے متعلق ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلا ادری الخ فرما کر اپنے علم کی نفی فرما رہے ہیں۔ دیکھئے مفتی احمد یار خان صاحب کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ ؎

عجب نہیں کہ بدل دے اُسے نگاہ تری
بلا رہی ہے اُسے ممکنات کی دنیا

ساتویں حدیث

حضرت جابر رضؓ فرماتے ہیں کہ (حجۃ الوداع ۱۰ھ میں) جب جناب نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم مقامِ عرفات سے بڑے سکون اور وقار سے واپس ہوئے تو وادی محسّر میں آپ نے سواری کو تیز کر دیا اور حضرت صحابہ کرامؓ کو جمرات کی رمی کرنے کا طریقہ بتایا اور ان کو سلیقہ اور وقار سے چلنے کا حکم فرمایا اور نیز فرمایا کہ :-

لتأخذا متی منسکھا فانی لا ادری لعلی لا القاھم بعد عامھم ھذا ۔ (رواہ احمد فی مسندہ ج ۳ ص ۳۳۲ بسند صحیح)

میری امت کو چاہیئے کہ وہ حج کے احکام اچھی طرح مجھ سے سیکھ لے کیونکہ میں نہیں جانتا شاید کہ میں ان سے اس سال کے بعد ملاقات نہ کر سکوں۔

اور حضرت جابر رضؓ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ :-

لعلی لا اراکم بعد عامی ھذا (رواہ الترمذی ج ۱ ص ۱۰۸ وقال حدیث حسن صحیح والمشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳)

شاید کہ میں تمہیں اس سال کے بعد پھر نہ دیکھ سکوں۔

اور مسند دارمی ص ۱۷ کی روایت میں ہے کہ :-

واللہ لا ادری لعلی لا القاکم (الحدیث)

آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی قسم میں نہیں جانتا شائد کہ میں اس کے بعد پھر تم سے نہ مِل سکوں۔

اور عرفات سے اس کی روانگی کے بعد آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم صرف تقریباً تین ماہ زندہ رہے ہیں۔ جب جناب نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو خود اپنی وفات کا وقت معلوم نہیں اور لا ادری اس کی دلیل ہے تو دوسروں کی وفات کا علم کلّی کیسے حاصل ہوگا؟ اور جب آپ اپنے حضرات صحابہ کرامؓ سے متعلق یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ شائد میں تمہیں اس سال کے بعد پھر نہ دیکھ سکوں تو دوسروں کو وہ کیسے اور کہاں سے دیکھ سکتے ہیں؟ یہ صحیح روایت علمِ کلّی اور حاضر و ناظر کی نفی کی واضح دلیل ہے۔

آٹھویں حدیث

حضرت ابوہریرہ رضؓ (جو ۷ھ میں مشرف باسلام ہوئے تھے) روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ :-

انی لا نقلب الی اھلی فاجد التمرۃ ساقطۃ علی فراشی فارفعھا لاٰ کلھا ثم اخشی ان تکون صدقۃ فالقیھا ۔

ایسا ہوتا ہے کہ میں گھر جاتا ہوں اور اپنے بستر پر کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں اور اس کو کھانے کے ارادہ سے اٹھا لیتا ہوں، پھر میں یہ خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید یہ زکوٰۃ کی ہو تو

(بخاری ج ۱ ص۳۲۸ وکنز العمال ج ۳ ص۲۸۵) میں اس کو رکھ دیتا ہوں اور نہیں کھاتا۔

اور حضرت انس رضؓ کی روایت میں ہے کہ:۔

مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتمرۃ فی الطریق فقال لولا انی اخاف ان تکون من الصدقۃ لاکلتھا۔ (بخاری ج ۱ ص۳۲۸ ومسلم ج ۱ ص۳۴۴ ومشکوٰۃ ج ۱ ص۱۶۱ وقال متفق علیہ)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راستہ پر تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے کھجور کا ایک دانہ دیکھا اور آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ یہ صدقہ اور زکوٰۃ کی کھجور ہوگی تو میں ضرور اس کو کھا لیتا۔

اور حضرت انس رضؓ کی ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

انی لاری التمرۃ فما یمنعنی من اکلھا الا مخافۃ ان تکون من تمر الصدقۃ۔ (طیالسی ص۲۶۷ وکنز العمال ج ۷ ص۳۲۸)

میں کھجور کو دیکھتا ہوں تو مجھے اس کے کھانے سے اور کوئی چیز نہیں منع کرتی مگر صرف یہ خوف کہ وہ کہیں زکوٰۃ کی کھجور نہ ہو۔

اور حضرت عبد اللہ رضؓ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تضورذات لیلۃ فقیل لہ ما اسھرک قال انی وجدت تمرۃ ساقطۃً فاکلتھا ثم تذکرت تمرا کان عندنا من تمر الصدقۃ فلا ادری امن ذالک کانت التمرۃ او من تمر اھلی فذالک اسھرنی (مستدرک ج ۲ ص۱۴ ۔ قال الحاکمؒ والذھبیؒ صحیح)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رات بڑی بے چینی اور بے قراری سے بسر کی آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی کہ حضرت آپ کو کیوں بیقراری میں نیند نہیں آ رہی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک افتادہ کھجور پائی اور میں اس کو کھا گیا پھر مجھے خیال آیا کہ ہمارے ہاں تو زکوٰۃ کی کھجوریں بھی تھیں سو مجھے معلوم نہیں کہ کیا یہ کھجور زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے تھی یا ہمارے گھر کی کھجوروں میں سے تھی سو اس وجہ سے میں بے چین ہوں۔

ان جملہ روایات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم حاصل نہ تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ اُفتادہ کھجور صدقہ کی ہے یا نہیں اور اس بارہ میں آپ کو ہرگز کوئی تردد نہ ہوتا اور نہ آپ اس طرح بے قراری اور بے چینی میں رات بسر کرتے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ حاضر و ناظر بھی نہ تھے ورنہ آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ کھجور تو میرے دیکھتے دیکھتے وہاں شخص سے فلاں وقت گری ہے۔

مولوی محمد عمر صاحب کی تاویل بے جا

مولوی محمد عمر صاحب نے اس کا یہ جواب دیا کہ:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بے علمی ثابت کرنے کے لیے یہ واقعہ بیان نہیں فرمایا بلکہ آپ معلم الٰہی ہیں اس لیے اتقاء کا سبق سمجھایا۔ وہابی جس کو آپ کی بے علمی سمجھ بیٹھا ہے اور یہ مسئلہ بھی سمجھا دیا ہے کہ ایک کھجور بھی اگر نقطہ پڑی ہو اور تمہارا دل بھی چاہے تو کھانے سے پرہیز کرو کیونکہ تم نے میری سنت پر عمل کرنا ہے"۔ (ملفظہ مقیاس حنفیت ص۵۷)

جواب

مولوی محمد عمر صاحب کا یہ دعوے محض دفع الوقتی اور سراسر مردود ہے کیونکہ ان مذکورہ صحیح روایات میں مرکزی نقطہ ہی صرف یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف اسی بات کا تردد تھا کہ مبادا یہ کھجور صدقہ اور زکوٰۃ کی ہو جو میرے (اور میری اہل کے) لیے حلال نہیں ہے اور مستدرک کی روایت میں تو صاف طور پر فلا ادری کا جملہ اس مردود تاویل کی بیخ کنی کے لیے کافی ہے۔ باقی اتقاء کا یہ مفروض بہانہ بھی بیکار ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کے لیے نمونۂ عمل تھے اور امت کو آپ کی پیروی ضروری ہے مگر جو چیز آپ نے اس حدیث میں بیان فرمائی ہے وہ صرف اس افتادہ کھجور کے بارے میں لاعلمی ہے۔ باقی امور سب ضمنی ہیں۔

نویں حدیث

حضرت عائشہ رضا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ:۔

لما رجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الخندق ووضع السلاح واغتسل اتاہ جبرائیل فقال قد وضعت السلاح واللہ ما وضعنا اخرج الیہم قال فالی این؟ قال ھھنا واشار الی بنی قریظۃ فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیہم (بخاری ج ۲ ص۵۹۱ ومسلم ج ۲ ص۹۵)

جب جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوہ خندق سے واپس ہوئے اور ہتھیار اتار کر غسل فرمایا تو حضرت جبرائیلؑ حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے کہا۔ آپ نے ہتھیار اتار دیے ہیں؟ ہم (فرشتوں) نے تو ابھی تک نہیں اتارے ادھر ان کی طرف چلئے آپ نے فرمایا کدھر؟ انہوں نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ادھر، چنانچہ آپ لشکر کے ساتھ ادھر تشریف لے گئے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان وما یکون کا علم ہوتا تو آپ کو پہلے ہی سے معلوم ہوتا کہ ہم کر

خندق کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد بنی قریظہ کی طرف جانا ہے، اور نہ تو آپ ہتھیار اُتارتے اور نہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ سوال کرنے کی نوبت آتی کہ فالی این؟ یعنی اب ہمیں کدھر کو جانا ہے؟ اور جب آپ بمع اسلامی فوج کے بنو قریظہ تشریف لے گئے اور محاصرہ کے بعد ان کو گرفتار کیا تو بحکم الملک ان کے بارہ میں تورات ہی کا حکم نافذ کیا گیا کہ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کیا جائے اور لڑنے والے نوجوانوں کو قتل کیا جائے۔ ان قیدیوں میں حضرت عطیۃ القرظیؓ بھی تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں بحالتِ اسیری بنی قریظہ کی شکست کے دن:-

عُرِضتُ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم قریظۃ فشکُّوا فِیَّ فامر النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان ینظروا الیّ ھل انبت فنظروا الیّ فلم یجدونی انبت فخلی عنی والحقنی بالسبی .... وفی روایۃ ...... فلم یروا المواسی جرت علی شعرہ یعنی عانتہ فترکوہ من القتل۔

(مستدرک ج ۲ ص ۱۲۳ - قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح علی شرطہما)

جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو حضرات صحابہ کرام رضنے میرے بارے میں تردّد کیا کہ کیا میں بالغ ہوں یا نہیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ میرے زیرِ ناف بال دیکھ کر فیصلہ کریں چنانچہ جب انہوں نے معائنہ کیا تو میرے زیرِ ناف بال نہیں اُگے تھے لہٰذا مجھے نابالغ سمجھ کر قیدیوں کی مد میں شامل کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ملاحظہ کیا کہ میں نے زیرِ ناف بالوں پر اُسترا (بال نہ اگنے کی وجہ سے) نہیں پھیرا تھا۔ تو انہوں نے مجھے قتل نہ کیا۔

اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان و مایکون کا علم حاصل ہوتا اور آپ ہر ایک کے بارے میں حاضر و ناظر ہوتے تو اس کارروائی کی ہرگز کبھی نوبت نہ آتی اور حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی اگر علم ہوتا جو بجائے خود کامل ولی تھے تو ان کو اشد مجبوری کے بغیر زیرِ ناف بال دیکھ کر ان کے —— بالغ یا نابالغ ہونے پر استدلال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ روایت بھی آپ کے علمِ کُلّی اور مزعوم عقیدہ حاضر و ناظر کی تردید کی ناقابلِ جواب دلیل ہے۔ البتہ نہ ماننے والوں کے لیے یہ محاورہ کافی ہے۔ کہ خوئے بدرا بہانہ ہائے بسیار:

دسویں حدیث آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ۷ھ میں خیبر فتح کیا تو اس میں دیگر سامانِ غنیمت کے علاوہ بہت سے غلام اور لونڈیاں بھی ہاتھ آئیں۔ جب جنگی اور شرعی قانون کے تحت ان کی تقسیم کی باری آئی تو حضرت دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہو کر فرمایا کہ ایک لونڈی مجھے بھی عنایت کر دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جا کر ایک باندی انتخاب کر لو۔ چنانچہ انہوں نے گرفتار شدہ عورتوں میں سے حضرت صفیہؓ بنت حییؒ (المتوفاۃ ۵۰ھ) کو چن لیا اتنے میں ایک اور صحابی تشریف لائے، اور انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:۔

یا نبی اللہ اعطیت دحیۃؓ صفیۃؓ بنت حیی سیدۃ قریظۃ والنضیر لا تصلح الا لک قال ادعوا بہا فجاء بہا فلما نظر الیہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خذ جاریۃ من السبی غیرہا قال فاعتقہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتزوجہا۔

(بخاری ج ۱ ص۵۴ و مسلم ج ۱ ص۴۵۹)

یا نبی اللہ! آپ نے صفیہؓ بنت حیی جو بنو قریظہ اور بنو النضیر کی سردار ہے، دحیہؓ جیسے معمولی سپاہی کو دے دی ہے؟ یہ تو آپ کی شان کے لائق ہے آپ نے فرمایا کہ بلاؤ اس کو، آپ نے ملاحظہ کیا تو حضرت دحیہؓ سے فرمایا کہ تو قیدیوں میں سے کوئی اور لونڈی اس کے عوض میں لے لے۔ آپ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب کلی یا علم جمیع ما کان و ما یکون حاصل ہوتا تو آپ اس صحابی کے مشورہ سے پہلے ہی حضرت صفیہؓ، حضرت دحیہؓ کو عطا نہ فرماتے اور شروع ہی سے یہ جان لیتے کہ دحیہؓ تو ایک اعلیٰ خاندانی عورت کو انتخاب کرے گا، جس سے خود صفیہؓ کی اور اس کے خاندان کی دل شکنی ہوگی۔ کیونکہ یہ عورت دحیہؓ جیسے ایک معمولی سپاہی کے مناسب حال نہیں ہے۔ اور جو رائے آپ نے بعد کو اختیار فرمائی وہی پہلے اختیار فرما لیتے۔

گیارھویں حدیث

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کیا تو مرحب کی بہن زینب بنت الحارث نامی ایک یہودی عورت نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کی اور بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا۔ پہلا لقمہ کھانے کے بعد آپ کو معلوم ہوا (بلکہ گوشت کے ٹکڑے نے بول کر کہا کہ حضرت مجھ میں زہر ہے مت کھائیے۔ دارمی ص۱۰ و ابو داؤد ج۲ ص۲۶۴ و مشکوٰۃ ج ۲ ص۵۴۲) کہ اس میں زہر ہے۔ اور اگرچہ بحمد اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں اس کا ناپاک ارادہ پورا نہ ہو سکا لیکن آپ کے ایک صحابی حضرت بشرؓ بن براء بن معرور جانبر نہ ہو سکے (ابو داؤد ج۲ ص۲۶۴ و مستدرک ج ۳ ص۲۱۹) بلکہ مشکوٰۃ و ابو داؤد ج۲ ص۲۶۴ اور دارمی ص۱۰ و مترجم اردو ص۲۹ کی روایت میں ہے کہ:۔

فتوفی اصحابہ الّذین اکلوا من الشاۃ الخ — آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے وہ حضرات صحابہ کرامؓ
(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۴۲) واللفظ لہٗ — جنہوں نے وہ زہر آلود بکری کھائی تھی وفات پا گئے۔

مشکوٰۃ کی روایت میں لفظ بعض نہیں ہے اور ابو داؤد و دارمی کی روایت میں بعض صحابہ کے الفاظ ہیں۔ اس روایت میں بعض سے ایک صحابی بھی مُراد ہو تب بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو علم غیب نہ تھا ورنہ آپ ایک صحابی کو بھی نہ مرنے دیتے اور خود آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر آپ کے مرضِ وفات میں جب اس زہر کا اثر نمایاں طور پر ظاہر ہوا تو آپ نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا کہ:۔

یا عائشۃ رضؓ ما ازال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر وھذا اوان وجدت انقطاع ابھری من ذالک السم (بخاری ج ۲ ص ۶۳۷) — اے عائشہ رضؓ میں نے خیبر میں جب سے بکری کا زہر آلود گوشت کھایا ہے اس کی تکلیف میں برابر محسوس کرتا رہا ہوں اور اب تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ میری رگِ جان کٹ رہی ہے۔

حضرت عمارؓ بن یاسرؓ (المتوفی ۳۷ھ) فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد جناب رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم:۔

کان لایاکل من ھدیۃ حتی یامر صاحبھا ان یاکل منھا للشاۃ التی اھدیت لہ (رواہ الطبرانی فی الکبیر والبزار۔ اسناد صحیح السراج المنیر ج ۲ ص ۱۵۶) — تحفہ اور ہدیہ کا کھانا نہیں تناول فرمایا کرتے تھے جب تک کہ صاحب ہدیہ کو اس کے کھانے کا حکم نہ فرماتے چونکہ آپ کو بکری کا زہر آلود گوشت کھلایا گیا تھا اس لیے آپ اس کے بعد یہ احتیاط فرمایا کرتے تھے۔

اور علامہ عزیزی رحؒ (المتوفی ۱۰۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فاکلوا منھا فمات بعض صحبہ وصار المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یعاودہ الاذی حتی توفی۔ (السراج المنیر ج ۲ ص ۱۵۶) — اس بکری کا گوشت چند حضرات صحابہ کرام رضؓ نے کھایا جس کی وجہ سے آپ کے بعض حضرات صحابہ کرام رضؓ کی وفات واقع ہو گئی اور آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو وفات کے وقت تک بار بار اس زہر کا دورہ پڑتا رہا اور آپ کو تکلیف پہنچتی رہی۔

اور حضرت اُمّ مبشر رضؓ کی روایت میں ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت! آپ پر اس دفعہ بیماری میں بڑی

تکلیف ہے اور میرے خیال میں یہ تکلیف اسی زہر آلود بکری کے گوشت کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے میرا بیٹا بشرؓ بن براء بن معرور فوت ہوگیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ :-

وانا لا اتھم غیرھا ھذا اوان انقطاع ابھری (مستدرک ج ۲ ص۲۱۹ قال الحاکمؒ والذہبیؒ علی شرطھما)

میں بھی اس کے بغیر اس کا کوئی اور ظاہری سبب نہیں سمجھتا اور اس وقت تو میری رگ جاں کٹتی سی معلوم ہو رہی ہے۔

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان ومایکون کا علم حاصل ہوتا تو یہ المناک اور افسوسناک واقعہ ہرگز پیش نہ آتا اور آپ کو پہلے ہی سے اس یہودیہ کی یہ ناشائستہ حرکت معلوم ہو جاتی اور بعض بے گناہ صحابی شہید نہ ہوتے اور نہ آپ کو یہ تکلیف ہوتی کیا فریق مخالف کے نزدیک قصداً وارادۃً جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زہر آلود گوشت کھایا اور عمداً صحابہ کرامؓ کو کھلایا؟ جس کے نتیجے میں بعض کی وفات ہوگئی۔ ہمارا ایمان اور عقیدت تو اس کو ہرگز گوارا نہیں کرتی۔

مفتی احمد یار خان صاحب کا جواب

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"اس وقت حضور علیہ السلام کو یہ بھی علم تھا کہ اس میں زہر ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ زہر ہم پر بحکم الٰہی اثر نہ کرے گا اور یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ کی مرضی یہ ہی ہے کہ ہم اسے کھائیں تاکہ بوقت وفات اس کا اثر لوٹے اور ہم کو شہادت کی وفات عطا فرمائی جاوے، راضی برضا تھے" (انتہیٰ بلفظہ جاء الحق ص۱۲۴ و ص۱۲۵)

جواب سبحان اللہ تعالیٰ یہ ہے فریقِ مخالف کے مفتی کا جواب۔ مفتی صاحب اجب جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم تھا کہ اس میں زہر ہے تو آپ نے عمداً وہ گوشت کیوں کھایا؟ اور حضرات صحابہ کرامؓ کو کیوں کھانے دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ :-

ومن تحسّٰی سماً فقتل نفسہ فسمہ فی یدہ یتحساہ فی نار جھنم خالداً مخلّداً فیھا ابداً (بخاری ج۲ ص۸۶۰ ومسلم ج۱ ص۷۲)

اور جس نے زہر پیا اور خودکشی کر لی تو زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور دوزخ کی آگ میں وہ ہمیشہ اور ابد الآباد تک وہ زہر پیتا رہے گا۔

یہ مسئلہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہے کہ کیا یہ ارشاد مستحل کے لیے ہے یا خلود سے مکث طویل مراد ہے یا ایسے مجرم کی سزا یہ ہے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو یہ سزا دی نہ جائے (دیکھئے نووی ج ۱ صـ۷۳ وغیرہ) اس حدیث کے پیشِ نظر کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بقول مفتی احمد یار خاں صاحب علم ہوتے ہوئے زہر آلود گوشت کھایا اور حضرات صحابہ کرام رضہ کو کھلایا؟ یہ جُدا بات ہے کہ آپ پر اسکا فوری اثر کچھ نہ ہوا مگر آپنے (العیاذ باللہ تعالیٰ) الدواء بالخبیث کے حکم کو توڑا جو بجائے خود گناہ ہے اور اس کی دوزخ میں خلود کی وعید بطورِ تشدید آئی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) علاوہ ازیں آپ پر بھی اثر کیوں نہ ہوا جب کہ اس زہر کے کھانے کے بعد تین سال تک آپ اس کا الم اور درد محسوس فرماتے رہے جیسا کہ روایت میں تصریح گذر چکی ہے اور وفات کے وقت تو آپ کو رگِ جان کٹتی سی نظر آتی تھی۔ کیا مفتی صاحب یہ اثر نہیں ہے؟ آپنے کس سادگی یا خداع سے یہ لکھ دیا ہے کہ "زہر ہم پر بحکم الٰہی اثر نہ کرے گا" پھر مفتی صاحب ازروئے افتاء یہ فرمائیں کہ حضرت بشرؓ بن براء بن معرور اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضہ کے چند نفوس کو جو شہادت کی اس وفات سے ہمکنار ہونا پڑا۔ اس کا اثر کہاں سے آیا تھا؟ اور کیا عمداً کسی کو اس طرح زہر خورانی جائز اور درست ہے؟ باقی رہی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور راضی برضا ہونا تو وہ اپنے مقام پر حق اور درست ہے اس کا کون منکر ہے؟ مگر اصل حدیث کا جواب نہ تو مفتی صاحب دے سکے اور نہ ان کی جماعت کی طرف سے آج تک دیا جا سکا ہے اور نہ تا قیامت دیا جا سکتا ہے۔ شوق سے طبع آزمائی کر لیں ؎

کر جائیں گی کام اُن کی فسوں ساز نگاہیں
دُنیائے سکوں زیر و زبر ہو کے رہے گی

بارھویں حدیث حضرت ابوہریرہ رضہ اور حضرت ابوسعید ن الخدری رضہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص (اخا بنی عدی الانصاری رضہ کما فی روایۃ مسلم ۲ صـ۲۶) کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا تو اُس نے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں (بطورِ تحفہ) عمدہ قسم کی کھجوریں پیش کیں۔ آپنے فرمایا کہ:۔

أکُلّ تمر خیبر ھکذا قال لا واللہ یا رسول اللہ انا لنأخذ الصاع من ھذا

کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہی عمدہ ہوتی ہیں؟ عامل نے کہا نہیں، حضرت! بخدا ہم تو دو اور تین

بالصاعین والصاعین بالثلاثہ فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا۔	صاع ردی قسم کی کھجوروں کے عوض میں ان کا ایک یا دو صاع خریدتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، ایسا نہ کیا کرو، تم ردّی کھجوروں کو رقم کے عوض میں فروخت کر دیا کرو
(بخاری ج ۱ صفہ ۲۹۳ و مسلم ج ۲ صفہ ۲۶)	پھر رقم کے بدلہ میں یہ کھجوریں لے لیا کرو۔

ایک صاع موجودہ انگریزی سیر کے لحاظ سے ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے۔ چونکہ حرمتِ سُود پر کوئی زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا اس لیے اس عامل کو اس وقت تک یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ (نووی شرح مسلم ج ۲ صفہ ۲۶ وغیرہ) اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو کلی علم غیب یا جمیع ماکان ومایکون کا علم حاصل ہوتا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے جیسا کہ فریقِ مخالف کا غلط دعویٰ ہے تو آپ کو خیبر کے علاقہ کی کھجوروں کا ضرور علم ہوتا کیونکہ بقول فریقِ مخالف آپ کو ذرّہ ذرّہ اور ہر درخت کے ایک ایک پتہ کا علم ہے۔ پھر بھلا آپ کو کھجوروں کی عمدہ اور ردّی قسمیں کیوں نہ معلوم ہوئیں؟ اور خیبر مدینہ طیّبہ سے صرف دو سَو میل دوُر ہے۔

ضروری انتباہ فریقِ مخالف کا یہ ایک اصولی اور بنیادی مغالطہ ہے کہ اس قسم کی جملہ روایات میں جہاں جہاں بھی یہ آتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے بعض بعض اشیاء کے بارے میں سوال کیا تو اس سے آپ کی لاعلمی ثابت نہیں ہوتی بلکہ جانتے ہوئے بھی آپ بعض مصالح کی بنا پر ایسے سوالات کر لیا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے سوال کیا تھا کہ :۔

مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسىٰ	اے موسیٰؑ! تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟

ظاہر بات ہے کہ اس سے یہ تو قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالےٰ کو علم نہیں تھا، وعلیٰ ہذا القیاس۔ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے سوالات کا حال بھی سمجھو۔ چنانچہ مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ جیسا کہ موسیٰ علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے سوال کیا مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسىٰ (تیرے ہاتھ میں اے موسیٰ علیہ السّلام کیا ہے؟) حالانکہ موسیٰ علیہ السّلام ہاتھ میں عصا لیے کھڑے تھے، کیا اللہ تعالیٰ کا سوال کرنا اس کے عدم علم پر دلالت کرتا ہے؟ (بلفظہٖ مقیاس حنفیت صفہ ۲۷۰) ہم نے فریقِ مخالف کا جواب اور اس کے ضروری مقدمات عرض کر دیئے ہیں۔ کیونکہ ؎

مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست   مرے احساں ہیں دشمن پر ہزار حل

جواب فریق مخالف کا یہ مزعوم خیال بھی سراسر باطل اور مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور بِکُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمٌ ہونے کے بارے میں کسی کو شک اور شبہ ہی نہیں ہے اس لیے جناب باری تعالیٰ عز وجل کا سوال ضرور کسی حکمت اور مصلحت ہی پر مبنی ہوگا، بخلاف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرات اولیاء عظام رح وغیرہ مخلوق کا سوال کیونکہ جب وہ عالم الغیب نہیں تو اصل اور قاعدہ یہی ہے کہ ان کو وہ چیز معلوم نہیں ہے اِلّا یہ کہ کوئی قطعی اور محکم دلیل اس کے خلاف موجود ہو کہ یہ سوال کسی مصلحت کے پیش نظر تھا تو اس صورت میں ان کے صرف اس سوال کو کسی خاص مصلحت اور حکمت پر حمل کیا جائے گا۔ غرضیکہ مخلوق کا خالق پر اور حادث کا قدیم پر اور غیر عالم الغیب ہستیوں کا بکل شئی علیم پر قیاس کرنا جن کا علم بقول خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام دریا کا قطرہ ہو۔ بخاری ج ۲ ص ۶۹۰ و مستدرک ج ۲ ص ۳۶۹۔ قال الحاکمؒ والذہبیؒ علیٰ شرطہما) کتنا صریح ظلم ہے

وثانیاً بلاشک شرعی احکام اور امور دین کے بارے میں بعض مصالح کے تحت جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضہ سے سوال کیا تو حضرات صحابہ کرام رضؓ نے بعض مقامات پر فرمایا کہ اللہ ورسولہ اعلم جیسا کہ حجۃ الوداع وغیرہ میں ایسا ہوا تھا۔ اور معرفت الٰہی میں تو آپ کا مقام بہت ہی اونچا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ فواللہ لانا اعلمھم باللہ الحدیث (مسلم ۲ ص ۲۶۱ واللفظ لہ، وبخاری ج ۱ ص ۷ (بخدا میں معرفت خداوندی میں ان سب سے بڑھا ہوا ہوں) مگر جب دنیاوی معاملات کا سوال پیدا ہوتا ہے تو صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ انتم اعلم بامر دنیاکم۔ کسی ایک صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جب آپ نے غیر شرعی امر کے بارے میں سوال فرمایا تو آپ اس کو خوب جانتے تھے، بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے متعلق اس کا متعدد احادیث سے ثبوت ملتا ہے مثلاً حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب فرشتے پند و نصیحت اور ذکر و تدریس کی مجالس سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس انسانوں کی ڈائری پیش کرتے ہیں تو:۔

فیسألھم اللہ عز وجل وھو اعلم بھم الحدیث   اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان

(مسلم ج ۲ ص ۳۴۴ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۷)   (انسانوں کے حالات) کو خوب جانتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میدان محشر میں گنہگاروں کے ایک گروہ سے جو اپنی پیٹھ پر بڑے بڑے پہاڑوں کی مانند گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے :۔

فیسأل اللہ عنھم وھو اعلم بھم۔ الحدیث — سوال فرمائے گا حالانکہ وہ ان کو بخوبی جانتا ہوگا۔

(مستدرک ج ۱ ص۵۹ قال الحاکم والذہبیؒ علی شرطہما)

اور حضرت ابوہریرۃ رضہ کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے جب النازلین کی ڈائری پوچھتا ہے :۔

فیقول تبارک وتعالیٰ وھو اعلم من این جئتم۔ الحدیث (طیالسی ص۳۱۹) — تو فرمایا ہے تم کہاں سے آئے ہو حالانکہ وہ ان کو خوب اور بہتر جانتا ہے۔

اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ جناب باری تعالیٰ نے سوال کیا حالانکہ وہ ان کو اور ان کے حالات کو بخوبی جانتا ہے۔ کیا فریق مخالف جرأت کر کے یہ بتا سکتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کی صحت اور بیماری یا موت اور حیات یا کسی اور حال کے بارے میں دریافت فرمایا ہو اور اس کا ذکر ہو کہ وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم۔ (حالانکہ آپ خوب اور بہتر جانتے تھے) اگر ایسے ہی تکوینی امور اور حالات کے متعلق کوئی صحیح روایت ہے تو فبہا ورنہ ایسی خود ساختہ اور مصنوعی توجیہات کو کون سنتا ہے ؟

وثالثاً کتب احادیث میں اس کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض دفعہ حضرات صحابہ کرام رضہ سے کسی چیز کے بارے میں سوال فرمایا اور اس وقت تک آپ کو حقیقتِ حال معلوم نہ تھی۔ حضرات صحابہ کرام رضہ کے جواب دینے کے بعد آپ پر حقیقت منکشف ہوئی اور آپ کو اس کا علم ہوا۔ چنانچہ حضرت یزید رضہ بن ثابت (المتوفی ۱۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دفعہ چند حضرات صحابہ کرام رضہ کی معیت میں باہر نکلے تو :۔

فرأی قبراً جدیداً فقال ما ھذا قالوا ھذہ مولاۃ بنی فلاں فعرفھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث (نسائی ج ۱ ص۲۲۰ واللفظ لہ وابن ماجہ ص۱۱۰ ومسند احمد ج ۴ ص۳۸۸ و — آپ نے ایک نئی قبر دیکھی۔ آپ نے صحابہ رضہ سے سوال کیا کہ یہ قبر کس کی ہے ؟ تو صحابہ رضہ نے جواب دیا کہ یہ فلاں خاندان کی لونڈی کی قبر ہے۔ ان کے بتلانے

سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۴۲ و طحاوی ج ۱ ص ۲۹۵) پر آپ نے اس کو پہچان لیا۔

مولوی محمد عمر صاحب فعرفنها رسول الله صلے الله علیہ وسلم کے الفاظ شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں اور سیخ پا اور آگ بگولا ہو کر لکھتے ہیں کہ تم نے تو نعمانی صاحب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے، آپ کا ابتدا کے پہلے جنازے میں تشریف نہ لانا آپ کے عدم علم پر دال نہیں بلکہ آپ کے مختارِ کل ہونے پر دال ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے دوبارہ جنازہ پڑھ لینا ہے الخ (مقیاس ص ۵۱۲) یہ ہے عمری جواب، سبحان اللہ کیا فریقِ مخالف یہ بتا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز کے متعلق سوال کیا، اور مجیب کے جواب کے بعد فعرفہ الله تعالیٰ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پہچان لیا۔ اگر فریقِ مخالف میں ہمت ہے تو ایک ہی صحیح حدیث اس مضمون کی پیش کر دے، دیدہ باید۔ وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی سے پیغمبروں کا علمِ غیب ثابت کرنے والو، ذرا ہمت تو کرو، کچھ تو لب کشائی کرو ؎

صیّاد کی نگاہ اُسی دن سے تجھ پہ تھی جس دن کہ آشیاں میں تجھے بال و پر ملے

تیرھویں حدیث ۱۳

حضرت حذیفہ رضؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

انی لا ادری ماقدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ الحدیث (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۷ مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۵ وابن ماجہ ص ۱۰ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۶۰ اسنادہ کلہم ثقات وسندہٗ صحیح)

میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمہارے اندر زندہ رہوں گا اس لیے میں تمہیں اپنے بعد ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ کی اقتداء کرنے کی تلقین اور تاکید کرتا ہوں۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کا علم بھی نہ تھا کہ کب تک دنیا میں زندہ رہوں گا اور جب آپ کو اپنی زندگی اور وفات کا علم نہیں تو اور کس کی موت وحیات کا علم ہو گا؟ اگر آپ جمیع ماکان و مایکون کا علم رکھتے تو ضرور آپ کو اس کا علم ہوتا۔ اس روایت سے حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک معتبر اور معتمد ہونے کے ساتھ ان کی خلافت کے حق ہونے کا ثبوت بھی واضح ہو گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان اکابر کی فضیلتوں کا کون انکار کر سکتا ہے؟ مگر ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دفعہ پیشاب کیا اور پھر تیمم کر لیا (یا آپ کا معمول ہی اکثر یہی رہا۔ کان ڈھریق الماء الحدیث) میں نے عرض کیا حضرت پانی تو آپ کے بالکل قریب ہے، آپ نے تیمم فرمالیا ہے؟ تو آپ نے جواب میں یوں ارشاد فرمایا:-

ما یدریني لعلي لا ابلغہ۔ (رواہ فی شرح السنۃ و ابن الجوزیؒ فی کتاب الوفار، مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۵۰)	مجھے کیا معلوم ہے شائد کہ میں پانی تک نہ پہنچ سکوں۔ (اور اس سے قبل ہی وفات ہو جائے)۔

یعنی میں نے تیمم اس لیے کر لیا ہے کہ جتنا وقت بھی گزرے وہ طہارت ہی میں گزرے اور میرے پاس کیا سند موجود ہے کہ میں زندہ رہوں گا اور پانی تک بھی پہنچ جاؤں گا؟

چودھویں حدیث

جب قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ:-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (پ ۲۶۔ الحجرات۔ ع ۱)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت اونچی کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اور نہ بولو ان کے سامنے اونچی آواز سے جیسے کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ جہر سے بولتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے عمل اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

تو حضرت ثابتؓ بن قیس (المتوفی ۱۲ھ) نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں آنا ہی ترک کر دیا۔ چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ:-

ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم افتقد ثابتؓ بن قیس فقال رجل یا رسول اللہ انا اعلم لک علمہ، فاتاہ فوجدہ فی بیتہ منکسا رأسہ فقال لہ، ما شانک؟ فقال شر کان یرفع صوتہ فوق صوت النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقد حبط عملہ فھو من اھل النار فاتی الرجل النبي صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ انہ قال کذا و	جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ثابتؓ بن قیس کو گم اور غائب پایا تو ایک صحابی نے فرمایا کہ حضرت میں آپ کے لیے اس کا حال دریافت کر آتا ہوں، وہ صحابی گئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت ثابتؓ بن قیس اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں اُس نے ان سے دریافت کیا آپ کو کیا فکر ہے؟ وہ بولے کہ معاملہ خراب ہے میری آواز حضور کی آواز پر بلند ہو جاتی

كذا فقال موسى فرجع اليه المرة الاخرة ببشارة عظيمة فقال اذهب اليه فقل له انك لست من اهل النار ولكنك من اهل الجنة (بخاری ج ۲ ص۱۸۵ وج ۱ ص۵۱۰ واللفظ له وموارد الظمآن ص۵۶۴)

رہی تو میرے عمل بالکل اکارت ہوگئے ہیں اور میں تو دوزخی ہوگیا ہوں، وہ صحابی حضورؐ کے پاس گئے اور یہ باتیں آپ سے عرض کر دیں کہ ثابت رضؓ تو ایسا اور ایسا کہتا ہے دوبارہ وہ بشارت عظیمہ لے کر گئے اور حضورؐ نے فرمایا جاکر اس کو کہو کہ تو دوزخی نہیں بلکہ جنتی ہے (محصلاً)

اور حضرت انس رضؓ کی روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ بن معاذ (لیکن حافظ ابن کثیرؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شانِ نزول وفد بنی تمیم ہے جو ۹؁ھ میں دیگر وفود کے ساتھ آیا تھا اور حضرت سعدؓ بن معاذ کی وفات ۵؁ھ کو ہو چکی تھی۔ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص۲۰۶۔ اور علامہ قسطلانی رحؒ کہتے ہیں کہ تفسیر ابن منذر رحؒ میں اس کا نام سعدؓ بن عبادہ المتوفی ۱۵؁ھ اور تفسیر ابن جریرؒ میں ان کا نام عاصمؓ بن عدی العجلانی (المتوفی ۔۔۔؁ھ) آیا ہے۔ ارشاد الساری ج ۷ ص۳۵۱) سے فرمایا کہ :۔

يا اباعمرو رضؓ ماشان ثابت اشتكى؟ فقال سعد رضؓ انه لجاري وما علمت له بشكوى فاتاه سعد رضؓ فذكر له قول رسول الله صلى الله عليه وسلم (الحديث) (مسلم ج ۱ ص ۔۔۔ ، ابن كثير ج ۴ ص۲۰۶)

اے ابو عمرو رضؓ ثابت رضؓ کا کیا معاملہ ہے کیا وہ بیمار ہے؟ حضرت سعد رضؓ نے فرمایا کہ حضرت وہ میرے پڑوس میں رہتے ہیں اور میرے علم کے مطابق وہ بیمار نہیں ہیں چنانچہ حضرت سعد رضؓ ان کے پاس گئے اور آپ کا پیغام ذکر کیا۔

اور حضرت انس رضؓ ہی کی ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ :۔

وجلس فى اهله حزينا فتفقده رسول الله صلى الله عليه وسلم فانطلق بعض القوم اليه فقالوا له تفقدك رسول الله صلى الله عليه وسلم مالك الحديث (مسند احمد ج ۳ ص۱۳۷ وابن كثير ج ۴ ص۲۰۶)

حضرت ثابت رضؓ اپنے گھر میں مغموم ہو کر بیٹھ گئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو نہ پایا قوم میں سے بعض ان کے پاس گئے اور کہا کہ تجھے کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجھے مفقود پایا ہے الخ۔

عربی لغت میں فقد اور فقدان کے معنی نگاہ سے غائب اور اوجھل ہو جانا، گم ہو جانا اور نہ ملنا وغیرہ آتے ہیں چنانچہ علامہ مطرزی الحنفی رحؒ لکھتے ہیں کہ :۔

فقدت الشيئ غاب عنى وانا فاقد و

فقدت الشیٔ کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز مجھ سے غائب ہوگئی

الشیئ مفقود و تفقدته وافتقدته تطلبته، وافتقدته، بمعنی فقدته،
(مغرب ج ۲ ص۱۰۱)

ہے میں فاقد ہوں اور وہ شے مفقود ہے اور تفقدتہ، وافتقدتہ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس کو بغور تلاش کیا اور افتقدتہ کا مطلب بھی یہ ہے کہ میں نے اس کو نہ پایا۔

علامہ فیروز آبادی رہ اور امام محمدؒ بن ابی بکر الرازی رہ لکھتے ہیں کہ:-

و تفقدہ ـــــ طلبہ عند غیبتہ
(القاموس ج ۱ ص۳۲۳ و مختار الصحاح ص۱۱۱)

کہ تفقدہ کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے اس کو غائب ہونے پر تلاش کیا۔

اور علامہ زبیدی الحنفی رہ لکھتے ہیں کہ:-

افتقدہ، وتفقدہ، طلبہ عند غیبتہ ـــ وفی حدیث عائشہ رض افتقدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ ای لم اجدہ، ۔
(التاج العروس ج ۲ ص۴۵۴)

افتقدہ و تفقدہ کا یہی مطلب ہے کہ اُس نے اس کو اس کی غیر حاضری میں تلاش کیا ـــ حضرت عائشہ رض کی حدیث میں ہے کہ افتقدت الخ یعنی میں نے ایک رات جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ پایا۔

اور علامہ الجمال القرشی رہ لکھتے ہیں کہ:-

فقد ـــ فقدان بالضم والکسر گم کردن ...... افتقاد کذالک تفقد گم شدہ راجُستن
(صراح ص۱۴۱)

فقد فِقدان ضمہ اور کسر کے ساتھ گم کرنے کے معنی میں آتا ہے...... اور یہی افتقاد کا مطلب ہے۔ اور تفقد کا مطلب ہوتا ہے گم شدہ چیز کو تلاش کرنا۔

اور اسی مادہ سے فاقد البصیرت اور مفقود الخبر وغیرہ کے محاورے نکلے ہیں۔ بعض اکابر ہندی حضرات مفسرین کرام رہ نے تَفَقَّدَ کے معنی "خبر لی" اور بعض نے "حاضری لی" کے کئے ہیں جو اپنے مقام پر بامحاورہ ہونے کے ساتھ بالکل صحیح ہے مگر کیا کیا جائے کہ مولوی محمد عمر صاحب تحریف کرنے میں تو فقید المثال اور اصل بات کے سمجھنے میں فاقد فہم واقع ہوتے ہیں جو مفقود الحواس ہو کر کیا سے کیا کہہ اور لکھ دیتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:- "چنانچہ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ کے معنی تمہارے اکابرین نے بھی اسی بنا پر (وہ بنا ان کے نزدیک ہُدہُد کی غیر حاضری کی اطلاع دینا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کی دلیل ہے مقیاس ص۶۱۷) گم ہونے کے نہیں کئے" الخ (مقیاس ص۶۱۶)۔ رمز شناس اور نکتہ رس بھی دنیا میں کافی گذرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں مگر مولوی محمد عمر صاحب تو چیزے دیگر است۔ صحیح اور سیدھی بات کو محرف کر دینا

اُن کے بائیں ہاتھ کا کرنا ہے۔ ہمارا استدلال اس صحیح روایت سے بالکل واضح ہے کہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمیع ماکان ومایکون کے عالم اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے فقدان کا یا ان کے بیمار پڑ جانے وغیرہ کا ہرگز خلافِ واقعہ خیال آپ کے ذہن مبارک میں نہ پیدا ہوتا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ تو پوچھنے کی نوبت آتی اور نہ تحقیقِ حال کے بعد آپ کو وہ آگاہ کرنا ہی ضروری اور مناسب سمجھتے اور یہ واقعہ ہے بقول حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ کا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ آپ کو ہر ایک چیز کا علم ہے اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں جیسا کہ یہ واقعہ اس کی زندہ شہادت ہے۔ حافظ ابن کثیر رح فرماتے ہیں کہ :-

فقد نهى الله عزوجل عن رفع الاصوات بحضرة رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد رويناه عن امير المؤمنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه انه سمع صوت رجلين فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم قد ارتفعت اصواتهما فجاء فقال اتدريان اين انتما؟ ثم قال من اين انتما؟ فقالا من اهل الطائف فقال لو كنتما من اهل المدينة لاوجعتكما ضربا وقال العلماء يكره رفع الصوت عند قبره صلى الله عليه وسلم كما كان يكره فى حياته عليه الصلوٰة والسلام لانه محترم حيا و فى قبره صلى الله عليه وسلم دائما (ج ۴ ص ۲۰۶)

بہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں آوازیں بلند کرنے سے منع کیا ہے اور ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ وہ اپنی آواز بلند کر رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور فرمایا تم دونوں جانتے ہو کہ تم کس جگہ ہو؟ پھر فرمایا تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ بولے ہم طائف کے رہنے والے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے باشندے ہوتے تو میں تمہاری خوب مرمت کرتا۔ علماء کہتے ہیں کہ جیسے حضور کی زندگی میں آواز بلند کرنی مکروہ تھی۔ اسی طرح آپ کی قبر کے پاس بھی مکروہ ہے کیونکہ آپ زندگی میں بھی اور قبر مبارک میں بھی ہمیشہ قابل صد احترام ہیں۔

جس روایت کا حوالہ حافظ ابن کثیر رح نے دیا ہے، وہ بخاری ج ۱ ص ۶۷ اور مشکوٰۃ ج ۱ ص ۷۱ وغیرہ میں مذکور ہے، افسوس اور صد افسوس اور حیف بالائے حیف فریق مخالف پر کہ ایک طرف تو وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور دوسری طرف خصوصیت سے مسجدوں کے اندر چلا چلا کر اور گلے پھاڑ پھاڑ کر بلند آواز سے درود پڑھتا اور نعت خوانی (بلکہ قوالی) کرتا ہے

اگر اہل بدعت کا عقیدہ واقعی دیانت پر مبنی ہے تو جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے زعم باطل میں ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو ان کو اپنی آواز ہمیشہ پست رکھنی لازم ہے، ورنہ اگر ایمان ہو بھی تو وہ اس صورت میں کافور ہو جاتا ہے اور تمام اعمال اکارت ہو جاتے ہیں۔ کاش کہ اہل بدعت حضرات کو یہ شعور بھی حاصل ہو۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کو جناب امام الانبیاء خاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے جنتی ہونے کی بشارتِ عظمیٰ بھی مل چکی تھی۔ مگر انہوں نے فرمایا کہ:۔

ولا ارفع صوتی ابدًا علی صوت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ (ابن کثیر ۴ مئ۲۰۲)

میں کبھی بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند نہیں کروں گا۔

اور یہی ایک پکے مسلمان اور سچے عاشق اور جنتی کی علامت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی اور حاضری میں کبھی اپنی آواز بلند نہ کرے، نہ آپ کی حیات طیبہ میں اور نہ وفات کے بعد آپ کی قبر مبارک کے پاس جہاں آپ کا جسدِ اطہر موجود اور حاضر ہے اور آپ کی روح مبارک کا باوجود ملاءِ اعلیٰ اور علیین میں ہونے کے آپ کے جسم مبارک سے ایسا اعلیٰ اور اکمل تعلق ہے جس سے بڑھ کر عالم برزخ میں تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی قبر مبارک کے پاس جو شخص درود شریف پڑھتا ہے آپ بنفسِ نفیس اس کو خود سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ مزید تحقیق کے لیے راقم کی مفصل کتاب تسکین الصدور اور اجمالاً تبرید النواظر طبع جدید کا مطالعہ کیجیے۔

نوٹ:۔ ذکر بالجہر یا رفع الصوت فی المساجد کی بحث کا ہماری اس کتاب سے تعلق نہیں ہے۔ ہم نے اس پر بفضلہ تعالیٰ بالا مزید علیہ بحث اپنی کتاب حکم الذکر بالجہر میں اور اختصارًا المنہاج الواضح میں کر دی ہے۔ وہ ملاحظہ کر لی جائے۔ یہاں تو صرف نفی علم غیب کی بحث ہے، جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بادلائل ثابت ہو گئی ہے:۔

پندرھویں حدیث ۱۵

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن سعد الساعدی سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر کے دروازہ کے ایک سوراخ سے اندر جھانکا اور آپ اپنے سر مبارک کو کنگھی یا اس کی مانند کسی اور چیز سے کھجلا رہے تھے

فلمّا رأٰہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال لو اعلم انک تنظرنی لطعنت فی

جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ تو مجھے دیکھ رہا ہے تو میں ضرور

عينك و قال رسول الله صلے الله عليه وسلّم انما جعل الاذن من اجل البصر۔
(بخاری ج ۲ ص۹۲۲ ومسلم ۲ ص۲۱۳ واللفظ لہٗ)

تیری آنکھ میں چوکا مارتا، اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ اجازت لینے کا مطلب ہی صرف یہ ہوتا ہے تاکہ کسی کے گھر نگاہ نہ پڑے

اور حضرت انس رضہ فرماتے ہیں کہ:۔

فكانى انظر الى رسول الله صلے الله عليه وسلّم يختله ليطعنه۔
(بخاری ج۲ ص۹۲۲ ومسلم ج۲ ص۲۱۲ واللفظ لہٗ والوداؤد ج ۲ ص۳۴۷)

میری آنکھوں کے سامنے ہے وہ نقشہ جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم حیلہ اور تدبیر سے اس شخص کی آنکھ میں چوکا مارنا چاہتے تھے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

من اطلع فى بيت قوم بغير اذنهم فقد حل لهم ان يفقاؤا عينهٗ۔
(ابوداؤد ج ۲ ص۳۴۷، مسلم ج۲ ص۲۱۲ واللفظ لہٗ)

کہ جب کسی شخص نے کسی قوم کے گھر میں جھانکنے کی کوشش کی جب کہ انہوں نے اجازت نہیں دی تو ان کے لیے اس کی آنکھ کو پھوڑ دینا حلال اور جائز ہے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ:۔ اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے گھر میں جھانکے اور تم اس کی آنکھ پھوڑ دو تو ما كان عليك من حرج (مشکوٰۃ ج ۲ ص۳۰۵ وقال متفق علیہ) تم پر اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا۔

اس مسئلہ میں علمائے اسلام کا کچھ اختلاف ہے کہ آیا انذار و تخویف کے بعد اس کی آنکھ پھوڑنی جائز ہے؟ یا اس سے قبل بھی؟ حضرت امام نووی رحہ لکھتے ہیں کہ:۔

فيه وجهان لا صحابنا اصحهما جوازه لظاهر هذا الحديث۔
(شرح مسلم ج ۲ ص۲۱۲)

اس میں ہمارے حضرات فقہاءؒ کے دو قول ہیں صحیح ترین قول صرف یہ ہے کہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ کے پیش نظر بغیر اطلاع دینے اور ڈرانے کے بھی اس کی آنکھ پھوڑنی جائز ہے۔

اس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے نہ تو پہلے اس شخص کو دیکھا تھا اور نہ اس کے متعلق علم تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ جب آپ نے اس کو دیکھ لیا (فلما راٰہ) تو نہایت لطیف حیلہ اور تدبیر سے تاکہ اس شخص کو علم و شعور نہ ہو سکے؟ اس کی آنکھ پھوڑ دینے کا ارادہ فرمایا اور اس کی آنکھ میں چوکا مارنے کے لیے اس کے پیچھے تشریف بھی لے گئے (مگر وہ پیچھے ہٹ گیا اور جان بچالی۔ کما فی

روایۃ الترمذی ج ۲ ص۹۵ - فتخر الرجل - وقال حسن صحیح) اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ما کان وما یکون کا علم ہوتا یا آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے جیسا کہ فریقِ مخالف مدعی ہے تو اس روایت میں فلما راٰہ اور لو اعلم انك تنظرنی الخ کے الفاظ کی سرے سے مطلقاً گنجائش ہی نہ ہوتی۔ اور پہلے گذر چکا ہے کہ وحی الٰہی کے علاوہ جن امور کی طرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توجہ و التفات نہ ہو، وہ بات آپ کو معلوم نہیں ہو سکتی اور نہ آپ کو ایسی باتوں سے کچھ لگاؤ ہی تھا اور اس میں آپ کی کوئی تنقیصِ شان بھی نہیں اور ایسے امور کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ:۔

انی فیما لم یوح الی کاحدکم (طبرانی فی الکبیر وابن شاہین عن معاذ بن جبلؓ قال الشیخ حدیث صحیح ۔ السراج المنیر ج ۲ ص۵۵) جن امور میں میری طرف وحی نازل نہیں ہوتی ان میں بس تمہاری ہی طرح ہوں۔

یعنی جیسے بعض امور کا تمہیں علم نہیں ہو سکتا مجھے بھی نہیں ہوتا اور جیسے توجہ و التفات کے بغیر تمہیں کسی چیز کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی مجھے بھی معلوم نہیں ہوتی، اور جیسے تمہارے اجتہاد اور رائے میں غلطی اور خلاف واقع ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے مجھ سے بھی اجتہاد اور رائے میں لغزش واقع ہو سکتی ہے جیسا کہ تابیرِ نخل وغیرہ کے واقعہ میں ایسا ہوا تھا (دراجع لہ العزیزی ج ۲ ص۵۵) اس روایت سے ہمارا استدلال روز روشن کی طرح بالکل صاف اور واضح ہے۔

مولوی محمد عمر صاحب کی گپ

مولوی صاحب لَوْ اَعْلَمُ کو اظہار کے معنی میں لے کر اپنی افتادِ طبع سے مجبور ہو کر ایک عجیب ہوائی تقریر کرتے ہیں کہ نہ تو وہ زمین کی ہے نہ آسمان کی، چنانچہ اثنائے تقریر میں لکھتے ہیں کہ:۔

" آپ نے ارشاد فرمایا لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُنِیْ کہ اگر میں ظاہر کرتا کہ تو مجھے دیکھ رہا ہے تو میں تیری آنکھ میں چوکا مارتا کیونکہ بغیر میرے ظاہر کرنے کے پیچھے چوکا مارنا یہ سنت ہو جاتی کہ سوراخ سے جھانکنے والے کی آنکھ میں بغیر اظہار ہی لوگ چوکا مارنا شروع کر دیتے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی جھانکنے والا دیوار سے یا دروازے کے سوراخ سے جھانکے تو پہلے اس کو اَنَّكَ تَنْظُرُنِیْ سے سوال کرے کہ کیا تو میری طرف دیکھتا ہے؟ جب وہ اس کا جواب صحیح دیوے تو اس کی آنکھ میں چوکا مار دے الخ (مقیاس ص۱۱۴)

جواب

مولوی محمد عمر صاحب کا یہ جواب اس حدیث کے الفاظ کے پیشِ نظر خالص سینہ زوری، اختراع اور من مانی کارروائی ہے کیونکہ حدیث میں فلما راٰہ کا جملہ صراحت سے اس پر دلالت

کرتا ہے کہ آپ نے پہلے اس شخص کو نہیں دیکھا اور پھر بعد کو دیکھا ہے، اور یہ بھی اسی حدیث میں بیان ہوا ہے کہ آپ ایک لطیف حیلہ سے اس شخص کی آنکھ میں چوکا مارنے کے لیے بغیر اطلاع دیئے دروازے کے قریب تک پہنچے ہیں۔ اگر اُس شخص کی قسمت یاوری نہ کرتی اور وہ پیچھے نہ ہٹ جاتا تو آنکھ سے وہ ضرور محروم ہو جاتا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے امت کو جو حکم دیا ہے وہ بھی صرف یہ ہے کہ جھانکنے والے کی آنکھ اطلاع کے بغیر پھوڑی جاسکتی ہے اور حضرت امام نووی کا اقتباس ہم نے نقل کر دیا ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ اس کے مؤید ہیں کہ اس کی آنکھ بغیر اطلاع پھوڑی جاسکتی ہے علاوہ ازیں مولوی محمد عمر صاحب نے اَنَّكَ تَنظُرُنِي کو اپنے مدّعائے باطل کے لیے جملۂ استفہامیہ بنا کر عجب جہالت یا خیانت کا ثبوت دیا ہے وہ بجائے خود ان کی شرمناک تحریف کا رفرما رہی ہے اور علم کو بمعنی اظہار لے کر انہوں نے شرط اور جزا کے درمیان جو بے ربطی پیدا کی ہے۔ وہ بزبانِ حال مولوی محمد عمر صاحب سے یوں تخاطب کر رہی ہے کہ ؎

شُر نجے وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بے وقت سی تھی
غُل تو بہت یاروں نے مچایا پڑ گئے اکثر ماند ہمیں

اس سے انکار نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کے بعض تفسیری حوالوں کے پیشِ نظر علم بمعنی اظہار بھی آیا ہے جیسے اِلَّا لِنَعْلَمَ وغیرہ میں مگر وہ یہ مقام نہیں ہے۔ خداوند کریم کا علم محیط اور ازلی ہے مضارع وغیرہ کے صیغوں سے اس کی حسنِ تعبیر پر مخلوق کے علم حادث اور غیر محیط کو قیاس کرنا اور ایک کی تعبیر دوسرے پر چسپاں کرنا اور فرقِ مراتب کو ملحوظ نہ رکھنا زندقہ اور الحاد ہے۔ ولنعم ما قیل ع

گر فرقِ مراتب نکنی زندیقی

سولھویں حدیث ۱۶

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک وغیرہ سے بطرق مختلفہ یہ واقعہ مروی ہے کہ قبیلۂ عُکَل اور عُرَینہ کے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے آپ کی بیعت کی۔ پھر جب چند دنوں کے بعد مدینہ طیبہ کی آب و ہوا ان کے موافق نہ آئی اور وہ کچھ بیمار پڑ گئے تو انہوں نے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے اجازت چاہی کہ ہم کو اونٹوں کے گلّوں کے ساتھ جنگل میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ان کو اجازت دے دی اور بیت المال کے کچھ اونٹ اور دو خادم ان کے ساتھ چند میل دُور ایک چراگاہ پر روانہ کر دیئے۔ جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے ایک راعی کو (جس کا نام حضرت یسارؓ تھا)

شہید کر دیا اور بیت المال کے اونٹ لے کر بھاگ نکلے۔ دوسرے راعی نے مدینہ طیبہ آکر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطلع کیا۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ:۔

فجاء الخبر فی اول النھار فبعث فی آثارھم فلما ارتفع النھار جیٔ بھم فقطع ایدیھم وارجلھم و سمرت اعینھم (الحدیث)
(بخاری ج ۱ ص ۳۳)

یہ خبر دن کے ابتدائی حصہ میں پہنچی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے کچھ آدمی بھیجے وہ ان کو پکڑ لائے تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں۔ (کیونکہ انہوں نے بھی حضرت یسار رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی کیا تھا)

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ:۔

فقتلوا الراعی وطردوا الابل فبلغ ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبعث فی آثارھم (الحدیث)
(مسلم ج ۲ ص ۵۷)

سو انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے، تو یہ خبر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی پس آپ نے ان کے پیچھے کچھ آدمی روانہ کئے۔

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ:۔

اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفر من عرینۃ (وفی روایۃ سعید من عکل وعرینۃ مسلم ۲ ص ۵۸) فاسلموا وبایعوہ و قد وقع بالمدینۃ الموم وھو البرسام ثم ذکر نحو حدیثھم وعندہ شباب من الانصار قریب من عشرین فارسلھم الیھم و بعث معھم قائفا یقتص اثرھم۔
(مسلم ج ۲ ص ۵۸)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عکل اور عرینہ کے کچھ آدمی آئے اور اسلام قبول کر کے آپ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کر لی۔ مدینہ طیبہ میں برسام (سرسام یا استسقاء) کی بیماری پڑ گئی۔ پھر آگے یہی حدیث بیان کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس انصار مدینہ کے تقریباً بیس ۲۰ نوجوان تھے آپ نے ان کو ان کے تعاقب میں بھیجا اور ان کے ساتھ آپ نے ایک کھوجی بھی بھیجا تاکہ وہ ان کا کھوج نکال کر ان کو گرفتار کر سکے۔

اور ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ:۔

کان اناس اتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کچھ آدمی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت

فقالوا انا یبایعک علی الاسلام فبایعوہ وھم کذبۃ ولیس الاسلام یریدون
(تفسیر ابن کثیرؒ ج ۲ ص ۵ اخرجہ ابن جریرؒ بسندہ)

میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرتے ہیں سو انہوں نے بیعت تو کر لی لیکن وہ جھوٹے تھے، اسلام کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔

ان تمام روایات کے پیش نظر یہ بات نہایت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو مخلص مسلمان سمجھ کر ان کے ساتھ یہ ہمدردی کی کہ بیت المال کے اونٹ اور اپنے خاص چرواہے اور خادم ان کی خدمت کے لیے باہر جنگل اور چراگاہ میں بھیج دیے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے یہ علم ہوتا کہ یہ ایسی کارروائی کریں گے تو آپ ایسا ہرگز نہ کرتے اور بیت المال کے اونٹوں اور اپنے خادموں کی جان کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام فرماتے، پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ انہی روایات میں اس کی تصریح ہے کہ جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ان ڈاکوؤں کے تعاقب میں بیس۲۰ کے قریب نوجوان بھیجے۔ جو عالم الغیب ہو اور جس کو جمیع ماکان ومایکون کا علم ہو، اس کے لیے فجاء الخبر اور فبلغ ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا کیا مطلب؟ اور مسلم شریف کی حدیث میں اس کا ذکر بھی موجود ہے کہ آپ نے ان نوجوانوں کے ساتھ ایک کھوجی بھی روانہ کیا تھا تاکہ وہ اپنے قیافہ اور کھوج کے فن کی مدد سے ڈاکوؤں کا سراغ لگائے۔ جمیع ماکان ومایکون کے علم کو کھوجی بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کو علم ہوتا تو فرما دیتے کہ وہ ڈاکو تمہیں فلاں مقام پر ملیں گے ان کو گرفتار کر لاؤ جیسا کہ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے ایک خط کے سلسلہ میں علی التعیین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ایک عورت روضۃ خاخ کے مقام پر تمہیں ملے گی اس سے ایک خط لے آنا کیونکہ اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع کر دیا تھا (فاطلع اللہ تعالٰے علٰے ذالک رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تفسیر ابن کثیرؒ ج ۲ ص ۲۹۵) یہ بھی یاد رہے کہ عُکل اور عرینہ کا واقعہ حسب تحقیق علامہ ابن سعدؒ (المتوفی ۲۳۰ھ) اور ابن حبانؒ (المتوفی ۳۵۴ھ) وغیرہ شوال ۶ھ کا ہے

سترھویں حدیث ۱۷

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ بنت جحش (المتوفاۃ ۲۰ھ) کا حضرت زیدؓ بن حارثہؓ (المتوفی ۸ھ) کے طلاق بعد ۵ھ میں جب اللہ تعالٰے نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا تو آپ نے دعوتِ ولیمہ پر چند حضرات صحابہ کرامؓ کو مدعو کیا۔ کچھ لوگ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی وہیں اُسی

حجرہ میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوقات اور مشاغل میں خلل واقع ہوا تو آپ بایں خیال وہاں سے اٹھ گئے کہ شائد یہ لوگ بھی اٹھ جائیں۔ مگر وہ حضرات آپ کی منشاء کا بالکل احساس نہ کر سکے اور جب آپ کچھ دیر کے بعد تشریف لائے:۔

ثم ظن انھم خرجوا فرجع و رجعت معہ حتی اذا دخل علی زینب رض فاذا ھم جلوس لم یقوموا فرجع النبی صلی اللہ علیہ و سلم الحدیث (بخاری ج ۲ ص ۷۶۶ و مسلم ج ۱ ص ۴۶۱)

اور یہ گمان اور خیال کیا کہ وہ لوگ جا چکے ہوں گے مگر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت انس رض حضرت زینب رض کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ لوگ تاہنوز بیٹھے ہوتے ہیں آپ پھر واپس باہر تشریف لے گئے۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ:۔

فلما رأوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد رجع ظنوا انھم قد ثقلوا علیہ الحدیث (مسلم ج ۱ ص ۴۶۱)

جب ان حضرات کو صحابہ کرام رض نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو واپس ہوتے ہوئے دیکھا تو پھر ان کو احساس ہوا کہ آپ کو ہماری بلا وجہ یہ طویل مجلس ناگوار گزری ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس رض بن مالک کا بیان ہے کہ:۔

ثم انھم قاموا فانطلقوا قال فجئت فاخبرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم انھم قد انطلقوا قال فجاء حتی دخل الحدیث (مسلم ج ۱ ص ۴۶۱)

پھر وہ اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ میں گیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ حضرت وہ لوگ تو جا چکے ہیں تب آپ آئے اور حضرت زینب رض کے حجرہ میں داخل ہوئے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم ہوتا تو آپ پہلی دفعہ ہرگز یہ خیال نہ فرماتے کہ لوگ جا چکے ہوں گے اور دوسری دفعہ حضرت انس رض آپ کو ان کے چلے جانے کی خبر اور اطلاع نہ دیتے۔ تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شدہ تک اپنے بعض مخلص حضرات صحابہ کرام رض کے پورے حالات تو کیا معلوم ہوتے، اپنے حجرہ سے ان کے باہر چلے جانے کا بھی علم نہ تھا اور نہ آپ ان کے حق میں حاضر و ناظر تھے اور جب آپ دُور نہیں مدینہ طیبہ ہی میں اور عام نہیں صرف اپنے حضرات صحابہ کرام رض کے لیے حاضر و ناظر اور عالم نہیں تو اور کس کے لئے ہوں گے؟ اور اس صحیح روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے

حجرہ میں ہر وقت حاضر و ناظر نہ تھے (اگر ہوتے تو حضرات صحابہ کرام رضہ کے اس گروہ کے چلے جانے یا نہ جانے کا آپ کو ضرور علم ہوتا) تو اور کس گھر میں ہر وقت آپ تشریف فرما ہو سکتے ہیں؟ اور اگر آپ مختار کل ہوتے تو تکوینی طور پر تصرف فرما کر ان حضرات صحابہ کرام رضہ کو حجرہ سے باہر نکال دیتے۔ یہی ایک روایت اہل بدعت کے جملہ باطل عقیدوں کو ختم کرنے کے لیے کافی ہے بشرطیکہ کوئی شخص باطل عقیدہ کو چھوڑ کر حق کو قبول کرنے پر آمادہ ہو اور اس کی دل میں صحیح عقیدہ کی کوئی قدر و عظمت بھی ہو۔

اٹھارویں حدیث ۱۸

جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کئی ہزار صحابہ رضہ کے ساتھ ۱۰ھ کے اواخر میں جب حج کے لیے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا اور اپنی قربانی کے جانور مدینہ طیبہ ہی سے ساتھ لے لیے تو مکہ مکرمہ پہنچ کر آپ پر منکشف ہوا کہ اہل جاہلیت کے اس خیال باطل کے بیلے کہ اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ ہے وہ یہ کہ انہی دنوں میں پہلے مستقل عمرہ ادا کیا جائے اور اس کے بعد از سر نو حج کا احرام باندھ کر حج کیا جائے لیکن چونکہ احرام حج کے ساتھ آپ قربانی کے جانور بھی ہمراہ لے گئے تھے (اور اس صورت میں حج کی ادائیگی سے پہلے احرام کو فسخ نہیں کیا جا سکتا) اس لیے آپ بذات خود تو اس تجویز پر عمل کرنے سے معذور تھے، اس واسطے آپ نے اپنے ان حضرات صحابہ کرام رضہ کو جو اپنی قربانیاں ساتھ نہ لائے تھے، حکم دیا کہ وہ پہلے عمرہ ادا کر کے احرام سے باہر نکل آئیں اور پھر حج کے لیے یہیں سے مستقل احرام باندھ لیں۔ بعض حضرات صحابہ کرام رضہ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ حج تو کم درجہ کا ہوگا، کیونکہ اس صورت میں عمرہ کے اختتام اور احرام کے درمیان اپنی بیویوں سے لطف اندوزی اور دیگر لذائذ اور مرغوبات کے استعمال کا کافی موقع مل جائے گا اور احرام کے استمرار اور دوام کی صورت میں نفس اور نفسانی خواہشات پر جو پابندیاں رہتیں وہ باقی نہ رہ سکتی تھیں اور ان سے اس عرصہ کے لیے آزادی حاصل ہو جائے گی نیز چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود ایسا نہیں کر رہے تھے اس واسطے بھی حضرات صحابہ کرام رضہ کو کچھ تردد ہوا کیونکہ ان کی انتہائی آرزو یہی تھی کہ وہ بالکل اسی طرح سے حج ادا کریں جس طرح خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ادا فرمائیں اور آپ کی ہر ہر ادا اور ہر ہر حرکت و سکون میں موافقت اور یگانگت کا شرف ان کو حاصل ہو، بہر حال ان وجوہ کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس نئی تجویز پر عمل کرنے میں بعض لوگوں کو کچھ پس و پیش سا لاحق ہوا جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان خیالات و وساوس اور افکار و خطرات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے بروایت حضرت جابر رضہ یہ فرمایا:۔

لو استقبلت من امری ما استدبرت ما اهدیت ولولا ان معی الهدی لاحللت (بخاری ج ۱ ص ۲۲۴ واللفظ لہ ومسلم ج ۱ ص ۳۹۶ وابوداؤد ج ۱ ص ۲۴۹ وابن ماجہ ص ۲۲۵ ونسائی ج ۲ ص ۱۸ عن جابر رض ودج ۲ ص ۱ عن البراء رض ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۲۴)

(ایام حج میں عمرہ کر کے جاہلی خیال کو پامال کرنے کے متعلق) جو بات اب مجھے بعد میں معلوم ہوئی، اگر وہ مجھے پہلے ہی سے معلوم ہو جاتی تو میں بھی قربانی ساتھ نہ لاتا اور احرام سے باہر نکل آتا۔

اور بروایت حضرت عائشہ رض یہ روایت اس طرح آتی ہے کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو استقبلت من امری ما استدبرت ماسقت الهدی ولحللت مع الناس حین حلوا (بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۳ واللفظ لہ ومسلم ج ۱ ص ۳۹۰)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر پہلے ہی سے مجھے وہ رائے معلوم ہو جاتی جو اب معلوم ہوئی ہے تو میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا اور میں بھی لوگوں کی طرح احرام سے نکل آتا۔

علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی رح (المتوفی ۷۸۶ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

ای لو علمت فی اول الحال ما علمت آخراً من جواز العمرة فی اشهر الحج ما سقت الهدی معی۔ (الکواکب الدراری علی ہامش بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۳)

یعنی اگر مجھے ابتداء ہی سے وہ بات معلوم ہوتی جو اب آخر میں آکر معلوم ہوئی ہے کہ حج کے مہینوں میں بھی عمرہ کرنا جائز ہے تو میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا۔

اور علامہ بدر الدین العینی الحنفی رح ارقام فرماتے ہیں کہ یعنی:۔

ای لو عرفت فی اول الحال ما عرفت آخراً من جواز العمرة فی اشهر الحج لما اهدیت ای لکنت متمتعا لمخالفة اهل الجاهلية (عمدة القاری ج ۹ ص ۲۹۳)

اگر شروع ہی سے میں وہ بات پہچان لیتا جو اب آخر میں آکر معلوم ہوئی ہے کہ اشہر الحج میں عمرہ جائز ہے تو میں قربانی کیوں ساتھ لاتا؟ یعنی میں تو پھر ضرور تمتع کر کے اہل جاہلیت کی عملی مخالفت کرتا۔

اور خطیب قسطلانی رح تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ای لو علمت من امری فی الاول ما علمت فی الآخر ما اهدیت الخ (ارشاد الساری ج ۳ ص ۱۹۱ طبع بیروت محصلہ والتعلیق المحمود ج ۱ ص ۲۹۴)

یعنی اگر میں اپنے معاملہ کو ابتداء میں جان لیتا جیسا کہ بعد میں آکر مجھے معلوم ہوا ہے تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا۔

اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح لکھتے ہیں کہ:۔

ای لو ظهر لی هذا الرأی الذی رأیتہ آخراً وامرتکم بہ فی اوّل امری من الاحرام الخ (لمعات ہامش مشکوٰۃ ج ا ص۲۲۴) — یعنی اگر یہ رائے جو اب آکر مجھ پر ظاہر ہوئی ہے جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے احرام کی ابتداء میں مجھے معلوم ہوتی تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا۔

اور قریب قریب یہی الفاظ ہیں اس موقع پر حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ کے ہیں ملاحظہ ہو (انجاح الحاجۃ ص۲۲۸) اور حضرت شیخ عبد الحق صاحب فارسی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"اگر پیش ازیں میدانستم بر آمدن از احرام بر شما شاق خواہد آمد من نیز سوق ہدی نمی کردم و من نمی دانستم کہ حکم الٰہی چنیں خواہد بود۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص۳۲۸) — اگر اس سے پہلے مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تم پر احرام سے نکلنا شاق گذرے گا تو میں بھی قربانی ساتھ نہ لاتا اور مجھے تو معلوم نہ تھا کہ حکم الٰہی ایسا ہو جائے گا۔

اور علامہ محمد عبد الباقیؒ بن یوسف الزرقانی رحؒ (المتوفی ۱۱۲۲ھ) شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ :-

ای لو عنّ لی ھذا الرّایٔ الّذی رأیتہ آخرًا وامرتکم بہ فی اوّل ما سقت الھدی (زرقانی شرح مواہب ج ۸ ص۱۶۸) — یعنی یہ رائے جو اب بعد میں مجھ پر ظاہر ہوئی ہے جس کا میں نے تمہیں حکم بھی دیا ہے، اگر شروع ہی میں مجھ پر ظاہر ہو جاتی تو میں بھی ہدی ساتھ نہ لاتا۔

اس حدیث اور اس حدیث کی شرح میں حضرات اکابر علماء اور محقّقین نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس سے ہمارا استدلال اور مدعا بالکل واضح ہے کہ اگر ۱۰ھ کے اواخر تک بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کو جمیع ماکان و مایکون کا علم حاصل ہوتا تو اس ارشاد کے فرمانے اور اس پریشانی کی ہرگز نوبت نہ آتی اور لطف یہ ہے کہ یہ معاملہ بھی دنیاوی نہیں بلکہ عمرہ جیسی ایک بہترین عبادت کا معاملہ ہے اس واضح ترین دلیل میں ہر ایک منیب کے لیے تسکین قلب کا کافی سامان موجود ہے اور نہ ماننے والے کے حق میں دنیا کی کوئی سود مند اور مفید ترین دلیل بھی کار آمد نہیں ہو سکتی :-

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

اُنیسویں حدیث ۱۹

اسی حجۃ الوداع کے واقعات میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ :-

ان النّبی صلے اللہ علیہ وسلم خرج من عندھا وھو مسرور ثم رجع الیّ وھو کئیب فقال انی — جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ان کے پاس سے خوش و خرم باہر نکلے پھر کچھ دیر کے بعد آپ رنجیدہ ہو کر

دخلت الکعبة ولو استقبلت من امری ما استدبرت ما دخلتها انی اخاف ان اکون قد شققت علیٰ امتی ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۷ واللفظ لہ ۔ والترمذی ج ۱ ص ۱۰۷ وابن ماجہ ص ۲۲۶ ومسند احمد ج ۶ ص ۱۳۷/۱۳۴ وجمع الفوائد ج ۱ ص ۱۸۲ وکنز العمال ج ۶ ص ۲۴۱ ومستدرک ج ۱ ص ۴۷۹ و قال الحاکم والذہبی صحیح وقال الترمذی حسن صحیح)

واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں کعبہ کے اندر داخل ہوا تھا اور اگر مجھے پہلے ہی سے یہ بات معلوم ہو جاتی جواب معلوم ہوئی ہے تو میں کعبہ میں داخل نہ ہوتا مجھے خوف ہے کہ میں نے اپنے اس فعل سے امت پہ بار نہ ڈال دیا ہو۔ (کہ وہ کعبہ میں داخل ہونے کو ضروری اور سنت سمجھیں گے اور اس کے لیے بلا وجہ مشقت اٹھائیں گے اور کعبہ کی بلندی اور لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے لس ہی سب داخل نہ ہو سکیں گے)

اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان ومایکون کا علم حاصل نہ تھا ورنہ آپ ہرگز اظہار تاسف کے طور پر ایسا نہ فرماتے اور نہ بعد میں آپ کی رائے مبارک ہی بدلتی کیونکہ عالم الغیب کو نہ تو تاسف لاحق ہوا کرتا ہے اور نہ حکم اور رائے بدل کر پہلی رائے پر کبھی پچھتایا کرتا ہے ؎

خدا کے حکم ہیں مبنی تمام حکمت پہ
فتوح جن میں ہے دنیا و دیں کی خاطر خواہ

بیسویں حدیث حضرت عبد اللہ رضؓ بن زمعہ (المتوفی ۳۷ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مرض الموت میں جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مرض کا غلبہ ہوا تو میں چند اور مسلمانوں کی معیت میں آپ کی خدمتِ اقدس میں موجود تھا حضرت بلال رضؓ بن رباح ۔ (المتوفی ۲۵ھ) نے آپ کو حسب عادت نماز کے لیے پکارا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی سے کہہ دو کہ وہ نماز پڑھا دے ۔ حضرت عبد اللہ رضؓ بن زمعہ فرماتے ہیں کہ جب ہم مسجد میں گئے تو دیکھا کہ لوگوں میں حضرت عمر رضؓ تو موجود ہیں مگر حضرت ابوبکر رضؓ حاضر نہیں ہیں میں نے حضرت عمر رضؓ سے کہا آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے چنانچہ وہ آگے ہوئے اور تکبیر کہی ۔

فلما سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم صوت عمر قال ابن زمعة رض خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی اطلع رأسه من حجرته ثم قال لا لا لا لیصلی للناس ابن ابی قحافة یقول ذالك مغضبا ۔

جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضؓ کی آواز سنی تو آپ نے حجرہ مبارکہ سے سر باہر نکال کر فرمایا۔ نہیں، نہیں، نہیں ۔ چاہیئے کہ ابوبکر رضؓ ہی لوگوں کو نماز پڑھائے ۔ آپ نے طیش اور غصہ میں آکر یہ

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۵ وسندہ صحیح) ارشاد فرمایا تھا۔

اور ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں (جو اس روایت کی صرف متابع اور شاہد ہے) یوں آتا ہے کہ:

فلما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم صوتہ وکان عمر رضہ رجلا مجھرًا قال فاین ابوبکر رضہ یأبی اللہ ذالک والمسلمون یأبی اللہ ذالک و المسلمون فبعث الی ابی بکر رضہ فجاء بعد ان صلی عمر رضہ تلک الصلوٰۃ فصلی بالناس۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۵)	جب آپ نے عمر رضہ کی آواز سُنی اور حضرت عمر رضہ کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی تو آپ نے فرمایا ابوبکر رضہ کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ منظور نہیں اور مسلمانوں کو بھی۔ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ منظور نہیں اور مسلمانوں کو بھی۔ (کہ سوائے ابوبکر رضہ کے کوئی اور امامت کرائے) آپ نے حضرت ابوبکر رضہ کی طرف قاصد بھی بھیجا مگر وہ اس وقت آئے جبکہ حضرت عمر رضہ یہ نماز لوگوں کو پڑھا چکے تھے اس کے بعد حضرت ابوبکر رضہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

اس روایت سے جہاں حضرت ابوبکر رضہ کی فضیلت اور منقبت ثابت ہوتی ہے اس سے یہ چیز بھی وضاحت سے ثابت ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرض الموت تک جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا۔ اگر آپ کو علم حاصل ہوتا، تو جب حضرت عمر رضہ کو ابتدا میں نماز پڑھانے کو کہا گیا تھا تو آپ آغازِ نماز سے پہلے ہی ان کو روک دیتے حالانکہ روایت میں تصریح موجود ہے کہ جب حضرت عمر رضہ نے تکبیر کہی اور آپ نے ان کی تکبیر سُنی تو پھر حجرۂ مبارکہ سے آپ نے سر مبارک باہر نکال کر تین مرتبہ نہیں، نہیں، نہیں فرمایا اور آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ نیز اگر آپ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم ہوتا تو آپ یہ کیوں فرماتے فاین ابوبکر رضہ؟ ابوبکر کہاں ہیں؟ یہ روایت بھی ہمارے مدّعا پر واضح دلیل ہے۔

اکیسویں حدیث ۲۱

حضرت ابو سعید الخدری رضہ فرماتے ہیں کہ ہم سب جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے جوتے پہن کر نماز میں مشغول تھے (جنگ کا موقع تھا یا ابتدائے اسلام میں زیادہ وسعت تھی اور اب بھی بشروط یہ جائز ہے) کہ اچانک آپ نے اپنے جوتے اُتار کر بائیں طرف رکھ دیئے، حضرات صحابہ کرام رضہ نے بھی آپ کی اقتداء کرتے ہوئے جوتے اتار دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں جوتے اتارنے پر کس چیز نے آمادہ کیا ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضہ نے فرمایا کہ حضرت ہم نے آپ کو جوتے اُتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اُتار دیئے۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جبرائیل اتانی فاخبرنی ان فیہا قذرا الحدیث (رواہ ابوداؤد ج ۱ ص ۹۵ والدارمی ص ۲۱۸ مترجم اردو وسندہ صحیح والمشکوٰۃ ج ۱ ص ۷۳ ومستدرک ج ۱ ص ۲۶۰ قال الحاکم والذہبی علی شرط مسلم وموارد الظمآن ص ۱۰۷)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو اس لیے جوتے اتارے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے آکر اس کی خبر دی ہے کہ میری جوتیوں کے نیچے نجاست لگی ہوئی ہے۔

اس صحیح اور صریح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان وما یکون کا علم نہ تھا۔ اگر آپ کو یہ علم ہوتا تو آپ کو ضرور اپنے جوتوں کے نیچے پلیدی نظر آجاتی اور پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نازل ہو کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی خبر دینے کی کیا ضرورت تھی ؟ فاخبرنی کے الفاظ بھی ملحوظ خاطر رکھیں اور پھر حضرات صحابہ کرام رضہ سے ماحملکم علی القائکم نعالکم الخ سے (کہ تمہیں جوتے اتار پھینکنے پر کس چیز نے آمادہ کیا ہے ؟) آپ کے سوال کرنے کا صحیح مقصد بھی اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آپ عالم الغیب نہ تھے۔

مولوی محمد عمر صاحب کا جواب

مولوی محمد عمر صاحب اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"آپ نے پہلے جوڑہ پاک کو اتار لیا اور اپنے دائیں جانب رکھ لیا الیٰ ان قال تو آپ کے اس فرمان سے یہ کسب ثابت ہوا کہ آپ کو اپنے جوڑے پاک کے میل کا علم نہ تھا بلکہ اس سے تو آپ کی شانِ پاک ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے جوڑے پاک میں ذرا سی میل کو بھی پسند نہیں فرماتے بلکہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جوڑہ پاک کو ذرا میل بھی چھوئی ہو تو جبرائیل علیہ السلام کو اس خدمت کے لیے بھیجا جاتا ہے الخ" (مقیاس ص ۱۲۷)

جواب

مولوی محمد عمر صاحب کا پہلے تو ترجمۂ لفظی میں کمال دیکھئے پھر استدلالی کمال ملاحظہ کیجئے۔ اس حدیث میں لفظ یہ آتے ہیں فوضعہما عن یسارہ کہ جناب نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جوتے بائیں طرف رکھ دیے۔ مگر مولوی محمد عمر صاحب کو یمین و یسار کی خبر سے کوئی تمیز ہی نہیں ہے وہ لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے جوڑہ پاک کو اتار لیا اور اپنی دائیں جانب رکھ لیا۔ اور اس حدیث میں آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر آپ کو خبر دی کہ آپ کے جوتوں میں قذرا نجاست اور پلیدی لگی ہوئی ہے مگر قذر کے معنی مولوی محمد عمر صاحب کے نزدیک میل اور ذرا سی میل کے ہیں۔

علامہ المطرزی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :۔

قذر ای غیر نظیف۔ (مغرب ۲ ص ۱۲۴) قذر کے معنی ناپاک کے ہوتے ہیں۔

اور علامہ الجمال القرشی رح لکھتے ہیں :۔

قذر بالتحریک پلیدی و ہو ضد النظافۃ ۔ (صراح ص ۲۰۵) یعنی قذر کے معنی پلیدی اور ناپاکی کے ہوتے ہیں اور استدلالی طور پر اس حدیث کا مطلب بیان کر کے اپنے شہرۂ علمی اور دیانت کو جو چار چاند لگائے ہیں، وہ صرف انہی کا حصہ ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز شروع کی اور جوتی کی نجاست کا علم نہ ہو سکا حتیٰ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ فرماتے ہیں کہ :۔

فاخبرنی ان فیھما قذرا "انہوں نے مجھے اس کی خبر اور اطلاع دی کہ ان میں نجاست لگی ہوئی ہے۔

مگر مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ اس فرمان سے یہ کب ثابت ہوا کہ آپ کو اپنے جوڑے پاک کے میل کا علم نہ تھا الخ۔

مولوی صاحب کو ہوش و حواس درست کر کے بتلانا چاہیئے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس ذراسی میل کا علم تھا تو پہلے ہی سے آپ نے جوتے کیوں نہ اُتار دیئے؟ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آکر آپ کو اطلاع دینے کی کیا ضرورت باقی رہی؟ اور جب آپ کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے جوڑہ پاک میں ذرا سی میل کو بھی پسند نہیں فرماتا تو آپ پہلے ہی سے مرضیٔ الٰہی کے مطابق جوتے اُتار دیتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد کی انتظار کیوں کی؟ الغرض اس حدیث کے اندرونی اور بیرونی قرائن مولوی محمد عمر صاحب کی اس جاہلانہ تاویل یا احمقانہ جواب کو رد کرنے کے لیے کافی ہیں اور ایسی مہمل اور بے تاویلات کا نام ہرگز جواب نہیں ہوا کرتا ؂

واعظ کی حجتوں سے قائل تو ہو گئے تم
کوئی جواب شافی پر اُس سے بن نہ آیا

بائیسویں ۲۲ حدیث

حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک غزوہ میں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھی، ایک جگہ آپ نے پڑاؤ کیا۔ وہاں میرا ایک ہار جاتا رہا۔ اصل الفاظ یہ ہیں کہ :۔

انقطع عقدلی فاقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ میرا ایک ہار گم ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و

وسلم علی التماسہ واقام الناس معہ الحدیث (بخاری ج ۱ ص۴۸ و ج ۲ ص۶۶۳ واللفظ لہ و مسلم ج ۱ ص۱۶۰

سلم اور آپ کے ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ اس کو تلاش کرنے کے لیے وہاں ٹھہر گئے۔

وابو عوانہ ج ۱ ص۳۰۲ و موطا امام مالک ص۱۹ ونسائی ج ۱ ص۴۴ ۔

یہ ہار حضرت عائشہؓ اپنی بڑی ہمشیرہ حضرت اسماءؓ سے عاریۃً لے گئی تھیں چنانچہ روایت میں ہے کہ :۔

انھا استعارت من اسماءؓ قلادۃ فھلکت فارسل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ناسا من اصحابہ فی طلبھا۔ الحدیث (مسلم ج ۱ ص۱۶۰)

حضرت عائشہؓ (اپنی بہن) حضرت اسماءؓ سے ہار مانگ کر لے گئی تھیں جو ضائع ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تلاش کے لیے اپنے حضرات صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں کو بھیجا۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے۔

بعث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُسَیدؓ بن حُضیر وانا سا معہ فی طلب قلادۃ اضلتھا عائشہؓ الحدیث (ابوداؤد ج ۱ ص۴۸)

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اُسیدؓ بن حضیر اور کئی اور آدمیوں کو اس ہار کی تلاش کے لیے بھیجا جو حضرت عائشہؓ سے گم ہو چکا تھا۔

الغرض یہ تمام احادیث اس امر پر متفق ہیں کہ اس ہار کے تلاش کرنے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس منزل میں قیام فرمایا اور اپنے کچھ حضرات صحابہ کرامؓ کو (جو بجائے خود ہر ایک کامل ولی تھا) اس ہار کے تلاش کرنے کے لیے بھیجا اور اس اثناء میں لوگ کافی پریشان ہوئے کیونکہ نہ تو ان کے پاس پانی تھا اور نہ وہ پانی پر تھے۔ لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے شکایت بھی کی کہ آپ کی صاحبزادی نے سب لوگوں کو پریشان کر دیا اور حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ پر کافی سختی بھی کی اور ان کی کوکھ میں کئی ضربات بھی طیش اور غصہ میں آکر لگائیں۔ جب بالکل مایوس ہو گئے اور تھک ہار کر جانے کا عزم کر لیا تو اسی حدیث کے آخر میں مذکور ہے کہ :۔

فبعثنا البعیر الذی کنت علیہ فاصبنا العقد تحتہ (بخاری ج ۱ ص۴۸ واللفظ لہ و ج ۲ ص۶۶۳ ومسلم ج ۱ ص۱۶۰ وابو عوانہ ج ۱ ص۳۰۲ و موطا امام مالکؒ ص۱۹ ونسائی ج ۱ ص۴۴)

جب ہم نے وہ اونٹ جس پر میں سوار تھی، اُٹھایا تو دیکھا کہ ہار اُس کے نیچے پڑا ہوا ہے۔

اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ما کان وما یکون کا علم ہوتا تو اتنی پریشانی کیوں ہوتی؟ اور ہار کی تلاش کے لیے آپ خود کیوں قیام فرماتے؟ اور لوگ کیوں قیام کرنے پر مجبور ہوتے؟ اور ہار کی تلاش کے لیے آپ بعض حضرات صحابہ کرام رضہ کو کیوں بھیجتے؟ آپ پہلے ہی فرما دیتے کہ ہار تو اُونٹ کے نیچے پڑا ہوا ہے۔ اس کو اٹھا لو اور راستہ پر گامزن ہو جاؤ۔ پریشانی اور اضطراب کی کیا حاجت ہے۔

یہ واقعہ حضرت عائشہ رضہ کے علاوہ حضرت عمار بن یاسر رضہ (المتوفی ۳۷ھ) سے بھی مروی ہے۔ (نسائی ج ۱ صفحہ ۳۵ و ابو داؤد ج ۱ صفحہ ۴۵ وغیرہ) یہ واقعہ اکثر حضرات محدثین کرام رح اور ارباب سیر کے نزدیک غزوۂ بنی المصطلق کا ہے جس کو مریسیع بھی کہتے ہیں۔ (مصطلق قبیلے کا نام تھا جس کے ساتھ یہ غزوہ پیش آیا تھا اور مریسیع پانی کا نام تھا جس پر یہ جنگ پیش آئی ہے، دیکھئے ابن ہشام صفحہ ۲۹۰ ج ۲ و علی زاد المعاد ج ۲ صفحہ ۱۴۵) اور یہ غزوہ حسب تحقیق امام ابن ہشام رح (المتوفی ۲۱۳ھ) شعبان ۶ھ کو ہوا تھا۔ (ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۲۸۸ و علی الزاد ج ۲ صفحہ ۱۴۵)۔

اور بعض حضرات کے نزدیک یہ واقعہ فتح مکہ میں پیش آیا تھا جو اواخر ۸ھ میں ہوا۔ (دیکھئے فتح الباری ج ۲ صفحہ ۲۱۵ وغیرہ)

الغرض کچھ بھی ہو، ہمارا مدعا اس سے بالکل روشن ہے اور فریق مخالف کی طرف سے کوئی ایسی بات اس حدیث کے جواب میں سامنے نہیں آئی جس کی طرف توجہ کی جائے۔ حضرت ملا علی ن القاری رح نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے نفی علم غیب پر یہ حدیث بطور دلیل پیش کی ہے۔ (ملاحظہ ہو موضوعات کبیر صفحہ ۱۱۹ و ۱۲۰)

تیئیسویں حدیث ۲۳

حضرت ابو سعید الخدری رضہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

الناس یصعقون یوم القیمۃ فاکون اول من یفیق فاذا انا بموسیٰ اخذ بقائمۃ من قوائم العرش فلا ادری افاق قبلی ام جوزی بصعقۃ الطور۔

(بخاری ج ۱ صفحہ ۴۸۱ واللفظ لہٗ

قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو اچانک میں جناب موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا ایک پایہ تھامے ہوئے ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ان کو مجھ سے پہلے ہوش آچکا ہوگا یا ان کو طور کی بیہوشی کے معاوضہ میں اس بے ہوشی

مستثنیٰ قرار دیا گیا ہوگا۔ (مسلم ج ۲ ص۲۶۷)

یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی کم و بیش انہی الفاظ سے مروی ہے (دیکھئے بخاری ج ۱ ص۳۲۵ و مسلم ج ۲ ص۲۶۷ وغیرہ) یہ واقعہ قیامت سے متعلق ہے اور دخول جنت و نار سے قبل کا ہے۔ اگر بقول اور بزعم فریق مخالف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمیع ماکان و ما یکون کے عالم ہیں تو اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا کہ فلا ادری میں نہیں جانتا؟ اس مقام پر فلا ادری کا لفظ اسی کا مقتضی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہوش آنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ علم نہیں ہوگا کہ آیا کہ اُن پر بھی یہ بے ہوشی طاری ہوتی ہے یا صاعقۂ طور کے معاوضہ میں وہ مستثنیٰ رہے ہیں جن لوگوں کا یہ غلط خیال ہے کہ وفات کے بعد حجاب نفس اٹھ جانے کی وجہ سے آدمی علم غیب پر حاوی ہو جاتا ہے۔ یہ اور اس قسم کی دیگر صحیح حدیثیں ان کے اس باطل نظریہ کی تردید کے لیے بالکل کافی ہیں مگر ؎

جب رہتا نہیں قابو میں دل اپنا ناصح ۔۔۔ وحی بھی کام نہیں کرتی نصیحت کیسی؟

اچھروی فلسفہ مولوی محمد عمر صاحب اچھروی نے اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے اپنی عادت مألوفہ سے مجبور و لاچار بلکہ منفعل ہو کر اور شاید کہ عالم نیند اور غفلت میں مبتلا ہو کر بہت کچھ کہا ہے مگر ایک بات بھی کام کی نہیں کہی اور اسی ہی میں مولوی صاحب کی لیاقت اور کمال مضمر ہے۔ سچ ہے ؎

نہ ہر کہ موئے بر افروخت دلبری داند

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"اور فَلَا اَدْرِیْ کا جملہ ایسا ارشاد فرمایا جس سے اپنی ذات کریمہ کو فخر سے بھی مبرا رکھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی بے ہوشی سے مستثنیٰ فرما دیا تو فَلَا اَدْرِیْ کا جملہ شانِ موسویت کو ملحوظ رکھنے کے لیے نہ کہ اپنی بے علمی کے اظہار کے لیے فرمایا جیسا کہ تم نے سمجھا ہے" الخ۔

(ملفوظہ مقیاس ص۲۴۱)

جواب مولوی محمد عمر صاحب نے یہ جواب زیب قلم فرما کر جس طرح راہ فرار اختیار کی ہے اور تصنع اور بناوٹ سے جس طرح کام لیا ہے اور جس طرح دفع الوقتی کرتے ہوئے کچھ کا کچھ کہہ گئے ہیں وہ تاریخ کے باب تصنع اور تحریف کا ایک مستقل عنوان ہوگا اور رہتی دنیا اس کو یاد رکھے گی۔

مولوی صاحب کو ہوش میں آ کر یہ بتانا چاہیئے کہ کیا جناب امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیدہ دانستہ اور عمداً محض اپنی انکساری اور تواضع کے لیے خلاف واقع جملہ "فلا أدری کہ میں نہیں جانتا" ارشاد فرمایا؟ اور کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شانِ موسویت اس خلاف واقع جملہ کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتی تھی؟ اور کیا آپ کی ذات فلا أدری کے جملہ کے بغیر فخر سے مبرا نہیں ہو سکتی تھی؟ سوال صرف یہ ہے کہ وہ پاک زبان جس سے ساری زندگی کبھی خلاف واقع ایک جملہ بھی نہیں نکلا، نہ تو خوشی میں اور نہ غمی میں اور نہ تو حقیقت میں اور نہ مزاح میں اس پاک ہستی کے بارے میں یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ اس نے فلا أدری کے خلافِ واقع الفاظ کے ساتھ اپنی ذات کو فخر و مباہات سے مبرا کیا؟ اور شانِ موسویت کو برقرار رکھا؟ اور کیا اس ذات کو جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوامع الکلم عطا ہوئے تھے اور جس کی فصاحت و بلاغت کے مقابلہ میں سحبانؓ بن وائل جیسے فصیح بھی ہیچ تھے، شانِ موسویت کی تعبیر کے لیے کوئی مناسب الفاظ نہ مل سکتے تھے، جو آپ نے فلا أدری کے الفاظ استعمال کئے؟ مولوی صاحب غصہ جانے دیجیے۔ اگر آپ کو عربیت کا ذوق ہوتا تو اتنی اور ایسی غلط تعبیر کرنے کی ہرگز جرأت نہ کرتے۔ فلا أدری کے جملہ کے معنی سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں ہیں کہ "میں نہیں جانتا"۔ ہاں اگر مولوی محمد عمر صاحب اور ان کی پارٹی کے نزدیک جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحیح اور صریح ارشادات کو بگاڑنا اور آپ کی منشا اور مراد کو بدلنا عشق و محبت ہے تو شوق سے کیجیے۔ دعا ہے کہ اللّٰھم زِد فزِد۔ مگر ہمیں معذور سمجھیے۔ ہم تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مُراد کو بدلنا نرا زندقہ اور الحاد سمجھتے ہیں اور ہم آپ ہی کی مراد میں نجات سمجھتے ہیں۔ ؎

دِل میں لگا کر اُن کی لَو، کر دے جہاں میں نشر ضَو
شمعیں تو جل رہی ہیں سو، بزم میں روشنی نہیں

چوبیسویں حدیث ۲۴

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث شفاعت میں (جس کے اندر شفاعت کی پوری تفصیل موجود ہے) یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اہلِ محشر جب دوسرے اولوا العزم حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بے نیل مرام واپس ہو کر میرے پاس آئیں گے تو میں فوراً شفاعت کے لیے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ:-

فاقع ساجدًا لربّي ثم يفتح الله عليّ من محامده وحسن الثناء عليه شيئًا لم يفتحه على احد قبلي الحديث

(بخاری ج ۲ ص ۶۸۵)

سو میں سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی بہترین تعریفیں منکشف فرمائے گا، اور بہتر ثنا کا مجھے الہام کرے گا جو مجھ سے پہلے وہ طریقہ کسی کو نہیں بتایا گیا۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ :-

ثم يفتح الله تعالى عليّ ويلهمني من محامده وحسن الثناء عليه شيئًا لم يفتحه لاحد قبلي الحديث

(مسلم ج ۱ ص ۱۱۱ واللفظ له وابو عوانہ ج ۱ ص ۱۷۲ وترمذی ج ۲ ص ۶۶ وقال حسن صحیح)

پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عمدہ تعریف اور ثناء کا طریقہ ظاہر فرمائے گا جو مجھ سے قبل کسی ایک پر بھی وہ منکشف نہیں کیا گیا۔

اور حضرت انسؓ بن مالک کی ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

استاذن على ربي فيؤذن لي ويلهمني محامد احمده بها لا تحضرني الآن فاحمده بتلك المحامد الحديث

(بخاری ج ۲ ص ۱۱۱۸)

میں بارگاہِ الٰہی میں حاضری کی اجازت چاہوں گا پس مجھے اجازت مل جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے اپنی ایسی تعریفیں الہام فرمائے گا جو اس وقت مجھے معلوم نہیں ہیں سو میں انہی تعریفوں کے ساتھ حق تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا۔

اور ان کی ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے :-

فاحمده بمحامد لا اقدر عليه الآن يلهمنيه الله تعالى الحديث

(مسلم ج ۱ ص ۱۱۱)

تو میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریفیں بیان کروں گا جن پر اس وقت میں قادر نہیں ہوں وہاں ہی اللہ تعالیٰ مجھے الہام کرے گا۔

اور ان کی ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :-

فاحمد ربي بتحميد يعلمنيه الحديث

(ابو عوانہ ج ۱ ص ۱۷۹)

سو میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف بیان کروں گا جس کی اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے تعلیم فرمائے گا۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ :-

فيفتح الله عليه من الدعاء شيئًا لم يفتحه

تو اللہ تعالیٰ آپ پر ایسی دعا منکشف فرمائے گا جو اس

علیٰ بشر قط (ابوعوانہ ج ۱ ص۱۸۱) نے کسی اور بشر پر کبھی بھی ظاہر نہیں کی۔

ان صحیح اور صریح روایات سے یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ خاص تعریفیں، ثنائیں اور محامد اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو معلوم نہیں ہیں۔ جب آپ مقام محمود میں عرش کے نیچے (ایک جمعہ کے یعنی ایک ہفتہ کے اندازہ کے مطابق سجدہ کریں گے، پھر دوبارہ اور پھر سہ بارہ اسی طرح، کمافی روایۃ ابی عوانہ ج ۱ ص۱۸۱) سجدہ کریں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تعریفیں آپ کو الہام کی جائیں گی۔ اگر آپ کو دخول جنّت و نار تک کی کل کائنات کا تفصیلی علم حاصل ہوجیساکہ فریق مخالف کا غلط دعوےٰ ہے تو ضرور تھا کہ یہ تعریفیں اور محامد بھی آپ کے علم میں ہوتے۔ جب ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کو جمیع ماکان دمایکون کا علم حاصل نہ تھا اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں۔

مولوی محمد عمر صاحب کی تحریف

مولوی صاحب حسب عادت شریفہ اس حدیث کے جواب میں جو جوابات ارقام فرماتے ہیں وہ ان کے مختصر الفاظ میں یہ ہیں کہ

① یعنی اس وقت میرے خیال میں نہیں اُن کی نفی ہے نہ کہ باقی اوقات کی بھی الخ

② آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ خدا کی طرف سے ابھی مجھے اس الہام کا پتہ ہی نہیں ہوا الخ

③ خداوند کریم کی طرف سے پڑھایا ضرور گیا لیکن اس کو اس کے ترک کا حکم ہوگا انتہی بلفظہٖ

④ یہ آخری عمر کا واقعہ نہیں، اس لیے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے باقی تمام واقعہ آپ کو دکھا دیا ہو لیکن اس الہام کے الفاظ کو شب معراج کے لیے یا کسی خاص خلوت میں بیان فرمانے کے لیے لطف کے لیے محفوظ رکھا ہو الخ۔

⑤ ہوسکتا ہے کہ خداوند کریم کی طرف سے القاء ہوتے ہوئے وقت کسی دوسرے ضروری کام کا آ پہنچا ہو اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا لیا ہو کہ باقی اس الہام کو کسی دوسرے وقت میں بیان کروں گا۔ اس لیے آپ نے الاٰن کی قید لگائی الخ (مقیاس حنفیت ص۲۱۲)

جواب

مولوی محمد عمر صاحب کی یہ سب ہرزہ سرائی ہے جو قابلِ التفات نہیں ہے۔ اوّل اس لیے کہ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب میں سجدہ ریز ہوں گا تو اس وقت وہ محامد مجھ پر منکشف ہوں گے۔ اب مجھے معلوم نہیں ہیں اور اسی دن اللہ تعالےٰ مجھے الہام فرمائے گا اور اسی وقت مجھے ان تعریفوں کی تعلیم ہوگی۔ ان

تصریحات کی موجودگی میں اس بیہودگی کو کون سنتا ہے کہ آن کی نفی ہے نہ کہ باقی اوقات کی الخ

اور دوم اس لیے مردود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تو صراحت سے فرماتے ہیں کہ میں اب اس وقت اس پر قدرت نہیں رکھتا اور نہ وہ تعریفیں اب بیان کر سکتا ہوں۔ وہ تعریفیں تو مجھ پر قیامت کے دن ہی ظاہر ہوں گی۔ اس تصریح کے ہوتے ہوئے یہ جواب بالکل بیکار ہے

اور سوم اس لیے باطل ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کبھی خلاف واقع ارشاد نہیں فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ نے یہ ارشاد فرمادیا کہ اب مجھے معلوم ہی نہیں تو ترک کا کیا سوال ہے؟ اور ممکن ہے اس فقیرانہ منطق کو مولوی محمد عمر صاحب عالم سکر میں کہہ گئے ہوں، آخر یہ اُن کی منطق ہے بلا وجہ تو مہر گز نہ ہوگی

اور چوتھی تاویل اس لیے باطل ہے کہ اس روایت کے روای حضرت ابوہریرہ رض (جو بالاتفاق ۷ھ میں مسلمان ہوئے تھے) اور حضرت انس رض بن مالک ہیں جو انصار مدینہ میں سے تھے اور مخفی نہیں کہ معراج تو ہجرت سے کئی سال پہلے واقع ہو چکی تھی۔ یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ ۷ھ تک ایک بات اس لیے آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو نہ بتلائی گئی کہ معراج کی رات یا کسی اور موقع پر بتلادی جائے گی، یہ کتنی تعجب انگیز اور مضحکہ خیز بات ہے؟ ایسی لغوبات تو شاید چرٹ پینے والے ملنگ بھی نہ کہہ سکیں جو مولوی محمد عمر صاحب کے قلم سے نکلی ہے۔

اور پانچویں اس لیے باطل ہے کہ صراحت کے مقابلہ میں دور از کار اور لایعنی احتمال ہرگز مسموع نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسے بے بنیاد اور مجنونانہ احتمالات کی بناء پر نصوص کو رد کیا جائے تو دین میں کیا کچھ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ دین نہ ہوا بچوں کا کھیل ہوا، جب چاہا بنادیا جب چاہا ڈھا دیا۔ (نعوذ باللہ تعالی) مگر عجب یہ ہے کہ یہ کھیلنا پڑا گویا بچوں سے ہم کو۔

پچیسویں حدیث ۲۵

حضرت عبد اللہ رض بن عباس رض فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے محشر کے بعض حالات بیان کرتے ہوتے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں حوض کوثر پر ہوں گا۔

وانه سیجاء برجال من امتی فیؤخذ بهم ذات الشمال فاقول یارب اصیحابی فیقول انك لا تدری ما احدثوا بعدك فاقول کما	اور وہاں میری امت کے بعض لوگ لاتے جائیں گے اور پھر ان کو بائیں جانب (جہنم کی طرف) لے جایا جائیگا تو میں عرض کرونگا اے میرے پروردگار یہ تو میرے ساتھی اور آدمی ہیں اللہ تعالی فرمائیگا کہ

قال العبد الصالح وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ الى قوله الحكيم ۔ فيقال انهم لم يزالوا مرتدين على اعقابهم ۔ (بخاری ج۲ ص۹۶۶ واللفظ لہ، ومسلم ج۲ ص۳۸۴ وکنز العمال ج۷ ص۲۰۷ ومسند احمد ج۱ ص۲۳۵ وترمذی ج۲ ص۶۵ ونسائی ج ص)

آپ نہیں جانتے جو نئی نئی حرکتیں انہوں نے آپ کے بعد اختیار کیں آپ نے فرمایا تو میں خدا تعالیٰ کے نیک بندہ (حضرت عیسےٰ علیہ السلام) کی طرح عرض کروں گا کہ میں جب تک ان میں رہا تو ان سے خبردار تھا جب تو نے مجھے اپنے پاس بلا لیا تو تو ہی ان کی خبر رکھتا تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے الیٰ العزیز الحکیم تک تلاوت کرلے کے بعد فرمایا کہ پھر مجھ سے فرمایا جائے گا کہ یہ لوگ برابر ایڑیوں کے بل (دین سے) لوٹتے رہے اور مرتد ہو گئے ۔

یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضہ سے بھی مروی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ :۔

فاقول یا رب اصحابی فیقول لا علم لک بما احدثوا بعدک الحدیث (بخاری ج۲ ص۹۷۴ وابن ماجہ ص۲۲۹ وکنز العمال ج۷ ص۲۲۱ واللفظ لہ ومسلم ج۱ ص۱۲۶)

سو میں کہوں گا اے میرے رب یہ تو میرے ساتھی ہیں اللہ تعالےٰ جواب ارشاد فرمائے گا کہ آپ کو کوئی علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات ایجاد کیں ۔

اور یہ روایت حضرت انسؓ بن مالک سے بھی مروی ہے اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔

فاقول اصحابی فیقول لا تدری ما احدثوا بعدک ۔ (بخاری ج۲ ص۹۷۴ واللفظ لہ ومسلم ج۲ ص۲۵۳ وکنز العمال ج۷ ص۲۲۱)

میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں تو اللہ تعالےٰ فرمائیگا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا حرکتیں کی ہیں ۔

اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے بھی یہ روایت مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ۔

فاقول یا رب اصحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک (بخاری ج۲ ص۹۷۴ واللفظ لہ و مسلم ج۲ ص۲۴۹ وکنز العمال ج۷ ص۲۲۱)

میں کہوں گا اے میرے رب یہ تو میرے ساتھ والے ہیں تو مجھ سے کہا جائے گا تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا بدعات اختیار کی ہیں ۔

اور یہ روایت مسند احمد ج۱ ص۳۸۴ میں بھی ہے اور اس میں فاقول یا رب اصحابی فیقول انک لا تدری الخ کے الفاظ ہیں ۔

اور یہ روایت کم و بیش انہی الفاظ کے ساتھ حضرت ابوسعید الخدری رضہ سے بھی مروی ہے دیکھئے (بخاری ج۲ ص۹۷۴ ومسلم ج۲ ص۲۴۹ وغیرہ)

اور یہ روایت حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر رضہ سے بھی مروی ہے اس کے الفاظ یوں ہیں کہ :۔

فاقول یارب منی ومن امتی فیقال هل شعرت ما عملوا بعدك والله مابرحوا یرجعون علی اعقابهم (بخاری ج ۲ ص۹۷۵ واللفظ لہ ومسلم ج۲ ص۲۴۹)

میں کہوں گا اے میرے پروردگار یہ میرے ہیں اور میرے امتی ہیں تو مجھ سے کہا جائے گا کیا آپ کو علم ہے انہوں نے آپ کے بعد کیا کچھ کیا ہے؟ بخدا یہ تو ہمیشہ اپنی ایڑیوں کے بل (دین سے پیچھے) لوٹتے رہے۔

اور یہ روایت حضرت حذیفہ رضہ سے بھی مروی ہے (بخاری ج۲ ص۹۷۴ ومسلم ج۲ ص۲۵۱، کنز العمال ج۷ ص۲۲۱) نیز یہ روایت حضرت زید بن خالد رضہ (المتوفی سنہ) سے (دیکھئے مسند احمد ج ص وکنز العمال ج۷ ص۲۲۱) اور حضرت سمرہ رضہ سے (دیکھئے کنز العمال ج۷ ص۲۲۵ عن الطبرانی فی الکبیر) اور حضرت ام سلمہ رضہ سے (دیکھئے مسلم ج۲ ص۲۵۰ ومسند احمد ج ص وکنز العمال ج۷ ص۲۲۵) بھی مروی ہے، اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضہ سے بھی یہ روایت مروی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور ؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

فلا قولن ای رب منی ومن امتی فیقول انك لا تدری ما عملوا بعدك مازالوا یرجعون علی اعقابهم (مسلم ج۲ ص۲۴۹ وکنز العمال ج۷ ص۲۲۱)

میں ضرور یہ کہوں گا اے میرے رب یہ تو میرے ہیں اور میرے امتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا بے شک تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد انہوں نے کیا کیا عمل کیے ہیں؟ یہ تو ہمیشہ ایڑیوں پر اُلٹے پھرتے رہے اور مرتد ہو گئے۔

غرض یہ سب الفاظ صاف اور واضح طور پر بتلا رہے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی آخری گمراہیوں اور بداعمالیوں کا علم نہیں تھا۔ اگر آپ کو وفات کے بعد بھی کسی وقت جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل ہوتا تو ضرور تھا کہ ان مرتدین ومطرودین کا ارتداد اور ان کی ریشہ دوانیاں تبدیلیاں اور گمراہیاں آپ کے علم مبارک میں ہوتیں اور میدانِ محشر میں آپ سے باری تعالیٰ ہرگز یہ نہ ارشاد فرماتا کہ:۔ اِنّك لا تدری ما احدثوا بعدك اور انك لا علم لك بما احدثوا بعدك اور هل شعرت ما عملوا بعدك وغیرہ (کہ آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا حرکتیں کی ہیں اور آپ کو ان کا علم نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات ایجاد کی ہیں اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ جو کچھ بدعات انہوں نے آپ کے بعد اختیار کی ہیں؟ وغیرہ)

اور ان تفصیلی روایات میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انّك لا تدری اور انك لا علم لك الخ سے یہ جواب باری تعالیٰ خود دے گا اور بعض مجمل روایات کا بھی یہی

مفاد ہے کہ یہ جواب حق تعالیٰ دے گا اور مسلم ج ۱ ص ۱۲۶ وغیرہ کی روایت میں آتا ہے کہ آپ جب یہ فرمائیں گے کہ یارب ھٰؤلاء من اصحابی، تو ایک فرشتہ اس کے جواب میں یہ کہے گا وھل تدری ما احدثوا بعدک اور فرشتوں کا جواب بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوگا۔ مگر ان تفصیلی روایات سے یہ امر بالکل متعین ہو جاتا ہے کہ یہ جواب حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا۔ ممکن ہے یہ جواب کبھی بلاواسطہ اور کبھی بواسطہ فرشتہ ہو۔

حوضِ کوثر کی یہ روایت مختلف اسانید اور متعدد طرق سے الفاظ کے تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ تیس[۳۰] سے زیادہ حضرات صحابہ کرام رضہ سے مروی ہے، حتیٰ کہ امام بیہقی رح نے کتاب البعث والنشور میں متعدد حضرت صحابہ کرام رضہ سے اس حدیثِ کوثر کی تصریح کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ:۔

بعض ھذا مایقتضی کون الحدیث متواترا — ان احادیث کا بعض اس کا مقتضی ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے

(بحوالہ شرح مسلم ۲ ص ۲۴۹)

اور قاضی عیاض رح ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

متواتر النقل (بحوالہ النووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۴۹) — یہ حدیث متواتر النقل ہے۔

الحاصل یہ متواتر حدیث اس امر کے ثبوت کے لیے نص قطعی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دخولِ جنت و نار سے قبل کے کل واقعات معلوم نہیں، اگر ایسا ہوتا تو ان منافقین اور مرتدین کی بے ایمانیوں اور بدعات وغیرہ کا علم بھی آپ کو ضرور ہوتا اور اللہ تعالیٰ یہ ارشاد نہ فرماتا کہ آپ کو ان کے احداث کا علم نہیں اور آپ اس کو نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کچھ کیا؟ یہ کون لوگ ہوں گے؟ ہم اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے اور نہ یہ ہمارے موضوع سے متعلق ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کے سامنے کلمہ پڑھا اور بعد کو مرتد ہو گئے یا بعد کو قیامت تک آنے والے برائے نام امتی ہوں جو مرتد ہو گئے ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور اہل بدعت ہوں یہ الفاظ ان سب کو شامل ہیں (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹ وغیرہ)

بہرحال ہمارا مدعا اس روایت سے بالکل واضح اور ظاہر ہے۔ جس میں کسی قسم کا کوئی ادنیٰ خفا بھی نہیں ہے البتہ لانسلم کا کبھی کوئی جواب ہوا ہی نہیں۔

فریقِ مخالف کی رکیک تاویل

مدعیانِ علمِ غیب ان صاف اور صریح احادیث میں بھی تاویل بے جا کرنے سے باز نہ رہے اور ان نصوص قاطعہ اور صریحہ کو بھی توڑ مروڑ کر انہوں نے اپنے باطل نظریہ اور عقیدہ کے موافق بنانے کی ناکام کوشش کی اور خوب اپنی دیانت اور علم کے جوہر دکھلائے ہیں مولوی احمد رضا خاں صاحب اور مفتی نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے تو یہ لکھ اور کہہ کر گلو خلاصی کرنے کی ناکام کاوش کی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو ان منافقین اور مرتدین وغیرہ کے تفصیلی حالات معلوم ہیں لیکن قیامت کے دن چونکہ آپ کے سامنے بہت سے کام ہونگے۔ اور آپ کو بے انتہا مصروفیت ہوگی، لہٰذا اس وقت آپ کو ان کے انجام سے ذہول ہوگا اور اس ذہول کی بناء پر آپ ان لوگوں کی شفاعت کا اقدام فرمائیں گے اور آپ کو جواب ملے گا کہ آپ کے بعد انہوں نے جو نئی نئی حرکتیں کیں وہ آپ کو معلوم نہیں ہیں یعنی آپ بھولے ہوئے ہیں۔ اور اس باطل تاویل کے لیے یہ قرائن پیش کئے ہیں کہ:۔

(۱) احادیث میں آتا ہے کہ عالمِ برزخ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں لہٰذا حوض کوثر پر پیش آنے والے واقعات کا علم بھی آپ کو ہے۔

(۲) بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ دنیا ہی میں خواب کی حالت میں وہ لوگ حضور علیہ السلام کو دکھلا دیے گئے اور یہ حوض کوثر کا واقعہ بھی حضور پر گزر چکا لہٰذا اس کو اس موقع پر ذہول پر محمول کرنا ضروری ہے۔

(۳) حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کی روایت میں یہ لفظ آتے ہیں کہ اما شعرت ما عملوا بعدک جس میں ہمزہ استفہام انکاری کے لیے ہے لہٰذا حاصل مطلب یہ ہوا کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کچھ کیا۔ (محصلہ دیکھئے الدولۃ المکیۃ ص۔ اور الکلمۃ العلیا ص۱۲۱ وغیرہ)

(۴) اور مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ "حضور علیہ السلام کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا کہ ان کو آنے دو یہ تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں اور ملائکہ کا یہ عرض کرنا ان سب کو سنا کر غمگین کرنے کے لیے ہوگا ورنہ ملائکہ نے ان کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا الیٰ ان قال پھر غور کی بات تو یہ ہے کہ آج حضور علیہ السلام اس سارے قصہ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں اَعْرِفُهُمْ ہم ان کو پہچانتے ہیں، کیا اس دن بھول جائیں گے؟" (بلفظہ جاء الحق ص۱۱۹) یہ بھول جانے کا مسئلہ تو جناب احمد رضا خان صاحب وغیرہ سے پوچھئے کیا خوب ہے۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے (صفدر)

(۵) اور مولوی محمد عمر صاحب نے جب دیکھا کہ اس روایت کے جواب سے عہدہ برآ ہونا کوہ کندن اور کاہ برآوردن کا مصداق ہے اور اس کا جواب نہایت ہی مشکل ہے تو یوں سستی شہرت حاصل کرنے کے درپے ہو گئے کہ :۔ "یہ حدیث بخاری شریف میں تین دفعہ مذکور ہے اور تینوں جگہوں میں ہی اس کا ضعف ثابت ہے" (مقیاس ص۴۲۳) پھر آگے لکھا ہے کہ "یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے حجت نہیں ہو سکتی" (مقیاس ص۴۲۴) اور ضعف کی دلیل یہ پیش کی کہ پہلی سند میں محمدؒ بن یوسف فریابیؒ ضعیف ہے اور دوسری میں محمدؒ بن کثیرؒ قرشی کوفی اور تیسری میں ابوالولید عبدالملکؒ بن ہشامؒ ہے۔ ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ شیخ ضعیف اور شعبہؒ بن الحجاجؒ راویوں کے ناموں میں غلطی کیا کرتے تھے (محصلہ مقیاس ص۴۲۴ و ص۴۲۵) اور نیز وہ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کی حدیث اما شعرت کے مطلب کو نہ سمجھتے ہوئے غلطی میں مبتلا ہو کر یہ غلط اور باطل قیاس کرتے ہیں، کہ انک لا تدری الحدیث میں ہمزہ مقدر ہے یعنی آپ جانتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ انک لا تدری میں بھی استفہام ضرور ہے۔ (مقیاس ص۳۹۸)

یہ ہیں مخالفین کے زبردست دلائل اور درحقیقت نہایت ہی افسوسناک اور مجادلانہ مغالطے اب ہم نمبروار ان کی حقیقت عرض کرتے ہیں، ملاحظہ کیجیے :۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان منافقین اور مرتدین کے تفصیلی حالات کا علم ہرگز نہیں نصوص قطعیہ قرآنیہ اور متواتر درجہ کی حدیثیں اس پر موجود ہیں جیسا کہ ان میں سے بعض کا ذکر کر دیا گیا ہے جن میں ایک یہی حدیث مذکور انک لا تدری الحدیث بھی ہے۔ اب ایسے قطعی الثبوت دلائل کو رد کرنے کے لیے کوئی قطعی الثبوت دلیل درکار ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اگر بالفرض کوئی روایت ان کے خلاف صحیح ثابت ہو بھی جائے تو آخر خبر واحد ہی ہو گی، اور خانصاحب بریلوی کے حوالہ سے یہ گزر چکا ہے کہ خبر واحد کا نصوص اور آیات کے مقابلہ میں پیش کرنا محض ہرزہ بافی ہے اور عرض اعمال کی جو حدیث پیش کی جاتی ہے وہ ایک تو حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے حوالہ سے یوں آتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :۔

حیاتی خیر لکم و موتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم۔	میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے جو اچھے ہوں گے میں ان پر حمدِ الٰہی بجا لاؤں گا اور

(قال السیوطیؒ۔ واخرج البزار بسند صحیح من حدیث ابن مسعودؓ مثلہ خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۱) جو برے ہوں گے میں خدا تعالیٰ سے تمہارے لیے معافی طلب کروں گا۔

علامہ نور الدین علیؒ بن ابی بکر الھیثمیؒ (المتوفی ۸۰۷ھ) فرماتے ہیں رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۔ کہ اس روایت کو محدث بزارؒ نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ اور یہ روایت طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۹۴ میں مرسلاً موجود ہے اس کی مزید بحث تسکین الصدور میں ملاحظہ کریں۔ مگر اس سے فریقِ مخالف کا دعوےٰ ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس عرض سے صرف اجمالی اور بعض امور کی پیشی مراد ہے۔ مثلاً درود شریف یا بعض اہم اور قابلِ ذکر واقعات۔ اس سے تفصیلی طور پر تمام جزئیات کی پیشی ہرگز مراد نہیں ہے اور ایسے مقام پر عرض سے یہی مراد ہو سکتی ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۸۴ وغیرہ)۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وکذا ما عند البزار بسند جید عن ابن مسعودؓ رفعہ حیاتی خیر لکم تُحَدِّثُوْنَ وَیُحَدَّثُ لکم ومماتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سَیِّئٍ استغفرت اللہ لکم ذکرہ فی شرح المواھب من وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ انہ عرض کعرض الاسماء علی الملائکۃ لا علم محیط اھ (فہرست مضامین عقیدۃ الاسلام ص ۱۱)

اور اسی طرح وہ روایت جو حضرت ابن مسعودؓ سے بسند جید مرفوعاً مروی ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم مشکل مسئلے بیان کرو گے اور (میری طرف سے) ان کی حقیقت بیان کر دی جائے گی اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہوگی تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے جو اچھے ہوں گے تو میں حمد الٰہی بجا لاؤں گا اور جو برے ہوں گے تو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کروں گا، یہ روایت شرح مواہب باب وفات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بیان کی گئی ہے۔ اس پیشی سے صرف ایسی پیشی مراد ہے جیسے فرشتوں پر چیزوں کے نام پیش کئے گئے تھے یہ پیشی علمِ محیط کے طور پر نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت مولاناؒ نے بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت تک اور بعد القیامت کے بہت سے واقعات کا علم منجانب اللہ عطا ہوا ہے اور اجمالی طور پر اعمال بھی آپ

پر پیش ہوتے ہیں مگر تمام جزئیات کی تفاصیل اور موقف محشر میں پیش آنے والے سب واقعات ہرگز اس عرض میں داخل نہیں ہیں اور نہ ان کا علم آپ کو عطا ہوا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ آخر یہ حدیث بھی تو صریح اور صحیح ہے کہ:۔

انك لا تدری ما احدثوا بعدك مع عرض الاعمال علیہ صلی اللہ علیہ وسلم (ص۱۱)	(ایک خاص موقع پر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوگا۔ بے تحقیق آپ نہیں جانتے کہ جو جو بدعات انہوں نے آپ کے بعد پیدا کی ہیں حالانکہ آپ پر اعمال بھی پیش ہوتے رہے ہیں۔

الغرض اس جید اور صحیح روایت سے بھی فریق مخالف کا استدلال بالکل باطل ہے کیونکہ صرف اجمالی طور پر بعض بعض اعمال کا پیش ہونا جدا امر ہے اور علم محیط ہونا الگ بات ہے۔ جو فریق مخالف کا باطل دعویٰ ہے اور لفظ عرض عموماً سرسری اور اجمالی پیشی پر ہی اطلاق ہوتا ہے۔ (کما مرّ مرّا)

نوٹ ضروری:۔ حضرت ابن مسعود رضؓ کی روایت میں جو خصائص الکبریٰ میں نقل کی گئی ہے تُعَرَّضُوْن وتُحَدِّث لکم نہیں یہ الفاظ بحوالہ بزار مجمع الزوائد ج۹ ص۲۴ میں ہیں۔ چنانچہ امام سیوطی رح اور علامہ عزیزی رح (المتوفی سنہ) اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

ابن سعد فی طبقاته عن بکر بن عبد اللہ المزنی مرسلا ورجاله ثقات (السراج المنیر ج۲ ص۲۲۳)	یہ روایت علامہ ابن سعدؒ نے طبقات میں حضرت بکرؒ بن عبد اللہ المزنی رح سے مرسلاً روایت کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

یہ روایت امام سیوطیؒ نے خصائص الکبریٰ ج۲ ص۲۸۱ میں بھی نقل کی ہے مگر ہے دونوں جگہوں میں مرسل۔

امام حارث رح (المتوفی سنہ) نے اپنے مسند میں حضرت انس رضؓ سے صرف ان الفاظ سے یہ روایت نقل کی ہے، حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم۔ علامہ عزیزی رح لکھتے ہیں۔ باسناد ضعیف (السراج المنیر ج۲ ص۲۳۲) کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

علامہ عزیزی رح نے حکیم ترمذی رح کے طریق سے والد عبد العزیز رح سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ:۔

تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس علی اللہ تعالیٰ وتعرض علی الانبیاء وعلی الآباء والامهات الحدیث۔ (السراج المنیر ج۲ ص۱۶۵)	سوموار اور جمعرات کو اللہ تعالیٰ پر اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اور والدین پر اعمال پیش کئے جاتے ہیں الخ

یہ دونوں روایتیں اور پہلا مرسل سب مل کر حضرت ابن مسعود رضؓ کی جید اور صحیح روایت کی مؤید ہیں۔

الغرض عرضِ اعمال کی وہ روایت جو حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے اور جس پر جیّد اور صحیح ہونے کے آثار اور زیادہ نمایاں ہیں۔ فریقِ مخالف کو مفید نہیں ہو سکتی، کیونکہ اعمال اگر پیش ہوتے بھی ہیں تب بھی امتِ اجابت کے اعمال پیش ہوتے ہیں، امتِ دعوت کو (جس میں کفار، مرتدین اور منافقین وغیرہ بھی شامل ہیں) ہرگز یہ روایت شامل نہیں ہے کیونکہ اس کے آخری جملے یہ ہیں کہ :-

فما کان من حسن حمدت	یعنی جو عمل اچھا میرے سامنے پیش ہوگا میں اس پر
اللہ علیہ وما کان من سیئ	اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤں گا اور جو بُرا عمل ہوگا اس پر
استغفرت اللہ لکم۔	میں خدا تعالیٰ سے تمہارے لیے مغفرت طلب کروں گا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صرف وہ گناہ پیش کیے جاتے، یا پیش کیے جا سکتے ہیں جن کی مغفرت ہو سکتی ہے اور جن پر آپ بارگاہِ خداوندی میں معافی کی سفارش فرما سکتے ہیں اور یہ بالکل ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کفر و شرک اور ارتداد و نفاق ایسے گناہ ہیں کہ نہ تو ان کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے گا اور نہ آپ ایسے لوگوں کے لیے سفارش ہی کریں گے، اور انک لا تدری الحدیث بھی مرتدین اور بدعتیوں وغیرہم کے متعلق ہے۔ انہی روایات کے آخر میں ہے انّھم لم یزالوا مرتدین علیٰ اعقابھم اور انھم ارتدوا علیٰ ادبارھم۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ ارشاد فرمائے گا انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ اور اس علم اور اطلاع کے بعد آپ یہ ارشاد فرمائیں گے :-

فاقول سحقا سحقا بخاری ج۲ ص۹۷۵، مسلم ج۱ ص۱۲۷، و کنز العمال ج۷ ص۲۲۵ — کہ یہ مجھ سے دُور ہوں دُور ہوں

الغرض عرضِ اعمال کی اس حدیث سے منافقین، مرتدین اور اسی قسم کے باطل پرستوں کے بارے میں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلّی اور تفصیلی علم ثابت کرنا نرا زندقہ اور سراسر الحاد ہے جس سے نصوصِ قطعیہ کا ردّ ہوتا ہے جو بجائے خود کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو ایسی ناشائستہ حرکات سے بچائے۔

اور جن حضرات نے اعمال کی پیشی کے ساتھ جملۃً یا ہر یا سب وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو وہ محض استغراقِ عرفی کے طور پر مبالغۃً استعمال کیے ہیں کیونکہ خود ان اکابر نے دوسرے مقامات پر تفصیلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلّی غیب یا جمیع ما کان و ما یکون کے علم کا انکار کیا ہے

لہٰذا جس کو کسی بزرگ کی ایسی عبارات سے مغالطہ ہوتا ہے تو اس کو خود اُن ہی بزرگوں کی عبارتیں دیکھنی چاہئیں۔

اسی طرح ایک روایت حضرت انسؓ وغیرہ سے مرفوعاً یوں آتی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

عرضت علیّ اجور امتی حتّی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد وعرضت علیّ ذنوب اُمّتی فلم ارذنبًا اعظم من القرآن او آیۃ اوتیھا الرجل ثم نسیھا (ترمذی ج ۲ ص ۱۱۵ ابو داؤد ج ۱ ص ۶۶ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۹)

مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کئے گئے یہاں تک کہ تنکا جس کو آدمی مسجد سے نکالے اور مجھ پر میری اُمت کے گناہ بھی پیش ہوئے تو میں نے کوئی گناہ اس سے بڑا نہ دیکھا کہ کسی کسی شخص کو قرآنِ کریم کی کوئی سُورت یا کوئی آیت یاد ہو اور پھر وہ اس کو بھلا دے۔

پہلے تو اس حدیث سے تفصیلی پیشی کا ثابت کرنا محلِ غور ہے کیونکہ حدیث کا مطلب صرف اجمالی پیشی ہی سے پورا ہو جاتا ہے اور بس پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جو بات اس حدیث سے ثابت ہے وہ صرف اتنی ہے کہ امت کے اعمال میں سے نیکیاں اور بدیاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کی گئی ہیں کہ یہ کام اچھا اور یہ بُرا ہے جس کا ارتکاب آپ کی امت کرے گی۔ اس میں اس کا تو کہیں ذکر ہی نہیں کہ اگر ایک ہی نیکی یا بدی کو مثلاً ایک کروڑ آدمی کرتے ہیں تو ان تمام کی تفصیلی کارکردگی کا علمِ محیط بھی آپ کو حاصل ہو۔ اعمال کا نیک اور بد ہونا الگ چیز ہے اور ایک ہی عمل کے تمام کرنے والوں کے تفصیلی حالات کا علم جُدا بات ہے اور ان دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ اور تیسری خاص طور پر یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اس حدیث سے اگر بالفرض تفصیلی عرض بھی مراد ہو تو صرف مسلمانوں کے اعمال اور ان کی نیکیوں اور بدیوں کا پیش ہونا ہی ثابت ہوگا اور اسی حدیث کا آخری ٹکڑا اس کا واضح ترین قرینہ ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کفار اور منافقین، مرتدین اور اہلِ بدعت کے گناہ کفر و نفاق، ارتداد و بدعت وغیرہ تمام گناہ یقیناً قرآن کریم کے بُھلا دینے سے بدرجہا بڑے وزنی اور زیادہ سنگین ہیں۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد تو یہ فرمایا ہے کہ اس سے بڑا گناہ میں نے اور کوئی نہیں دیکھا کہ کوئی آدمی قرآنِ کریم کی کوئی سورت یا آیت بُھلا دے تو اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے ــــــ کہ مرتدین اور اہلِ بدعت (جن کی بدعات کفر اور ارتداد کی حد تک پہنچ چکی ہوں) کے اعمال ہرگز آپ کے سامنے نہیں پیش کئے جاتے، اور فریقِ مخالف کا یہی دعوےٰ تھا جو باطل ہو گیا۔

اور اگر بفرضِ محال یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ تمام انسانوں بلکہ جنوں کے (جو مکلّف مخلوق ہے) اعمال

بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر برزخ میں پیش کئے جاتے ہیں تو دیگر حیوانات، جمادات اور نباتات کے مختلف حالات کا عرض اور پیش کرنا کس حدیث اور کس دلیل سے ثابت ہو گا؟ اور جب تک فریق مخالف یہ بھی نہ ثابت کرے تو ان کا دعوےٰ علم غیب یقیناً باطل اور مردود ہے اور ان جملہ روایات کو پیش کرنے کے بعد بھی وہ اپنے باطل عقیدہ اور دعوے پہ دلیل اور برہان سے تہی دست رہتا ہے اور ان روایات سے ان کا یہ مطلب ہرگز پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ ؎

جنہیں ہو جھوٹ کو سچ کر دکھانا انہیں سچوں کو جھٹلانا پڑے گا

فائدہ:۔ درحقیقت تفصیلی طور پر عرضِ اعمال کا عقیدہ ان برائے نام مدعیانِ عشق و محبت نے شیعہ سے مستعار لیا ہے اور اہل السنّت والجماعت کے نزدیک درود شریف وغیرہ کے عرض کا (جو صرف عرض اجمالی ہے) مسئلہ حق ہے مگر تفصیلی عرض اہل سنت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ شیعہ کا ہے۔ چنانچہ ان کی معتبر اور مستند کتاب اصول کافی میں اس عنوان سے ایک مستقل باب آتا ہے "باب عرض الاعمال علی النبیّ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم والائمۃ کہ وہ باب جس میں یہ بیان ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اور حضرات ائمہ کرام پر اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ پھر آگے بعض وہی دلائل پیش کئے ہیں جن پر فریق مخالف کا یہ بے بنیاد عقیدہ کھڑا ہے (دیکھئے کتاب الحجہ جزء سوم ص۱۳۹ مع الصافی طبع نولکشور) ؎

یہ مدعیٔ اسلام تو ہیں، ساتھی ہیں مگر بیگانوں کے
تقویٰ کی وہ بُو ہی ان میں نہیں، وہ رنگ نہیں ایمانوں کے

(۲) بخاری شریف کی جس حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے اس کے دو نسخے ہیں، ایک بینا انا نائم کا نسخہ ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں سو رہا تھا کہ مجھ پر یہ واقعہ پیش کیا گیا۔ یہ نسخہ بھی اکثر محدثین کرام نے پڑھا ہے۔ مگر یہ نسخہ حاشیہ پہ درج ہے، اصل نسخہ جو متن کا ہے وہ یہ ہے:۔

بینا انا قائم اذا زمرۃ الحدیث (بخاری ج ۲ ص۹۷۵) کہ جب میں (حوض کوثر پر) کھڑا ہوں گا تو ایک جماعت الخ

اور حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ وغیرہما نے اسی قائم کے نسخہ کو اوجہ کہہ کر ترجیح دی ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ج۱۱ ص۴۰۵ وعمدۃ القاری ج ۱۱ ص۶۹۷) اور مطلب یہ بیان کیا ہے:۔

لان المراد قیامه علی الحوض (حاشیہ بخاری ج ۲ ص۹۷۵) کیونکہ مراد تو حضور علیہ السلام کا حوضِ کوثر پر قیام کرنا ہے۔
لہٰذا یہی نسخہ صحیح ہے۔ تعجب ہے گروہِ اہل بدعت پر کہ وہ صحیح نسخہ کو چھوڑ کر مرجوح نسخہ سے استدلال و استناد کرتا ہے جو کسی طرح درست نہیں ہے۔ اور اگر بینا انا نائم کا نسخہ بھی صحیح ہو تب بھی درست ہے کہ خواب میں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قیامت کا وہ نقشہ اجمالی طور پر پیش کر دیا گیا تھا اور اس اجمالی علم کی آپ نے اُمت کو اطلاع دی۔ باقی تفصیلی جملہ کیفیات، تو وہ انک لا تدری اور انک لا علم لک میں داخل ہیں اور یہی حصہ ہمارا مستدل ہے۔

اور حضرت اسماء رضی کی روایت میں یہ الفاظ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

انی علی الحوض حتی انظر من یرد علی منکم وسیؤخذ ناس دونی فاقول یا رب منی من اُمتی فیقال هل شعرت ما عملوا بعدك واللہ ما برحوا یرجعون علی اعقابهم۔

(بخاری ج ۲ ص۹۷۵)

میں حوضِ کوثر پر ہوں گا یہاں تک کہ میں دیکھوں گا ان لوگوں کو جو تم میں سے مجھ پر پیش کئے جائیں گے اور کچھ لوگوں کو میرے سامنے ہی پکڑ لیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ اے میرے پروردگار یہ تو میرے ہیں اور میرے اُمتی ہیں تو مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا اعمال کئے ہیں؟ خدا تعالیٰ کی قسم یہ تو ہمیشہ ایڑیوں کے بل (دین سے) لوٹتے رہے۔

اس روایت اور اس قسم کی تمام صحیح روایات میں حوضِ کوثر کی تصریح موجود ہے اور یہ بھی صراحت سے موجود ہے کہ یہ واقعہ قیامت کے دن پیش آئے گا۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان تمام صحیح روایات سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لی جائیں نیز اس صحیح روایت سے (اور اسی طرح اس مضمون کی دیگر صحیح روایات سے) معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے دن ان لوگوں کی طرف خصوصیت سے توجہ فرمائیں گے اور کامل التفات اور پوری توجہ کے بعد بھی آپ کو ان کے ارتداد و ابتداع اور رجعت قہقری کا کوئی علم نہیں ہوگا تا آنکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واللہ ما برحوا الحدیث کے الفاظ سے آپ کو ان کے ارتداد وغیرہ کا علم اور اس کی اطلاع دے دی جائیگی۔ جو لوگ ذہول وغیرہ کا ناکام بہانہ تلاش کر کے اس صحیح حدیث (بلکہ متواتر النقل و المعنیٰ) کو رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو اچھی طرح خوفِ خدا کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ خود یہ حدیث اور پھر اس کی شرح میں حضرات سلف صالحین رہ گیا

فرماتے ہیں ؎

سخن میں پیروی گر کی سلف کی — انہی باتوں کو دُہرانا پڑے گا

(۳) باقی رہا مسلم کے حوالہ سے اماشعرت کے لفظ سے علم ثابت کرنا تو یہ عجیب حماقت ہے۔ اولاً اس لیے کہ امام مسلمؒ کا احادیث سے استدلال و احتجاج کرنے کا طریقہ ہی جدا ہے۔ چنانچہ خود تصریح کرتے ہیں کہ میں سب سے پہلے وہ روایات پیش کروں گا جو ہر قسم کے عیب سے محفوظ ہوں گی اور ان کے رواۃ حفظ و اتقان سے موصوف ہوں گے، ان کے بعد وہ روایات پیش کروں گا جن کے رواۃ اگرچہ فی الجملہ ثقہ ہوں گے مگر حفظ و اتقان میں نمبر اوّل کے رواۃ کے ہم پلہ نہیں ہوسکتے (دیکھئے مقدمہ مسلم ص۳ و ص۴) اور حضرت اسماءؓ کی یہ روایت جس میں اماشعرت ہے امام مسلمؒ نے درجہ دوم پر پیش کی ہے۔ اس لیے اس روایت کو بنیاد قرار دینا فنِ حدیث کا صریح انکار ہے اور کسی اہلِ علم و اہل انصاف و دیانت سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

وثانیاً حضرت اسماءؓ کی یہی روایت صحیح بخاری ج ۲ ص۹۷۵ وغیرہ میں ھل شعرت کے الفاظ سے آئی ہے جو سراسر فریق مخالف کے مدعیٰ کے مخالف ہے۔

وثالثاً اگر اس روایت کو اول درجہ کی صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو سوال یہ ہے کہ کیا ہمزۂ استفہام ہمیشہ اور ہر مقام پر انکار ہی کے لیے آیا کرتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس کے لیے کونسا قطعی قرینہ موجود ہے کہ اس روایت میں ہمزۂ استفہام انکار ہی کے لیے ہے؟ اور اگر بالفرض ہمزہ کو انکار ہی کے لیے مانا جائے تو پھر اس کا بھی قوی احتمال موجود ہے کہ حرف ما زائد ہو کیونکہ کلام عرب میں حروفِ نفی ما اور لا کا زائد ہونا بکثرت ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔ ایک تو اس لیے کہ مسلم کی یہ روایت بخاری کی روایت ھل شعرت کے بالکل مطابق ہو جاتی ہے، لہٰذا دونوں کا مفاد ایک ہی ہو جائے گا، اور نیز ان دوسری حدیثوں سے بھی کامل موافقت اور مطابقت ہو جائے گی جن میں صاف طور پر انّك لا تدری یا انّك لا علم لك وغیرہ کے الفاظ وارد ہوتے ہیں جو نفی علم میں نص صریح اور ناقابلِ تاویل و توجیہ ہیں کہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی۔

ورابعاً احادیث کے استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ اماشعرت کے جملہ کا زیادہ تر استعمال ایسے ہی مواقع پر ہوتا ہے جہاں مخاطب کو پہلے سے اس چیز کا علم نہیں ہوتا۔ اس کی متعدد مثالیں کتب حدیث

میں موجود ہیں مگر ہم اپنے دعوے کی تنویر کے لیے صرف ایک روایت پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؓ بن علی رضؓ نے زکوٰۃ اور صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر مُنہ میں ڈال لی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو جھڑکا اور تنبیہ کی تاکہ وہ کھجور مُنہ سے نکال دیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ سے فرمایا کہ:۔

ثم قال أما شعرت انا لانا كل الصدقة — کیا تو نہیں جانتا کہ ہم (بنو ہاشم) صدقہ نہیں کھایا کرتے (اور نہ یہ ہمارے لیے حلال ہے)

(بخاری ج ۱ ص۲۰۲)

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت حسنؓ کو (جو بچے ہی تھے) یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ ہم آلِ بیت زکوٰۃ و صدقہ نہیں کھا سکتے۔ اگر اُن کو علم ہوتا تو ہرگز زکوٰۃ اور صدقہ کی کھجور وہ اپنے منہ میں نہ ڈالتے اور نہ اس کو کھانے کی کوشش کرتے اور باوجودیکہ ان کو علم نہیں تھا پھر بھی جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اما شعرت کا جملہ استعمال فرماتے ہیں اور اس حدیث کا یہ مطلب صرف ہماری اختراع نہیں بلکہ شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی الحنفی رح اما شعرت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

هذه اللفظة تقال فى الشئ الواضح التحريم ونحوه وان لم يكن المخاطب عالما به اى كيف خفى عليك مع ظهور تحريمه — اما شعرت کا لفظ اُس چیز اور موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جس کی حرمت وغیرہ بالکل واضح ہو اگرچہ مخاطب اس کو نہ جانتا ہو یعنی تجھ پر اس کی حرمت کیسے مخفی رہ گئی حالانکہ اس کی حرمت بالکل عیاں اور ظاہر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۴ ص۴۳۹)

لیجئے خود ایک بلند پایہ حنفی، فقیہ اور محدث نے فیصلہ کر دیا کہ اما شعرت کا جملہ علم کو نہیں چاہتا بلکہ یہ ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے جس کا مخاطب کو پہلے سے علم نہ ہو۔

اور یہی حدیث صحیح مسلم ج ۱ ص۳۴۴ وغیرہ میں ان الفاظ سے آتی ہے:۔

اما علمت انا لانا كل الصدقة — کیا تُو نہیں جانتا کہ ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے

حضرت امام نووی الشافعی رح اما علمت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

هذه اللفظة تقال فى شئ الواضح التحريم ونحوه وان لم يكن المخاطب عالما به الخ — اما علمت کا لفظ اس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جس کی حرمت وغیرہ بالکل واضح ہو اگرچہ مخاطب اس کو نہ جانتا ہو۔

(نووی شرح مسلم ج ۱ ص۳۴۴)

تعجب ہے کہ فریقِ مخالف تو اما شعرت کی روایت سے مخاطب کا علم ثابت کرتا ہے اور یہاں حسب تصریح امام نووی رہ وغیرہ اما علمت کے صریح جملہ سے بھی کا مخاطب کا عالم ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ فریقِ مخالف کو یہ ذوق عطا فرمائے کہ وہ عربی زبان کو اور اس کے مواقع استعمال کو سمجھ سکے۔ علمِ عربی سے تعلق اور اس میں مہارت نہ ہونے ہی کا یہ اثر ہے کہ فریقِ مخالف قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا چلا جاتا ہے۔ کہیں لفظ عُلّیٰ اور مَا سے غلط استدلال کرتا ہے اور کہیں لفظ اما شعرت وغیرہ سے دھوکہ کھاتا ہے کیا کیا جائے، علماء کی جگہ ان نام نہاد مفتیوں اور جہلاء نے لی ہے جو قوم کی بدبختی اور ادبار کی علامت ہے۔

ہے کہیں اقبال کی نوبت کہیں ادبار کی
سب کو کرنی ہوں گی پُوری اپنی اپنی باریاں

الحاصل حدیث انّكَ لا تدری اور إنّكَ لا علم لك وغیرہ نفی علم غیب میں نص صریح ہے اور نہ تو مخالفین کی طرف سے آج تک کوئی صحیح جواب اس کا بن سکا ہے اور نہ تا قیامت اس کی توقع ان سے کی جاسکتی ہے۔ بے جا اور دُور از کار تاویل یا خالص تحریف کا نام اگر جواب ہے تو ایسے سینکڑوں جواب وہ دے سکتے ہیں اور اس میدان کے بلا مقابلہ اور بلا مبالغہ وہ غازی ہیں۔ ہم ان کی اس صفت اور خوبی کے ہرگز منکر نہیں ہیں ۔

پاس انہیں گر اپنا ذرا ہو جان اپنی بھی اُن پہ فدا ہو
کرتے ہیں خود نا منصفیاں اور کہتے ہیں نافرماں ہیں

(۴) ان تمام احادیث اور پیش کردہ تفصیل کو مدِّنظر رکھنے کے بعد ملاحظہ کیجیے کہ مفتی احمدیار خان صاحب کا یہ جواب کتنا فرسودہ بلکہ بے ہودہ ہے کہ "حضور علیہ السّلام کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا کہ ان کو آنے دو یہ تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں اور ملائکہ کا یہ عرض کرنا ان کو سنا کر غمگین کرنے کے لیے ہوگا" الخ مفتی صاحب ہی از روئے انصاف و دیانت یہ فرمائیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رؤف و رحیم اور رحمۃ للعٰلمین ہو کر قیامت کے دن طعن کیوں کریں گے ؟ اور کیا ایسے مقام پر ایک مکلف اور پابند شریعت کے لیے طعن درست ہے ؟ پھر اس طعن کے ثبوت پر کون سی نص یا واضح قرینہ موجود ہے ؟ یا کوئی معقول عقلی دلیل ہی موجود ہے ؟ اور پھر اس طعن کا جواب اِنّكَ لا تدری

یا اِنَّکَ لَا عِلْمَ لَکَ وغیرہ سے کیسے صحیح اور درست ہوگا؟ الغرض مفتی صاحب کا یہ جواب محض طفل تسلی یا اپنے ماؤف دل کی تسکین کا سامان ہے اور بس۔ رہا اَعْرِفُھُمْ کے جملہ سے اُن کا پہچاننا تو وہ آثارِ وضوء سے ہوگا۔ جیساکہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ:۔

فقالوا کیف تعرف مَنْ لم یأت بعد من اُمّتك یا رسول اللہ الی ان قال فانّھم یأتون غرًّا محجّلین من الوضوء الحدیث (مسلم ج ۱ ص۱۲۷ وسنن الکبریٰ ج ۴ ص۷۸ وطیالسی ص۴۸ عن ابن مسعودؓ)

حضرات صحابہ کرامؓ نے کہا کہ حضرت! آپ اُمت کے ان افراد کو جو ابھی تک نہیں آئے کیسے پہچانیں گے؟ تو آپ نے آخر میں یہ جواب ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کے افراد اس حالت میں وہاں پیش ہوں گے کہ ان کے اعضاء وضو سوشن اور درخشاں ہونگے (اس علامت سے میں ان کو شناخت کروں گا۔)

پھر اسی روایت کے آخر میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ:۔

فیقال انھم قد بدلوا بعدك فاقول سُحقًا سُحقًا۔ (مسلم ج ۱ ص۱۲۷)

سو کہا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے بعد دین بدل دیا تھا تو میں کہوں گا۔ دُور ہوں، دُور ہوں۔

اور یہ پہچاننا صرف ظاہری اور اجمالی ہوگا۔ باقی یہ کہ وہ مرتدین وغیرہ کس خاندان اور کس قبیلہ وغیرہ سے تعلق رکھتے ہوں گے؟ ان کی عمریں کیا ہوں گی؟ ان کے نام کیا ہوں گے؟ اس کا تفصیلی علم آپ کو ہرگز نہ ہوگا اسی طرح ان کے قد وقامت اور سیاہ وسفید ہونا وغیرہ وغیرہ جملہ کیفیات میں سے بعض قیامت کے دن تو مشاہدہ سے معلوم ہوں گی، مگر دیگر بعض اس وقت بھی معلوم نہیں ہوسکیں گی اور ان کا ارتداد و ابتداع وغیرہ تو بہرحال وہ انّك لا تدری اور انّك لا علم لك کے تحت داخل ہے لہٰذا اعرفھم کا جملہ اس تفصیلی منفی کا ہرگز جواب اور توڑ نہیں ہے۔ مفتی صاحب کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ فیقال انّك لا تدری کا جواب محض فرشتوں کی طرف سے ہی نہیں ہوگا۔ جیساکہ مفتی صاحب مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ یہ جواب حق تعالیٰ کی طرف سے بلاواسطہ بھی ہوگا۔ جیساکہ ہم نے بخاری وغیرہ کی صریح اور صحیح روایات اس پر عرض کردی ہیں وہاں ہی ملاحظہ کرلیں، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کرے کہ مفتی صاحب وغیرہ تعصب اور عناد کو چھوڑ کر انصاف کی نگاہ سے دلائل کا موازنہ کریں اور خود بھی گمراہی سے بچ جائیں اور لوگوں کو بھی غلط راہ پر نہ ڈالیں مگر ؎

قافلے گزریں وہاں سے کیونکر سلامت واعظ ہو جہاں راہزن اور راہنما ایک ہی شخص

(۵) مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ اہلِ بدعت کا وطیرہ ہی عجیب ہے کہ موضوع وجعلی منکر ومعلل اور ضعیف روایتوں سے تو وہ احتجاج واستدلال کرتے ہیں اور وہاں ضعف وغیرہ کا سوال سامنے ہی نہیں آتا مگر جب کوئی روایت اُن کے عقیدۂ باطلہ کے خلاف آجائے تو وہ حجت بھی نہیں ہوتی، اور اس کا ضعف بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر مولوی محمد عمر صاحب کو بگوش ہوش سننا چاہیئے اور اچھی طرح یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ بخاری شریف کی روایت کو ضعیف کہہ دینا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ مولوی محمد عمر صاحب کو یہ بھی معلوم معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ روایت حضرت عباسؓ سے نہیں جیسا کہ مولوی صاحب نے مقیاس ص۴۲۴ میں جہالت کا ثبوت دیا ہے بلکہ یہ روایت حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے ہے اور یہ روایت بخاری میں تین دفعہ ہی مذکور نہیں جیسا کہ مولوی محمد عمر صاحب نے مقیاس ص۴۲۳ میں لکھا ہے، بلکہ یہ روایت صرف حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے بخاری شریف میں آٹھ دفعہ مذکور ہے اور آٹھ ہی جگہوں پہ اس کی صحت ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو (ص۹۶۶ ۲ و ص۴۷۳ ۱ وغیرہ وغیرہ) اور یہ روایت تنہا حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ ہی سے مروی نہیں ہے بلکہ یہ روایت بخاری (ج۲ ص۹۷۴ و ص۱۰۴۵) میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے اور (ج۲ ص۹۷۴ و ص۱۰۴۵ میں) حضرت ابوسعید الخدری رضؓ سے اور (ج۲ ص۹۷۴ میں) حضرت انسؓ بن مالک سے اور (ج۲ ص۹۷۳ میں) حضرت ابوہریرہؓ سے اور (ج۲ ص۹۷۵ و ص۱۰۴۵ میں) حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ سے اور (ج۲ ص۹۷۵ میں) اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ محمدؒ بن یوسف فریابی رح ثقہ اور ثبت ہیں۔ ہاں سُفیان ثوری رح وغیرہ سے اُن کی روایات میں خطا ہو جاتی رہی ہے (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج۹ ص۵۳۷) مگر یہ روایت سفیانؒ کے طریق سے نہیں ہے۔ پھر اگر مولوی محمد عمر صاحب کو ان کے ساتھ کوئی کد ہے تو ہم مجبور نہیں کرتے۔ بخاری ج۱ ص۴۷۳ و ص۴۹۰ و ج۲ ص۶۹۳ و ص۹۶۶ و ص۹۷۴ و ص۹۷۵ وغیرہ ملاحظہ کریں کہ نہ ان میں محمد یوسف فریابی رح ہیں اور نہ بقول مولوی محمد عمر صاحب حدیث ضعیف ہے، اور ان میں سے اکثر روایات میں شیخ الاسلام الحافظ الحجۃ الثقۃ اور اثبت شعبہؒ بن الحجاج رح بھی نہیں ہیں جن پہ مولوی محمد عمر صاحب کا تخطیہ فی الاسماء کا الزام ہے۔

مولوی محمد عمر صاحب کا ایک اور کمال یا کرامت دیکھئے وہ یہ کہ امام بخاری رح نے اپنے صحیح میں محمدؒ

بن کثیر قرشی الکوفی رہ سے روایت نہیں کی جو متکلّم فیہ ہے بلکہ انہوں نے محمدؒ بن کثیر العبدی ابو عبداللہ البصریؒ سے روایت کی ہے جو ثقہ تھے۔ مگر مولوی محمد عمر صاحب نے اپنی غرضِ فاسد کے تحت، جہالت یا خیانت سے محمدؒ بن کثیرؒ قرشی الکوفی پر خیر سے جرح نقل کرنی شروع کردی اور اس طرح انہوں نے بخاری شریف کی روایت کا ضعف ثابت کیا، اور دوسری خیانت یہ کی کہ ابو الولید ہشامؒ بن عبدالملک الطیالسیؒ البصری الحافظ الامام اور الحجہ کا نام تو ٹھیک لکھا مگر جس ہشام بن عبدالملک بن عمران الیزنی الحمصیؒ پر امام ابوداؤدؒ نے جرح کی ہے وہ اور ہے اور اس کی کنیت ابو الولید نہیں ہے۔ اس سے بڑا کمال اور علمی کرامت اور کیا ہوسکتی ہے کہ نام کسی کا لیا اور کنیت کسی کی لی اور اس پر جرح نقل کرکے بخاری شریف کی روایت کا ضعف ثابت کردیا گیا۔ سچ کہا گیا ہے کہ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا۔ افسوس ہے مولوی محمد عمر صاحب کی اس علمی لیاقت اور دیانت پر، جس کی وجہ سے وہ مخلوقِ خدا کو فی حوالہ ایک غلطی پہ صدروپیہ انعام کا جھوٹا اور مکارانہ چیلنج کرتے ہیں۔ دیکھئے مقیاس ص۶۰) اور خیر سے تمیز اتنی نہیں کہ حضرت ابو مسعودؓ (عقبہؓ بن عمرو البدری) اور حضرت ابنِ مسعودؓ (الہذلی) میں فرق کرسکیں۔ دیکھئے مقیاس ص۔۔۔) اور ماشاء اللہ تعالیٰ علمی قابلیت یہ ہے کہ مشکوٰۃ کا مصنف (جو دراصل الشیخ ولی الدین محمدؒ بن عبداللہ الخطیب تبریزیؒ ہیں، وقد فرغ من المشکوٰۃ سنۃ ۷۳۷ھ مولوی محمد عمر صاحب، خطیب بغدادیؒ (الحافظ ابوبکر احمدؒ بن علی الخطیب البغدادیؒ المتوفی ۴۶۳ھ) کو بنائے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: خطیب بغدادی مصنف مشکوٰۃ شریف جو متعصبین شوافع سے شمار کئے گئے ہیں فرماتے ہیں، بلفظہٖ مقیاس ص۲۵ طبع چہارم)۔ یہ ہیں خیر سے فریقِ مخالف کے علمی کرشمے اور کارنامے۔ فوا اسفا! اور اس پر ان کو شرم بھی محسوس نہیں ہوتی، وللہ تعالیٰ در القائل ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

قارئینِ کرام! ارادہ تو یہ تھا کہ دو سو احادیث اس مسئلہ پر عرض کی جائیں اور وہ سب حدیثیں یکجا جمع کی ہوئی سامنے موجود بھی ہیں۔ مگر اب یہ خطرہ لاحق ہوگیا ہے کہ اگر وہ سب حدیثیں پیش کی جائیں تو کتاب بہت لمبی ہوجائے گی اور جہاں پڑھنے والے اس کے پڑھنے سے اکتا جائیں گے وہاں اس گرانی اور مہنگائی کے زمانہ میں اس کی کتابت اور طباعت وغیرہ کے مصارف بھی اٹھانے مشکل ہو جائیں گے اس لیے بر دست انہی پچیس احادیث پر اکتفاء کی جاتی ہے۔ ہاں صرف ایک حدیث اور عرض کی جاتی ہے۔ ہم قارئینِ کرام سے معذرت کے ساتھ اس کو عرض کرتے ہیں، اس لیے کہ پہلے

ہی کتاب کا حجم کافی بڑھ گیا ہے اور ابھی ہم نے کچھ اور بھی کہنا ہے۔ یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ ہم نے ابھی تک نمبر صرف چھبیس قائم کئے ہیں مگر حدیثیں جو دوسرے مختلف ابواب کے علاوہ صرف اس باب میں پیش کی ہیں وہ چھبیس سے کہیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ حدیث جبرائیلؑ جو کم وبیش دس حضرات صحابہ کرامؓ سے نقل کی گئی ہے وہ اصولِ حدیث کے تحت ایک نہیں بلکہ دس حدیثیں ہیں، اور اسی طرح حدیثِ حوض بھی ہم نے دس حضرات صحابہ کرامؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے اور فنِ حدیث کے اعتبار سے یہ ایک نہیں بلکہ دس حدیثیں ہیں، اسی طرح دوسری حدیثوں کا حال بھی سمجھئے۔ اس لحاظ سے اس کتاب کے مختلف ابواب میں نفی علم غیب پر پیش کی ہوئی احادیث کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ مگر ہم نے ایک خاص مصلحت اور سہولت کے پیش نظر نمبر صرف چھبیس قائم کئے ہیں ماننے والے اور منصف مزاج آدمی کے لیے ایک بھی کافی ہے۔ البتہ معاند، متعصب اور کجرو کے لیے دفتر کے دفتر بھی بیکار ہیں۔

۲۶ چھبیسویں حدیث

حضرت زیدؓ بن ارقم (المتوفی سنہ ۶۶ھ) سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:۔

اللّٰھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع الحدیث (مسلم ج ۲ ص ۳۵۰ ونسائی ج ۲ ص ۲۷۳) — اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نافع نہ ہو۔

یہ روایت حضرت عبد اللہؓ بن عمروؓ سے بھی مروی ہے (نسائی جلد ۲ ص ۲۶۶ ومستدرک ج ۱ ص ۵۳۴ وترمذی ج ۲ ص ۱۸۶ وقال حسن صحیح) اور حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے (نسائی ج ۲ ص ۲۶۸ ومسند طیالسی ص ۲۶۸) اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے (نسائی ج ۲ ص ۲۶۸ وطیالسی ص ۳۰۵ وابن ماجہ ص ۲۸۱ والحاکم فی المستدرک ج ۱ ص ۱۰۴ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح) اور یہ روایت حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۲۰۰) اور نیز یہ روایت حضرت عائشہؓ اور حضرت عبد اللہؓ بن ابی اوفیؓ سے بھی مروی ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۲۰۰ فروی حدیث عائشہؓ الطبرانی رح فی الاوسط وحدیث ابن ابی اوفیؓ الامام احمدؒ فی مسندہ)۔

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

سلوا اللہ علمًا نافعًا وتعوّذوا باللہ من علم لا ینفع۔ (ابن ماجہ ص ۲۸۱) — تم اللہ تعالیٰ سے علم نافع کا سوال کرو اور ایسے علم سے پناہ مانگو جو نفع نہ دیتا ہو۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علوم غیر نافعہ عطا نہیں فرمائے گئے بلکہ آپ نے خود ان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے حالانکہ جمیع علوم ماکان وما یکون میں ہر قسم کے علوم داخل ہیں۔ خواہ وہ نافع ہوں جیسے علوم دینیہ اور علوم مفیدہ دنیویہ، یا غیر نافع ہوں جیسے علوم سفلیہ خبیثہ۔ اور آجکل اس فلمی اور موسیقی اور مکر و خداع وغیرہ کے دور میں شرعاً علوم غیر نافعہ کا سمجھنا چنداں دشوار نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ جناب رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ایسے غیر مفید علوم سے پناہ مانگی ہے جن سے ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ضرور محفوظ رکھا ہے، اور ان غیر نافع علوم سے آپ کا محفوظ رہنا ہی آپ نے اپنا کمال سمجھا ہے مگر فریق مخالف ان غیر نافعہ علوم کو بھی جناب نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ اس پر مُصِر ہے اور اس میں اس کو کمال نظر آتا ہے۔ ع

ببیں تفاوت راہ است از کجا تا بہ کجا

فریق مخالف کا جواب

فریق مخالف کا کہنا ہے کہ دنیا میں کوئی علم غیر نافع ہے ہی نہیں اور بعض جہلا کا کہنا ہے کہ من علم لا ینفع قضیہ سالبہ ہے اور اس کے لیے وجودِ موضوع ضروری نہیں ہوتا۔ لہٰذا دنیا میں غیر نافع علم کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ اور مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ نفس علم کسی شے کا برا نہیں اب مخالفین کا وہ سوال اُٹھ گیا کہ حضور علیہ السلام کو بری چیزوں چوری، زنا، جادو، اشعار کا علم نہیں تھا، کیونکہ ان کا جاننا عیب ہے۔ بتاؤ خدا کو بھی ان کا علم ہے یا نہیں؟ الخ

اور اس سے قبل لکھتے ہیں کہ: اسی طرح جادو سیکھنا فرض ہے دفع جادو کے لیے الخ (اور اس پر مقدمۂ شامی کا عن ذخیرۃ الناظرۃ کا حوالہ پیش کیا ہے)۔ (جاء الحق صـ ۴۸)

اور مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ: "ادنیٰ شیٔ کا علم ادنیٰ نہیں ہوتا۔ شیٔ ادنیٰ ہو تو ہو لیکن اس کا علم ادنیٰ نہیں ہوتا"۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ ہر شیٔ کا علم نفع دینے والا ہوتا ہے۔ مثلاً ادنیٰ شیٔ کا علم اگر آپ کو نہ ہو تو اس میں بھی نفع نہیں کیونکہ وہابی کو اعتراض کا موقع مل جائے گا کہ آپ کو ادنیٰ شیٔ کا علم حاصل نہیں اھ (مقیاس صـ ۴۶۰)

جواب

فریق مخالف کا یہ جواب نرا جاہلانہ اور معاندانہ ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا اولاً اس لیے کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیر نافع علوم سے پناہ مانگی ہے

تو یہ خود اس کی دلیل ہے کہ دنیا میں کچھ علم ضرور ایسے بھی ہیں جو نافع نہیں ہیں، ورنہ معدوم محض سے حضرت کا پناہ مانگنا بے معنی اور عبث ہوگا (معاذ اللہ تعالیٰ) اور من علم لا ینفع قضیہ سالبہ نہیں بلکہ قضیہ موجبہ سالبۃ المحمول ہے جس کے لیے وجود موضوع ضروری ہے۔

وثانیاً کسی علم کے دینی نقطۂ نظر سے غیر نافع ہونے کا انکار کرنا بداہت کا انکار کرنا ہے جس شخص کو بھی دین میں کچھ بصیرت حاصل ہے وہ بالیقین جانتا ہے کہ بہت سے علوم ایسے ہیں جن کا دین میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور ایسے علوم کا جاننا مکلف اور پابند شرع مخلوق کے لیے عیب ہے۔ رہا باری تعالیٰ کا معاملہ تو وہ مکلف نہیں ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ۔

وثالثاً ہم بعض ایسے علوم وفنون کی نشان دہی کرتے ہیں جو شریعت میں مذموم اور قبیح ہیں اور ہر لحاظ سے غیر نافع اور غیر مفید ہیں۔

حضرت عبد اللہ رضؓ بن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبة من السحر زاد مازاد (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۹ وابن ماجہ ص ۲۷۳ ورجال اسنادہ ثقات المدلیل الطالب ص ۱۵۸)

جس نے نجوم کا علم حاصل کیا تو اس نے جادو کا ایک شعبہ حاصل کیا جتنا بھی زیادہ کیا سو زیادہ کیا۔

اور حضرت شاہ عبد الغنی المجددی الحنفی رحؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

وادخل صاحب الدر فی العلم الحرام علم الفلاسفة والشعبذة والتنجیم والرمل وعلوم الطباعین والسحر والکھانة (انجاح الحاجۃ ص ۲۷۳)

صاحب دُر نے حرام علم میں علم فلسفہ، شعبدہ نجوم، رمل، علم طبعیات، جادو اور کہانت سب کو شامل کیا ہے۔

اور علامہ خطابی الشافعی رحؒ (المتوفی ۳۸۸ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

علم النجوم المنھی عنہ ھو ما یدل علیہ اھل التنجیم من علم الکوائن والحوادث التی لم تقع کمجیئ الامطار وتغیر الاسعار واما ما یعلم بہ اوقات الصلوٰۃ وجھة القبلة نغیر داخل فیما نھی عنہ (معالم السنن ج ۵ ص ۳۷۱)

جس علم نجوم کی ممانعت آئی ہے وہ وہ علم ہے جس سے اہل نجوم واقعات اور حادثات کی قبل از وقوع اطلاع دیتے ہیں جیسے بارش کا ہونا اور اشیاء کے نرخ کی خبر وغیرہ اور علم نجوم کا وہ شعبہ جس سے اوقات نماز اور جہت قبلہ کا تعیین ہوتا ہے، وہ ممنوع علم نجوم

کذا فی تعلیق المحمود ج ۲ ص ۱۸۹) میں داخل نہیں ہے۔

امام ابو سلیمان احمدؒ بن محمدؒ بن ابراہیمؒ الخطابی الشافعیؒ (المتوفی ۳۸۸ھ) کی اصل عبارت یوں ہے۔

علم النجوم المنهی عنه هو ما یدعیه اهل التنجیم من علم الکوائن والحوادث التی لم تقع وستقع فی مستقبل الزمان کاخبارهم باوقات هبوب الریاح ومجیئ المطر وظهور الحر والبرد وتغیر الاسعار وما کان فی معانیها من الامور یزعمون انهم یدرکون معرفتها بسیر الکواکب فی مجاریها و باجتماعها واقترانها ویدعون لها تأثیرا فی السفلیات وانها تتصرف علی احکامها وتجری علی قضایا موجباتها وهذا منهم تحکم علی الغیب وتعاط لعلم استاثر الله سبحانه به لا یعلم الغیب احد سواه فاما علم النجوم الذی یدرک من طریق المشاهدة والحس کالذی یعرف به الزوال ویعلم به جهة القبلة فانه غیر داخل فیما نهی عنه الخ

(معالم السنن ج ۵ ص ۳۷۱ و ص ۳۷۲ طبع مصر)

جس علم نجوم سے منع کیا گیا ہے وہ وہ علم نجوم ہے جس کا نجومی دعوے کرتے ہیں کہ مستقبل زمانہ میں یہ یہ حادثات رونما ہوں گے جو ابھی تک واقع نہیں ہوئے مثلاً ان کا ہواؤں کے چلنے بارش کے نازل ہونے گرمی اور سردی کے ظاہر ہونے اور اسطرح کے دیگر امور کی خبر دینا جس کے بارے میں وہ یہ دعوے کرتے ہیں کہ وہ ان حوادث کو سیاروں کے اپنے راستوں پر چلنے اور ان کے اجتماع واقتران سے جان لیتے ہیں اور وہ یہ دعوے کرتے ہیں کہ ان سیاروں کی سفلیات میں تاثیر ہے اور وہ سیارے اپنے حکموں پر تصرف کرتے اور اپنے موجبات کے فیصلوں پر چلتے ہیں اور یہ ان کی علم غیب پر سینہ زوری ہے اور ایسے علم پر دست اندازی ہے جس کے ساتھ صرف پروردگار ہی متفرد ہے اور اس کے سوا غیب کوئی بھی نہیں جانتا، رہا علم نجوم کا وہ شعبہ جو مشاہدہ اور حس کے طریقہ سے اخذ کیا جاتا ہے مثلاً زوال کا وقت اور جہت قبلہ معلوم کرنا تو وہ نہی میں داخل نہیں ہے۔

اور امام نووی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

واما تعلمه (ای السحر) وتعلیمه فحرام

(نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲۱ والدلیل ص ۱۵۶)

جادو کا سیکھنا اور سکھانا دونوں حرام ہیں۔

اور اس کی حرمت اہل السنت والجماعت کے (اور خصوصیت سے حضرات احناف کے) عقائد میں مسلم امام ابو منصور ماتریدی رح (المتوفی ۳۳۳ھ) سے بھی منقول ہے (الدلیل ص ۱۵۶)

اور حافظ ابن حجر رح لکھتے ہیں کہ:-

واما تعلمه وتعليمه فحرام (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۸۳)

جادو کا سیکھنا اور سکھانا دونوں حرام ہیں۔

اور علامہ ابن خلدون رح لکھتے ہیں کہ:-

فجعلت الشريعة باب السحر والطلسمات والشعوذة بابا واحدا لما فيها من الضرر وخصته بالحظر والتحريم (مقدمہ ص ۵۰۳)

شریعت نے جادو، طلسم اور شعبدہ بازی کو ایک ہی مد میں رکھ کر اس کو بالخصوص ممنوع اور حرام قرار دیا ہے۔

اور فصل ابطال صناعت نجوم میں صناعت نجوم کی پرزور عقلی اور نقلی تردید کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ:-

والنبوات ايضا منكرة لشان النجوم وتاثيراتها واستقراء الشرعيات شاهد بذالك (مقدمہ ص ۵۲۱)

یعنی مزاج نبوت بھی علم نجوم اور اس کی تاثیر کا منکر ہے اور شرعی دلائل کے استقراء سے یہی کچھ معلوم ہو چکا ہے۔

نیز لکھتے ہیں کہ:-

هذا هو الواجب على من عرف مفاسد هذا العلم ومضاره - (ص ۵۲۲)

جو شخص علم نجوم کے مفاسد اور مضرات سے آگاہ ہے یہی اس پر واجب ہے (کہ وہ اس سے الگ رہے)

اور حضرت ملا علی ن القاری رح لکھتے ہیں کہ:-

واما تعليمه وتعلمه ففيه ثلاثة اقوال الاول الصحيح الذى قطع به الجمهور انهما حرامان والثانى انهما مكروهان والثالث انهما مباحان : (شرح فقہ اکبر ص ۱۴۴)

جادو کی تعلیم و تعلم میں اختلاف ہے۔ پہلا قول جس پر جمہور علماء اسلام قطعی متفق ہیں اور یہی صحیح ہے کہ جادو کا سیکھنا اور سکھانا دونوں حرام ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں مکروہ ہیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں مباح ہیں۔

اور مولانا عبدالحی لکھنوی رح لکھتے ہیں کہ " اتفاق دارند بریں کہ سحر حرام وکبیرہ است وبعض ائمہ

فقہ اطلاق کفر ہم براں کردہ است حتیٰ کہ تفتازانی رحمہ درحواشی کشاف اجماع نقل میکند" الخ (مجموعۂ فتاویٰ ج ۲ صـ۱۲ـ)

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

واما علم النجوم فانہ لا یضر جہلہ — علم نجوم کی جہالت بالکل غیر مضر ہے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ صـ۱۹۵)

اور نواب صدیق حسن خاں صاحب غیر مقلدین کے مسلّم پیشوا لکھتے ہیں کہ :۔ "تعلم ایں علم وعمل بداں حرام است مثل تعلم سحر وعمل بدآں سواء بسواء (الدلیل الطالب" صـ۱۵۷)

اور علامہ ابنِ خلدون رحمہ صناعۃ سیمیا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :۔

فھو من قبیل السحر (مقدمہ صـ۴۹۷) — وہ جادو کی قسم سے ہے

اور علم موسیقی کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں کہ :۔

تلحین الموسیقی الصناعی فانہ لا ینبغی ان یختلف فی حظرہ اذ صناعتہ مباینۃ للقراٰن من کل وجہ (مقدمہ صـ۴۲۵) — فنِ موسیقی کی راگ اور لَے تو اس کے ممنوع اور منہی عنہ ہونے میں اختلاف کرنا مناسب ہی نہیں ہے کیونکہ فن موسیقی ہر لحاظ سے قرآنِ کریم کے مخالف ہے۔

اور فلسفہ کی قباحت بتلاتے ہوئے فلسفیوں کا نظریہ یوں بیان کرتے ہیں کہ :۔

استنادھم الموجودات کلھا الی العقل الاول (مقدمہ صـ۵۱۶) — کہ وہ تمام موجودات کو عقلِ اول کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اور یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ عقل اوّل مخلوق ہے۔ اگر تمام موجودات مخلوق کی طرف منسوب ہیں تو پھر خالقِ مطلق کا کیا کام؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

حضرت امام غزالی رحمہ (المتوفی ۵۰۵ھ) غیر شرعی علوم کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ ایک وہ جس پر کوئی اچھا اور مفید نتیجہ مرتب ہو اور لکھتے ہیں کہ وہ علم مقبول اور محمود ہوگا اور دوسری قسم وہ ہے جو اس کے خلاف ہو۔

پھر آگے علم مذموم کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

واما المذموم منہ فعلم السحر والطلسمات و — بہرحال مذموم علوم میں سے جادو اور طلسمات اور شعبدہ

علم الشعبذة والتلبيسات (احیاء العلوم ج ۱ ص۲۹) اور تلبیس وخداع کا علم بھی ہے۔

اور فلاسفہ کے مسالک اور مذاہب کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

بعضها کفر وبعضها بدعة (ص۱/۱۹) بعض ان میں سے کفر اور بعض بدعت ہیں۔

اور علم طبعیات کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

وبعضها مخالف للشرع والدین الحق فهو جهل ولیس بعلم (ج۱ ص۱۹) اس کا بعض حصہ شرع اور دینِ حق کے سراسر خلاف ہے لہٰذا وہ جہل ہے علم نہیں ہے۔

اور علوم مفیدہ اور مضرہ اور محمودہ و مذمومہ پر لبسط سے کلام کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

فالقسم المذموم منه قلیله وکثیره هو ما لا فائدة فیه فی دین ولا دنیا اذ فیه ضرر یغلب نفعه کعلم السحر والطلسمات والنجوم فبعضه لا فائدة فیه اصلاً وصرف العمر الذی هو انفس ما یملکه الانسان الیه اضاعة و اضاعة النفیس مذمومة ومنه ما فیه ضرر یزید علیٰ ما یظن انه یحصل به من قضاء وطر فی الدنیا فان ذالك لا یعتد به بالاضافة الی الضرر الحاصل عنه۔ (ج۱ ص۲۳)

علم مذموم کی قسم سے جس کا تھوڑا اور زیادہ حصہ سب مذموم ہے وہ ہے جس میں دین اور دنیا کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس کا نقصان نفع سے زیادہ ہے جیسے جادو طلسمات اور نجوم کا علم، ان میں سے بعض کا تو سرے سے کوئی فائدہ ہی نہیں ہے اور ان میں عمر عزیز کا صرف کرنا جو انسان کی نفیس ترین دولت ہے سراسر نقصان ہے۔ کیونکہ عمدہ چیز کا ضائع کرنا ضرور مذموم ہے اور ان میں کچھ وہ علوم ہیں کہ ان کا نقصان اُس نفع سے زیادہ ہے جس کا گمان کیا جاتا ہے کہ اس سے دنیا کا کوئی فائدہ ہوگا۔ کیونکہ وہ حقیر سا فائدہ اس سے حاصل شدہ نقصان کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دنیا میں درخت تو بہت زیادہ ہیں مگر پھلدار درخت کم ہیں اور پھل بھی بکثرت ہیں مگر میٹھے ان میں بہت کم ہیں وما اکثر العلوم ولیس کلها نافع۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص۴۲) اور علوم بھی بہت زیادہ ہیں لیکن سب کے سب مفید نہیں ہیں

اور حضرت ملا علی ن القاری رح حضرت امام مالکؒ اور ایک جماعت سے نقل کرتے ہیں کہ:۔

وان تعلمہ وتعلیمہ کفر (بحوالہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۵۵) جادو کا سیکھنا اور سکھانا دونوں کفر ہیں۔

بلاشک علم نسب بشرطیکہ افراط و تفریط سے محفوظ ہو ایک مفید علم ہے اور اس کے سیکھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ شریعت نے اس کی تلقین کی ہے لیکن اہل عرب کی طرح اتنا غلو کہ حضرت آدم علیہ السلام تک وثوق سے نسب نامہ بیان کرنا، اور اسی طرح گھوڑوں، اونٹوں، گدھوں اور خچروں بلکہ کتوں تک پشت ہا پشت تک نسب محفوظ رکھنا ایک غیر ضروری اور غیر مفید علم ہے۔ چنانچہ ایسے ہی نسب کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

علم النسب علم لا ینفع وجہالتہ لا تضر (رواہ ابن عبد البر عن ابی ہریرۃ رض۔ (کنز العمال ج ۵ ص ۲۲۵) — علم نسب ایک غیر نافع علم ہے اور اس کا نہ جاننا اور اس سے جاہل رہنا کوئی مضر نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا نسب جب معد بن عدنان تک بیان فرماتے تو:۔

ثم یمسک ویقول کذب النسابون قال اللہ تعالیٰ وقرونا بین ذالک کثیرا۔ (اخرجہ ابن سعد عن ابن عباس رض۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۲۹) — پھر رک جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ (وثوق سے پورا) نسب نامہ بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ حق تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ان کے درمیان بہت سے قرن گزرے ہیں (لا یعلمھم الا اللہ)

مطلب یہ ہے کہ جس کو قرآن پاک نے مبہم رکھا ہے، اس کی صحیح اور پوری تفصیل وثوق سے کون بیان کر سکتا ہے؟ لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام تک نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔

الحاصل:۔ اس سابق بحث کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات بالکل آشکارا ہو گئی ہے کہ جادو، علم نجوم، رمل، کہانت، طلسم، شعبدہ بازی، سیمیاء، علم طبعیات، فلسفہ، موسیقی، اور حضرت آدم علیہ السلام تک تفصیل کے ساتھ نسب نامہ وغیرہ تمام غیر مفید اور غیر نافع علوم ہیں اور یہی کچھ شریعت کی روح سے حاصل ہوا ہے۔ اور جادو وغیرہ کا سیکھنا اور سکھانا تو جمہور اہل اسلام کے نزدیک حرام ہے۔

تعجب اور حیرت بر حیرت ہے مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ پر جو مرجوح اور غیر مفتی بہ قول کو لے کر جادو کا سیکھنا واجب قرار دیتے ہیں اور حضرات جمہور کے قول کو نظر انداز کرتے ہیں۔ عجیب ستنا اور نرالہ محکمہ استفتاء ان کے ہاتھ آیا ہے! مفتی صاحب یہ تو فرمایئے کہ جن مسلمانوں نے جادو وغیرہ نہیں

سیکھا، کیا آپ کے فتوے کے رُو سے وہ تارک واجب اور گناہگار نہ ہوں گے؟ کچھ تو لب کشائی فرمایئے۔ بینوا توجروا۔ اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ مفتی صاحب جادو کے علم کو واجب کہیں اور خود نہ سیکھیں ضرور مفتی صاحب نے جادو کا علم سیکھا ہوگا اور لوگوں کو ضرور وہ سکھاتے بھی ہوں گے۔ اس لحاظ سے مفتی احمد یار خاں صاحب نرے مفتی ہی نہیں بلکہ ساحرِ علیم اور جادوگر بھی ہیں۔ سچ ہے ع

جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے

وخامساً اگر کوئی ضدی اور کجرو انسان ان سابق حوالجات پر مطمئن نہیں ہوتا تو ہم اس کو مجبور نہیں کرتے۔ آیئے کہ ہم اس کو بریلی کا بنا ہوا سرمہ ہی بتا دیں۔ شائد کہ اُس سے اُس کی آنکھیں منور اور روشن ہو جائیں اور یہی شائد اس کے لیے اکسیر ثابت ہو۔ خانصاحب بریلی علمِ سیمیا (جو بقول ابنِ خلدون رح جادو کی قسم ہے) کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"نہایت ناپاک علم ہے" (ملفوظات حصّہ دوم صفہ)

لیجئے اب تو مان جایئے کہ اس دنیا میں ایسے علوم بھی ہیں جو نہ صرف ناپاک ہیں بلکہ نہایت ناپاک ہیں۔ افسوس ہے اہلِ بدعت حضرات پر کہ وہ ایسے ایسے گندے اور ناپاک علوم اس پاک ہستی کی طرف منسوب کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ:۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۔ کہ نہ تو ہم نے ان کو علمِ شعر عطا کیا ہے اور نہ وہ آپ کی شانِ رفیع کے مناسب ہی ہے۔

مگر کیا کیا جائے اہلِ بدعت کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ ان کے نزدیک تمام غیر مناسب اور نالائق باتوں کو امام الانبیاء خاتم النبیین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا عین ایمان، عشق اور محبت ہے فوا اسفاہ الی اللہ المشتکی ولاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔ ؎

چل دیئے آپ دل کو تڑپا کر
کون دیکھے یہ بے بسی دل کی

تنبیہ ضروری | ارادہ تھا کہ جو حدیثیں ہم نے نفی علمِ غیب پر پیش کی ہیں (اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ یہ جملہ روایات اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں اور اثبات مدعیٰ کے لیے نص صریح اور بالکل کافی ہیں) ان کو سن کے لحاظ سے ترتیب وار لکھا جائے، مثلاً پہلے سنہ اھ

میں پیش آنے والے واقعات کی حدیثیں درج ہوں اور پھر ۳ھ کی اور علیٰ ہذا القیاس بالآخر ۱۰ھ کی مگر ایک خاص اہم اور ضروری مصلحت کے پیش نظر ہم نے یہ ترتیب ملحوظ نہیں رکھی جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں ہے۔ بہر حال اصل مدعیٰ بالکل عیاں ہو چکا ہے، اب ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ قرآن کریم اور صحیح احادیث کے سابق پیش کردہ دلائل اور براہین کو ٹھنڈے دل کے ساتھ پڑھا جائے اور پھر ان پر عقیدہ رکھا جائے۔ ہر ایک کی قبر کا سوال ہے یہ ضد اور عناد کا مقام نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنا ہی نقصان ہو اور اس خسارے کی تلافی کی پھر کوئی صورت بھی نہ ہو، وللہ در القائل ؎

اپنی تو اب تمام ہوئی کائناتِ غم
دو اشک تھے سو دیدۂ تر سے گذر گئے

گذشتہ ابواب میں آپ نفی علم غیب پر قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ اور ان کی تفسیر میں معتبر اور مستند حضرات مفسرین کرام کی عبارات نیز متعدد صحیح احادیث اور ان کی تشریح میں ذمہ دار حضرات شراح حدیث کے اقوال ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب اس باب میں ہم اس ترتیب سے چند اہم مسائل ذکر کرتے ہیں کہ عقائد میں غلطی اور خطاء سے کوئی شخص معذور متصوّر نہیں ہو سکتا اور نہ مواخذہ سے بچ سکتا ہے اور یہ بھی عرض کیا جائے گا کہ حضرات فقہاء اسلام کے نزدیک کن مسائل میں تکفیر کی جاتی ہے اور معیارِ تکفیر کیا ہے؟ اور یہ کہ حضراتِ فقہاء کرام رح کی اصطلاح میں اہلِ قبلہ کون لوگ ہیں؟ اور یہ بھی واضح کیا جائے گا کہ حضرات فقہاء کرام رح کا گروہ نہایت محتاط اور سنجیدہ واقع ہوا ہے۔ وہ بلاوجہ کسی کلمہ گو کی ہرگز تکفیر نہیں کرتا اور علی الخصوص معاصی کی وجہ سے تو کبھی ایک فرد کی بھی تکفیر نہیں کرتا اور یہ بھی بیان ہوگا کہ جناب امام الانبیاء خاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ادنیٰ ترین توہین و تحقیر بھی بالاتفاق کفر ہے اور یہ کہ حضرات فقہاء کرام رح کا دینی تعمق اور حلال و حرام وغیرہ کے مسائل میں معتبر ہونا حضرات محدثین کرام رح کے نزدیک بھی ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ مگر حضرات فقہاء کرام رح کا یہی محتاط اور سنجیدہ گروہ ہر اس شخص کی تکفیر کرتا ہے جو جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر تسلیم کرتا ہو اور اسی طرح بزرگانِ دین کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھنا بھی اُن کے نزدیک کفر ہے، اور ان عبارات پر فریقِ مخالف کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات کے جوابات بھی عرض کر دیے جائیں گے، اور اکابرین علماءِ دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا عقیدہ بھی واضح کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز!

عقائد میں غلطی

جملہ اہلِ اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ فروعی مسائل میں خطاءِ اجتہادی (بشرطیکہ کسی مجتہد سے نیک نیتی کی وجہ سے واقع ہو) قابلِ مواخذہ نہیں ہے، اور نہ صرف یہ کہ ایسا شخص معذور تصور ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ماجور بھی ہوگا۔ جیساکہ اس پر صحیح اور صریح حدیث موجود ہے۔ (دیکھئے بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۲ و مسلم ج ۲ ص ۷۶ وغیرہ) لیکن اصولِ دین، ضروریاتِ دین اور عقائد کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے کیونکہ ان میں دیانت کے ساتھ غلطی بھی قابلِ عفو نہیں ہے اور نہ اس باب میں جہالت اور لاعلمی کی بناء پر کوئی شخص معذور سمجھا جاسکتا ہے اور اسی طرح قرآن کریم حدیثِ مشہور، اجماع اور قیاس جلی کا مخالف بھی معذور نہیں ہوسکتا، اگرچہ وہ شخص اپنے دعوے پر خبرِ غریب بھی پیش کرتا ہو۔ چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ:-

لان المخطئ فی الاصول والعقائد یعاتب بل یضلل او یکفر لان الحق فیھا واحد اجماعًا۔ (التلویح ص ۱۶۰)

اصول اور عقائد میں خطا کرنے والا سزاوار گرفت ہے بلکہ اس کی تضلیل یا تکفیر کی جائے گی اس لیے کہ عقائد اور اصول میں حق صرف ایک ہی ہے (اور فروع کی طرح ان میں حق متعدد نہیں ہے تاکہ موجب عتاب نہ ہو)

اور علامہ حسام الدین الحنفیؒ (المتوفی ۶۴۴ھ) لکھتے ہیں کہ:-

او عمل بالغریب من السنۃ علی خلاف الکتاب او السنۃ المشہورۃ مردود باطل لیس بعذر اصلًا (حسامی ص ۱۵۷ بحث قیاس)

یعنی کتاب اللہ اور سنتِ مشہورہ کے مقابلہ میں غریب حدیث پر عمل کرنا مردود اور باطل ہے اور اس میں کسی طرح بھی عذر مسموع نہ ہوگا۔

اور علامہ السید احمد بن محمد الحموی الحنفیؒ (المتوفی ـــــ ھ) لکھتے ہیں کہ:-

والجھل بالضروریات فی باب المکفرات لا یکون عذرًا بخلاف غیرھا فانہ یکون عذرًا علی المفتی بہ (شرح حموی ص ۲۶۷)

یعنی تکفیر کے باب میں ضروریات سے لاعلمی اور جہالت عذر نہیں ہوسکتی بخلاف غیر ضروریات کے ان میں مفتیٰ بہ قول کے موافق جہالت عذر ہے۔

اور حضرت ملا علی ن القاریؒ لکھتے ہیں کہ:-

انہ اتی بلفظۃ الکفر وھو یعلم انہ اتی بھا عن اختیار یکفر

(اگر کسی شخص نے اپنے قصد اور ارادہ سے کفر کا کوئی کلمہ زبان سے صادر کیا تو اکثر علماء کے نزدیک وہ کافر

عندعامۃ العلماء خلافاً للبعض ولا یعذر بالجھل۔ (شرح فقہ اکبر ص۲۲۷ کانپوری)

تصور ہوگا (بعض نے اس میں اختلاف بھی کیا ہے) اور وہ شخص جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے معذور متصور نہ ہوگا۔

اور علامہ عبدالوہاب الشعرانی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

لان الاجتہاد فی الاصول ممنوع عندالمحققین فیأثم من اخطأفیہ (الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۲۱)

محققین کے نزدیک اصول میں اجتہاد ممنوع ہے سو ان میں جو خطا واقع ہوتی ہے وہ موجبِ گناہ ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

فان کان مخالفاً للقرآن العظیم والمشہور من الحدیث او الاجماع او القیاس الجلی لم یکن معذوراً قط۔ (تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۱۵۵)

اگر کوئی شخص قرآن کریم حدیث مشہور یا اجماع یا قیاس جلی کا منکر ہے تو وہ معذور نہیں ہوسکتا۔

امام سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

وماخالف القرآن والمتواتر من السنۃ وجب تأویلہٗ وان لم یقبل التأویل کان باطلاً (النبار الاذکیار ص ۱)

کہ جو حدیث۔ قرآن کریم اور متواتر حدیث کے مخالف ہو اس کی تاویل کرنی واجب ہے۔ اگر تاویل ممکن نہ ہو تو وہ حدیث خود باطل ہوجائے گی۔

ان تمام اقتباسات سے یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ اصولِ دین اور عقائد میں اور اسی طرح قرآنِ کریم، حدیث مشہور، اجماع اور قیاس جلی کے مقابلہ میں اگرچہ خبرِ غریب بھی پیش کی جاتی ہو تب بھی وہ باطل اور مردود ہوگی اور اس باب میں مخالف یا مخطئ ہرگز معذور نہیں ہوسکتا۔

مدارِ تکفیر

حضرات فقہاء اسلام رحمہم اللہ کا وہ محتاط گروہ ہے کہ جو اپنی احتیاط کی بنا پر بعض باطل فرقوں کی عدم تکفیر کی وجہ سے بعض حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ کے نزدیک متساہل تصور کیا جاتا ہے۔ اہل علم کے نزدیک خوارج و معتزلہ اور اسی قسم کے بعض دیگر فرقوں کے بارے میں حضرات فقہاء کرام اور حضرات محدثین عظام رحمہم اللہ کا مسلک اور اختلاف پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے۔ حضرات فقہاء کرام کے نزدیک موجب تکفیر شرائع اسلام ضروریات دین، اصولِ دین اور قطعی دلائل (مثلاً کتاب اللہ، حدیث متواتر اور اجماع قطعی) کا انکار یا اس کی تاویل ہے۔ چنانچہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ (المتوفی ۱۸۹ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

ومن انکر شیئاً من شرائع الاسلام

جس کسی نے شرائع اسلام میں سے کسی ایک چیز کا

فقد ابطل قول لا إله الا الله (سیر الکبیر ج۴ ص۲۶۵)

بھی انکار کیا تو اس نے لا الٰہ الا اللہ کے قول کو باطل کر دیا۔

حافظ ابن ہمام الحنفی رح لکھتے ہیں کہ:-

الاتفاق علیٰ ان ما کان من اصول الدین وضروریاته یکفر المخالف فیه (مسائرہ ج۲ ص۲۱۲ مصری)

اس پر اتفاق ہے کہ اصولِ دین اور ضروریات دین میں جو شخص مخالفت کرتا ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

اور علامہ ابو البقاء رح محمد بن احمد ضیاء مکی رح (المتوفی ۸۵۴ھ) لکھتے ہیں کہ:-

ولا نزاع فی اکفار منکر شیئ من ضروریات الدین۔ (کلیات ابی البقاء ص۵۵۴)

جس شخص نے ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کیا تو اس کی تکفیر میں کوئی نزاع نہیں ہے۔

اور علامہ شعرانی رح لکھتے ہیں کہ:-

الکفر هو التکذیب لانه مخالفة نص مقطوع به او مخالفة الاجماع (الیواقیت والجواہر ج۲ ص۱۲۳)

کفر کا مطلب تکذیب ہے کیونکہ اس کے ذریعہ نص قطعی یا اجماع کی مخالفت واقع ہوتی ہے (اور یہی کفر ہے)

اور علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی رح (المتوفی ۹۰۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

اذ لا نکفر احدًا من اهل القبلة الا بانکار قطعی من الشریعة۔ (فتح المغیث ص۱۴۳)

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے مگر ہاں جب کوئی شخص شریعت سے ثابت شدہ کسی قطعی دلیل کا انکار کرے۔

اور مشہور متکلم اسلام قاضی عضد الدین عبد الرحمٰن الایجی رح (المتوفی ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ:-

الکفر وهو خلاف الایمان فهو عندنا عدم تصدیق الرسول فی بعض ما علم مجیئه ضرورۃً (المواقف مع الشرح ص۷۲۲)

کفر ایمان کے خلاف ہے اور ہمارے نزدیک کفر جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے جن ضروریات دین کا ثبوت ہو چکا ہے ان میں سے کسی کا انکار کرنا ہے۔

اور علامہ ابن حزم رح (المتوفی ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ:-

او جحد شیئًا صح عنده بان النبی صلی الله علیه وسلم قاله فهو کافر (الفصل فی الملل والنحل ص۱۴۲/۳)

یا وہ شخص کافر ہے جو کسی ایسی چیز کا انکار اور جحود کرے جس کا ثبوت اس کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم سے ہو چکا ہے کہ آپ نے یوں فرمایا ہے۔

علامہ ابن عابدین رح الحنفی (المتوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ :-

لاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام وان کان من اھل القبلۃ المواظب طول عمرہ علی الطاعات کما فی شرح التحریر
(ردالمحتار ج۱ ص۳۷۷)

حضرات فقہاء کرامؒ کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو شخص ضروریاتِ اسلام کا منکر ہو وہ کافر ہے۔ اگرچہ وہ اہلِ قبلہ میں سے ہو اور اپنی ساری زندگی اس نے طاعات اور عبادات میں گزار دی ہو۔

اور دوسرے مقام میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

البدعۃ التی تخالف الدلیل القطعی الموجب للعلم ای الاعتقاد والعمل لا تعتبر شبھۃ فی نفی التکفیر عن صاحبھا وفی الاختیار وکل بدعۃ تخالف دلیلاً یوجب العلم والعمل بہ قطعا فھی کفر وکل بدعۃ لا تخالف ذالک وانما تخالف دلیلاً یوجب العمل ظاھراً فھی بدعۃ وضلال ولیس بکفر
(رسائل ابن عابدین ص۳۶۰)

وہ بدعت جو دلیلِ قطعی کے مخالف ہو یعنی ایسی دلیل کے مخالف ہو جو موجب اعتقاد اور عمل ہے تو ایسی بدعت کے مرتکب کی تکفیر میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا اور اختیار میں ہے کہ ہر ایسی بدعت جو ایسی دلیل کی مخالف ہو جو قطعی طور پر موجب علم وعمل ہے تو وہ بدعت کفر ہوگی اور جو بدعت ایسی نہ ہو بلکہ وہ ایسی دلیل کے مخالف ہو جو موجب عمل ہی ہے تو وہ بدعت اور گمراہی تو ہوگی مگر کفر نہ ہوگی۔

علامہ محقق الحافظ محمدؒ بن ابراہیم الوزیر الیمانی رح (المتوفی ۸۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ :-

لان الکفر ھو جحد الضروریات من الدّین او تاویلھا (ایثار الحق علی الخلق ص۲۴۱)

کفر ضروریات دین کے انکار یا ان کی تاویل کا نام ہے۔

شیخ الاسلام ابن دقیق العیدؒ (المتوفی ۷۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ :-

والحق أنہ لا یکفر احد من اھل القبلۃ الا بانکار متواتر من الشریعۃ عن صاحبھا فانہ حینئذ یکون مکذّباً للشرع ولیس مخالفۃ القواطع ماخذاً للتکفیر وانما ماخذہ مخالفۃ السمعیۃ

حق بات صرف یہ ہے کہ کسی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جا سکتی تاوقتیکہ وہ کسی ایسی دلیل کا انکار نہ کرے جو تواتر کے ساتھ صاحبِ شریعت سے ثابت ہوئی ہو کیونکہ اس صورت میں وہ شرع کا مکذب ہوگا اور محض عقلی دلائل کا انکار موجب تکفیر نہیں ہو سکتا۔ تکفیر کا موجب

القطعية طريقاً ودلالةً

(احکام الاحکام ج ۲ ص۷۹)

تو ایسی سمعی دلائل کا انکار ہے جن کا ثبوت بھی قطعیت کے ساتھ ہو چکا ہو اور جن کا مدلول بھی قطعی ہو۔

قاضی عیاض رح لکھتے ہیں کہ:۔

وکذالك يقطع بتكفير من كذب او انكر قاعدة من قواعد الشرع وما عُرِفَ يقيناً بالنقل المتواتر۔ شفا ص۲۴۸ ج۲

یہ ایسے ہی اس شخص کا کفر قطعی طور پر ثابت ہوگا جو شریعتِ حقہ کے قواعد میں سے کسی قاعدہ کی تکذیب یا انکار کرے اور اسی طرح نقل متواتر سے منقول امر کا انکار کرے۔

اور علامہ سعد الدین تفتازانی رح لکھتے ہیں کہ:۔

مخالف الحق من اهل القبلة ليس بكافر ما لم يخالف ماهو من ضروريات الدين۔

(مقاصد مع الشرح ج ۲ ص۲۶۸)

اہلِ قبلہ میں سے حق کا مخالف کافر نہیں ہوگا جب تک کہ وہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا مخالف نہ ہو۔

اس کی شرح میں علامہ تفتازانی رح لکھتے ہیں:۔

فلا نزاع فى كفر اهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفى حشر الاجساد ونفى العلم بالجزئيات ونحو ذالك وكذا بصدور شيئ من موجبات الكفر۔

(شرح مقاصد ۲ ص۲۷۰)

اہل قبلہ میں سے اُس شخص کی تکفیر میں کوئی نزاع نہیں ہے جس کی ساری زندگی عبادت میں گزر چکی ہو جبکہ وہ قدمِ عالم و حشر اجساد کی نفی اور اللہ تعالیٰ سے جزئیات کے علم کی نفی کرتا ہو اور اسی طرح اگر کوئی اور چیز موجبات کفر میں سے اس سے صادر ہو گئی تو اس کے کفر میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔

اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح (المتوفی ۱۰۲۴ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

”وچوں ایں فرقہ مبتدعہ اہل قبلہ اند در تکفیر آنہا جرأت نباید نمود تا زمانیکہ انکار ضروریاتِ دینیہ ننمایند ورد متواترات احکام شرعیہ نکنند وقبول ما علم مجیئہ، من الدین بالضرورة نکنند“

(مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص۳۸، ج ۸۷ ص۹۰)

علامہ الخفاجی رح اور حضرت ملا علی القاری رح لکھتے ہیں کہ (واللفظ للاول)

وقع الاجماع من علماء الدین علی تکفیر
کل من دافع نص الکتاب ای منع و نازع
فیما جاء صریحا فی القرآن کبعض الباطنیۃ
الذین یدعون لہا معانی أخر غیر ظاہرہا
اوخص حدیثا عاما منطوقہ مجمعا علی نقلہ
عن ثقات الرواۃ مقطوعا بہ فی دلالۃ علی
صریحہ مجمعا من العلماء والفقہاء علی
حملہ علی ظاہرہ من غیر تاویل و تخصیص
ولا نسخ فانہ تلاعب مؤدی للفساد (شرح شفاء خفاجیؒ
ج ۴ ص ۵۱۰ ومثلہ فی شرح ملا علی ن القاری علی ہامشہ)

علماءِ دین کا اس پر اجماع اور اتفاق واقع ہو چکا ہے۔
کہ وہ شخص کافر ہے جو نص کتاب کو جو کہ صراحت کے ساتھ
قرآن میں آچکی ہے رد کرے جیسے بعض باطنیہ جو ان کے
غیر ظاہری معانی کا ادعاء کرتے ہیں یا کسی عام اور صریح
حدیث کو رد کر دے جو وثوق سے ثقہ راویوں سے
ثابت ہو چکی ہے اور اس کا مدلول بھی قطعی ہو اور علماءؒ
اور فقہاء کا اس کو ظاہر پر حمل کرنے پر اجماع بھی واقع
ہو چکا ہو کہ نہ تو اس میں تاویل و تخصیص آئی ہے اور نہ
نسخ کیونکہ ایسا کرنے والا نصوص قطعیہ سے کھیلتا ہے اور
فساد کا دروازہ کھولتا ہے۔

اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں کہ:۔

"واگر از فرقۂ ثانی است مبتدع است اگر بر خلاف قرآن اوّل عمل میکند پس در بدعت
او ملاحظہ باید نمود اگر مخالف ادلّہ قطعیہ است یعنی نصوصِ متواترہ و اجماع قطعی است
او را کافر باید شمرد و اگر مخالف ادلّہ ظنیہ قریبۃ الیقین است مانند اخبار مشہورہ و اجماع
عرفی گمراہ تواں فہمید دون الکفر" (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۵۶)

ان تمام عبارات سے یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ حضرات فقہاء کرام رحؒ کے نزدیک
ہر چیز کا انکار یا ہر مخالفت موجب کفر نہیں ہوتی بلکہ صرف اُن اشیاء کا انکار کفر ہے جن کا ثبوت
ادلۂ قطعیہ سے ثابت ہو اور جو امور ضروریاتِ دین اور اصولِ دین میں سے ہوں صرف ان کا انکار کرنا
یا ان کی تاویل کرنا کفر ہے۔ اور ان عبارات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات فقہاءِ کرام رحؒ جب بھی کسی
شخص کی کسی مسئلہ میں تکفیر کرتے ہیں تو مسئلہ کے ثبوت کے دلائل پر اچھی طرح سے
نگاہ رکھ کر اور قطعی اور ظنی اور ضروریاتِ دین اور غیر ضروریات کا فرق ملحوظ
رکھ کر تکفیر کرتے ہیں۔

کیا ضرورتِ دین میں تاویل کفر سے بچا سکتی ہے

ضرورت تو نہیں کہ ہم اس سابق بحث کے بعد کچھ اور بھی عرض کریں، کیونکہ ان پیش کردہ عبارات میں بعض کے اندر صراحت سے یہ بات گزر چکی ہے کہ ضروریات دین کے اندر تاویل بھی جحود اور انکار کی طرح خالص کفر ہے۔ مگر ہم مزید وضاحت کے لیے چند حوالے اور سپردِ قلم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں :-

علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ الخیالی رح (المتوفی ۸۷۰ھ) اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رح (المتوفی ۱۰۶۷ھ) فرماتے ہیں :- (واللفظ لہ)

والتاویل فی ضروریات الدین لا یدفع الکفر (خیالی ص۱۴۶ مع الحاشیہ)

اور ضروریاتِ دین میں تاویل کفر سے نہیں بچا سکتی۔

اور شیخ الصوفیہ محی الدین ابن عربی رح (المتوفی ۶۳۸ھ) بھی تاویلِ فاسد کو کفر قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو فتوحات مکیہ ج۲ ص۸۵) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

ثم التاویل تأویلان تاویل لا یخالف قاطعا من الکتاب والسنۃ واتفاق الامۃ وتاویل یصادم ماثبت بالقاطع فذالک الزندقۃ۔

تاویل دو قسم کی ہے، ایک وہ تاویل ہے جو قرآن کریم اور سنت اور اتفاق امت کی کسی قطعی دلیل کے مخالف نہ ہو اور دوسری وہ تاویل ہے جو کسی قطعی دلیل کے مخالف ہو تو ایسی تاویل زندقہ ہے۔

نیز تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وان اعترف بہ ظاھراً لکنہ یفسر بعض ماثبت من الدین بخلاف مافسرہ الصحابۃ والتابعون واجمعت علیہ الامۃ فھو الزندیق (مسوی ج۲ ص۱۰۹)

اگر وہ ظاہری طور پر تو اس کو مانتا ہے مگر ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کی ایسی تفسیر کرتا ہے جو حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور امت کے اجماع کے خلاف ہو تو ایسا شخص زندیق کہلائے گا۔

اور نیز ارقام فرماتے ہیں کہ :-

"تاویل آنست کہ مخالف نص کتاب یا سنتِ مشہورہ یا اجماع یا قیاس جلی واقع شود" (ازالۃ الخفاء ص۳)

اور علامہ وزیر یمانی رح لکھتے ہیں کہ :-

تعلم صحتہٗ بالضرورۃ من الدین بحیث یکفر مخالفہٗ فہٰذا اجماع صحیح۔ (ایثار الحق علی الخلق ص۴۲۳)

یعنی جس چیز کا ضروریاتِ دین سے ہونا صحت کے ساتھ ثابت ہو اسکے مخالف پر اجماعِ صحیح سے کفر عائد ہوگا۔

اور یہی بزرگ رقمطراز ہیں کہ:۔

مذھب الاکثرین من الائمۃ وجماھیر علماء الامۃ وھو التفصیل والقول بان التاویل فی القطعیات لا یمنع الکفر (اتحاف ج۲ ص۱۳)

اکثر ائمہ اور جمہور علماءِ امت کا مذہب اور تفصیلی قول یہ ہے کہ قطعیات کے اندر تاویل کفر سے نہیں بچا سکتی۔

اور حضرت علامہ السید محمد انور شاہ صاحب کشمیری ثم دیوبندیؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

التاویل فی ضروریات الدین لا یقبل ویکفر المتاول فیھا۔ (اکفار الملحدین ص۵۷)

ضروریات دین میں تاویل قابلِ قبول نہیں ہے اور ضروریاتِ دین میں تاویل کرنے والے کی باقاعدہ تکفیر کی جائے گی۔

اور فریق مخالف کے اعلیحضرت مولوی احمد رضا خان صاحب (المتوفی ۱۳۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

"احتمال وہ معتبر ہے جس کی گنجائش ہو۔ صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی ورنہ کوئی بات بھی کفر نہ رہے"

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:۔

"شفاء شریف میں ہے ادعاء التاویل فی لفظ صراح لا یقبل، صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ نہیں سنا جاتا، شرح شفائے قاری میں ہے ھو مردود عند قواعد الشرعیۃ ایسا دعوے شریعت میں مردود ہے۔ نسیم الریاض میں ہے لا یلتفت لمثلہ ویعد ھذیانا ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا اور وہ ہذیان سمجھی جائے گی۔ فتاویٰ خلاصہ وفصول عمادیہ وجامع الفصولین وفتاویٰ ہندیہ وغیرہا میں ہے واللفظ للعمادی من قال انا رسول اللہ اوقال بالفارسیہ من پیغمبرم یرید بہ من پیغام می برم یکفر یعنی اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ کا رسول یا پیغمبر کہے اور معنے یہ لے کہ میں پیغام لے جاتا ہوں قاصد ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا، یہ تاویل نہ سنی جائے گی۔ فاحفظ" بلفظہٖ۔

(حسام الحرمین ص۲۷ و ص۲۸)

غرضیکہ اس قاعدہ پر حضرات فقہا کرامؒ اور موافق و مخالف سبھی متفق ہیں کہ ضروریات دین اور قطعیات میں اور اسی طرح صریح الفاظ میں تاویل ہرگز قابلِ سماعت نہیں ہے اور ایسی تاویل کسی کو کفر سے نہیں بچا سکتی۔ قائل بہر حال کافر ہوگا۔ لاشک فیہ ولاریب۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور اجماعِ اُمت کے خلاف کسی چیز کی تفسیر کرنا زندقہ اور الحاد ہے اور اسی تحریف اور الحاد پر اہلِ بدعت کی عمارت قائم ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحؒ لکھتے ہیں کہ :۔

مثل طوائف من اھل البدع اعتقدوا مذاھب باطلة وعمدوا الی القرآن فتأولوہ علی رأیھم ولیس لھم سلف من الصحابة والتابعین لا فی رأیھم ولا فی تفسیرھم۔

جیسے اہلِ بدعت کے کئی گروہ پہلے غلط عقائد اختیار کرتے ہیں اور پھر ان کی ترویج کے لیے قرآن کریم سے دلائل لاتے ہوئے اپنی باطل رائے کے اثبات کے لیے تاویلات سے کام لیتے ہیں حالانکہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین وغیرہم نہ تو ان اہلِ بدعت کی رائے سے متفق ہیں اور نہ ان کی تفسیر سے۔

اور پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

وفی الجملة من عدل عن مذاھب الصحابة والتابعین وتفسیرھم الی مایخالف ذالک کان مخطئًا فی ذالک بل مبتدعًا لانھم کانوا اعلم بتفسیرہ ومعانیہ کما انھم اعلم بالحق الذی بعث اللہ بہ رسولہ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو لوگ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے مذہب اور ان کی تفسیر سے ہٹ کر مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے تو وہ یقیناً خطاکار ہونگے بلکہ بدعتی ہوں گے کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ تفسیر اور معانی کو سب سے بہتر جانتے تھے جیسا کہ وہ اس حق کو بہت خوب جانتے تھے جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے تھے۔

(تفسیر اتقان ج ۲ ص ۱۷۸ طبع مصر)

اور نیز لکھتے ہیں کہ :۔

والمبتدع لیس لہ قصد الا تحریف الآیات وتسویتھا علی مذھبہ الفاسد بحیث انہ متی لاح لہ شاردة من بعید اقتنصھا او وجد موضعًا لہ فیہ ادنی مجال سارع الیہ۔

بدعتی کا مقصد ہی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ وہ آیات کو بدل کر اپنے باطل مذہب پر چسپاں کر لیتا ہے اگر کہیں دور سے کوئی اوپرا اشارہ بھی اس کو شکار کرنا پڑے تو اس سے بھی وہ باز نہیں آتا اور اگر کہیں وہ ادنیٰ ترین جگہ بھی دسیسہ کاری کی محسوس کرتا ہے تو بہت

(ج ۲ ص ۱۹۰) جلدہ اپنے وجل پر اُتر آتا ہے

لطیفہ قارئین کرام بڑے حیران اور متعجب ہوں گے کہ اہلِ بدعت کو قرآن کریم اور صحیح احادیث کے وہ معانی اور مطالب جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد ہے کیوں سمجھ میں نہیں آتے؟ لیکن حیرت کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد سمجھنے کے لیے جن شرائط کی ضرورت ہے، ان میں سے ایک شرط بھی اہلِ بدعت میں موجود نہیں ہے اور جن موانع کا ازالہ اور فقدان ضروری ہے وہ ایک ایک مانع اہلِ بدعت میں موجود ہے، پھر بھلا ان کو صحیح معنی کی سمجھ آئے تو کہاں سے؟ اور خدا تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد تک وہ رسائی حاصل کریں تو کیسے؟

علامہ عبدالوہاب شعرانی رح شیخ اکبر رح کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام رح کی باتوں کو سمجھنے کے لیے ورع اور زہد فی الدنیا شرط ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ:۔

واما مع میله الی الدنیا فلا سبیل له الی فهم الغوامض ابدا (الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۲۶)

جو شخص دنیا کی طرف مائل ہو جائے تو اس کو باریکیوں کی سمجھ کی کبھی توفیق ہی نہیں ہو سکتی۔

اور علامہ سیوطی رح لکھتے ہیں کہ:۔

قال فی البرهان اعلم انه لا یحصل للناظر فهم معانی الوحی ولا یظهر له اسراره و فی قلبه بدعة او کبر او هوی او حب الدنیا او هو مصر علی الذنب او غیر متحقق بالایمان او ضعیف التحقیق او یعتمد علی قول مفسر لیس عنده علم او راجع الی معقوله و هذه کلها حجب و موانع بعضها آکد من بعض ـــــــــ (تفسیر اتقان ج ۲ ص ۱۸۱)

برہان میں کہا ہے کہ جاننا چاہیئے کہ ناظر کو وحی کے معانی کی سمجھ نہیں آسکتی اور نہ اس پر اس کے بھید کھل سکتے ہیں جبتک اُس کے دل میں بدعت تکبر اپنی رائے اور حب دنیا جاگزین ہو یا وہ گناہ پر مصر ہو یا ایمان ثابت نہ ہو یا تحقیق کا نکما ہو یا کسی ایسے مفسر پر اعتماد کرتا ہو جس کے پاس علم صحیح نہ ہو یا محض اپنی عقل نارسا سے کام لیتا ہو یہ امور سب کے سب موانع ہیں ان کی موجودگی میں وحی الٰہی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ ہاں ان موانع میں درجہ بدرجہ فرق ضرور ہے۔

اہلِ قبلہ کون ہیں؟

سابق عبارات میں اہلِ قبلہ کا ذکر ہوا ہے بعض اہلِ علم کو یہ شبہ ہے کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر درست نہیں ہے، بلاشک اہلِ قبلہ کی تکفیر جائز اور صحیح نہیں ہے، اور حضرات ائمہ اسلامؒ کے بعض اقوال پہلے عرض کئے جا چکے ہیں کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر ہم نہیں کرتے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اہلِ قبلہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ اگرچہ بعض سابق عبارات میں اس کی تصریح گذر چکی ہے کہ اہلِ قبلہ جو اصول دین اور ضروریاتِ دین کے منکر اور ماؤل نہ ہوں تو وہ کافر نہیں ہیں اور اگر وہ ضروریاتِ دین کے منکر یا مؤول ہوں تو اگرچہ ان کی ساری زندگی ہی عبادت میں گذر چکی ہو وہ بہر حال کافر ہیں مگر ہم مزید اطمینان اور تشریح کے لیے چند عبارات اور نقول اور عرض کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ملا علی ن القاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

اعلم ان المراد باھل القبلۃ الّذین اتفقوا علٰی ماھو من ضروریات الدّین الخ (شرح فقہ اکبر ص۱۸۹)

جاننا چاہیئے کہ اہلِ قبلہ سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو ضروریاتِ دین پر متفق اور ان کے قائل ہوں۔

اور علامہ عبدالعزیز الفرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی بعد ۱۲۳۹ھ) اہلِ قبلہ کے جملہ کا اصطلاحی معنٰی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وفی اصطلاح المتکلمین من یصدق بضروریات الدین ای الامور التی علم ثبوتہا فی الشرع واشتہر فمن انکر شیئاً من الضروریات کحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم اللہ سبحانہ بالجزئیات وفرضیۃ الصلوٰۃ والصوم لم یکن من اھل القبلۃ ولو کان مجاھدًا فی الطاعات وکذالک من باشر شیئاً من امارات التکذیب کسجود الصنم والاھانۃ بامر شرعی والاستہزاء علیہ فلیس من اھل القبلۃ ومعنی عدم تکفیر اھل القبلۃ ان لا

اور حضرات متکلمینؒ کی اصطلاح میں اہلِ قبلہ وہ شخص ہے جو ضروریاتِ دین یعنی ایسے امور کی تصدیق کرتا ہو جنکے ثبوت اور شہرت کا علم شریعت سے ہو چکا ہو پس جس شخص نے بھی ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کیا۔ مثلاً حدوثِ عالم یا حشر الاجساد یا اللہ تعالیٰ کے علم جزئیات کا یا فرضیت صلوٰۃ وصوم کا تو وہ شخص اہلِ قبلہ میں سے نہیں ہوگا، اگرچہ وہ عبادت میں محنت کرتا ہو اور اسی طرح جس شخص نے تکذیب کی نشانیوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا مثلاً بت کو سجدہ کیا یا کسی شرعی کام کی اہانت اور استہزاء کی تو وہ شخص اہلِ قبلہ میں سے نہ ہوگا اور اہلِ قبلہ کی عدمِ تکفیر کا معنی یہ ہے کہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اور نیز مخفی اور غیر مشہور

يكفر بارتكاب المعاصي ولا بانكار الامور الخفية غير المشهورة هذا ما حققه المحققون فاحفظه انتهى (نبراس ص۵۷۳)

امور کے انکار کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے گی یہی حضرات محققین کی تحقیق ہے سو اس کو محفوظ کر لو۔

اور ایسے ہی منکر ضروریاتِ دین کی تکفیر کی گئی ہے (دیکھئے شرح عقائد جلالی ص۱۰ وغیرہ) اور یہ ضروری نہیں کہ خارج از اہل قبلہ کھلے طور پر اسلام کا مخالف ہو اور عبادت اور تقوے وغیرہ ترک کر دیوے۔ چنانچہ حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانی رح حدیثِ خوارج کے فوائد بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وفيه ان من المسلمين من يخرج من الدين من غير ان يقصد ومن غير ان يختار دينا على دين الاسلام الى ان قال وفيه انه لا يكتفى في التعديل بظاهر الحال ولو بلغ المشهود بتعديله الغاية في العبادة والتقشف والورع حتى يختبر باطن حاله۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص۲۶۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے بعض دین اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کا ارادہ خروج کا نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی اور دین کو دین اسلام کے مقابلہ میں پسند کرتے ہیں۔ پھر فرمایا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعدیل میں کسی کے ظاہری حال کو دیکھ کر اکتفا نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ وہ شخص انتہائی درجہ کی عبادت اور سادہ زندگی اور ورع و تقویٰ کے مطابق وقت گزار رہا ہو تاوقتیکہ اس کے عقیدہ کا امتحان نہ کر لیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات بعض لوگ اسلام کا نام لے کر اور بزعم خود اسلام میں رہ کر اور اسلام کو پسند کرتے ہوئے اور حتیٰ کہ عبادت اور ورع و تقویٰ کی زندگی بسر کرتے ہوئے بھی اہل قبلہ سے خارج تصور ہوتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو اسلام کا گرویدہ اور شیدائی سمجھتے ہیں محض اس لیے وہ دائرۂ اہل قبلہ اور حلقہ اسلام سے خارج سمجھے جاتے ہیں کہ وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کے منکر ہوتے ہیں یا اس کی تاویل بے جا کا ارتکاب کرتے ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے حضرت امام طحاوی رح اہلِ قبلہ کی یوں تعریف اور تفسیر کرتے ہیں کہ:۔

ونسمي اهل قبلتنا مسلمين مومنين ما داموا بما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم معترفين وله بكل ما قال واخبر مصدقين

ہم اہلِ قبلہ کو مسلمان اور مومن کہتے ہیں جب تک کہ وہ اس چیز کا اعتراف کرتے ہوں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُمت تک پہنچی ہے اور جب تک وہ آپ کی ہر

(عقیدۃ الطحاوی صہ) بات اور ہر خبر کی تصدیق کرنے والے ہوں۔

ان عبارات سے یہ بات بالکل عیاں ہوگئی ہے کہ محض قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے نہ تو کوئی شخص مسلمان اور مومن ہوتا ہے اور نہ اہلِ قبلہ، تاوقتیکہ وہ تمام ضروریاتِ دین کا اقرار اور تصدیق نہ کرے اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی پیش کردہ شریعت کا من وعن تسلیم کرنے والا نہ ہو۔ ویسے وہ صرف عبادت اور ورع وتقویٰ کی بناء پر حضرات فقہاءِ اسلامؒ اور متکلمینؒ کے نزدیک ہرگز اہل قبلہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ حضرت مولانا محمد عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ۔ وکسانیکہ منکرِ ضروریات دین باشند از اہل قبلہ نہ خواہند بود پس تکفیر ایشاں خواہد شد (مجموعہ فتاوی عبدالحیؒ ج ۲ صہ ۱۴۱)۔ سچ ہے:

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل بنایا ہے بتِ پندار کو اپنا خُدا تُو نے

احتیاطِ حضرات فقہاءِ کرامؒ حضرات فقہاءِ اسلامؒ کا وہ محتاط اور سنجیدہ گروہ ہے کہ اگر کسی کلمہ میں کئی احتمالات نکل سکتے ہوں ایک ان میں اسلام کا ہو اور باقی کفر کے ہوں تو اس کے قائل کی تکفیر حضرات فقہاءِ کرام رہ اس لیے نہیں کرتے کہ شاید اس قائل کی مراد ہی وہ پہلو اور احتمال ہو جو اسلام کا پہلو ہے، الایہ کہ وہ قائل کفر ہی کے پہلو کو متعین کر دے تو پھر اس کو کسی مفتی کا فتویٰ ہرگز کفر سے نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ امام زین العابدین ابن نجیم المصری الحنفی رہ (المتوفی ۹۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ۔

وفی الخلاصۃ وغیرھا اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب التکفیر ووجہ واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجہ الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم زاد فی البزازیۃ الّا اذا صرح بارادۃ موجب الکفر فلا ینفعہ التاویل حینئذ

(البحر الرائق ج ۵ صہ ۱۲۵)

خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کئی وجوہ کفر کی اور صرف ایک وجہ اسلام کی ہو تو مفتی کو اس وجہ کی طرف مائل ہونا چاہیئے جو اسلام کی ہے کیونکہ مسلمان کے بارے میں حسن ظنی سے کام لینا چاہیئے۔ بزازیہ میں یہ بات زائد لکھی گئی ہے کہ اگر وہ شخص خود ہی کفر کی وجہ کو متعین کر دے تو اس کو تاویل کفر سے محفوظ نہیں کر سکتی۔

اور اس موقع پر بعینہٖ یہی عبارت فتاویٰ عالمگیری ج ۲ صہ ۳۰۹ طبع مصر میں مذکور ہے، ملاحظہ کیجئے اور بزازیہ کا حوالہ ج ۶ صہ ۳۴۹ علی الہندیہ میں ہے۔

اور حضرت ملّا علی ن القاری رہ ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

ونقل صاحب المضمرات عن الذخيرة ان فی المسئلة اذا کان وجوہ توجب التکفیر ووجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم ثم ان کان نیة القائل الوجه الذی یمنع التکفیر فهو مسلم وان کان نیته الوجه الذی یوجب التکفیر لا ینفعه فتوی المفتی ویؤمر بالتوبة والرجوع عن ذالك وبتجدید النکاح بینه وبین امرأته (شرح فقہ اکبر ص۲۳۷)	اور صاحب مضمرات نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ اگر ایک مسئلہ میں کئی پہلو کفر کے اور صرف ایک پہلو عدم کفر کا ہو تو مفتی کو منع تکفیر کے پہلو کو لینا چاہیئے کیونکہ اسی میں مسلمان کے حق میں حسن ظنی رہ سکتی ہے پھر فرمایا کہ اگر قائل کی نیت وہ پہلو ہے جو اسلام کا ہے تو وہ مسلمان ہے اور اگر اس کی مراد وہ پہلو ہے جو کفر ہے تو اس کو مفتی صاحب کا فتویٰ فائدہ نہیں دے گا، ایسے شخص کو توبہ اور رجوع کا حکم دیا جائے گا اور اس کا اس کی بیوی کے ساتھ از سر نو پھر نکاح کیا جائے گا۔

اور فریق مخالف کے اعلیحضرت کو بھی حضرات فقہاء کرام رح کے اس اصول سے کُلّی اتفاق ہے۔ البتہ انہوں نے حضرت ملا علی ن القاری رح کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر ایک کلمہ میں ننانوے ۹۹ احتمال کفر کے اور صرف ایک احتمال اور پہلو اسلام کا ہو تو اس کے قائل کی تکفیر نہ کی جائے گی اِلّا یہ کہ قائل کی نیت ہی کفر کے پہلو کی ہو۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"شرح فقہ اکبر میں ہے۔ قد ذکروا ان المسئلة المتعلقة بالکفر اذا کان لها تسع و تسعون احتمالًا للکفر واحتمال واحد فی نفیه فالاولیٰ للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی۔ فتاویٰ خلاصہ وجامع الفصولین ومحیط وفتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے اذا کانت فی المسئلة وجوہ توجب التکفیر ووجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی والقاضی ان یمیل الیٰ ذالك الوجه ولا یفتی بکفرہ تحسینًا للظن بالمسلم ثم ان کانت نیة القائل الوجه الذی یمنع التکفیر فهو مسلم وان لم یکن لا ینفعه، حمل المفتی کلامه علی وجه لا یوجب التکفیر۔ اسی طرح فتاویٰ بزازیہ وبحر الرائق ومجمع الانہر وحدیقہ ندیہ وغیرہا میں ہے۔ تاتارخانیہ وبحر وسل الحسام وتنبیہ الولاۃ وغیرہا میں ہے لا یکفر بالمحتمل لان الکفر نهایة فی العقوبة فیستدعی نهایة فی الجنایة ومع الاحتمال لا نهایة ۔ بحر الرائق وتنویر الابصار

وحدیقہ ندیہ وتنبیہ الولاۃ وسل الحسام وغیرہا میں ہے :۔ والذی تحرر انہ لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن الخ بلفظہ ۔ (حسام الحرمین ص۳۵ و ص۳۶)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ باقرارِ وکیلِ فریقِ مخالف حضرات فقہاء کرام رح کتنے محتاط ہیں کہ اگر ایک کلمہ کے سو۱۰۰ پہلو اور احتمال ہو سکتے ہوں، ننانوے۹۹ کفر کے اور صرف ایک ہی اسلام کا ہو تو وہ فرماتے ہیں کہ قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ بایں وجہ کہ شاید قائل کی مراد وہ پہلو اور احتمال ہو جو اسلام کا ہے، ہاں اگر وہ خود ہی کفر کی وجہ کو متعین کر دے تو پھر کسی مفتی اور قاضی کا فتویٰ اُسے کفر سے نہیں بچا سکتا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ ترین تنقیص و توہین بھی کفر ہے۔

یہ بات خصوصیت سے قابلِ توجہ ہے کہ حضرات فقہائے کرام رح نے جناب رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ادنیٰ توہین کو بھی موجبِ کفر قرار دیا ہے اور اس میں کسی قسم کی نرمی اور تساہل سے مطلقاً کام نہیں لیا۔ چنانچہ حضرت امام ابو یوسف رح ارقام فرماتے ہیں کہ :۔

ایما رجل مسلم سبّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوکذّبہ اوعابہٗ او تنقّصہٗ فقد کفر باللہ تعالیٰ وبانت منہ امرأتہٗ فان تاب والّا قُتِلَ ۔

(کتاب الخراج ص۱۸۲ طبع مصر)

اگر کسی مسلم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دی یا تکذیب کی یا آپ پر کوئی عیب لگایا یا آپ کی تنقیص کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کافر ہو جائے گا اور اس کی بیوی اس سے بائن ہو جائے گی اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اُسے قتل کیا جائیگا۔

اور قاضی عیاض رح تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

اجمع العلماء علی ان شاتم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اَلْمُتَنَقِّصُ کافر والوعید علیہ جارٍ بعذاب اللہ تعالیٰ وحکمہ عند الامّۃ القتل ومن شکّ فی کفرہٖ وعذابہٖ کفر (الشفاء ص۱۹۰ ج۲)

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دینے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید اُس پر جاری ہے اور اُمت کے نزدیک اسکا حکم قتل ہے اور جو اُسکے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔

حضرت ملا علی القاری رح نقل کرتے ہیں کہ :۔

روی ان ابا یوسف رح ذکر انہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کان یحب الدباء فقال رجل انا ما

حضرت امام ابو یوسف رح سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

احبها فحکم بارتداده
(شرح فقہ اکبر صـ۱۸۶)

علیہ وسلم کدو کو پسند فرمایا کرتے تھے تو ایک شخص نے کہا میں تو کدو کو پسند نہیں کرتا اس پر حضرت امام ابو یوسف ؒ نے اس شخص کے ارتداد کا فیصلہ صادر فرمایا۔

یعنی اگرچہ طبعی طور پر بعض حلال چیزیں بعض لوگوں کے مزاج کے موافق نہیں ہوتیں، یہ بات الگ ہے مگر جب جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی سے کر آپ سے ایک چیز کی خوبی بیان کی گئی ہو تو اس کے مقابلہ میں کسی کی ذاتی رائے تقابل کی صورت پیدا کرے گی موجب تنقیص وتوہین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی ہے۔ جو بجائے خود کفر ہے لہٰذا قائل مرتد ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

نیز ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

وقال محمدؒ بن سحنون ؒ اجمع العلماء علی ان شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المتنقص لہ کافر ومن شک فی کفرہ وعذابہ کفر۔
(شرح شفاء ملا علی ن القاری ؒ ج ۲ صـ۲۹۳)

امام محمدؒ بن سحنون ؒ فرماتے ہیں کہ علماء کرام رہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب وشتم کرنے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے تو وہ بھی کافر ہے

اور امام قاضی خان ؒ لکھتے ہیں کہ:۔

اذا عاب الرجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شیئ کان کافرا قال بعض العلماء لو قال شعر النبی صلی اللہ علیہ شعیرا فقد کفر وعن ابی حفص الکبیرؒ ومن عاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشعر من شعراتہ فقد کفر وذکر فی الاصل ان شتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کفر ولو قال جن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر فی نوادر الاصول انہ کفر
(فتاویٰ قاضیخان ج ۴ صـ۸۸۲ نولکشور)

جب کوئی شخص جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کسی چیز میں عیب لگائے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال مبارک کی تصغیر نکال کر چھوٹا سا بال کہے تو وہ بھی کافر ہو گا اور امام ابو حفص الکبیرؒ فرماتے ہیں کہ جس نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بالوں میں سے کسی ایک بال پر بھی کوئی عیب رکھا تو بلاشک وہ کافر ہے اور اصل میں ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب وشتم کرنا کفر ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ آپ کو جنون ہو گیا تھا تو نوادر الاصول میں لکھا ہے کہ وہ شخص بھی کافر ہو جائے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ:-

وقال القاضی عیاض رہ جمیع من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم او عابہ او الحق بہ نقصا فی نفسہ او نسبہ او دینہ او خصلۃ من خصالہ او عرض بہ شبھۃ بشیئ علی طریق السب لہ والازراء علیہ او البغض منہ والعیب لہ فھو ساب لہ والحکم فیہ حکم الساب یقتل (الصارم المسلول ص۵۲۸)

قاضی عیاض رہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بھی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب کرے یا عیب لگائے یا آپ کی ذات پاک یا نسب یا دین یا آپ کی کسی خصلت میں کوئی نقص نکالے یا کسی شخص کو آپ کے متعلق سب اور تنقیص یا بغض اور عیب کے طور پر کوئی شبہ پیدا ہوا ہو تو وہ ساب ہی متصور ہوگا اور اس کا وہی حکم ہے جو ساب کا ہے کہ (اسلامی حکومت کی طرف سے) وہ قتل کر دیا جائے۔

اور علامہ الخفاجی رہ لکھتے ہیں کہ:-

ان من قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لونہ اسود یقتل لکذبہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولون السواد یزری ففیہ تحقیر واھانۃ لہ ایضاً وقال الخفاجی رہ لان اثبات صفۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر صفتہ لا تکون الا مشعرۃ بنقص لان صفاتہ لا یتصور اکمل منھا بل کل ما اثبت لہ غیرھا کان نقصا بالنسبۃ لھا۔
(خفاجی شرح شفاء ج ۴ ص۳۴۱)

جس نے یہ کہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگ مبارک سیاہ تھا تو وہ (تعزیرات اسلام کی رُو سے) قتل کیا جائے گا کیونکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹ کہا ہے اور سیاہ رنگ معیوب ہوتا ہے اور اس میں تحقیر اور توہین بھی پائی جاتی ہے اور خفاجی رہ کہتے ہیں کہ آپ کے لیے کسی ایسی صفت کا اثبات جو آپ کے لیے ثابت نہ تھی مشعر تنقیص ہی ہوگا اس لیے کہ آپ کی صفات سے اکمل اور اعلیٰ کوئی اور صفت ہو ہی نہیں سکتی بلکہ آپ کے لیے آپ کی صفات کے علاوہ کسی اور صفت کا ثابت کرنا محض آپ کی تنقیص وتوہین ہوگی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اور حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:-

وروی ابن وھب عن مالک رہ من قال ان رداء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وروی

امام ابن وہبؒ نے حضرت امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ جس نے یہ کہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چادر

مرده وسخر وادادبه عیبه، قتل (الصارم ص۵۲۹) — میلی تھی اور اس سے اس کی مراد عیب ہے تو ایسا شخص (قانونِ اسلامی میں) قتل کیا جائیگا۔

ان تمام عبارات اور اقتباسات سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ادنیٰ ترین توہین اور تنقیص بھی حضرات فقہاء کرام ؒ کے نزدیک موجب کفر ہے اور یہ کہ اسلامی حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ اس شخص کو قتل کر دے اور یہ بھی بصراحت گذر چکا ہے کہ جو صفت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت نہیں ہے اس کا آپ کے لیے اثبات یقیناً موجب توہین و تحقیر ہے مگر مسئلہ علم غیب میں ان کی تحقیق آپ بخوبی ملاحظہ کر لیں گے کہ حضرات فقہاء کرام ؒ کا یہ محتاط اور سنجیدہ گروہ کیا کہتا ہے۔ ع

تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

حضرات فقہاء کرام ؒ کا تفوق

یہ بات بالکل شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ روایت و درایت سند و معنی کے سلسلہ میں حضرات محدثین کرام ؒ اور فقہاء عظام ؒ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کسی ایک سے بھی صرفِ نظر کرنے کے بعد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سمجھنا محال ہے مگر علم حلال و حرام اور احکام و معانی میں جو تحقیق و رائے حضرات فقہاء کرام کی ہو سکتی ہے وہ حضرات محدثین عظام ؒ کی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ مشہور محدث حضرت سلیمان ؒ بن مہران الاعمش ؒ (المتوفی ۱۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ محدثین کرام ؒ پنساری ہیں جن کے پاس طرح طرح کی قیمتی بوٹیاں (حدیثیں) موجود ہیں مگر ان کے خواص و مزاج سے صرف حضرات فقہاء کرام ؒ ہی واقف ہیں جو طبیب و ڈاکٹر ہیں۔ (کتاب العلم ج۲ ص۱۳۱) اور حضرت امام ترمذی ؒ (المتوفی ۲۷۹ھ) صاحب الجامع ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

وکذالک قال الفقهاء وهم اعلم بمعانی الحدیث (ترمذی ج۱ ص۱۱۸) — اور اسی طرح حضرات فقہاء کرام ؒ نے فرمایا ہے اور وہی حدیث کے معانی کو بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

اور ان کی اسی فوقیت اور برتری کی وجہ سے حضرات محدثین کرام ؒ روایت اور سند میں بھی حضرات فقہاء کرام ؒ کو نظر انداز نہیں کرتے چنانچہ حضرت امام حاکم ؒ (المتوفی ۴۰۵ھ) صاحب مستدرک مشہور و معروف محدث امام وکیع ؒ بن الجراح ؒ (المتوفی ۱۹۷ھ) سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وحديث يتداوله الفقهاء خير من ان يتداوله الشيوخ ۔ (معرفت علوم الحديث ص۱)	وہ حدیث جس کو حضرات فقہاء کرام رح روایت کریں اس حدیث سے بہتر اور عمدہ ہے جس کو صرف حضرات محدثین اور شیوخ روایت کرتے ہوں ۔

اور حافظ ابن حجر رح تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

فان علم الحلال والحرام انما يتلقى من الفقهاء (فتح الباری ج ۹ ص۳۱)	یہ تحقیق حلال و حرام کا علم تو صرف حضرات فقہاء کرام رح ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے

یہ تو عام حضرات فقہاء کرام رح کا ذکر خیر تھا لیکن علی الخصوص حضرات فقہاء احناف کثر اللہ جماعتہم کے تفقہ اور اجتہاد کا ہر دور اور ہر زمانہ میں جو شہرہ رہا ہے وہ کس منصف مزاج اہل علم سے پوشیدہ ہے؟ مجموعی طور پر جس محنت و مشقت اور جس حزم و احتیاط اور جس متانت اور سنجیدگی سے قرآن کریم اور حدیث رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی تشریح اور تفصیل انہوں نے کی ہے ۔ وہ صرف انہی کا حصہ ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرات فقہاء احناف رح آسمانِ علم و تحقیق کے چاند اور سماء فقہ و اجتہاد کے آفتاب ماہتاب اور تدقیق جزئیات کے درخشندہ ستارے ہیں جو اپنی چمک دمک سے تاریک دنیا کو علم و تحقیق کی کرنوں سے منور کرتے اور ابرِ رحمت بن کر جہالت کی خشک زمین کو سرسبز و شاداب کرتے رہے ہیں مگر کاش کہ اس پُر فتن دور میں کچھ خود غرض اور نفس پرست، کچھ فریب خوردہ اور حرماں نصیب ان اکابر کی خدمات جلیلہ کو پیوند خاک کرنے کی ناکام سعی کر رہے ہیں جنہوں نے اپنی عزیز زندگی خلق خدا کی بھلائی میں صرف کر دی اور جو بزبانِ حال یہ کہہ رہے ہیں ؂

میں خود غرض نہیں میرے آنسو پکھ کے دیکھ
فکر چمن ہے مجھ کو غمِ آشیاں نہیں

گو مسئلہ زیر بحث میں دیگر حضرات فقہاء کرام (موالک، شوافع رح اور حنابلہ وغیرہ) کا بھی وہی فیصلہ ہے جو حضرات فقہاء احناف رح کا ہے اور ان کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ان کا ہے ۔ مگر ہمیں چونکہ ایک ایسے طبقہ اور گروہ سے سابقہ پڑ چکا ہے جو خود کو حنفی کہلاتا ہے (بلکہ بزعم خود حنفیت کا بلا شرکت غیرے واحد ٹھیکیدار ہے) اس لیے ہم صرف حضرات فقہاء احناف رح ہی کی چند عبارات اور نقول پر اکتفاء کرتے ہیں اور ہر متین سنجیدہ سرشت اور با انصاف مسلمان سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ بغور و انصاف اس عقیدہ اور

مسئلہ کو حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ کے الفاظ میں پڑھے اور پھر حق کو اپنا لے ۔

چنانچہ فقیہ کبیر الشیخ القاضی الامام الاجل الزاہد البارع امام الفقہاء حسن بن منصور المعروف بہ قاضیخان رح (المتوفی ۵۹۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

رجل تزوج امرأة بغير شهود فقال الرجل للمرأة خدائے را و پیغامبر را گواہ کردیم قالوا يكون كفرا لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب وهو ما كان يعلم الغيب حين كان في الاحياء فكيف بعد الموت (فتاوی قاضیخان ص ۸۸۳ مطبوعہ نولکشور)

ایک شخص نے بغیر گواہوں کے ایک عورت سے نکاح کیا اور بوقت نکاح عورت کو یوں کہا کہ ہم خدا تعالیٰ اور اس کے پیغمبر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بناتے ہیں، حضرات فقہاء کرام نے فرمایا کہ اس شخص کا یہ کہنا کفر ہے کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ زندگی میں غیب نہیں جانتے تھے تو وفات کے بعد بھلا غیب کیسے جانتے ہیں؟

اور علامہ عبد الرشید ابو الفتح ظہیر الدین الولوالجی الحنفی رح (المتوفی بعد ۵۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

تزوج امرأة ولم يحضر شاهد فقال تزوجتك بشهادة الله ورسوله يكفر لانه يعتقد بان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب اذ لا شهادة لمن لا علم له به ومن اعتقد هذا كفر۔ (فتاوی ولوالجیہ ص — وکذا بیری زادہ الحنفی رح المتوفی ۱۰۹۹ھ فی بیری حاشیہ الاشباہ ص —)

ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا مگر گواہ موجود نہ تھے اس شخص نے عورت سے خطاب کرتے ہوئے یوں کہا کہ میں تیرے ساتھ خدا تعالیٰ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کرتا ہوں تو وہ شخص کافر ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اس شخص نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب تھا کیونکہ جس کو واقعہ کا علم نہ ہو۔ وہ گواہ کیسے بن سکتا ہے اور جس کا یہ عقیدہ ہو وہ کافر ہے۔

الشیخ العلامہ المدقق ابو حنیفہ ثانی زین العابدین بن نجیم المصری الحنفی رح (المتوفی ۹۷۰ھ) رقمطراز ہیں کہ :۔

وفي الخانية والخلاصة لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد النكاح ويكفر لاعتقاده ان النبي يعلم الغيب۔

فتاویٰ قاضی خان اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ اگر کسی شخص نے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح تو سرے سے ہی منعقد نہ ہوگا اور وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے یہ اعتقاد

(البحر الرائق ج ۳ ص۸۸)　　　　　　　　　　کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں

حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر رح (المتوفی ۱۱۱۸ھ) نے پانچ سو نامور حضرات فقہاء کرام رح سے ہندوستان کے لیے کتابی شکل میں اسلامی آئین، شرعی قانون اور محمدی دستور مرتب کرایا تھا۔ اس میں بھی یہ تصریح موجود ہے کہ :-

تزوج رجل امرأة ولم یحضر الشهود و قال خدائے را و رسول را گواه کردم او قال خدائے را و فرشتگان را گواه کردم یکفر ولو قال فرشتهٔ دست راست را گواه کردم و فرشتهٔ دست چپ را گواه کردم لا یکفر۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۹۴ طبع مصر)

ایک شخص نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور اس نے یہ کہا کہ میں خدا تعالیٰ اور جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بناتا ہوں یا اس نے یہ کہا کہ خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں تو ایسا شخص کافر ہو جائے گا اور اگر اس نے یہ کہا کہ میں دستِ راست اور دستِ چپ کے فرشتہ کو گواہ بناتا ہوں تو وہ کافر نہ ہو گا (کیونکہ یہ دونوں فرشتے تو حاضر ہی ہوتے ہیں۔)

حافظ ابن ہمام الحنفی رح جو بقول مولوی احمد رضا خاں صاحب محقق علی الاطلاق ہیں اور حضرت ملا علی ن القاری الحنفی رح لکھتے ہیں (واللفظ لہٗ) کہ :-

ثم اعلم ان الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمهم الله تعالیٰ احیانا و ذکر الحنفیة تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیه الصلوٰة والسلام یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ كذا فی المسامرة)

(مسایرہ مع المسامرہ ج ۲ ص ۸۸ طبع مصر و شرح فقہ اکبر ص ۱۸۵ طبع کانپور)

پھر جان لے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مغیبات کا علم نہیں رکھتے تھے مگر صرف اس قدر جتنا علم اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاناً عطا فرمایا ہے حضرات فقہاء احناف رح نے صراحت کے ساتھ ایسا اعتقاد رکھنے والے کی تکفیر کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرتا اور اس کا عقیدہ رکھتا ہو کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے سراسر منافی ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ ان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا ہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی غیب کا علم رکھتا ہے اور بس۔

اور حضرت ملا علی ن القاری رہ دوسرے مقام پر اس طرح لکھتے ہیں کہ:۔

وقد صرح علمائنا الحنفیۃ بتکفیر من اعتقد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب اھ (شرح شفاء ج ۲ ص ۴۶۹)	یہ تحقیق ہمارے علماء احناف نے صراحت کے ساتھ اس شخص کی تکفیر کی ہے جو یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب کا علم رکھتے ہیں۔

اور الامام عالم بن علائی الحنفی رہ (المتوفی ۶۸۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد النکاح ویکفر لاعتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔ (فتاویٰ تاتار خانیہ جو بحکم خان اعظم تاتار خان لکھا گیا۔	جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو گواہ قرار دے کر نکاح کیا تو نکاح منعقد نہ ہو گا اور وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ اس کا یہ اعتقاد کفر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

اور معروف فتاویٰ جواہر اخلاطیہ میں ہے کہ:۔

ان زعم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب یکفر فما ظنک بغیرہ (جواہر اخلاطیہ ج ص)	اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں تو وہ شخص کافر ہو جائے گا بھلا کسی دوسرے کے متعلق یہ عقیدہ رکھنے والا کیونکر مسلمان رہ سکتا ہے؟

علاوہ ازیں امام، فقیہ، حافظ، محدث، مفسر، محقق، مناظر، زاہد علی بن ابی بکر الحنفی رہ (المتوفی ۵۹۳ھ) صاحب ہدایہ اپنی کتاب تجنیس ص ۲۹ میں اور علامہ عدیم النظیر فرید الدہر مجتہد فی المسائل طاہر بن احمد الحنفی رہ (المتوفی ۵۴۲ھ) خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۵۷ میں اور فقیہ وقت جامع علوم امام عبد الرحیم الحنفی رہ (المتوفی ۶۵۰ھ) فصول عمادیہ ص ۶۲ میں اور عالم وقت امام محمد بن محمد الخوارزمی المشہور بالبزازی رہ الحنفی (المتوفی ۸۲۷ھ) فتاویٰ بزازیہ ص ۳۲۵ میں اور المحدث الکامل علامہ بدر الدین العینی الحنفی رہ (المتوفی ۸۵۵ھ) عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۵۲۰ میں اور علامہ ابن عابدین الشامی الحنفی رہ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) رد المحتار ج ۳ ص ۲۰۶ میں اور علامہ مفتی نصیر الدین الحنفی رہ (المتوفی ھ) فتاویٰ برہنہ ج ۱ ص ۱۲۳ میں اور اسی طرح دیگر معتبر اور مستند حضرات فقہاء احناف رہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل ہے یا آپ حاضر و ناظر ہیں تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ایسا شخص قطعاً کافر ہے۔ آخر میں ہم مفسر قرآن محدث نعمان بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفی رہ (المتوفی ۱۲۲۵ھ)

کی عبارات پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موصوف لکھتے ہیں کہ :-

" اگر کسے بدون شہود نکاح کرد و گفت خدا و رسول خدا را گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود " (مالابدمنہ ص۱۷۶)

اور نیز لکھتے ہیں کہ :-

" اگر کوئی کہے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر گواہ ہیں، وہ کافر ہو جاتا ہے "

(ارشاد الطالبین ص۲۰)

قارئین کرام ! آپ نے ملاحظہ کیا کہ حضرات فقہاء احناف رہ کا محتاط سنجیدہ اور متین گروہ (جو ضروریاتِ دین اور اصول دین کے منکر کے علاوہ کسی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتا اور اگر ایک کلمہ میں سو احتمال ہوں صرف ایک اسلام کا اور ننانوے کفر کے تو پھر بھی حضرات فقہاء کرام رہ مسلمان کے بارے میں حسن ظنی کرتے ہوئے اس کی تکفیر سے کف لسان ہی کرتے ہیں اور اس کو کافر نہیں کہتے کہ شائد اس کی مراد وہ پہلو ہو جو اسلام کا پہلو ہے الّایہ کہ وہ قائل خود ہی کفر کا پہلو متعین کر دے تو گذر چکا ہے کہ اس کو کسی مفتی کا فتویٰ نہیں بچا سکتا) کس بے باکی کے ساتھ بغیر خوف لومۃ لائم کے اس شخص کی تکفیر کی صراحت کرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرتا یا آپ کو حاضر و ناظر مانتا ہے۔ گویا حضرات فقہاء کرام رہ کے نزدیک یہ مسئلہ اصولِ دین سے بھی ہے اور ضروریاتِ دین سے بھی اور اس کا ماخذ نصوص قطعیہ بھی ہیں اور امت کا اجماع قطعی بھی۔ اور یہ مسئلہ ان کے نزدیک اتنا واضح، صاف اور بے غبار ہے کہ تکفیر کرتے وقت کسی قید اور شرط کا پیوند بھی ساتھ نہیں لگاتے۔ اگر اتنے روشن دلائل اور براہین کی موجودگی میں بھی کوئی شخص اپنے نفس کو دھوکہ دے کر اپنے نفس امارہ کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا تو ہمارے پاس اس کا کیا علاج ہے؟ ولقد صدق اللہ وھو اصدق الصادقین فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ :-

شکوہ کرنا ہو تو اپنا کر مقدر کا نہ کر ۔۔۔ خود عمل تیرا ہے صورت گر تری تصویر کا

حضرات فقہاء کرامؒ کی یہ صریح عبارات اور فریق مخالف کے رکیک جوابات

اِس دارِ فانی اور عالمِ آب و گل میں ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ سو فیصد قطعی اور حق بات کے جوابات بھی پیش کئے گئے ہیں اور اس پر اعتراضات کرنے والوں نے بزعم خود ایک نہیں بلکہ بیسیوں سوالات بھی اُٹھائے ہیں۔ کیا مشرکین نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا بزعم خود جواب نہیں دیا؟ اور کیا مشرکین عرب نے قرآنِ کریم کی نصوص قطعیہ کو ردّ نہیں کیا؟ اور کیا حدیث شریف پر اعتراضات نہیں کئے گئے؟ اور کیا حضرات صحابہ کرام رضؓ اور خصوصیت سے حضرات خلفاء اربعہ رضؓ کا ایمان روافض اور خوارج کے نزدیک مخدوش نہیں رہا؟ اور کیا ختمِ نبوت جیسے قطعی اور حتمی عقیدہ کو رد کر کے اجرائے نبوت کے خانہ ساز دلائل نہیں تراشے گئے؟ باطل پرستوں اور گمراہ فرقوں نے حق کو مٹانے کے لیے کیا کسر اٹھا رکھی ہے؟ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی یہ جوابات یا اعتراضات درست اور صحیح ہیں؟ کون احمق اس کو باور کرے گا کہ خدا تعالےٰ اور اسکے برحق رسُولوں کی پیش کردہ تعلیمات کے مقابلہ میں جوابات یا ان پر کئے گئے اعتراضات صحیح ہو سکتے ہیں؟ بعینہٖ اسی طرح فریقِ مخالف کیطرف سے حضرات فقہاء کرامؒ کی ان عبارات کے جوابات بھی تراشے گئے ہیں۔ مگر آپ دیکھیں گے کہ ان میں ایک جواب بھی کسی منصف مزاج کی تسکین قلب کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ ہم ان سوالات کو انکی اپنی عبارات میں نقل کر کے انکے جوابات عرض کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض کہ امام قاضیخاں رحؒ نے یہ مسئلہ لفظ قالوا سے بیان کیا ہے اور حضرات فقہاء کرام رحؒ کمزور اور ضعیف قول کو دوسروں پر محمول کرتے ہیں اور اپنی طرف سے اس کی نسبت کو پسند نہیں کرتے جیسا کہ شرح منیۃ المصلی اور شامی ج ۵ ص ۴۲۵ میں ہے (محصلہ۔ (مولوی احمد رضا خاں صاحب۔ بحوالہ علم غیب رسول ص ۱۷۱۔ اور دیکھئے جاء الحق ص ۱۲۶ وغیرہ)

جواب یہ اعتراض سراسر باطل اور مردود ہے۔ اولاً اس لیے لفظ قِیْلَ یا رُوِیَ وغیرہ تمریض کے صیغے سے امام قاضیخاں رحؒ نے یہ مسئلہ نہیں بیان کیا بلکہ لفظ قَالُوْا سے بیان کیا ہے جو جمہور حضرات فقہاء کرام رحؒ کے نزدیک بیان حال واقعی کے لیے آتا ہے جس میں پوری ذمہ داری سے وہ نقل کرتے ہیں، یہاں اکیلے دو اکیلے کی ذاتی رائے کا سوال نہیں ہے۔

وثانیاً اگر بالفرض امام قاضیخاںؒ کے نزدیک یہ قول ضعیف ہے تو کیا جن حضرات فقہاء کرامؒ سے امام قاضیخاںؒ نے یہ مسئلہ لفظ قالوا سے نقل کیا ہے، ان کے نزدیک بھی یہ ضعیف ہے؟

اور وہ بھی اس کے قائل نہیں؟ وہ تو بہرحال اس کے قائل ہیں اور ان کا یہ مفتی بہ قول ہے۔

وثالثاً اور کیا حافظ ابن ہمامؒ اور حضرت ملّا علی القاریؒ وغیرہ بھی لفظ قالوا استعمال کرتے ہیں؟ وہ تو پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ لکھتے ہیں کہ:۔

وذکر الحنفیة تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب (مسائرہ ج۲ ص۱۸۸ وشرح فقہ اکبر ص۱۸۵)

حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ اعتقاد کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل ہے، کفر ہے۔

اور حضرت ملّا علی القاریؒ کی یہ عبارت بھی نقل کی جا چکی ہے کہ:۔

وقد صرح علمائنا الحنفیة بتکفیر من اعتقد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔ (شرح شفاء)

بہ تحقیق ہمارے حضرات علماء حنفیہ رحمہم اللہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا تو وہ کافر ہے۔

دیکھا آپ نے کہ کس تصریح اور ذمہ داری سے یہ دونوں بزرگ یہ بات بیان کر رہے ہیں اور غور تو کیجئے کہ کس صراحت اور وضاحت سے حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ سے یہ مسئلہ نقل فرماتے ہیں کہ یہ عقیدہ کفر ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا۔ رہا مفتی احمد یار خان صاحب کا یہ کہنا کہ مخالفین بھی تو حضور علیہ السلام کو بعض علم غیب مانتے ہیں، لہٰذا وہ بھی کافر ہوئے۔ کیونکہ ان عبارات میں کُل یا بعض کا تو ذکر ہی نہیں الخ (جاء الحق ص۱۲۶) تو یہ مفتی صاحب کی نری جہالت ہے۔ پہلے با دلائل یہ بات گذر چکی ہے کہ جزئیاتِ غیب میں کسی کا کوئی جھگڑا نہیں ہے اور مطلق الغیب سے علمِ کلی ہی مراد ہے کیونکہ یہی فردِ کامل ہے اور اسی کو حضرات فقہاء کرامؒ پیشِ نظر رکھ کر ایسا عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر کرتے ہیں۔

ورابعاً ہم نے جو متعدد حوالجات سپردِ قلم کئے ہیں، ان میں تو انہوں نے امام قاضی خانؒ کی طرح لفظ قالوا استعمال نہیں کیا۔ کیا یہ سب عبارتیں فریقِ مخالف کے نزدیک ضعیف ہیں؟ اور ناپسندیدہ ہونے کی بنا پر قابلِ رد ہیں؟ اگر یہی حال ہے تو بتلائیے کہ فقہ حنفی کی کتابوں پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے؟ مگر جواب ہوش و حواس سے دینا ہو گا، بیّنوا توجروا

دُوسرا اعتراض

کہ بعض حضرات فقہاء کرامؒ نے اس تکفیر کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گواہوں کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مِنکُم (تمہاری جنس سے آدمی

اور السان) ہوں اور جو شخص خدا تعالیٰ اور فرشتوں کو گواہ بناتا ہے تو گویا اس معہود طریقہ کے علاوہ ایک اور طریقہ نکاح کی حلّت سمجھتا ہے، لہٰذا وہ کافر ہے۔

(علم غیب رسول ص۱۷۹ اور مقیاس حنفیت ص۴۷۷ وغیرہ)

جواب یہ تاویل قطعاً باطل اور مردود ہے۔ اس لیے کہ حضرات فقہاء کرامؒ نے بطریق مذکور نکاح کرنے والے کی تکفیر کی خود وجہ بھی بیان کی ہے اور انہوں نے اس کی تصریح کی ہے کہ وہ شخص صرف اور صرف اس لیے کافر ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہونے کا اعتقاد کیا ہے۔ حالانکہ آپ کو زندگی میں علم غیب حاصل نہ تھا تو وفات کے بعد آپ کو علم غیب کہاں سے اور کیونکر حاصل ہو گیا؟ تمام حضرات فقہاء کرامؒ کی عبارات میں تکفیر کا مرکزی نقطہ ہی صرف یہ ہے، دوبارہ عبارات کا مطالعہ کر لیجئے کہ حضرات فقہاء کرام کیا فرماتے ہیں۔ غیر جنس کے گواہوں کا حضرات فقہاء کرامؒ کی ان عبارات کے ساتھ مطلقاً کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے جو یقیناً مردود ہے۔

تیسرا اعتراض کہ حضرات فقہاء کرامؒ نے ایسے شخص کی تکفیر محض تشدید اور تخویف کے طور پر کی ہے۔

جواب اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب اور حاضر و ناظر کی صفت ثابت کرنا گناہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء کرامؒ نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے تو ہمارا مسئلہ پھر بھی واضح ہے کہ یہ عقیدہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا یا آپ حاضر و ناظر ہیں ہرگز اسلامی عقیدہ نہیں ہے، ورنہ حضرات فقہاء کرام نہ تو اس کو گناہ سمجھتے اور نہ تشدیداً تکفیر ہی کرتے، کفر نہ بھی سہی، بہر حال اتنا تو قطعاً اور یقیناً ثابت ہے کہ یہ عقیدہ ہرگز اسلامی نہیں ہے اور اگر مطلب یہ ہے کہ یہ عقیدہ تو اسلامی ہے مگر حضرات فقہاء کرامؒ نے بلا وجہ تکفیر کی ہے تو یہ تمام حضرات فقہاء احنافؒ خود کافر اور مرتد ہو گئے کیونکہ وہ ایک مسلمان کو جو اسلامی عقیدہ رکھتا ہے کافر کہتے ہیں اور مسلمان کو کافر کہنا بجائے خود کفر ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) کیا واقعی فریق مخالف کے نزدیک یہ حضرات فقہاء کرامؒ کافر اور مرتد ہیں؟ نیز اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنا اسلامی ہے۔ تو حضرات فقہاء کرامؒ نے تکفیر کی طبع آزمائی اس مسئلہ پر کیوں کی ہے؟ تشدیداً یہ کیوں نہیں

کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں اور پیغمبروں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والا بلکہ ہر قسم کا اسلامی عقیدہ رکھنے والا اور ہر قسم کی نیکی کرنے والا کافر ہے؟ اور پھر حضرات فقہائے کرامؒ سے پوچھئے کہ آپ نے زانی، شرابی، چور، کاذب اور دیگر جرائم پیشہ مجرموں کو کیوں کافر نہیں کہا؟ کیا آپ کو صرف تکفیر کے لیے صرف علم غیب اور حاضر و ناظر ہی کا مسئلہ دستیاب ہوا ہے۔ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

تنبیہ یہ بات پہلے باحوالہ صراحت کے ساتھ عرض کر دی گئی ہے کہ حضرات فقہاء کرام رح مسئلہ تکفیر میں بڑی احتیاط کرتے ہیں اور اصول دین اور ضروریات دین کے بغیر جو قطعیات سے ثابت ہیں کسی اور مسئلہ میں اور خصوصاً عملی ذنوب اور آثام میں تکفیر نہیں کرتے چنانچہ سراج الائمہ حضرت امام ابوحنیفہؒ المتوفی (۱۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

• ولا نکفر اهل القبلة بذنب — ہم اہلِ قبلہ کی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے

(بحوالہ شرح التحریر ج ۳ ص۲۱۸ ونحوہ فی فقہ اکبر ص۸۶ مع الشرح)

اور وکیل احناف حضرت امام طحاوی رح ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

ولا نکفر احدًا من اهل القبلة بذنب مالم یستحله (عقیدۃ الطحاوی ص۵) — ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے جب وہ اسے حلال نہ سمجھیں۔

اور حضرت ملا علی ن القاریؒ حضرات فقہاء کرام رح سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

بانا لا نکفر احدا بذنب بل یقال لا نکفرهم بکل ذنب کما یفعله الخوارج (شرح فقہ اکبر ص۲۰۰) — ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ہم خوارج کی طرح ہر گناہ میں تکفیر نہیں کرتے۔

اور حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح لکھتے ہیں کہ:۔

ونحن اذا قلنا اهل السنّة متفقون علی انه لا یکفر بالذنب فانما نرید به المعاصی کالزنا والشرب اھ (کتاب الایمان ص۱۲۱) — ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جاتی تو ہماری مراد اس سے (عقائد نہیں بلکہ) معاصی اور گناہ ہیں، مثلاً زنا اور شراب نوشی وغیرہ۔

یہ عبارات اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ حضرات اہل سنت والجماعت اہل قبلہ میں سے کسی کی محض کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے بلکہ وہ صرف ضروریات اور قطعیات سمعیہ کے منکر کی تکفیر کرتے ہیں اور مسئلہ زیر بحث بھی حضرات فقہاء کرام رح کے نزدیک محض معاصی کی مد میں نہیں بلکہ ضروریات اور قطعیات کی مد میں ہے جس میں حضرات فقہاء کرام رح تکفیر کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے۔

چوتھا اعتراض بعض حضرات فقہاء کرام رح نے لکھا ہے کہ چونکہ اُمت کے اعمال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کئے جاتے ہیں لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اس شخص کا یہ قول بھی آپ پر پیش کیا جائے لہٰذا قائل کافر نہ ہوگا۔

(علم غیب رسول ص۱۶۹ و جاء الحق ص۱۲۶ وغیرہ)

جواب عرض اعمال کی حدیث اپنی جگہ جید اور صحیح ہے جیسا کہ بقدر ضرورت اُسکی بحث پہلے گذر چکی ہے لیکن جن لوگوں نے عرض اعمال کی حدیث کو آڑ بنا کر حضرات فقہاء کرام رح کی ان عبارات کی بے جا تاویل کی ہے۔ انہوں نے حضرات فقہاء کرام کی عبارات کی بے جا تاویل کی ہے اور تاویل بھی ایسی جس کا نہ ان عبارات سے تعلق اور نہ جوڑ بلکہ انہوں نے حضرات فقہاء کرام رح کی عبارات پر مطلقاً غور ہی نہیں کیا، کیونکہ حضرات فقہاء کرام رح تو یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اس لیے کافر ہے کہ:۔

لانہ یعتقد بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب اذ لا شہادۃ لمن لا علم لہ بہ — اُس شخص نے یہ عقیدہ قائم کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، کیونکہ جسکو علم نہ ہو وہ گواہ بھی نہیں بن سکتا۔

مُلّا جیون ؒ فرماتے ہیں انہ شرط للشہادۃ العلم (تفسیرات احمدیہ ص۴۲۶) کہ شہادت کے لیے علم شرط ہے۔

اور قائل خود بیچارہ چلا چلا کر یہ کہتا ہے کہ:۔

تزوجتک بشہادۃ اللہ ورسولہ الخ — کہ میں تیرے ساتھ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کو حاضر سمجھ کر نکاح کرتا ہوں۔

اور حضرات فقہاء کرام رح اس کے عقیدہ اور نظریہ کی یوں تعبیر کرتے ہیں کہ:۔

لو تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ الخ — اگر اُس نے خدا تعالیٰ اور اُسکے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کیا۔

اور نیز وہ بہانگِ دہل یہ کہتا ہے کہ خدائے را و رسولِ خدا را گواہ کردم، کہ میں اس مجلسِ نکاح میں جناب رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر تسلیم کرتا ہوں اور گواہ بناتا ہوں۔ بالفاظِ دیگر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرتا ہوں۔ کیونکہ جو حاضر نہ ہو اس کو علم کہاں سے ہوگا ؟ انعقادِ نکاح کے لیے گواہوں کا مجلس میں حاضر ہونا شرعاً ضروری ہوتا ہے (شہادت علی التسامع وغیرہ کا یہ مسئلہ نہیں ہے اس کی ضروری بحث تبرید النواظر میں ملاحظہ کیجئے) اور تاویل کرنے والے حضرات یہ کہتے ہیں کہ شاید قائل کی یہ بات جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کی گئی ہو اور آپ کو اس کا علم ہوگیا ہو؟ کیونکہ اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں تو اس توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کو کون سنتا ہے ؟ یہی وجہ ہے کہ ذمہ دار حضرات فقہاء احناف اس لایعنی اور بے کار توجیہ کو خاطر میں نہیں لاتے اور پوری ذمہ داری سے ایسے شخص کی تکفیر کرتے ہیں۔

پانچواں اعتراض کہ حضرات فقہاء کرام نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ذاتی طور پر علم غیب ثابت کرتا ہو جس پر دلیل نہ ہو اور ہم عطائی علم غیب کے قائل ہیں۔ (محصلہ علم غیب رسول ص۱۷۳ وجاء الحق ص۱۲۸ ومقیاس ص۲۷۷)

جواب یہ تاویل یا جواب بھی محض باطل ہے۔ اولاً اس لیے کہ اگر واقعی علم غیب ذاتی کی بناء پر حضرات فقہاء کرام ایسے شخص کی تکفیر کرتے تو ان کی نظر بصیرت بڑی دُور رس ہوتی ہے وہ ہر مسئلہ میں اس کی جملہ شرائط وقیود وحدود کو ملحوظ رکھ کر اور ان کو بیان کرکے فتوی صادر فرماتے ہیں اور اس مقام پر انہوں نے ایسی کوئی شرط نہیں بیان کی اور نہ اس کی طرف کوئی ہلکا سا اشارہ ہی کیا ہے۔ صرف یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے۔ فریق مخالف کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ اپنی خانہ زاد قیود سے حضرات فقہاء کرام کی عبارات کو جکڑے ؟

علاوہ ازیں یہ بات بھی اچھی طرح قابلِ غور ہے کہ فریق مخالف تو حضرات فقہاء کرام کی ان عبارات کو بزعم خود ضعیف اور کمزور سمجھتا ہے کہ کبھی تو لفظ قالوا کو ضعیف اور مرجوح قرار دیتا ہے (دیکھئے علم غیب رسول ص۱۷۸ وجاء الحق ص۱۲۶ وغیرہ) اور کبھی لفظ قیل سے اس کا ضعف ثابت کرتا ہے جو شامی میں ایک جگہ آیا ہے (دیکھئے جاء الحق ص۱۲۶ وغیرہ) مگر ہمارا استدلال لفظ قیل سے نہیں ہے۔ ہم نے تو حضرات فقہاء احناف کی صاف اور بالکل واضح تصریحات پیش کی ہیں مگر دیکھنا یہ ہے اگر فریق مخالف کے نزدیک حضرات فقہاء کرام کی یہ عبارتیں علم ذاتی سے متعلق ہیں، تو معلوم یہ ہوا کہ گویا مخالفین کے نزدیک ذاتی علم غیب

کے قائل کو بھی کافر کہنا ضعیف و مرجوح ہے اور غیر مفتیٰ بہ قول ہے۔ تعجب اور حیرت ہے اس منطق پر پہلے ذاتی اور عطائی کے باب میں گذر چکا ہے کہ غیر اللہ کے لیے ایک حرف ذاتی علم کا تسلیم کرنا بالاتفاق فریقین کفر ہے (محصلہ)

باقی حضرات فقہاء کرام رہ میں سے جنہوں نے تکفیر نہیں کی تو ان کی عبارات کا مفاد بھی صرف یہی ہے کہ اگر کوئی شخص بعض علم غیب کا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ کافر نہ ہوگا چنانچہ مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ نے الحجۃ اور الملتقط وغیرہ سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ:

وان الرسل یعرفون بعض الغیب اھ — حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بعض غیب جانتے تھے۔ (جاء الحق صـ۱۲۶)

لہٰذا وہ شخص کافر نہ ہوگا۔ لیکن جو شخص علم غیب کلی کا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ بہر حال کافر ہوگا اور اس میں حضرات فقہاء کرام رہ کا مطلقاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جیسا کہ تصریحات حضرات فقہاء کرام رہ سے یہ تکفیر نقل کی جا چکی ہے۔ مولوی محمد عمر صاحب کی مغالطہ آفرینی اور خود فریبی دیکھئے کہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا وہابی انکار کرتے ہیں اور احناف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے تمام عالمین کا علم غیب حاصل ہونا مانتے ہیں۔ اب تم سوچو کہ تم حنفی ہو یا وہابی؟" بلفظہٖ (مقیاس صـ۲۹)

حضرات فقہاء احناف رہ کی ان صریح عبارات کے پیش نظر مولوی محمد عمر صاحب کو خود سوچنا چاہیئے کہ وہ مسلمان بھی ہیں یا نہیں؟ ع کلک ما نیز زبانے و بیانے دارد؟

ہمارا فریق مخالف سے مطالبہ ہے کہ وہ کم از کم دو ذمہ دار اور معتبر حضرات فقہاء احناف رہ کے حوالے پیش کرے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں ذاتی علم غیب کی قید لگائی ہے! کیا ہے کوئی مرد میدان جو اس علمی اُدھار کو ختم کرے؟ — دیدہ باید۔

باقی احمد رضا خان صاحب وغیرہ کو حنفی تصور کر کے ان کے حوالوں سے فریق مخالف شوق سے اپنے دلِ ماؤف کو تسکین دیتا ہے لیکن ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں ہے۔

وثانیاً ہم اسی کتاب میں ذاتی اور عطائی کے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنا وجود مبارک بھی ذاتی نہیں تو علم وغیرہ کی صفت ذاتی کہاں سے ہوگی؟ اور اگر علم غیب ذاتی

وجہ تکفیر ہے تو آپ کی نبوت اور رسالت وغیرہ بھی تو ذاتی نہیں بلکہ خداوند عزیز کا خالص عطیہ ہے لہٰذا اس میں اور اس میں کوئی بیّن وجہِ فرق بیان کرنی چاہیئے کہ اس میں ذاتی اور عطائی کا سوال حضرات فقہاء کرام رح نے کیوں پیشِ نظر نہیں رکھا؟ اور کیوں یہ نہیں کہہ دیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبی اور رسول کہنے والا کافر ہے۔ کیونکہ آپ کی نبوت ذاتی تو نہ تھی بلکہ عطائی تھی۔ وعلیٰ ہذا القیاس اگر کوئی مرتد یہ کہتا ہو کہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد مستقل اور تشریعی نبی تو کسی کو تسلیم نہیں کرتا مگر امتی نبی اور غیر تشریعی نبی آسکتا ہے، کیا ایسا شخص فریقِ مخالف کے نزدیک مسلمان رہے گا؟ اگر رہے گا تو کس دلیل سے؟ اسی طرح اگر ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر الٰہ و خالق کائنات اور معبود تسلیم کرتا ہوں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یا کسی اور بزرگ ہستی کو عطائی طور پر الٰہ و خالق جہان اور معبود تسلیم کرتا ہوں تو کیا ایسا شخص مسلمان رہے گا؟ اگر رہے گا تو کس دلیل سے؟ اور اگر مسلمان نہ رہے گا تو کیوں؟ اس نے تو اللہ تعالیٰ کا ذاتی خاصہ تو کسی میں تسلیم نہیں کیا تاکہ کفر اور شرک لازم آئے۔

وثالثاً اللہ تعالیٰ کی صفات کے دو پہلو اور دو شقیں ہیں، ذاتی و محیط تفصیلی اور ان میں سے کسی پہلو اور شق کو بھی غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا قطعاً شرک اور یقیناً کفر ہے۔ الغرض فریقِ مخالف کی طرف سے حضرات فقہاء کرام کی ان عبارات کا کوئی معتدبہ جواب نہ تو آج تک ہو سکا ہے اور نہ تا قیامت ہو سکے گا۔ طبع آزمائی شرط ہے۔ دیدہ باید۔

فریقِ مخالف سے مطالبہ

ہم فریقِ مخالف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ کم از کم دو حوالے صرف حضرات فقہاء احناف رح کے اس مسئلہ پر پیش کردے کہ جو شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کلی نہیں مانتا اور اس کا عقیدہ نہیں رکھتا تو وہ کافر ہے۔ کیا ہے کوئی مردِ میدان۔ فَهَلْ مِنْ مُبَارِزٍ؟

اخبارِ غیب اور انباءِ غیب کا مسئلہ محل نزاع نہیں ہے، اور نہ مولوی احمد رضا خان صاحب جیسے بدعت نواز حنفی ہیں۔ یہ بات بگوشِ ہوش سن لیں اور تا قیامت پوری جماعت طبع آزمائی کر دیکھے۔

عام حضرات مشائخ رح کے بارے میں حاضر و ناظر اور علم غیب کا عقیدہ

پہلے جو بحث گذری ہے وہ یہ تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے بارے میں علمِ غیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ غیر اسلامی ہے اور نصوص قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ اور اجماعِ اُمّت کے خلاف ہے حتیٰ کہ حضرات فقہاءِ احنافؒ نے ایسا عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر کی ہے۔ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے تو کسی اور کے بارے میں ایسا عقیدہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اگرچہ ان عبارات کے بعد مزید کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی مگر محض تکمیل فائدہ کے لیے ہم ذمہ دار حضرات فقہاء احناف رح کے حوالے سے عرض کرتے ہیں کہ وہ بصراحت یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر (فتاویٰ بزازیہ ج۶ ص۳۲۶ وبحر الرائق ج۵ ص۱۲۵ و مجموعۂ فتاویٰ ج۱ ص۳۵ وج۳ ص۵)

جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہوتی اور ہمارے حالات کو جانتی ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔

مشائخ کا لفظ ایسا جامع اور وسیع ہے کہ اس میں حضرات صحابہ کرامؓ، اولیاءؒ اور شہداءؒ علماءؒ وغیرہم سبھی داخل ہیں اور اس عبارت میں صراحت کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ بزرگانِ دین کی ارواح کو حاضر و ناظر سمجھنا اور ان کے لیے ہر جگہ کے حالات کا علم ثابت کرنا کفر ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ کہنے والے بھی ذمہ دار حضرات فقہاء احنافؒ ہیں۔ حضرات فقہاء کرامؒ متکلمینؒ اور ائمہ دینؒ نے اس امر کی بھی تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے لیے علمِ غیب کا دعوےٰ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ چنانچہ امام شدادؒ بن حکیمؒ (المتوفی ۲۱۰ھ) کا ایک خاص موقع پر ایک مخصوص قسم کا جھگڑا اپنی بیوی سے پیش آیا۔ بیوی نے ان پر الزام لگایا کہ آپ نے ایسا کیا ہے۔ شدادؒ نے کہا میں نے ایسا نہیں کیا۔ جب بیوی بضد ہوئی تو:۔

قال لها شداد تعلمين الغيب فقالت نعم فوقع فى قلب شداد من هذا شيئ فكتب الى محمدؒ بن الحسنؒ فاجاب محمدؒ بن الحسنؒ ان جدد النكاح فانها كفرت۔ (جواہر المضیئہ ج۱ ص۲۵۶ وفتاویٰ قاضی خان ج۴ ص۸۸۳)

شدادؒ نے کہا کیا تو غیب جانتی ہے؟ وہ بولی، ہاں، غیب جانتی ہوں۔ شدادؒ کے دل میں اس سے شبہ پیدا ہوا تو انہوں نے حضرت امام محمدؒ کو خط لکھا، انہوں نے جواب دیا کہ چونکہ تمہاری بیوی کافر ہو چکی ہے لہٰذا نکاح کی تجدید ہوگی۔

حضرت امام محمدؒ نے ذاتی اور عطائی کا کوئی سوال نہیں اٹھایا اور مطلق دعوائے علمِ غیب کو کفر قرار دیا ہے اور تجدید نکاح کا فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ بناءً علیہ حنفی ہی بتائیں کہ امام محمدؒ کا اور ان کے فتویٰ کا فقہ حنفی میں کیا مقام اور درجہ ہے؟

امام قاضی خانؒ لکھتے ہیں کہ :-

امرأة قالت لزوجها تو سرتر خدا دانی ؟ فقال نعم قال الشیخ الامام ابوبکر محمدؒ بن الفضلؒ یکفر الرجل لان السر والغیب واحد و من ادعیٰ علم الغیب کان کافرا۔
(قاضی خان ج ۲ ص۸۸۳)

کسی عورت نے اپنے خاوند سے کہا کیا تو خداوند تعالیٰ کا راز اور بھید جانتا ہے ۔ وہ بولا ہاں جانتا ہوں ، تو الشیخ الامام ابوبکر محمدؒ بن الفضل رہ نے فرمایا کہ وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ سر اور غیب ایک ہی چیز ہے اور جس نے علم غیب کا دعوےٰ کیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

یہاں بھی ذاتی اور عطائی کا بے بنیاد فرق نہیں چھیڑا گیا کیونکہ یہ فرق جس معنیٰ میں فریق مخالف لیتا ہے یہ ان کا اپنا خانہ زاد ہے ۔ حضرات فقہاءِ کرامؒ کے کان اس سے یقیناً ناآشنا ہیں ۔

علامہ صدرالدین الحنفی رہ لکھتے ہیں کہ :-

ومن ادعیٰ علم الغیب کان من الکافرین
(شرح عقیدۃ الطحاوی ص۱۹۷)

اور جس نے بھی علم غیب کا دعویٰ کیا تو وہ کافروں کے زمرہ میں شامل ہو جائے گا۔

اور علامہ تفتازانی رہ لکھتے ہیں کہ :-

ولهذا ذکر فی الفتاوی ان قول القائل عند رؤیة هالة القمر یکون مطر مدعیا علم الغیب لا بعلامة کفر
(شرح عقائد ص۱۲۲)

یہی وجہ ہے کہ فتاویٰ میں ذکر کیا گیا ہے کہ کسی قائل کا چاند کے اردگرد حلقہ دیکھ کر یہ کہنا کہ بارش ہوگی اگر علم غیب کے دعوے کی وجہ سے ایسا کہتا ہے تو کفر ہے اور اگر اس علامت سے کہتا ہے تو کفر نہیں ہے ۔

اور علامہ ابن نجیم الحنفی رہ لکھتے ہیں کہ :-

بخلاف ادعاء علم الغیب فانه کفر (بحر الرائق ج ۵ ص۱۱۶)

بخلاف دعوائے علم غیب کے کیونکہ وہ خالص کفر ہے ۔

ان تمام عبارات سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اپنے لیے بھی علم غیب کا دعویٰ (عام اس سے کہ وہ مدعی مولوی ہو یا پیر ہو) خالص کفر ہے اور ایسے مدعی کی اور خصوصیت سے گمشدہ اشیاء اور چوری وغیرہ میں منجم اور کاہن (جو غیب کی خبریں بتانے کا مدعی ہے) وغیرہ کی تصدیق کرنا بھی کفر ہے ۔ صریح حدیث کے علاوہ عقائد وغیرہ کی کتابوں میں بھی اس امر کی تصریح موجود ہے ۔ چنانچہ علامہ نجم الدین ابوحفص عمرؒ بن محمدؒ النسفی الحنفی رہ (المتوفی ۵۳۷ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وتصديق الكاهن بما يخبره عن الغيب كفر (عقائد نسفی مع الشرح ص۱۲۲)

کاہن کی ان امور میں تصدیق کرنا جن میں وہ غیب کی خبریں بتاتا ہے، خالص کفر ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقال یوسف الرعینیؒ اجمع العلماء بالقیروان علی ان حال بنی عبید حال المرتدین والزنادقة لما اظهروا من خلاف الشریعة وقال ابن خلکانؒ وقد کانوا یدعون علم المغیبات واخبارهم فی ذالك المشهورة حتی ان العزیز صعد یوما المنبر فرأی ورقة فیها مکتوب۔

یوسف رعینی رہ کہتے ہیں کہ ملک قیروان کے علماء کا اس پر اجماع واقع ہو چکا تھا کہ بنو عبید کا حال مرتدوں اور زندیقوں کا سا ہے، کیونکہ انہوں نے خلافِ شرع باتیں ظاہر کی تھیں۔ علامہ ابن خلکانؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے مغیبات کے علم کا دعویٰ بھی کیا تھا اور اس دعوائے علمِ غیب میں ان کے واقعات بڑے مشہور ہیں۔ چنانچہ ایک دن (حاکمِ وقت) عزیز نے جب منبر پر قدم رکھا تو منبر پر اسے ایک رقعہ ملا جس میں یہ شعر لکھے ہوئے تھے:۔

شعر:۔

بالظلم والجور قد رضینا
ولیس بالکفر والحماقة
ان کنت أعطیت علم الغیب
بیّن لنا کاتب البطاقة
(تاریخ الخلفاء ص۸)

ہم (بامرِ مجبوری) ظلم و جور پر تو راضی ہو گئے ہیں مگر کفر اور حماقت پر راضی نہیں ہو سکتے۔
اگر تجھے واقعی علمِ غیب عطا کیا گیا ہے (جیسا کہ تیرا دعوےٰ ہے) تو ہمیں تو ہی بتا دے کہ یہ رقعہ کس نے لکھا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علمِ غیب صرف خاصۂ خداوندی ہے۔ ماسویٰ اللہ تعالیٰ کے لیے علمِ غیب کا دعویٰ تمام علماءِ اسلام کے نزدیک کفر ہے۔ عام اس سے کہ کوئی شخص حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے علمِ غیب کا دعوےٰ کرے یا حضرات مشائخ عظامؒ کے لیے یا خود اپنے لیے یا کسی اور کے لیے اور ان میں سے ایک ایک امر کا باقاعدہ ثبوت ہم حوالوں سے عرض کر چکے ہیں اور یہی ایک مسلمان اور مومن کا عقیدہ ہونا چاہیئے اور نجات بھی صرف اسی میں ہے: ؎ "حرفِ محبت نہ ترکی نہ تازی"

حضرات علماءِ دیوبند اور مسئلہ علمِ غیب

فقہاءِ احنافؒ کے حوالے تو قارئینِ کرام نے ملاحظہ کر ہی لیے ہیں، اب ہم اکابرین علماءِ دیوبند کے صرف چند

فتوے جن پر تمام ذمہ دار اور اکابرین علماءِ دیوبند کے دستخط ثبت ہیں۔ عرض کرتے ہیں تاکہ ایک طرف تو ان لوگوں کی آنکھیں روشن ہو جائیں جو یہ کہتے ہیں کہ دیوبندی حنفی نہیں ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) اور دوسری طرف ان لوگوں کو سوچنے کا موقع مل سکے جو اکابرین علماءِ دیوبند کے عقیدہ کو کما حقہٗ، تاہنوز نہیں سمجھے۔

فتاویٰ رشیدیہ میں ایک سائل کے چند سوالات مذکور ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے :-

پنجم۔ بعض لوگ انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم غیب ماسوی اللہ اس آیت سے جو سورۂ "قُلْ اُوْحِیَ" میں ہے (عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ آلایتہ) ثابت کرتے ہیں اور دلیل اس آیت کو گردانتے ہیں، مسلمانوں کو ایسا عقیدہ رکھنا درست ہے یا نہیں اور معتقد کافر ہو گا یا نہیں؟ (بلفظہٖ، فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص۵)۔

اس کے جواب میں لکھا ہے کہ :-

۵ علم غیب میں تمام علماء کا عقیدہ اور مذہب یہ ہے کہ سوائے حق تعالیٰ کے اس کو کوئی نہیں جانتا وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی کے پاس علم غیب کا ہے کہ کوئی نہیں جانتا اس کو سوائے اُس کے۔ پس اثبات علم غیب غیر حق تعالیٰ کو شرک صریح ہے۔ مگر ہاں جو بات کہ حق تعالیٰ اپنے کسی مقبول کو بذریعہ وحی یا کشف بتا دیوے وہ اس کو معلوم ہو جاتا ہے، اور پھر وہ مقبول کسی کو خبر دیوے تو اس کو بھی معلوم ہو جاتا ہے جیسا علم جنت اور دوزخ اور رضا وغیرہا کا حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بتلا دیا اور پھر انہوں نے اُمت کو خبر دی۔ چنانچہ اس آیت سورہ جن سے معلوم ہوا۔ سو حاصل اس آیت کا یہ ہوا کہ جس غیب امر کی خبر حق تعالیٰ اپنے مقبول کو دیوے تو اُس کی خبر اس کو ہو جاتی ہے، نہ یہ کہ تمام مغیبات حق تعالیٰ کے نبی کو کشف ہو جاتے ہیں کیونکہ اگر یہ معنی اس کے ہو دیں کہ تمام علم غیب رسول کو معلوم ہو جاتا ہے تو دوسری آیت صاف اس کے خلاف کہہ رہی ہے قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ (ترجمہ) "کہہ دے کہ میں نہیں مالک اپنے نفس کے واسطے کسی نفع اور کسی ضرر کا مگر جو خدا تعالیٰ چاہے اور جو میں غیب کو جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور کوئی برائی مجھ کو نہ لگتی"۔ پس صاف روشن ہو گیا کہ مغیبات آپ کو معلوم نہیں، اپنا نفع اور ضرر بھی آپ کے اختیار میں نہیں تو یہ عقیدہ البتہ خلاف نص قرآن کے شرک ہوا۔ خود دوسری آیت میں موجود ہے لَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ (ترجمہ) میں نہیں جانتا کہ کیا کیا جاوے گا میرے ساتھ اور تمہارے

ساتھ۔ پس صاف ظاہر ہوگیا کہ رسول علیہ السلام کو ہرگز علم غیب نہیں مگر جس قدر اطلاع دی جاوے اور اس پر بہت آیات و احادیث شاہد ہیں، تو خلاف اس عقیدہ کے کرنا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب غیب کو جانتے ہیں شرک قبیح جلی ہووے گا۔ معاذ اللہ، حق تعالیٰ سب مسلمانوں کو ایسے عقیدۂ فاسدہ سے نجات دیوے آمین۔ پس ایسے عقیدہ والا مشرک ہوا، اور جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا، اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں۔ بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے اور جو یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں، مگر کلمہ مشابہ بکفر ہے، البتہ اگر اس کلمہ کو درود شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ کرے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے پیش عرض کرتے ہیں تو درست ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ملائکہ درود بندۂ مومن کا آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں، اور ایک صنف ملائکہ کی اسی خدمت پر ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الراجی ربہ رشید احمد گنگوہی

رشید احمد
۱۳۰۱

الاجوبۃ صحیحۃ۔ ابو الخیرات سید احمد
مدرس دوم، مدرسہ عالیہ دیوبند

سید احمد

الاجوبۃ صحیحۃ۔ محمد یعقوب النانوتوی
عفی عنہ۔ مدرس اول، مدرسہ عالیہ دیوبند

محمد یعقوب

الاجوبۃ صحیحۃ۔ احمد ہزاروی عفی عنہ

احمد

الاجوبۃ کلہا صحیحۃ
عزیز الرحمٰن دیوبندی

وتوکلی علی العزیز الرحمٰن

الاجوبۃ صحیحۃ
عبد اللہ الانصاری عفی عنہ

عبد اللہ انصاری

الاجوبۃ کلہا صحیحۃ
ابو المکارم محمد اسحاق فرخ آبادی عفی عنہ

محمد اسحاق

الاجوبۃ صحیحۃ محمد محمود عفی عنہ
مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند

الٰہی عاقبت محمود گرداں

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۷، ۸، ۹)

دوسرا فتویٰ مع جوابات کے یوں منقول ہے:۔

استفتاء کیا فرماتے ہیں علماء محققین احناف رحمہم اللہ مسئلہ ہذا میں کہ زید کہتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا کل غیب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا تھا اور اب بھی آپ مخلوق کے ہر ایک حال ظاہر و باطن خیر و شر سے بخوبی واقف ہیں یہاں تک کہ مچھر کے پَر ہلانے کا بھی آپ کو علم ہو جاتا ہے اور ہر ایک کی آواز خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں بذاتِ خود سن لیتے ہیں پس یہ عقیدہ کیسا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والا مذہب احناف اور کتب معتبرہ حنفیہ کی رو سے مسلمان رہا یا کافر مشرک ہوگیا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا معتقد ہے۔ سادات حنفیہ کے نزدیک قطعاً مشرک و کافر ہے (اس قول پر حاشیہ میں یہ عبارت درج ہے ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضوعات کبیر صـ۱۱۹ میں تحریر فرمایا ہے ومن اعتقد تسویۃ علم اللہ تعالیٰ ورسولہ یکفر اجماعاً کما لا یخفیٰ انتہیٰ بلفظہ۔ صفدر) صاحب بحر الرائق کتاب النکاح میں صاف تحریر فرماتے ہیں کہ جو کوئی نکاح کے شاہدین اللہ اور رسول اللہ مقرر کرے اور اعتقاد یہ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں، وہ یقیناً کافر ہے، اور مشرک تو اسی کو کہتے ہیں کہ کسی مخلوق کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کسی وصف ذاتی مثل علم کے اور قدرت کے یا عبادت کے شریک کرے اس واسطے کہ اشراک فی الذات یعنی تعدّد آلہہ کا قائل تو بہت ہی کم ہوا ہوگا۔ شامیؒ نے رد المحتار کی کتاب الارتداد میں صاف طور سے ایسے عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر کی ہے، اور یہ جو کہتے ہیں کہ علم غیب بجمیع اشیاء آنحضرتؐ کو ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے سو محض باطل اور خرافات میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محشر میں بھی بعض لوگوں میں قابلِ سقی ما کوثر ہونے کا احتمال اور باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ اخرج البخاری الحدیث فقط

الجواب صحیح
اصاب المجیب عزیز الرحمٰن عفی عنہ
مفتی مدرسہ عالیہ دیوبند

اصاب من اجاب
محمد ریاض الدین عفی عنہ
مدرسہ اسلامیہ میرٹھ

وتوکل علی العزیز الرحمٰن

محمد ریاض الدین

بندہ محمود عفی عنہ مدرس اوّل مدرسۃ عالیہ دیوبند — الجواب صحیح

الٰہی عاقبت محمود گرداں

خلیل احمد عفی عنہ مدرس اول مدرسۃ مظاہر العلوم سہارنپور

خلیل احمد

ناظر حسن دیوبندی — محمد ناظر حسن

الجواب صواب

عبد المومن مدرس مدرسۃ میرٹھ

عبد المومن

الجواب صحیح

خاکسار سراج احمد عفی عنہ میرٹھ

سراج احمد

ھذا ھو الحق وماذا بعد الحق الا الضلال

احمد حسن الحسینی الامروہی عفرلہٗ

اسمہٗ احمد

علم غیب خاصہ حق تعالیٰ کا ہے۔ اس لفظ کو کسی تاویل سے دوسرے پر اطلاق کرنا ایہام شرک سے خالی نہیں۔

کتبہٗ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

رشید احمد

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص۳۶ و ص۳۷)

یہ دونوں فتوے جن پر اکابرین علماء دیوبند کے جن میں حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا شیخ الہند محمود الحسن صاحبؒ اور مفتی دار العلوم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رہ وغیرہ وغیرہ کے دستخط ثبت ہیں، مزید کسی تشریح کے محتاج نہیں ہیں۔ تعجب اور حیرت ہے ان حضرات پر جو اکابرین علماء دیوبند کا مسلک نہ سمجھتے ہوئے کچھ کا کچھ کہہ دیتے ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

"حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا نہ کبھی اس کا دعوےٰ کیا اور کلام اللہ شریف اور بہت سی احادیث میں موجود ہے کہ آپ عالم الغیب نہ تھے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے" فقط۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص۱۰)

اور دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں کہ:۔

"جو شخص اللہ جل شانہٗ کے سوا علم غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے اور اللہ تعالیٰ کے برابر کسی دوسرے کا علم جانے وہ بے شک کافر ہے۔ اس کی امامت اور اس سے میل جول، محبت، مودت سب حرام ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص۱۶)

اور ایک اور مقام پہ لکھتے ہیں کہ:۔

"جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب جو خاصہ حق تعالیٰ ہے ثابت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز نادرست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔" ۱۲ محرم ۱۳۱۸ھ (اور حاشیہ پر درج ہے۔

لانہ کفر فلا یصلح الاقتداء بہ اصلاً کما فی الدر المختار بلفظہ فتاویٰ رشیدیہ ص۱۱۴ ج۳)

غرضیکہ یہ مسئلہ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ اور اجماع امت اور حضرات فقہاء اسلام اور خصوصیت سے حضرات فقہاء احناف کے نزدیک اتنا واضح ہے کہ حضرات فقہاء کرام قدیماً وحدیثاً یہ عقیدہ رکھنے والے کی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا، بلا تأمل اور بلا تردد تکفیر کرتے ہیں اور ایسے شخص کے پیچھے نماز و اقتداء کو بالکل حرام بتلاتے ہیں، اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اس عقیدہ کو اسلام کا عقیدہ سمجھتا ہے تو اس کی مرضی۔ ایک دن ضرور آئے گا جس میں وہ احکم الحاکمین کی سچی عدالت میں پیش ہوگا اور اس کو رتی رتی کا حساب بے باق کرنا ہوگا۔ ہم نے اہل السنت والجماعت کے دلائل پیش کرنے میں حتی الوسع کوئی کمی نہیں کی۔ ہدایت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے:؎

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر   میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

ہم اس باب کو اسی بحث پر ختم کرتے ہیں اور آئندہ فریق مخالف کی طرف سے پیش کردہ اصولی دلائل کو نقل کر کے ان کے جوابات عرض کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام فریقین کے دلائل کا معیار اور توازن بھی بخوبی معلوم کر سکیں۔ اور بقول شخصے ع "وہ بھی دیکھا ہے یہ بھی دیکھ" کا لطف اٹھائیں۔

فریق مخالف کی طرف سے مسئلہ علم غیب پر جو دلائل پیش کئے گئے یا کئے جا سکتے ہیں، وہ اصولی طور پر تین حصوں میں منقسم ہیں:۔

اول، قرآن کریم سے انہوں نے اپنے مدعا پر خام استدلال کیا ہے۔

دوم، احادیث سے بھی ناکام احتجاج کیا ہے۔

سوم، حضرات بزرگانِ دین ؒ کے اقوال اور عبارات سے بھی مطلب برآری کی بے جا کوشش کی ہے چونکہ حضرات بزرگانِ دین ؒ کے اقوال کے بارے میں ہم اسی کتاب کے مختلف ابواب میں بقدرِ ضرورت بحث کر چکے ہیں اور اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ قرآنِ کریم اور صحیح احادیث کے مقابلے میں کسی کا کوئی قول حجت نہیں ہو سکتا بلکہ وہ قول خود قابلِ تاویل ہوگا، تاویل نہ ہو سکی تو مردود ہوگا جیسا کہ امام سیوطی ؒ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے، اور بقول قلندر لاہوری ؏

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

پر عمل کیا جائے گا۔ لہٰذا اصولی طور پر ہم فریقِ مخالف کے استدلالات صرف دو بابوں میں عرض کریں گے آپ اُن کو بغور اور بالانصاف ملاحظہ کریں کہ حق کس کے ساتھ ہے۔

باب نہم

اس باب میں ہم فریقِ مخالف کے وہ دلائل عرض کر کے پھر ان کے جوابات عرض کرتے ہیں جو انہوں نے قرآنِ کریم سے پیش کیے ہیں۔

دلیلِ اوّل فریقِ مخالف کے اعلیٰحضرت مولوی احمد رضا خان صاحب (اور اسی طرح مولوی محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی دیکھئے الکلمۃ العلیا، صف اور مفتی احمد یار خان صاحب ملاحظہ ہو جاء الحق ص۵۲ اور مولوی محمد عمر صاحب مقیاس ص۲۹۴ وغیرہ میں) لکھتے ہیں کہ:-

"بیشک حضرت عزت عظمتہ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو تمامی اوّلین و آخرین کا علم عطا فرمایا شرق تا غرب عرش تا فرش سب انہیں دکھایا۔ ملکوت السّمٰوٰت والارض کا شاہد بنایا، روزِ ازل سے روزِ آخر تک کا سب ماکان وما یکون انہیں بتایا، اشیاء مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا، علم عظیم حبیب کریم علیہ افضل الصّلوٰۃ والتسلیم اُن سب کو محیط ہوا نہ صرف اجمالاً بلکہ ہر صغیر وکبیر، ہر رطب ویابس جو پتہ گرتا ہے زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا الیٰ ان قال تو بحمد اللہ قرآن عظیم خود شاہد عدل وحکم فصل ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○

اُتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت ورحمت وبشارت

وقال اللہ تعالیٰ

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ

قرآن وہ بات نہیں جو بنائی جائے بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شے کا صاف جدا جدا بیان

وقال اللہ تعالیٰ

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ — ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی الخ
بلفظہٖ انباء المصطفےٰ ص۳ “)

اور پھر آگے یوں لکھتے ہیں کہ :-

”نکرہ چیز نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا۔ اور عام افادۂ استغراق میں قطعی ہے اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گے بے دلیل شرعی تخصیص وتاویل کی اجازت نہیں ورنہ شریعت سے امان اُٹھ جائے“ الخ (ص۴)

اور مولوی ابو البرکات سید احمد صاحب نے بھی یہی کہا ہے کہ لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا۔ بلفظہٖ۔ (دیکھئے روئداد ماجرائے مناظرہ ملتان ص۲۸)

جواب فریق مخالف کا ان آیات سے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کلی علم غیب کا دعویٰ سو فیصدی باطل اور قطعاً مردود ہے۔

اولاً اس لیے کہ پہلی دلیل پ۱۴ سورۂ نحل رکوع ۱۲ کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے اور سورۂ نحل مکی ہے اور دوسری دلیل سورۂ یوسف رکوع ۱۲ (پ۱۳) کی آخری آیت کا حصہ ہے اور سورۂ یوسف بھی مکی ہے اور تیسری دلیل پ۷ سورۂ انعام رکوع ۴ کی آیت کا ایک جزو ہے اور سورۂ انعام بھی مکی ہے۔ (اور اس میں فی الکتاب سے بعض حضرات مفسرین کرامؒ کے نزدیک لوح محفوظ مراد ہے، قرآن کریم مراد نہیں ہے جیسا کہ فریق مخالف کے بے مؤرد وکیل کا دعوے ہے) اگر فریق مخالف کے نزدیک ان مکی آیات سے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ کا علم ثابت ہے اور ان دلائل کی وجہ سے آپ عالم الغیب ہیں یا آپ کے لیے جمیع ماکان وما یکون کا علم ثابت ہوتا ہے تو اس کے بعد آپ پر وحی نازل نہیں ہونی چاہیئے تھی کیونکہ کل غیب تو آپ کو ان آیات سے عطا ہو ہی چکا تھا حالانکہ اس کے بعد دیگر احکام تو بجائے خود رہے، قرآن کریم بھی باقاعدہ نازل ہوتا رہا۔ کیا وہ حصہ فریق مخالف کے نزدیک ماکان وما یکون اور غیب میں داخل نہیں ہے؟ علاوہ بریں اس کے بعد مدنی سورتوں میں نفی علم غیب کی صاف اور صریح آیتیں بھی نازل ہوئی ہیں جیسا کہ ہم ان میں سے بعض اہل حق کے دلائل میں پیش کر چکے ہیں۔ تعجب اور حیرت ہے فریق مخالف پر کہ وہ مکی آیات سے جمیع ماکان وما یکون کا علم ثابت کرتا ہے جب کہ بے شمار امور اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد آپ کو مدنی زندگی میں بتلائے

اور بعض امور کی نفی کا ثبوت بھی اس کے بعد قطعی نصوص سے ثابت ہے۔ رہا خان صاحب بریلی کا یہ کہنا ہے

"اور جب کہ یہ علم قرآن عظیم کے تبیاناً لِکُلِّ شَیْئٍ ہونے نے دیا ہے اور پُر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے نہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو لم نقصص علیك یا منافقین کے باب میں فرمایا جائے لا تعلمھم ہرگز ان آیات کے منافی اور احاطۂ علم مصطفوی کا نافی نہیں" الخ۔

(انباء المصطفٰے صـ۴)

تو یہ ایک خالص مجددانہ مغالطہ ہے جو سرتاسر مردود ہے۔ خان صاحب آنجہان سے اپنے متبعین پر کرم فرمائی کرتے ہوئے اور ان کی اعانت اور امداد کرتے ہوئے یہ فرمائیں کہ قرآن کریم کی وہ کون سی آیات ہیں جو تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تفصیلی حالات اور جمیع ما کان وما یکون کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرتی ہیں اور وہ لم نقصص علیك کے بعد نازل ہوئی ہیں؟ اور نیز وہ کون سی آیات ہیں جو منافقین کے تفصیلی حالات کا علم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرتی ہیں اور لا تعلمھم کے بعد نازل ہوئی ہیں؟ تبیاناً لکل شیئ وغیرہ کی آیات سے تو یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان کے بعد ہی تو لم نقصص علیك اور لا تعلمھم کا نزول ہوا ہے اور ان کے خلاف قرآن کریم میں ایک حرف بھی موجود نہیں ہے۔ خانصاحب کس سادگی سے کہتے ہیں کہ ہرگز ان آیات کے منافی نہیں مگر یہ نہیں بتلاتے کہ وہ آیات کون سی ہیں اور کس سورت میں موجود ہیں جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اسی طرح منافقین مدینہ کے پورے تفصیلی حالات کا علم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرتی ہیں؟ محض آیات کا نام لے لینا ہرگز کفایت نہیں کرتا لم نقصص علیك اور لا تعلمھم کی پوری تشریح پہلے عرض کی جا چکی ہے، وہاں ہی ملاحظہ کر لی جائے۔

وثانیاً خان صاحب اور ان کی جماعت کے نزدیک تبیاناً لکل شیئ کی آیت سے ہر ہر ذرہ کا اور ہر ہر رطب و یابس کا علم ثابت ہوتا ہے اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن کریم میں ہر ہر چیز کا علم ہے اور محض بیان ہی نہیں بلکہ روشن بیان اور صرف مجمل ہی نہیں بلکہ مفصل۔ چنانچہ خان صاحب لکھتے ہیں

کہ "جب قرآن مجید ہر شئے کا بیان ہے اور بیان بھی کیسا روشن اور روشن بھی کس درجے کا مفصل" (بلفظہ انباء)

تو برائے کرم اس الحاد کے دَور میں جب منکرین حدیث نمازوں کی اور زکوٰۃ وغیرہ کی پوری تفصیل اور عدد رکعات اہل اسلام سے قرآنِ کریم کے حوالہ سے چلا چلا کر پوچھتے ہیں تو بتایئے کہ ان کے یہ سوالات قرآنِ کریم کی کس آیت سے حل ہوں گے؟ اجمالی بیان ناکافی ہوگا، بیان روشن ہو اور بالکل مفصل۔ کیا ہے فریقِ مخالف کے کسی غیور اہل دل میں یہ ہمت کہ کم از کم منکرین حدیث کا یہ سوال اور اس قسم کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سوالات قرآنِ کریم سے حل کر دے اور حل بھی کیسا روشن اور روشن بھی کس درجہ کا مفصل؟ فرمایئے تفصیلاً لِکُلِّ شَیْءٍ کی آیت سے علمِ غیب پر استدلال کرنے والوں پر کیا بیتی؟ ع

کون دیکھے یہ بے لبی دل کی

علاوہ بریں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر واقعی فرقانِ مجید میں ہر شئے کا بیان ہے اور بیان بھی کیا روشن اور روشن بھی کس درجے کا مفصل، تو بتایئے حضرات فقہاء اسلامؒ کو حدیث، اجماعِ امّت اور قیاس کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور کیوں پیش آئی؟ بقول خان صاحب فرقانِ مجید میں تو ہر شئے کا روشن اور مفصل بیان مذکور ہے اور قرآنِ کریم کے روشن اور مفصل بیان کی موجودگی میں کسی اور دلیل کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے اور خصوصیت سے اجماعِ اُمّت اور قیاس و اجتہاد کی کیا حاجت باقی رہی؟ اور کیا حضرات فقہاء اسلامؒ کی یہ کھلی غلطی اور جسارت نہ ہوگی کہ فرقانِ مجید کے روشن اور مفصل بیان کی موجودگی میں وہ غیر معصوم اقوال اور قیاس و اجتہاد کے ظنی قلعہ کے اندر پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ فریقِ مخالف کو صاف اور دو ٹوک بات کرنی ہوگی۔ ع یا سراسر موم ہو یا سنگ ہو۔

وثالثاً ان آیات سے استدلال اور احتجاج کرنے میں فریقِ مخالف کی اصل غلطی لفظ کل کو عموم میں نصِ قطعی سمجھنا ہے اور اسی غلط نظریہ پر ان کے استدلال کا مدار ہے اور یہی وجہ ہے کہ خان صاحب زور دار الفاظ میں یوں لکھتے ہیں کہ ؎ اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا۔ (انباء المصطفٰے ص)

اب ہم قرآنِ کریم، صحیح احادیث اور آئمہ لغت بلکہ خود خانصاحب کے حوالے سے اس باطل نظریہ کی تردید پیش کرتے ہیں غور سے ملاحظہ کریں اگرچہ لفظ کل اپنے لغوی مفہوم کے لحاظ سے عام ہے لیکن استعمال کے لحاظ سے کل اور بعض اور عموم و خصوص دونوں کے لیے برابر آتا ہے اور اگر وہ عموم اور استغراقِ حقیقی کے لیے آتا ہے تب بھی موقع و محل اور داخلی و خارجی قرائن کا محتاج ہوتا ہے اور اگر کہیں استغراقِ عرفی و اضافی اور بعضیت کے لیے مستعمل ہوتا ہے تب بھی قرینہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ چند دلائل ہدیہ کئے جاتے

ہیں بغور ملاحظہ کریں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک خاص موقع پر ارشاد فرمایا کہ :۔

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا (پ۳۔ رکوع ۳) پھر ان کوفتہ چڑیوں کی ایک ایک جزو پہاڑ پر رکھ دیں۔

یہ ظاہر امر ہے کہ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ کے ارشاد سے تمام روئے زمین کے چھوٹے اور بڑے قریب و بعید کے سب پہاڑ تو مراد نہیں تھے، اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمالیہ اور نانگا پربت وغیرہ کی چوٹیوں پر کوفتہ چڑیوں کی بوٹیاں بلکہ قیمہ رکھنے کا مکلف ٹھہرایا گیا تھا۔ اس موقع پر عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ سے یقیناً بعض پہاڑ مراد ہیں جو بالکل قریب ہوں گے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے کفر و شرک اور دیگر معاصی اور جرائم کا ارتکاب کرنے والی قوموں پر بطور تنبیہ بعض آفاقی اور انفسی تکلیفیں مسلط کیں تاکہ وہ اپنی مذموم حرکات سے باز آجائیں لیکن جب انہوں نے اثر پذیری کا ثبوت نہ دیا تو ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :۔

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (پ۷۔ انعام۔ ع۵) تو ہم نے ان پر ہر قسم کے دروازے کھول دیے۔

یہ قطعی اور حتمی امر ہے کہ ان پر بعض ظاہری نعمتوں کے دروازے کھولے گئے ہوں گے نہ یہ کہ نبوت و رسالت اور مقبولیت و ولایت اور رضا وغیرہ کے۔

(۳) اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ اور وادیٔ غیر ذی زرع کی مقبولیت کا یوں تذکرہ فرماتا ہے :۔

يُجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ (پ۲۰۔ قصص۔ ع۶) کھچے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے میوے۔

اس دورِ ترقی میں بھی جب کہ مختلف طرق سے میوے خشک کر لیے جاتے ہیں اور نقل و حرکت کے تیز رفتار اسباب فراوانی سے موجود ہیں مگر بایں ہمہ اہل مکہ بعض بعض پھلوں کے نام تک سے واقف نہیں ہیں۔ اس مقام پر بھی لفظ کُل سے بعض ہی مراد ہے۔

(۴) حضرت ہود علیہ السلام کی مجرم قوم پر اللہ تعالیٰ نے بادِ صرصر اور تیز و تند ہوا کے طوفانی جھونکے بھیجے۔ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ (پ۲۶۔ احقاف۔ ۳ ع) یعنی جو ہر چیز کو ہلاک کرنے والے تھے اور یہ بالکل عیاں ہے کہ زمین و آسمان وغیرہ وغیرہ بے شمار اشیاء کے علاوہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی بھی ہرگز تباہ نہ ہوئے تھے یہاں بھی لفظِ کُل سے سب اشیاء مراد نہیں بعض ہیں۔

(۵) تورات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (پ ۹ - اعراف - ع ۱۷) کہ اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود تھی۔ یہ بات بالکل آشکارا ہے کہ نہ تو واقعتہً تورات میں ہر ہر چیز کی تفصیل موجود تھی کہ زمین کا ایک ایک ذرہ اس میں درج ہوتا اور نہ تو علوم و معارف کے لحاظ سے وہ سب احکام تورات میں درج تھے جو قرآنِ کریم اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جامع اور مکمل شریعت میں موجود ہیں ورنہ قرآنِ کریم اور شرع محمدی (علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ) کی تورات پر فوقیت اور مزیت ہی کیا ہوگی؟

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

فتجلی لی کل شیئ قلنا ھو بمنزلۃ قولہ تعالیٰ فی التوراۃ تفصیلا لکل شیئ والاصل فی العمومات التخصیص بما یناسب۔ (تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۲۵)

ہم کہتے ہیں کہ فتجلی لی کل شیئ کی حدیث ایسی ہی ہے جیسے تورات کی بابت وارد ہوا ہے تفصیلا لِکُلِّ شیئ (حالانکہ ہر چیز کی تفصیل اس میں کہاں؟) اور اصل عمومات میں مقام کے لحاظ سے تخصیص ہی ہے۔

(۶) حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کو پیش نظر رکھ کر تحدیث بالنعمۃ کے طور پر یوں ارشاد فرمایا کہ:۔

وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ (پ ۱۹ - نمل - ع ۲) اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے۔

یہ بالکل درست ہے کہ نبوت و رسالت خلافت اور سلطنت اور دیگر جو ساز و سامان ان کی شایانِ شان تھا وہ ان کو عطا کیا گیا تھا لیکن بے شمار اشیاء کے علاوہ نہ تو ان کو قرآنِ کریم عطا ہوا تھا اور نہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالت شان اور ختم نبوت ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی گئی تھی اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ جیسے صحابہ کرام ان کو مرحمت ہوئے تھے۔

(۷) حضرت ذوالقرنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (پ ۱۶ - کہف - ع ۱۱) اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان دیا تھا۔

یہ واشگاف بات ہے کہ وہی سامان ان کو ملا ہوگا جو ان کے حال کے مناسب ہوگا، نہ یہ کہ آجکل کے زمانہ سائنس کے آلاتِ واسلحہ اور ہلاکت خیز ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم اور مصنوعی سیارے وغیرہ بھی ان کو ملے تھے۔

(۸) ملکۂ سبا (بلقیس) کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ۔ (پ ۱۹ - نمل - ع ۲) اور ہر ایک چیز اس کو عطا کر دی گئی تھی۔

اس کو بہت کچھ ملا ہوگا مگر نبوت و رسالت اور ملک سلیمان علیہ السلام تو ہرگز نہیں ملا تھا، بلکہ علامہ ذہبیؒ تو لکھتے ہیں کہ کیا بلقیس کو مردانہ خصوصیات اور داڑھی بھی مل گئی تھی؟۔(تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۵۴)

قرآن کریم کے ان اقتباسات سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ کُلّ ہمیشہ اور ہر مقام پر کُل ہی کے معنی میں نہیں آتا بلکہ عموم اضافی و عُرفی اور بعض کے لیے بھی آتا ہے اور یہ اُس کے مواقع استعمال ہیں جو منصوص ہیں بہت ممکن ہے کہ کسی کوتاہ فہم کو یہ وہم پیدا ہو جائے کہ آخر میں پیش کردہ تینوں مقامات میں لفظ کُلّ پر حرف مِنْ داخل ہے، جو بعض کے لیے آتا ہے لہٰذا بعضیت تو حرف مِنْ سے ثابت ہوئی نہ کہ لفظ کُلّ سے۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ لفظ کُلّ کو ہمیشہ اور ہر مقام پر عموم کے لیے نص قطعی سمجھتے ہیں، ان کو ان مقامات پر حرف مِنْ کا بہانہ بھی چنداں مفید نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں مِنْ كُلِّ شَيْئٍ کا معنی یہ ہوگا کہ ہر ہر چیز سے کچھ کچھ اور بعض بعض ان کو عطا ہوا تھا۔ کیا یہ درست ہوگا کہ دنیا کے جتنے مرد گذرے ہیں یا اب موجود ہیں یا آئندہ پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ایک کی ڈاڑھی کا کچھ کچھ حصہ بلقیس کو عطا ہوا تھا؟ اور کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جناب نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا کچھ حصہ اور آپ کی جلالتِ شان کا بعض حصہ اور اسی طرح قرآنِ کریم کی ہر ہر سُورت سے کچھ کچھ حصہ ان کو مرحمت ہُوا تھا؟ اور کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ذوالقرنین کو ہر ایک نبی اور رسول کی نبوت اور رسالت سے کچھ کچھ حصہ ملا تھا؟ کون اس جھیلے میں پڑے، بہت سی چیزیں کہنے کی بھی نہیں ہیں سمجھدار آدمی خود سمجھ سکتے ہیں کہ ہر ہر چیز سے کچھ اور بعض ملنے کا مفہوم کہاں تک وسیع ہے اور اس سے کیا کچھ مُراد نہیں لی جا سکتی؟ اب آپ دو تین حدیثیں بھی ملاحظہ کر لیں۔

(۱) اس مضمون کی ایک روایت آتی ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں ایسی سخت اور زیادہ بارش ہوئی کہ حَصَّتْ كُلَّ شَيْئٍ (بخاری ج ۱ ص ۱۳۷ وغیرہ) کہ اس نے ہر چیز کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دیا۔ کافی نقصان ہوا ہوگا۔ لیکن یقینی امر ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور حضرات صحابہ کرامؓ اور اسی طرح دیگر انسان اور جاندار بلکہ مدینہ طیبہ کے مکانات اور مسجد نبوی وغیرہ اس تباہی و بربادی سے یقیناً محفوظ رہے تھے۔

(۲) حضرت ابو سعید الخدریؓ کا بیان ہے کہ ایک خاص موقع پر ہم ایک قوم کے مہمان بنے۔ مگر ان لوگوں نے ہماری ضیافت وغیرہ کی مطلقاً کوئی پروا نہ کی۔ خدا تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ ان میں سے ایک بڑے سردار

کو کوئی زہریلی چیز ڈس گئی۔ انہوں نے اس پر جھاڑ پھونک کرنے کے لیے اپنی جگہ بڑی ہمت اور کوشش کی فنعوا له بكل شيئ (بخاری ج ۱ ص۳۰۴ وغیرہ) حتیٰ کہ انہوں نے اس پر جھاڑ پھونک کے صلہ میں ہر چیز دینے کی کوشش کی۔ یہ بالکل نمایاں بات ہے کہ نہ تو انہوں نے اپنی بیویاں اور بچے دینے کی کوشش کی ہوگی اور نہ وہ چیزیں جو ان کے ملک میں نہ تھیں بلکہ وہ چیزیں بھی ہرگز دینے کی کوشش نہ کی ہوگی جو ان کے ملک میں تھیں۔ جن میں بدن کے تمام اعضاء بھی داخل ہیں سمجھدار آدمی خود سمجھ سکتا ہے مگر یہاں بھی لفظ كل شيئ کا استعمال کیا گیا ہے۔

(۳) ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يصومه كله (ترمذی ج ۱ ص۹۲ وغیرہ) سارے ماہ شعبان کے روزے رکھا کرتے تھے۔ امام ترمذیؒ نقل کرتے ہیں کہ دوسری احادیث کے پیش نظر حضرت امام عبد اللہؒ بن المبارکؒ نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ لفظ کل سے یہاں اکثر مراد ہے (کُل اور عموم حقیقی مراد نہیں ہے) اس قسم کی بے شمار حدیثیں موجود ہیں۔ مگر ہمارا مقصد دلائل کا استیعاب نہیں ہے۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادیؒ لفظ کل کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وقد جاء بمعنى بعض ضد" (القاموس ج ۴ ص۴۵) — لفظ کُل کبھی بعض کے لیے بھی آتا ہے اور یہ اضداد میں ہے (کہ دونوں ضدوں میں استعمال ہوتا ہے)

اور ملا جیونؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وكلمة كل يحتمل الخصوص (نور الانوار ص۸۱) — اور کلمہ کُل خصوص کا احتمال رکھتا ہے۔

اور مشہور حنفی امام (الفقیہ الاصولی النظار ابوبکر محمدؒ بن احمدؒ بن ابی سہلؒ) السرخسیؒ (المتوفی ۴۹۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:۔

وكلمة كل وهي تحتمل الخصوص نحو كلمة من اه (اصول سرخسی ج ۱ ص۱۵۸) — اور کلمہ کُل کلمہ مَن کی طرح خصوص کا احتمال رکھتا ہے۔

اور علامہ زبیدیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد جاء استعماله بمعنى بعض الى ان قال قال شيخنا وجعلوا منه ايضاً قوله تعالى — لفظ کُل کا استعمال کبھی بعض کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہمارے شیخؒ نے فرمایا کہ ائمہ لغت نے فكلي من

فَكُلٌّ من كل الثمرات واُوتيت من كل شيئٍ
(التاج العروس ج ۸ ص۱)

کل الثمرات میں اور اسی طرح و اُوتیت کُل شیئٍ میں لفظ کُل کو بعض ہی کے لیے کہا ہے۔

علامہ محمد طاہر الحنفی رح لکھتے کہ :۔

فی قول عثمان رض اَبِاَمْرِكَ هٰذا ؟ فقال كُلّ ذالك ای بعضه عن امری و بعضه بغیر امری وهذا ابناء على انه قد يستعمل كل الموضوع للاحاطة بمعنى البعض۔
(مجمع البحار ج ۳ ص۲۲۷ ومثله في التاج ج ۸ ص۱)

(مروان بن حکم کے مخصوص واقعہ میں) جب حضرت عثمان رض سے پوچھا گیا کہ کیا یہ سب کچھ آپ کے حکم سے ہوا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا ہاں سب کچھ میرے حکم سے ہوا حالانکہ اس مقام پر کل سے مراد بعض ہے یعنی بعض میرے حکم سے اور بعض میرے حکم کے بغیر ہوا اور یہ اس بات پر مبنی ہے کہ لفظ کُل جو احاطہ کے لیے وضع کیا گیا ہے کبھی بعض کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

اور مشہور مفسر علامہ خازن رح كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حور و غلمان اس وقت جنت میں موجود ہیں مگر ان پر اس آیت کے پیشِ نظر موت نہیں آئے گی اس لیے کہ :۔

لفظة كُلّ لا تقتضى الشمول والاحاطة بدليل قوله تعالى و اُوتيت من كل شيئٍ ولم تؤت ملك سليمان عليه السلام (تفسير ج ۱ ص۳۸۶)

لفظ کُل شمول اور احاطہ کو نہیں چاہتا اس دلیل سے کہ اُوتیت مِن کُل شیئٍ میں لفظ کُل آیا ہے۔ حالانکہ حضرت سلیمان ع کا ملک بلقیس کو عطا نہیں کیا گیا تھا۔

غیر مقلدین حضرات بھی جن کی بعض مقامات میں گاڑی ہی لفظ کُل کی تعمیم سے چلتی ہے اس کو ماننے پر مجبور ہیں کہ کبھی لفظ کُل اکثر کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس وقت اس سے استغراق حقیقی مُراد نہیں ہوتی۔ دیکھئے پرچۂ اہلحدیث امرتسر یکم ذوالقعدہ ۱۳۴۷ھ) اور ان کے مشہور عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری لکھتے ہیں کہ :۔

والمراد بالكل اكثر وهو مجاز قليل الاستعمال
(تحفة الاحوذی ج ۲ ص۵۱)

مراد کُل سے اکثر ہے اور وہ مجاز ہے قلیل الاستعمال

علامہ فیروزآبادی رح لفظ کُل کو اضداد سے مانتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک لفظ کُل بعض کے لیے مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہی ہے اور دیگر حضرات اس کو بکثرت بعض کے لیے مستعمل تسلیم کرتے ہیں بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح تو اصل ہی تخصیص قرار دیتے ہیں تو اس لحاظ سے عموم اور احاطہ خلاف اصل ہوگا۔

اور اتنے کثیر استعمال کے باوجود بھی اگر مبارکپوری صاحب کے نزدیک قلیل الاستعمال ہے تو شاید قلیل الاستعمال اور کثیر الاستعمال الفاظ کے لیے ان کے نزدیک قاعدہ اور اصطلاح ہی جدا ہوگئی۔ ع

رکھ لیا ہے نام اس کا آسماں تحریر میں

لیجئے اب وہ وقت آگیا ہے جس میں خانصاحب بریلی کو خود اُن کے حوالہ سے لفظ کُل کا غیر محیط اور غیر مستغرق ہونا منوایا جا رہا ہے۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ :۔

"کبھی کُل سے اکثر مراد ہوتا ہے۔ (فتاوٰی رضویہ جلد اوّل ص۴۲۷)

غور کیجئے کہ خانصاحب کا یہ غلط دعوےٰ کہ "اور لفظ کُل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا (انباء المصطفےٰ ص۷) کتنا غلط اور باطل ہے اور دیگر دلائل کے علاوہ خود خانصاحب کے حوالے سے اس کا بُطلان ثابت ہوگیا، اور خان صاحب کی سب ہیرا پھیری کی منطق کافور ہوگئی۔ سچ ہے ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

و ثانیاً ضرورت تو نہیں کہ اس بحث کے بعد ہم کچھ اور بھی عرض کریں مگر محض تکمیل بحث کے لیے یہ بیان کئے دیتے ہیں کہ حضرات مفسرین کرامؒ نے تبیاناً لِکُلِّ شَیْءٍ اور اسی مضمون کی دوسری آیات کا کیا مطلب بیان کیا ہے؟ ملاحظہ کیجئے۔

علامہ بغویؒ لکھتے ہیں کہ :۔

تبیانا لکل شیئ یحتاج الیہ من الامر والنھی والحلال والحرام والحدود والاحکام
(معالم التنزیل ج۲ ص۲۱۲)

تبیاناً لکل شیئ کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کی امرونہی اور حلال وحرام اور حدود واحکام میں ضرورت اور حاجت پڑتی ہے وہ بیان کی گئی ہے۔

اور علامہ ابوالبرکات نسفی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

تبیانا لکل شیئ من امور الدین امافی الاحکام المنصوصۃ فظاھر وکذا فیما ثبت بالسنۃ او بالاجماع او بقول الصحابی او بالقیاس لان مرجع الکل الی الکتاب حیث امرنا

تبیاناً لکل شیئ سے امور دین کا بیان مراد ہے احکام منصوصہ میں تو بالکل ظاہر ہے اور اسی طرح جو احکام سُنت یا اجماع یا قول صحابی یا قیاس سے ثابت ہیں کیونکہ ان سب کا مرجع کتاب اللہ ہی ہے کہ اس میں ہمیں آنحضرت صلی اللہ

فيه باتباع رسوله وطاعته الخ (المدارک ج ا ص۲۶۴)

تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع اور طاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

اور علامہ معین بن صفی رح لکھتے ہیں:-

تبيانا لكل شيئ بيانا بليغا لكل شيئ يحتاجون اليه من امور الدين۔

(جامع البیان ج ا ص۲۳۲)

تبیاناً لکل شیئ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں امورِ دین کی ہر ایسی چیز کا بیانِ بلیغ موجود ہے جس کی لوگوں کو حاجت پڑتی ہے۔

اور علامہ خازن رح لکھتے ہیں کہ:-

قال مجاهد رح يعني لما امر به وما نهي عنه وقال اهل المعاني تبيانا لكل شيئ يعني من امور الدين اما بالنص عليه او بالاحالة على مايوجب العلم به من بيان النبي صلى الله عليه وسلم لان النبي صلى الله عليه وسلم بين ما في القرآن من الاحكام والحدود والحلال والحرام وجميع المامورات والمنهيات و اجماع الامة فهو ايضا اصل ومفتاح لعلوم الدين (تفسیر خازن ج ۴ ص۹۱)

حضرت مجاہد رح فرماتے ہیں کہ تبیاناً لکل شیئ سے مامور بہ اور منہی عنہ مراد ہے اور اہلِ معانی فرماتے ہیں کہ تبیاناً لکل شیئ سے امورِ دین مراد ہیں یا تو نصوص کی وجہ سے اور یا اس لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے اس کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ آپ نے قرآن کریم کے پیش کردہ احکام اور حدود اور حلال وحرام اور تمام مامورات اور منہیات بیان فرمائے ہیں اور اجماع امت کے ساتھ جو کچھ ثابت ہے وہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ اجماع بھی علومِ دین کی ایک اصل اور مفتاح ہے۔

نیز وہ لکھتے ہیں کہ:-

بين في هذه الآية المامور به والمنهي عنه على سبيل الاجمال فما من شيئ يحتاج اليه الناس في امر دينهم مما يجب ان يؤتى به او يترك الا وقد اشتملت عليه هذه الآية

(خازن ج ۴ ص۹۱)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مامور بہ ومنہی عنہ کو علیٰ سبیل الاجمال بیان فرما دیا ہے سو کوئی چیز ایسی نہیں جس کی حاجت لوگوں کو امورِ دین میں پیش آتے جس کا کرنا یا چھوڑنا واجب ہے مگر اس کا بیان اس آیت میں کر دیا گیا ہے۔

قاضی بیضاوی رح لکھتے ہیں کہ:-

تبيانا لكل شيئ من امور الدين (تفسیر بیضاوی ج ۱ ص۴۵۸)

امورِ دین کی واضح تشریح اس میں موجود ہے۔

اور علامہ جلال الدین رہ لکھتے ہیں کہ :-

تبیانا لکل شیئٍ یحتاج النّاس الیہ من امر الشریعۃ (جلالین ص۲۲۴) تبیانا لکل شیئٍ سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کی لوگوں کو امر شریعت میں حاجت ہو سکتی ہے ۔

اور امام رازی رہ نے اسی قریب تفسیر کبیر ج ۵ ص ۹۹ میں لکھا ہے بلکہ وہ فرماتے ہیں انما العلوم التی لیست دینیۃ فلا تعلق لہا بہذہ الآیۃ الخ ج ۵ ص ۹۹ یعنی بہر حال وہ علوم جو دینی نہیں تو ان کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔

اور عمدۃ المفسرین حافظ ابن کثیر رہ لکھتے ہیں کہ :-

تبیاناً لکل شیئٍ قال ابن مسعود رضؓ بیّن لنا فی ھذا القرآن کل علم و کلّ شیئٍ وقال مجاھد کل حلال وحرام و قول ابن مسعود رضؓ اعم و اشمل فان القرآن اشمل علی کل علم نافع من خبر ما سبق و علم ما سیأتی و کل حلال و حرام و ما الناس الیہ محتاجون فی امر دنیا ھم و دینھم و معاشھم و معادھم

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۸۲)

تبیاناً لکل شیئٍ کا مطلب حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم میں ہر علم اور ہر شے بیان کی ہے اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ہر حلال اور حرام بیان کیا گیا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ کا قول اعم اور اشمل ہے کیونکہ قرآن کریم ہر نافع علم پر مشتمل ہے جس میں پہلے لوگوں کی خبریں ہیں، اور آئندہ آنے والے واقعات کا علم ہے اور ہر حلال و حرام کا اور اسی طرح لوگ اپنے دین اور دنیا اور معاش و معاد میں جس چیز کے محتاج ہیں اس میں یہ سب کچھ بیان کیا گیا ہے ۔

علامہ السید محمود آلوسی الحنفی رہ لکھتے ہیں کہ :-

والمراد من کل شیئٍ علی ماذھب الیہ جمع ما یتعلق بامور الدین ای بیانا بلیغاً لکلّ شیئٍ یتعلق بذالک و من جملتہ احوال الامم مع انبیائھم علیھم السلام

کل شیئٍ سے مراد جیسا کہ حضرات مفسرین کرام کی ایک بڑی جماعت اس کی طرف گئی ہے وہ امور ہیں جو دین سے متعلق ہوں یعنی امورِ دین کی پوری تشریح اس میں مذکور ہے اور منجملہ ان کے وہ حالات بھی اس میں مندرج ہیں جو امم سابقہ کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پیش

وكذا اما اخبرت به هذه الآية من بعث الشهداء وبعثه عليه الصلوٰة والسلام فانتظام الآية بما قبلها ظاهر والدليل على تقدير الوصف المخصص للشئ المقام وان بعثة الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام انما هي لبيان الدين اھ

(روح المعانی ج ۱۴ ص ۲۱۴)

آئے اور اسی طرح اس آیت میں اس کا بیان بھی ہے کہ قیامت کے دن دیگر گواہوں کی شہادتیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گواہی کیسے ہوگی؟ اس اعتبار سے آیت کا ماسبق کے ساتھ ربط بھی بالکل ظاہر ہے اور کل شئی سے امورِ دین کے وصف مخصص کی ضرورت بحسب مقام ضروری ہے علاوہ بریں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دنیا میں بعثت ہی بیانِ دین کے لیے ہوتی ہے لہٰذا امورِ دین کی قید لگائی گئی ہے۔

یہ جتنے حضرات مفسرین کرامؒ ہیں تمام معتبر اور مستند ہیں اور اہل السنت والجماعت کے مسلم مفسرین ان کے علاوہ، معتزلہ اور شیعہ بھی اس آیت میں اصولِ عربیت اور دیگر شرعی قواعد کے پیش نظر امورِ دین اور امورِ شرع کی قید لگانے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ علامہ جار اللہ زمخشری لکھتے ہیں کہ:۔

تبيانا لكل شيئ المعنى انه بين من امور الدين اھ (کشاف ج ۲ ص ۶۲۸)

تبیاناً لکل شیئ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امورِ دین کو بیان کیا ہے۔

اور مشہور شیعی مفسر ابو علی الفضل بن الحسن بن الفضل الطبرسی (المتوفی ۵۴۸ھ) لکھتا ہے کہ:۔

ومعناه ليبين كل شيئ يحتاج اليه من امور الشرع اھ (مجمع البیان ج ۲ ص ۴۲۶)

اس کا معنی یہ ہے کہ ہر ایسی چیز اس میں بیان ہوگی جس کی طرف امورِ شرع میں حاجت پڑتی ہے۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کیا کہ تبیاناً لکل شیئ کی آیت سے حسب تصریح حضرات مفسرین کرامؒ اہل السنت والجماعت (بلکہ مع معتزلہ اور شیعہ کے) صرف امورِ دین مراد ہیں عام اس سے کہ حلال و حرام سے متعلق ہوں یا اوامر و نواہی سے، ماسبق کے حالات ہوں یا آئندہ کے، دنیا میں پیش آنے والے ہوں یا آخرت میں وغیرہ وغیرہ۔ اس آیت سے غیر شرعی امور اور غیر دینی احکام کا اثبات بھی کارے دارد، چہ جائیکہ اس سے علم غیب ثابت ہو جس میں بقول احمد رضا خان صاحب کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا —
(انباء المصطفیٰ ص ۳) خانصاحب کا تو یہ دعوےٰ ہے کہ قرآن کریم ہر ایک چیز کا بیان ہے اور قرآن کریم جن علوم پر مشتمل ہے وہ سب جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں مگر امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

واعلم ان علوم القرآن ثلاثة اقسام الاول علم لم يطلع الله عليه احدا من خلقه و هو ما استأثر به من علوم اسرار كتابه من معرفة كنه ذاته و غيوبه التى لا يعلمها الا هو وهذا لا يجوز لاحد الكلام فيه بوجه من الوجوه اجماعاً۔

(اتقان ج ۲ ص ۱۸۲)

تو جان لے کہ علومِ قرآن تین قسم کے ہیں، اوّل وہ قسم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کو بھی مطلع نہیں کیا اور وہ ایسے علوم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے رموز میں اپنی ذات کی حقیقت کے اسرار اور ان غیوب کو جن کا علم اس کے بغیر اور کسی کو نہیں صرف اپنے ہی ساتھ مخصوص کر لیا ہے اور اس قسم کے علم میں کسی وجہ سے کسی کے لیے کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور اسی پر اجماع ہے۔

اور نیز لکھتے ہیں کہ:۔

واما مالا يعلمه الا الله تعالى فهو يجرى مجرى الغيوب نحو الآى المتضمنة لقيام الساعة وتفسير الروح والحروف المقطعة و كل متشابه فى القرآن عند اهل الحق فلا مساغ للاجتهاد فى تفسيره۔

اور بہر حال وہ علم جس کو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جانتا تو وہ غیوب کی مد میں ہے مثلاً وہ آیتیں جو قیامت اور روح کی تفسیر اور حروف مقطعات پر مشتمل ہیں اور اسی طرح قرآنِ کریم میں جملہ متشابہات کا بھی اہل حق کے نزدیک یہی نظریہ ہے کیونکہ ان کی تفسیر میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہے اور ان کے حاصل ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے مگر یہ کہ وہ قرآن کریم یا حدیث شریف یا اجماع امت سے حاصل ہوں (اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے)

نیز اسی صفحہ میں اس سے قبل نقل کرتے ہیں کہ:۔

ومتشابه لا يعلمه الا الله تعالى ومن ادعى علمه سوى الله تعالى فهو كاذب۔

(ج ۲ ص ۱۸۲)

اور اللہ تعالیٰ کے بغیر متشابہ کو اور کوئی نہیں جانتا اور بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی اور متشابہ کے علم کا مدعی ہو تو وہ سراسر جھوٹا ہے (یعنی علم قطعی جو مختلف فیہ ہے نہ کہ ظنی)

مفتی احمد یار خان صاحب کی جہالت ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں (وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ) "جواب، اس آیت میں یہ کہاں فرمایا گیا کہ ہم نے متشابہات کا علم کسی کو دیا بھی نہیں الیٰ ان قال اسی لئے حنفی مذہب کا متفقہ عقیدہ ہے حضور علیہ السلام متشابہات کو جانتے ہیں" بلفظہ (جاء الحق ص ۱۱۴) حنفیوں کا یہ عقیدہ اور

وہ بھی اتفاقی؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس میں خاصا اختلاف ہے۔ مفتی صاحب کو صرف توضیح ہی دیکھ لینی چاہیئے۔ جس میں یہ تصریح موجود ہے ولم یظھر احدًا من خلقہ علیہ (ص۱۵) کہ اللہ تعالےٰ نے متشابہات پر اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی مطلع نہیں کیا۔ اور حسامی ص۱ میں ہے دھو ما لاطریق لدرکہ اصلاً۔ متشابہ وہ ہے کہ اس کے حاصل ہونے کی کوئی سبیل نہ ہو۔

خانصاب کی مطلب پرستی خان صاحب نے ان اقوال سے گلو خلاصی کی جو ناکام کوشش کی ہے وہ بھی قابل دید ہے۔ چنانچہ ملفوظات حصہ سوم ص۶ میں لکھا ہے۔

"عرض بہت سے مقامات پر آئمہ تفسیر کا قول نہیں مانا جاتا ہے مثلاً قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ یا اور آئمہ مثلاً خازن رح وغیرہ نے تبیانا لکل شیٔ کو مخصص بتایا ہے۔ ارشاد قاضی بیضاوی رح یا خازن رح وغیرہ آئمہ تفسیر نہیں، کسی فن کا امام ہونا اور بات ہے اور اس فن میں کتاب لکھ دینا اور بات۔ آئمہ تفسیر صحابہ رض ہیں اور تابعین میں بھی عظام کی تخصیص ہے" بلفظہٖ۔

خان صاحب ہی ارشاد فرمائیں کہ تیرھویں صدی کا ایک منفسر صاوی تو آپ کے نزدیک مفسر ہے اور اس کی بات بھی حجت ہے اور اسی طرح جمل وغیرہ مفسر ہیں اور ان کی تفسیر حجت ہے مگر قاضی بیضاوی رح اور خازن رح وغیرہ مفسر نہیں ہیں جن کو تمام اہل السنت والجماعت بالاتفاق مفسر تسلیم کرتے ہیں اس کی کوئی معقول اور صحیح وجہ بتائیں۔ اور کیا خانصاحب کے نزدیک علامہ بغوی رح، حافظ ابن کثیر رح اور علامہ آلوسی رح وغیرہ بھی آئمہ تفسیر میں شامل ہیں یا نہیں؟ سوچ کر بتایئے گا؟ اور کیا حضرت مجاہد بن جبیر رح جو تابعین عظام میں سے ہیں وہ بھی آئمہ تفسیر میں ہیں یا نہیں؟ تمام اہل سنت تو ان کو تابعین میں درجہ اول کا مفسر مانتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رح فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم کی تفسیر خود قرآن، سنت اور حضرات صحابہ کرام رض سے نہ مل سکے:۔

فقد رجع کثیر من الائمۃ فی ذالک الیٰ اقوال التابعین کمجاھد بن جبر رح فانہ کان آیۃً فی التفسیر۔ (ج ۱ ص۴)

تو بہت سے آئمہ دین نے حضرات تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کیا ہے جیسے حضرات مجاہد بن جبر رح کیونکہ وہ درجہ اوّل کے مفسر تھے۔

اور امام سیوطی رح نقل کرتے ہیں کہ:۔

فمن المبرزین منھم مجاھد رح قال الفضل بن میمون سمعت مجاھدًا یقول

حضرات تابعین رح کے اندر فن تفسیر میں گوئے سبقت لیجانے والے حضرت مجاہد رح ہیں۔ فضل رح بن میمون رح کہتے ہیں کہ میں نے

عرضت القرآن علی ابن عباس رض ثلاثین مرۃ وعنہ ایضاً قال عرضت المصحف علی ابن عباس رض ثلاث عرضات اقف عند کل اٰیۃ منہ واسألہ عنہا فیما نزلت وکیف کانت وقال خصیف کان اعلمہم بالتفسیر مجاہد وقال الثوری رح اذا جاءک التفسیر من مجاہد فحسبک بہ قال ابن تیمیۃ ولہذا یعتمد علی تفسیرہ الشافعی رح والبخاری رح وغیرہما من اہل العلم

(تفسیر اتقان ج ۲ ص ۱۸۹ طبع مصر)

حضرت مجاہد رح سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں نے تیس مرتبہ قرآن کریم حضرت ابن عباس رض پر پیش کیا ہے اور نیز فرمایا کہ میں نے تین مرتبہ حضرت ابن عباس رض پر اس طرح قرآن کریم پیش کیا کہ ہر آیت کے پاس ٹھہر جاتا اور اس کے شانِ نزول اور مطلب کے بارے میں حضرت ابن عباس رض سے پوچھتا جاتا۔ خصیف رح کا بیان ہے کہ تمام حضرات تابعین میں حضرت مجاہد رح فن تفسیر کے بڑے عالم تھے۔ امام ثوری رح فرماتے ہیں کہ جب مجاہد رح سے تجھے تفسیر پہنچ جائے تو تجھے بس ہے۔ امام ابن تیمیہ رح فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجاہد رح کی تفسیر پر حضرت امام شافعی رح اور امام بخاری رح وغیرہ اہل علم مکمل اعتماد کرتے ہیں۔

یہ حافظ ابن تیمیہ رح وہی ہیں جن کی فقاہت کو اگرچہ نہیں مانتے مگر وسعت علمی کے بارے میں خانصاحب لکھتے ہیں کہ "علماء نے ابن تیمیہ رح کو لکھا ہے علمہ اکبر من عقلہ اس کا علم اس کی عقل سے بڑا ہے۔ علم نافع وہ جس کے ساتھ فقاہت ہو" (ملفوظات حصہ اول ص۱۱۶) اور گزر چکا ہے کہ حضرت مجاہد رح نے ایک روایت میں اس آیت میں کل شئ کی تفسیر حلال اور حرام سے اور دوسری میں مامور بہ اور منہی عنہ سے کی ہے۔

اور کیا خانصاحب کے نزدیک حضرت عبداللہ رض ابن مسعود بھی معتبر ہیں یا نہیں؟ جمہور علماءِ اسلام تو ان کو حضرات صحابہ کرام رض میں درجہ اول کا مفسر تسلیم کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۳ وغیرہ)
اور امام نووی رح تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ فن تفسیر میں وہ حضرات خلفائے راشدین رض سے بھی بڑھے ہوئے ہیں (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۹۳) اور حضرت ابن مسعود رض تو بقول حافظ ابن کثیر رح تبیانا لکل شئ کی تفسیر ہر علم نافع سے اور حلال و حرام اور اخبارِ غیب کے علاوہ ایسے امور سے کرتے ہیں جن کی لوگوں کو دین اور دنیا اور معاش و معاد وغیرہ میں ضرورت ہو اور علوم غیر نافعہ کی بحث ہم نے پہلے باحوالہ عرض کر دی ہے اور یہ وہی ابن مسعود رض ہیں جو امورِ خمسہ کا علم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تسلیم نہیں کرتے

خانصاحب ! آپ اگر تبیاناً لکل شیٔ کی اپنی خود ساختہ اور خانہ ساز تفسیر کے بغیر اور کسی مفسر کی تفسیر نہیں سُننا چاہتے تو صاف یہ فرما دیں کہ میرا قلبِ مُبارک اپنی خانہ ساز تفسیر کے علاوہ کسی اور تفسیر کو تسلیم نہیں کرتا۔ مگر یہ عذرِ لنگ کیا ہوا کہ قاضی بیضاوی رح اور علامہ خازن رح وغیرہ ائمہ تفسیر مفسر ہی نہیں ہیں؟ اور اس لحاظ سے یقین کیجئے کہ خان صاحب کے نزدیک کوئی مفسر مفسر ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سو فیصدی حضرات مفسرین کرامؒ تبیاناً لکل شیٔ کا معنیٰ اجمالاً یا تفصیلاً اُمورِ دین یا ایسے اُمور سے کرتے ہیں جن کی دین اور دنیا معاش و معاد میں لوگوں کو حاجت پیش آئے۔

اس مبسوط بحث کے بعد ضرورت تو نہیں کہ ہم کچھ اور عرض کریں مگر مختصر طریقہ پر سورۃ یوسف اور سورۃ انعام وغیرہ کی آیتوں کی بطورِ نمونہ چند تفسیریں عرض کر دیتے ہیں تاکہ معاملہ بالکل بے غبار ہو جائے۔

چنانچہ امام بغوی رح لکھتے ہیں کہ :۔

وتفصيل كل شيءٍ مما يحتاج العباد اليه من الحلال والحرام والامر والنهي (معالم ج ۲ ص۱۰)

ہر چیز کی تفصیل سے مراد یہ ہے کہ حلال و حرام اور امر و نہی وغیرہ جس کی ضرورت بندوں کو پیش آتی ہے اسکی تفصیل ہے۔

اور امام جلال الدین رح لکھتے ہیں کہ :۔

وتفصيل تبيين كلِّ شيءٍ يحتاج اليه في الدين۔ (جلالين ص۲۰۰)

تفصیل کل شیٔ سے مراد یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں ہر وہ چیز بیان کی گئی ہے جسکی دینی لحاظ سے لوگوں کو حاجت ہو۔

اور حافظ ابنِ کثیر رح لکھتے ہیں کہ :۔

وتفصيل كلِّ شيءٍ من تحليل وتحريم ومحبوب ومكروه وغير ذالك من الامر بالطاعات والواجبات والمستحبات والنهي عن المحرمات وماشاكلها من المكروهات والاخبار عن الامور الجلية وعن الغيوب المستقبلة المجملة والتفصيلية والاخبار عن الرب تبارك وتعالى بالاسماء والصفات وتنزهه عن مماثلة المخلوقات (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۴۹۸)

تفصیل کل شیٔ سے حلال و حرام، محبوب و مکروہ اور امر بالطاعات اور واجبات و مستحبات اور محرمات سے نہی اور اسی طرح مکروہات وغیرہ سے کنارہ کشی کرنا وغیرہ مراد ہے اور نیز بڑے بڑے اُمور کی خبر دینا اور اسی طرح غیوب مستقبلہ کے بارے میں کچھ اجمالی اور کچھ تفصیلی خبریں دینا اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اور اس کے مخلوقات کی مماثلت سے منزہ اور مبرا ہونے کی خبریں دینا اس میں شامل ہیں۔

اور سورۂ انعام کی آیت کا ٹکڑا بعض حضرات مفسرین کرام کے نزدیک لوح محفوظ سے متعلق ہے (دیکھئے ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۱ و جلالین ص ۱۱۵ وغیرہ)

اور جو حضرات الکتاب سے قرآن کریم مراد لیتے ہیں وہ بھی اس کی تصریح کرتے ہیں کہ اس میں من شیٔ سے کل اشیاء مراد نہیں چنانچہ حضرت امام رازی رح لکھتے ہیں کہ :-

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْئٍ یجب ان یکون مخصوصاً ببیان الاشیاء التی یجب معرفتہا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۲ ص ۲۱۵)

مَا فَرَّطْنَا فِی الکتاب من شیٔ میں جو من شیٔ کا لفظ ہے وہ عام نہیں ہے بلکہ اس کا ان اشیاء کے ساتھ خاص کر دینا واجب ہے جن کی معرفت اور علم لابدی اور ضروری ہے۔

اور علامہ ابو السعود الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :-

ای ما ترکنا فی القرآن شیئاً من الاشیاء المہمۃ (تفسیر ابی السعود ج ۲ ص ۹۷)

ہم نے قرآن کریم میں اشیاء مہمہ میں سے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کا بیان ہم نے نہ کر دیا ہو۔

اور امام جلال الدین سورۂ بنی اسرائیل (جو مکی ہے) کی ایک آیت کے اس ٹکڑے وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ الآیۃ کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ :-

وَكُلَّ شَيْءٍ یحتاج الیہ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا (جلالین ص ۲۳۱)

وکل شیٔ فصلنٰہ تفصیلا کا یہ معنی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی حاجت پڑتی ہے ہم نے اس کی تفصیل کر دی ہے۔

اور امام رازی رح لکھتے ہیں کہ :-

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ای کل شیٔ بکم الیہ حاجۃ اھ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۷۷)

ہر وہ چیز جس کی تمہیں حاجت تھی ہم نے بیان کر دی ہے۔

اور سورۂ اعراف میں تورات کے بارے میں تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ آیا ہے اس کی تفسیر میں امام بغوی رح لکھتے ہیں کہ :-

لکل شیٔ من الامر والنہی والحلال والحرام والحدود والاحکام (معالم ج ۲ ص ۲۸۰)

کل شیٔ سے امر و نہی، حلال و حرام اور حدود و احکام مراد ہیں۔

اور امام جلال الدین رح لکھتے ہیں کہ :-

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ یحتاج الیہ فی الدین (جلالین ص ۱۴۱)

من کل شیٔ سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کی دین میں لوگوں کو حاجت ہو

اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وان اللّٰہ کتب لہ فیھا مواعظ واحکاما مفصلۃ مبیّنۃ للحلال والحرام۔
(تفسیر ابن کثیرؒ ج ۲ صلا ۲۴۶)

اللّٰہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تورات میں مواعظ واحکام مفصل طور پر بیان کیے جن میں حلال وحرام کی پوری تفصیل موجود تھی۔

اور نیز لکھتے ہیں:۔

وتفصیلا لکل شیٔ لما یحتاج الیہ فی شریعتہٖ
(ج ۲ صلا ۱۹۱)

کہ تفصیلاً لکل شیٔ سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کی حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں ضرورت تھی۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

وتفصیل لکل مایحتاجون الیہ من الحلال والحرام۔
(البدایہ والنہایہ ج ا صلا ۲۸۵)

تفصیل لکل شیٔ سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کی طرف لوگوں کو حلال وحرام میں ضرورت پڑتی ہے اس میں مفصل بیان کر دی گئی ہے۔

یہ ہیں تَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْئٍ وغیرہ کی وہ آیات جن سے فریقِ مخالف نے علمِ غیب کُلّی پر استدلال کیا ہے اور اپنے مدعیٰ پر اہل السنت والجماعت کے کم از کم دو معتبر اور مستند حضرات مفسرین کرام رحؒ کے اقوال سے تائید پیش کرنے سے سراسر عاجز وقاصر ہے، دو تو ہے بجائے خود کسی ایک معتبر اور مستند مفسر سے بھی ان آیات کی تفسیر میں علمِ غیب کُلّی کا قیامت تک اثبات محال ہے۔ دیدہ باید۔

رہی یہ بات کہ ہر چیز ہی دین ہے جیسا کہ فریقِ مخالف کے بعض بے باک مناظر کہہ دیا کرتے ہیں تو یہ ایک نہایت مہمل اور فرسودہ بات ہے کیونکہ ہم پہلے مختلف ابواب میں امورِ دین اور دنیا کا فرق نیز جادو، کہانت، شعبدہ، نجوم اور سیمیاء وغیرہ کے غیر دینی اور غیر مفید ہونے کا پورے دلائل سے ثبوت پیش کر آئے ہیں۔ فریقِ مخالف ہی ازراہِ انصاف و دیانت یہ بتلائے کہ ہر ایک انسان و حیوان حتیّٰ کہ کتے کے سر اور بدن کے بالوں کی تعداد کے جاننے کو دین سے کیا تعلق ہے؟ اسی طرح اس بات کا معلوم کرنا کہ آج کتنی مکھیاں اور مچھر اور دیگر کیڑے مکوڑے پیدا ہوئے اور کتنے مرے، بتلائیے کہ ان معلومات کا دین سے کیا تعلق ہے؟ اور یہ کہ گدھے اور کتے وغیرہ وغیرہ لاتعداد جانور اتنی اتنی دفعہ زندگی میں جفتی کریں گے اور اتنی دفعہ اور اتنے قطرات پیشاب کریں گے وغیرہ وغیرہ ان لایعنی باتوں کا دین سے کیا

لگاؤ ہے؟ اور ان کا ثبوت قرآن کریم کی کس کس سورت اور کس کس آیت سے ہوسکتا ہے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ! الغرض تفصیلاً لکلّ شیءٍ وغیرہ کی آیات سے علم غیب کلی پر استدلال کرنا قرآن کریم، صحیح احادیث اجماع اُمت اور عقل صریح کے بالکل خلاف ہے جو یقیناً مردود ہے ؎

آتی ہے اک آواز مجھے دل کی طرف سے
منزل کا بلاوا ہے یہ منزل کی طرف سے

لطیفہ:۔ جس طرح غیر اللہ کے متعلق علم غیب کا عقیدہ سراسر غیر اسلامی اور شیعہ شنیعہ وغیرہم سے مستعار ہے اسی طرح تبیاناً لکلّ شیءٍ سے اس پر دلیل قائم کرنا بھی اہل تشیع سے مستعار ہے۔ چنانچہ ان کی مشہور ومعروف کتاب اصول کافی میں امام جعفر صادق رحمہ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ:۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام لو کنت بین موسیٰ وخضر لاخبرتھما انی اعلم منھما انی لاعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض واعلم ما فی الجنۃ واعلم ما فی النار واعلم ما کان وما یکون فرای ان ذالک کبر علی من سمعہ فقال علمت من کتاب اللہ فیہ تبیان کل شیءٍ۔

(اصول کافی ص۱۶۱)

امام ابو عبد اللہ رحمہ نے فرمایا کہ اگر میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے پاس ہوتا تو میں ان کو بتلا دیتا کہ میں ان دونوں سے بڑا عالم ہوں (معاذ اللہ تعالیٰ) کیونکہ میں آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کو جانتا ہوں اور جنت اور دوزخ کی چیزوں کو جانتا ہوں اور جو کچھ ہو چکا ہے اور آئندہ ہوگا میں اس کو بھی جانتا ہوں۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ لوگوں پر یہ دعویٰ گراں گزر رہا ہے تو وہ فرمانے لگے کہ میں نے یہ سب کچھ قرآن کریم سے معلوم کیا ہے کیونکہ فیہ تبیان کل شیءٍ اس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔

لیجئے غیر اللہ کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والوں کا قارورہ کس فرقہ سے جا ملا ہے، کیا خوب ؎

ہمارے شوق کی منزل نہ پوچھ اے ناصح
دل اپنا راہ بنا ہے جدھر کو لے کے چلے

دلیل دوم فریق مخالف نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کُلّی کو یوں قیاس کیا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب چیزوں کے نام بتا دیے تھے اور ایک آیت کا یہ ٹکڑا اس کی دلیل ہے کہ:۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ (پ ۱ ۔ بقرہ ۔ رکوع ۴) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھا دیے پھر اس نے وہ سب اشیاء ملائکہ پر پیش کیں۔

اور یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درجہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس طرح تمام دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر ہے لہٰذا آپ کو بطریق اولیٰ ان سب چیزوں کے نام اور ان کے علوم حاصل ہوں گے۔ اور جب آپ کو ماکان و مایکون کا علم حاصل ہو گیا تو ہمارا مدعیٰ ثابت ہو گیا۔ (محصلہ۔ دیکھئے خالص الاعتقاد ص۲ وجاء الحق از ص۲ تا ص۲ وغیرہ)

جواب فریق مخالف کا یہ استدلال بھی قطعاً باطل ہے۔

اوّلاً اس لیے کہ عقائد کے باب میں قیاس جو ایک ظنّی دلیل ہے کوئی حیثیت نہیں رکھتا وثانیاً یہ استدلال اس امر پر مبنی ہے کہ لفظ کُل عموم میں نص قطعی ہے اور ہر مقام پر استغراق حقیقی کے لیے آتا ہے اور کبھی خاص ہو کر مستعمل نہیں ہوتا اور ہم اس کی بحالا مزید علیہ بحث کر چکے ہیں کہ یہ نظریہ باطل ہے اور بتا چکے ہیں کہ یہ بعض اور اکثر کے معنیٰ میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔

وثالثاً اگر وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلی علم غیب مل چکا ہوتا جیسا کہ فریق مخالف کا بے بنیاد دعویٰ ہے تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شیطان لعین نے دھوکہ دے کر جنت سے کیوں نکالا اور قسم کھا کر کیوں ان کو پھسلایا؟ حالانکہ تعلیم اسماء پہلے کا واقعہ ہے اور حضرت آدم وحواء علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ابلیس مردود کا یہ مکر بعد کو پیش آیا تھا کیسے باور کر لیا جائے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جمیع ماکان و مایکون کے عالم ہوتے ہوئے خناس کے فریب میں آ گئے؟ اور ہم قدرے تفصیل کے ساتھ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں کہ ان کو علم غیب حاصل نہ تھا قرآن کریم اور صحیح حدیث سے کچھ حوالجات درج کر آئے ہیں، وہاں ہی ملاحظہ کر لیں، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے

ورابعاً الاسماء کلھا کی حضرات مفسرین کرام نے مختلف اور متعدد تفسیریں کی ہیں۔ چنانچہ علامہ خازنؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا فقال يا آدم هذا بعير وهذا فرس وهذه شاة حتى اتى على اخرها وقيل علم آدم اسماء الملئكة وقيل اسماء الذرية وقيل علمه اللغات كلها۔

(تفسیر خازن ج ۱ ص ۱۴)

وعلم آدم الاسماء کلہا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو یوں تعلیم دی کہ اے آدم یہ اونٹ ہے اور یہ گھوڑا ہے اور یہ بکری ہے حتیٰ کہ اخیر تک اشیاء کے نام بتلائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو فرشتوں کے نام بتائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی ذریت کے نام بتلائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو سب لغات کی تعلیم دی گئی۔

علامہ بغوی رح لکھتے ہیں کہ:

قال ابن عباس رض ومجاهد رح وقتادة رح علمه اسم كل شيء حتى القصعة والقصيعة وقيل اسم ما كان وما يكون الى يوم القيامة وقال الربيع بن انس رح اسماء الملائكة وقيل اسماء ذريته وقيل صنعة كل شيء قال اهل التاويل ان الله عز وجل علم آدم جميع اللغات ثم تكلم كل واحد من اولاده بلغة فتفرقوا في البلاد واختص كل فرقة منهم بلغة۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۱)

حضرت ابن عباس رض اور مجاہد رح اور قتادہ رح نے فرمایا کہ ہر چیز کا نام اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو بتلا دیا حتیٰ کہ بڑے اور چھوٹے پیالے تک کے نام ان کو بتا دیئے گئے اور کہا گیا ہے کہ سابق اور قیامت تک ہونے والی اشیاء کے نام ان کو بتا دیئے گئے اور ربیع بن انس رح کہتے ہیں کہ فرشتوں کے نام ان کو بتائے گئے اور کہا گیا ہے کہ ان کی اولاد کے نام بتائے گئے اور کہا گیا ہے کہ ہر چیز کی صنعت اور حرفت کی تعلیم ان کو دی گئی اور اہل تاویل نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو جمیع لغات کی تعلیم دی پھر ان کی اولاد میں سے ہر ایک فرقہ نے ایک خاص لغت کے ساتھ تکلم اختیار کیا اور مختلف شہروں میں بکھر گیا۔

اور علامہ ابو طاہر محمد رح بن یعقوب ؒ لکھتے ہیں کہ:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اسماء الذرية ويقال اسماء الدواب وغير ذلك حتى القصعة والقصيعة والسكرجة۔

(تنویر المقباس ج ۱ ص ۱۱)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو سب اشیاء کے نام بتائے یعنی ان کی ذریت کے نام بتائے اور کہا جاتا ہے کہ جانور وغیرہ کے نام بتلائے گئے حتیٰ کہ بڑے اور چھوٹے پیالے اور رکابی تک کے نام اُن کو بتلائے گئے۔

اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

عن ابن عباس رضؓ (بروایۃ السدیؒ) وعلّم آدم الاسماء کلّہا قال علمہ اسماء ولدہ انسانا انسانا و الدواب فقیل ھٰذا الحمار وھٰذا الجمل و ھٰذا الفرس وقال الضحاکؒ عن ابن عباسؓ وعلّم آدم الاسماء کلّہا قال ھی ھٰذہ الاسماء التی یتعارف بہا الناس انسان ودواب و سماء وارض وسہل وبحر وخیل وحمار واشباہ ذالک من الامم وغیرہا الیٰ ان قال عن ابن عباس رضؓ وعلّم آدم الاسماء کلّہا قال علمہ اسم کل دابۃ وکل طیر وکل شیئ وکذالک روی عن سعیدؒ بن جبیرؒ وقتادہ وغیرہم من السلف انہ علمہ اسماء کل شیئؒ وقال الربیعؒ فی روایۃ عنہ اسماء الملائکۃ وقال حمید الشامیؒ اسماء النجوم وقال عبد الرحمٰنؒ بن زیدؒ علمہ اسماء ذریتہٖ کلّہم واختار ابن جریرؒ انہ علمہ اسماء الملئکۃ واسماء الذریۃ الیٰ ان قال الصحیح انّہ علمہ اسماء الاشیاء کلّہا ذواتہا وصفاتہا وافعالہا الخ

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۷۳)

حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ان کی اولاد اور حیوانوں میں سے ایک ایک انسان اور حیوان کا نام بتایا سو کہا گیا یہ گدھا ہے یہ اونٹ ہے یہ گھوڑا ہے اور حضرت ضحاکؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سب چیزوں کے نام بتائے یہی نام جن سے لوگ متعارف ہیں۔ مثلاً انسان اور جانور، آسمان و زمین، خشکی اور دریا، گھوڑا اور گدھا وغیر ذالک من الامم۔ پھر فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ہر چوپائے اور ہر پرندے اور ہر چیز کا نام بتا دیا۔ اور اسی طرح سعیدؒ بن جبیرؒ اور قتادہ رحؒ اور دیگر سلف سے منقول ہے کہ ہر چیز کا نام اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو بتا دیا اور ربیع رحؒ کہتے ہیں کہ فرشتوں کے نام بتائے، اور حمید شامیؒ کہتے ہیں کہ ستاروں کے نام بتائے۔ اور عبد الرحمٰنؒ بن زید کہتے ہیں کہ سب اولاد کے نام بتائے اور ابنِ جریر رحؒ نے اس کو اختیار کیا ہے کہ فرشتوں کے اور ذریت آدمؑ کے نام بتلائے۔ پھر ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سب چیزوں کی ذوات وصفات اور افعال بتلائے۔

اور علامہ نسفی الحنفی رحؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ومعنی تعلیمہ اسماء المسمیات انہ تعالیٰ اراہ الاجناس التی خلقہا وعلّمہ ان ھٰذا اسمہ

اسماء مسمیات کی تعلیم کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اُن جنسوں کا علم دے دیا جو خدا تعالیٰ نے

فرس وهذا اسمه بعير وهذا اسمه كذا و هذا اسمه كذا وعن ابن عباس رضـ علمه اسم كل شئ حتى القصعة والمغرفة

(مدارک ج ۱ ص ۱۱)

پیدا فرمائیں اور یہ بتا دیا کہ اس کا نام گھوڑا ہے اور اس کا نام اونٹ ہے اور اس کا یہ اور اس کا یہ نام ہے اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا نام بتایا حتیٰ کہ پیالہ اور چمچہ کا نام بھی بتایا۔

اور مفتی محمد عبدہ المصری رہ لکھتے ہیں کہ:۔

ای اودع فی نفسه علم جمیع الاشیاء من غیر تحدید ولا تعیین۔

(المنار ج ۱ ص ۲۶۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی فطرت اور ان کی طبیعت میں جمیع اشیاء کا بغیر تحدید و بغیر تعیین کے علم ودیعت رکھ دیا۔

ان تمام تفاسیر کو پیش نظر رکھنے کے بعد بخوبی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ الاسماء کلھا کی تفسیر میں حضرات ائمہ تفسیرؒ کے اقوال کتنے مختلف ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ مگر قدرِ مشترک سب میں یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اُن اشیاء کے نام بتائے جن کی اُن کو ضرورت اور حاجت پیش آسکتی تھی اور فرشتوں کے حال سے اُن اشیاء کی مناسبت نہ تھی۔ آخر فرشتوں کو گھوڑوں اور گدھوں کی اور اونٹوں اور بکریوں کی، پیالوں اور رکابیوں کی، ہانڈیوں اور چمچوں کی بھلا ضرورت بھی کیا ہے؟ کہ جب وہ نہ تھکتے ہیں اور نہ بھوکے اور پیاسے ہوتے ہیں تو گھوڑے اور پیالے اور رکابی و ہانڈی اور چمچے کو وہ کیا کریں گے؟ مگر ان اشیاء پر عالمِ اسباب میں حضرت آدمؑ اور اُن کی ذریت کی زندگی موقوف تھی اس لیے ان کو ان کے ناموں کی اور ان کی ذوات وصفات اور افعال کی تشریح بتا دی کہ یہ چیز اس کام کی ہے اور یہ اس کام آتی ہے، اور پھر صاحب مدارک وغیرہ کی تفسیر میں اس کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جو علم عطا فرمایا تو ان اشیاء کی اجناس کا علم تھا مثلاً یہ کہ یہ گھوڑا ہے اور یہ اُونٹ ہے، اور یہ فلاں چیز ہے اور یہ فلاں چیز ہے، اور یہ انسان ہے اور یہ بکری ہے۔ رہا اس جنس کے تمام افراد اور افراد کے تمام جزئی حالات تو ان کا اس میں کوئی ذکر نہیں اور اگر ہر ہر انسان کا اور حیوان کا نام بھی بتایا گیا ہو تو ہر ہر انسان اور حیوان وغیرہ کے تمام تفصیلی حالات پھر بھی الگ رہیں گے۔ غرضیکہ اس آیت سے غیر ضروری اور غیر متعلق باتوں اور حالات کا علم حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ثابت کرنا کسی طرح بھی صحیح اور قرین قیاس نہیں ہے۔

آخر فریقِ مخالف کے وکیل خانصاحب بریلی، علامہ عبدالعزیز پرہاروی رح (المتوفی بعد ۱۲۳۹ھ) کی ایک طویل

عبارت میں جو عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّہَا کی تفسیر میں انہوں نے لکھی ہے یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ:

والمراد بقولہ تعالیٰ الاسماء کلہا، الاسماء التی یطیقہا آدم ویحتاج الیہا سائر البشر وبہم بہا تعلق اھ

(خالص الاعتقاد ص۴۹)

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد الاسماء کلہا سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ نام اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو بتا دیے جن کی حضرت آدم ؑ کو طاقت تھی اور جن کی سب کو حاجت تھی اور جن اشیاء کے ساتھ لوگوں کا تعلق تھا۔

اس مفہوم میں جتنی بھی وسعت پیدا کر لی جائے کہ عرش سے لے کر فرش تک اور آسمان سے لے کر زمین تک اور دُنیا سے لے کر آخرت تک اور جنت سے لے کر دوزخ تک اور پہاڑوں سے لے کر دریاؤں تک اور درختوں سے لے کر پتوں تک اور ناطق سے لے کر جامد تک کچھ ہی لے لیا جائے مگر اتنی بات تو آخر کہنا ہی پڑے گی کہ ان اشیاء کی حضرت آدم ؑ اور اُن کی اولاد کو ضرورت اور حاجت بھی ہو اور ان اشیاء کا ان سے تعلق بھی ہو غیر متعلق اور غیر ضروری چیزیں مثلاً جادو، کہانت، شعبدہ، طلسم علم نجوم وغیرہ وغیرہ جس کی مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے، الاسماء کلہا کی مد میں ہرگز ہرگز شامل نہیں ہیں۔ جیسا کہ کسی بھی ذی علم اور صاحبِ ایمان اور اہلِ ذوق پر یہ مخفی نہیں ہے۔

مفتی احمد یار خاں صاحب نے تفسیر کبیر اور تفسیر ابو السعود اور تفسیر روح البیان وغیرہ سے کچھ عبارتیں نقل کر کے اپنی لاعلمی یا خیانت کی وجہ سے ان کو اپنا مستدل قرار دیا ہے حالانکہ وہ سب ان کے باطل مدعیٰ کے خلاف جاتی ہیں۔ ہم عربی عبارت تو بخوفِ طوالت نقل نہیں کرتے، ہاں ان کا ترجمہ ہم مفتی صاحب کی زبانی عرض کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھا دیے اور یہ ہی مشہور ہے کہ مراد مخلوق میں سے ہر حادث کے جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہوں گے جن کو اولادِ آدم ؑ آج تک بول رہی ہے، عربی، فارسی، رومی وغیرہ تفسیر ابو السعود میں اس آیت کے ماتحت ہے، کہا گیا ہے کہ حضرت آدم ؑ کو گذشتہ اور آئندہ چیزوں کے نام بتا دیے اور کہا گیا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کے نام بتا دیے عقلی حسی خیالی وہمی چیزیں بتا دیں اور ان چیزوں کی ذات، ان کے نام ان کے خاصے ان کی پہچان علم کے قواعد ہنروں کے قانون ان کے اوزاروں کی تفصیل اور ان کے استعمال

کے طریقے کا علم حضرت آدمؑ کو الہام فرمایا۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے
اور حضرت آدمؑ کو چیزوں کے حالات سکھائے اور جو کچھ ان میں دینی اور دنیوی نفع ہیں وہ
بتائے اور اُن کو فرشتوں کے نام ان کی اولاد اور حیوانات اور جمادات کے نام بتلائے اور ہر
چیز کا بنانا بتایا تمام شہروں اور گاؤں کے نام، پرندوں اور درختوں کے نام جو ہو چکا یا جو کچھ
بھی ہوگا اُن کے نام اور جو قیامت تک پیدا فرمائے گا اُن کے نام اور کھانے پینے کی چیزوں
کے نام جنت کی ہر نعمت غرضیکہ ہر چیز کے نام بتا دیئے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت آدمؑ
کو سات زبانیں سکھائی گئیں " انتہیٰ بلفظہٖ (جاء الحق صـ ۹۲، ۹۳)

ان تفاسیر کا بھی وہی مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ الاسماء کلہا سے ہر وہ چیز مراد ہے جسکی
ضرورت حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد کو پیش آسکتی تھی اور اس میں دینی اور دنیوی منافع بھی ہوں
جیسا کہ خط کشیدہ عبارت اس کو ظاہر کر رہی ہے۔ رہی وہ تعمیم جس کے اثبات کے درپے مفتی صاحب
ہیں تو وہ ہرگز ان عبارات سے ثابت نہیں ہوتی اور نہ ان حضرات مفسرین کرام رہ کی وہ مراد ہے اور نہ
صحیح دلائل اس کی تائید کرتے ہیں ؎

گر نباید بگوش رغبت کس   بر رسولاں بلاغ باشد و بس

دلیل سوم خاں صاحب بریلی، مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں واللفظ للآخر:۔

فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ   تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے

اس کے بعد تفسیر کبیر، تفسیر عزیزی، خازن اور روح البیان کی وہ تفسیریں جو ان کے مدعا کے سراسر
خلاف ہیں نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:۔

"اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علم غیب حتی کہ قیامت
کا علم بھی حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا، اب کیا شے ہے جو علم مصطفےٰ علیہ السلام سے باقی
رہ گئی " انتہیٰ بلفظہٖ (جاء الحق صـ ۵۵ و صـ ۵۶ و خالص الاعتقاد صـ ۲۴ و مقیاس
حنفیت صـ ۲۶۱)

جواب فریقِ مخالف کا اس سے استدلال بالکل باطل ہے :۔

اوّلاً اس لیے کہ یہ سورۂ جن کی ایک آیت کا حصہ ہے اور سورۂ جن مکّی ہے اور مکّہ مکرّمہ میں اگر اس کو آخری سورت بھی تسلیم کرلیا جائے (حالانکہ اس کے بعد بہت سی سورتیں مکّہ مکرّمہ میں نازل ہوئیں، دیکھئے تفسیر اتقان ج ۱ ص ۲۵) تب بھی یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ دیگر احکام حلال و حرام اور حدود وغیرہ تو رہے اپنی جگہ پورا قرآنِ کریم بھی مکّہ مکرّمہ میں نازل نہیں ہوا تھا کیا فریقِ مخالف کے نزدیک قرآنِ کریم کا وہ حصّہ علمِ غیب میں داخل نہیں ہے؟ اور پھر مدنی سورتوں میں علمِ غیب کی نفی کیوں آئی ہے؟ جواب کے لیے تو صرف یہی ایک بات ہی کافی ہے۔

وثانیاً فریقِ مخالف اس سے کیا مراد لیتا ہے۔ کُلّی علمِ غیب یا بعض علمِ غیب۔ بصورتِ ثانی ان کا مدعیٰ باطل ہو جائے گا اور بصورتِ اول اسی آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ :۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا۔ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ اعلان کردیں کہ میں نہیں جانتا کیا قریب ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے یا اس کیلئے میرا رب کوئی مدت مقرر کرے۔

مَا تُوْعَدُوْنَ سے بعض حضرات مفسرینِ کرام رح کے نزدیک عذاب اور بعض کے نزدیک قیامت مراد ہے کچھ بھی ہو کوئی چیز ماکان وما یکون میں ایسی ضرور ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے یہ اعلان کرواتا ہے کہ آپ فرمادیں کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ پھر یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ بالکل متصل اور پیوستہ ہی یہ حکم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب غیب بتا دیا ہے جس میں عذاب اور قیامت بھی داخل ہے۔ آخر فریقِ مخالف ہی لب کشائی کرے کہ اللہ تعالیٰ کے کلامِ پاک میں یہ اختلاف اور تضاد بیان کیوں ہے؟ کہ ساتھ ہی یہ حکم ہو کہ آپ کہہ دیں کہ مجھ کو عذاب یا قیامت کا علم نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ حکم ہو کہ سب کچھ ہم نے آپ کو بتا دیا ہے۔ خدارا کچھ تو فریق انصاف کرے اور خدا تعالیٰ کی اس مظلوم کتاب پر یہ ظلم روا نہ رکھے۔ لہٰذا اس سے کُلّی علمِ غیب قطعاً باطل اور سراسر مردود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں نہ تعارض و تضاد ہے اور نہ واحتمال ہے ؎

خوبش را تاویل کُن نے ذکر را

مولوی محمد عمر صاحب کا افتراء

مولوی صاحب نے جب دیکھا اور کئی مرتبہ مناظروں پر اہل حق سے لاجواب ہو کر منہ کی کھائی تو آؤ دیکھا نہ تاؤ لگے خدا تعالیٰ کی محکم کتاب کی تحریف کرنے اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرنے (العیاذ باللہ تعالیٰ) چنانچہ لکھتے ہیں کہ :-

"نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی اللہ تعالیٰ نے قیامت کے جھگڑے میں دخیل نہ ہونے کی ترغیب دلاکہ قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا سے کفار کو ٹالا لیکن پھر اسی خصوصی غیب علم قیامت کو اپنے رسل کے خواص پر مطلع ہونے کا اظہار بھی فرما دیا تاکہ کفار یہ نہ سمجھیں کہ نبی خود بھی بے خبر ہے۔ ہمیں ویسے ہی اس کی خبریں سنا سنا کر ڈراتا ہے" (بلفظہ مقیاس ص۳۶)

ایسا صریح بہتان اور خالص افتراء اللہ تعالیٰ کی کتاب پر کسی عیسائی اور یہودی نے بھی نہیں تراشا جو مولوی محمد عمر صاحب نے ایجاد کیا ہے۔ مولوی صاحب ہوش وحواس کو قائم کر کے یہ کہیں کہ اللہ تعالےٰ نے امام الانبیاء اور سید الرسل اور خاتم النبیین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان پاک سے یہ خلاف واقع بیان کیوں دلوایا کہ میں نہیں جانتا۔ حالانکہ آپ کو علم تھا، اور کیا اس جھوٹ کے بغیر اللہ تعالیٰ کفار کو کسی اور احسن طریقہ سے نہیں ٹال سکتا تھا؟ کیا خدا تعالےٰ اور قرآن کریم کی یہی تعلیم ہے کہ اندر کچھ ہو اور زبان سے ٹالنے کے لیے اور کچھ کہہ دیا جائے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ تعالیٰ! (العیاذ باللہ تعالیٰ ثم العیاذ باللہ تعالیٰ)

وثالثاً حضرات مفسرین کرام ؒ نے اس جگہ کلی غیب نہیں بلکہ بعض غیب مراد لیا ہے۔ چنانچہ قاضی بیضاوی ؒ لکھتے ہیں کہ :-

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ای علی غیبہ المخصوص بہ علمہ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی لعلم بعضہ حتی یکون لہ معجزۃ

(بیضاوی ج ۲ ص۳۷۹)

اللہ تعالےٰ اپنے غیب مخصوص پر جو اس کے علم کے ساتھ خاص ہے کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ ہاں مگر اپنے بعض رسولوں کو اپنے بعض علم غیب پر مطلع کر دیتا ہے تاکہ یہ اس کے لیے معجزہ ہو جائے۔

اور علامہ نسفی ؒ لکھتے ہیں کہ :-

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ الا رسولا قد ارتضاہ لعلم بعض الغیب لیکون اخبارہ عن الغیب معجزۃ لہ فانہ یطلعہ علی غیبہ ما شاء

یعنی الا من ارتضی من رسول سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے کسی برگزیدہ رسول کو بعض علم غیب پر مطلع کر دیتا ہے تاکہ اس کا غیب کی خبر دینا معجزہ ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو

اپنے غیب پر جتنا چاہتا ہے آگاہ کر دیتا ہے

(مدارک ج ۶ ص ۳۷۹)

اور علامہ ابو طاہر محمدؒ بن یعقوبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ الا من اختار من الرسل فانہ یطلعہ علی بعض الغیب (تنویر المقباس ج ۶ ص ۳۷۹)

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے مراد یہ ہے کہ اپنے رسولوں میں سے جس کو اللہ تعالےٰ چن لیتا ہے۔ اس کو بعض غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔

علامہ خازن رحؒ لکھتے ہیں کہ:

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی اِلَّا مَنْ یصطفیہ لرسالتہ ونبوتہ فیظہرہ علی مایشاء من الغیب حتی یستدل علی نبوتہ بما یخبر بہ من المغیبات فیکون ذالک معجزۃ لہ وآیۃ دالۃ علی نبوتہ

(خازن ج ۶ ص ۳۷۹)

یعنی اِلَّا من ارتضٰی من رسول سے وہ رسول مراد ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے رسالت اور نبوّت کے لیے انتخاب کر لیا ہو سو اس کو غیب میں سے جس حصّہ پر چاہے مطلع کر دیتا ہے تاکہ جب وہ غیب کی خبریں بیان کرے تو یہ اس کی نبوّت کی دلیل اور بطورِ معجزہ کے واضح حجت ہو۔

اور اسی کے قریب قریب الفاظ معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۹۱ میں ہیں۔

اور حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

الا من ارتضٰی من رسول فانہ یقتضی اطلاع الرسول علی بعض الغیب (فتح الباری ج ۸ ص ۳۹۵)

مگر جس رسول کو اللہ پسند کرے کیونکہ یہ آیت چاہتی ہے کہ رسول بعض غیب پر مطلع ہو۔

اور علامہ قسطلانی رحؒ لکھتے ہیں کہ:۔

الا رسولا قد ارتضاہ لعلم بعض الغیب لیکون اخبارہ عن الغیب معجزۃ لہ

(ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۲۱۵)

مگر جس رسول کو اللہ چن لے بعض علم غیب کی تعلیم کے لیے تاکہ اس رسول کی غیب سے خبر اس کا معجزہ ہو۔

اور علامہ ابو السعودؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ای رسولا ارتضاہ لاظہارہ علی بعض غیوبہ المتعلقۃ برسالتہ (ابو السعود ج ۸ ص ۳۴۳)

یعنی وہ رسول جس کو اللہ تعالیٰ نے بعض غیوب پر مطلع کرنے کے لیے منتخب کر لیا ہو جو اس کی رسالت سے متعلق ہیں۔

اور علامہ آلوسی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ:۔

ای لکن الرسول المرتضیٰ یظہرہ جل وعلا علی بعض الغیوب المتعلقۃ برسالتہ (روح المعانی ج۲۹ ص۹۹)

یعنی مگر وہ رسول جو چُن لیا گیا ہو اللہ تعالےٰ اس پر بعض ایسے غیوب ظاہر کر دیتا ہے جو اس کی رسالت سے متعلق ہوتے ہیں۔

اور شاہ عبد العزیز صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

" پس مطلع نمی کند بر غیب خاص خود ہیچ کس را بوجہے کہ رفع تلبیس واشتباہ غطا بکلی دراں حاصل شود واحتمال خطا واشتباہ اصلاً نماند مگر کسی را پسند می کند وآں کس رسولے باشد خواہ از جنس ملک باشد مثل حضرت جبرائیل علیہ السلام وخواہ از جنس بشر مثل حضرت محمدؐ وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کہ او اظہار بر بعضے از غیوب خاصہ خود می فرماید "

(تفسیر عزیزی پارہ ۲۹ ص۱۷۵)

اور خان صاحب وغیرہ کی خود پسند تفسیر روح البیان میں بھی اس کی تصریح موجود ہے کہ:۔

ای الا رسولاً ارتضاہ واختارہ لاظہارہ علی بعض غیوبہ المتعلقۃ برسالتہ اھ ( )

یعنی مگر وہ رسول جس کو اللہ تعالےٰ نے پسند کر لیا اور چن لیا ہو تاکہ اس کو بعض ایسے غیوب پر مطلع کر دے جو اس کی رسالت سے متعلق ہیں۔

اور ان کی معتبر تفسیر صاوی میں ہے کہ:۔

الا رسولاً ارتضاہ لاظہارہ علی بعض غیوبہ اھ (حاشیہ جلالین ص۴۷۷)

یعنی وہ رسول جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے بعض غیوب پر مطلع کرنے کے لیے چن لیا ہو۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کیا کہ حضرات مفسرین کرام رح آیت کے اس حصہ سے بعض علم غیب ہی مراد لیتے ہیں کل مراد نہیں لیتے۔ حتیٰ کہ وہ حضرات مفسرین کرام رح بھی مثلاً علامہ ابو السعود رح، شاہ عبد العزیز رح اور صاحب روح البیان وغیرہ بھی جن کی تفسیروں سے مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ نے غلط استدلال کیا ہے، تعجب ہوتا ہے ان لوگوں کی مغالطہ آفرینی اور بد دیانتی پر کہ وہ کس طرح عبارات میں قطع و برید کرتے ہیں لیکن حقیقت پر کب تک پردہ ڈالا جا سکتا ہے ؎

آخر شب تو نے دیکھا ظلمت شب کا مآل
یوں ہی مٹ جاتی ہے اک دن گرمیٔ کار حیات

نوٹ ۱:۔ خانصاحب اور ان کے اتباع واذناب نے فلا یظھر کے معنیٰ جو مسلط کے کئے ہیں وہ ان کا ایک تجدیدی اور خانہ ساز کارنامہ ہے۔ لغت میں ظہور پیدا شدن و چیرہ شدن کے معنیٰ میں آتا ہے اور اظہار پیدا کردن و چیرہ گردایندن کے معنیٰ میں آتا ہے۔ (دیکھئے صراح ص۱۹۳ وغیرہ) اس میں تسلط کا سوال ہی سرے سے پیدا نہیں ہوتا علاوہ بریں اگر بالفرض اس کا معنی تسلط ہی کا ہو تب بھی دلائل قطعیہ اور حسب تصریح حضرات مفسرین کرامؒ اس مقام پر بعض علم غیب مراد ہے تو بعض علم غیب پر رسول مرتضیٰ کا مسلط ہونا بھی فریق مخالف کو چنداں مفید نہیں جیسا کہ ظاہر ہے، لہٰذا ظھر علیہ اذا غلب علیہ کی تفسیر بھی سودمند نہیں ہو سکتی۔

دلیل چہارم

خانصاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"اور قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ یعنی میرا محبوب غیب پر بخیل نہیں جس میں استعداد پاتے ہیں اُسے بتاتے بھی ہیں اور ظاہر کہ بخیل وہ جس کے پاس مال ہو اور صرف نہ کرے وہ کہ جس کے پاس مال ہی نہیں کیا بخیل کہا جائے گا اور یہاں بخیل کی نفی کی گئی تو جب تک کوئی چیز صرف کی نہ ہو کیا مفاد ہوا لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور غیب پر مطلع ہیں اور اپنے غلاموں کو اس پر اطلاع بخشتے ہیں۔" بلفظہٖ (الملفوظات حصہ اوّل ص۳۰)

نیز لکھتے ہیں کہ:۔

"ہم (خانہ ساز اور مصنوعی۔ صفدر) اہلِ سنت کا مسئلہ علم غیب میں یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو علم غیب عنایت فرمایا۔ رب عزّوجل فرماتا ہے وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ یہ نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں تفسیر معالم و تفسیر خازن (خازنؒ تو خانصاحب کے نزدیک معتبر نہیں تھے خدا معلوم یہاں خان صاحب کو کیا داعیہ پیش آیا ہے کہ اُن کی تفسیر سے بھی احتجاج و استدلال کی ٹھان لی ہے اور خالص الاعتقاد ص۲۵ میں خصوصیت سے خازنؒ اور بیضاوی سے تفسیر لیتے اور ان کی تفسیر سے استدلال کرتے ہیں۔ شائد خان صاحب کے نزدیک یہ قاعدہ ہو کہ مفیدِ مطلب تفسیر کسی کی بھی ہو وہ معتبر ہے اور اپنی رائے مبارک کے خلاف کیسا ہی معتبر مفسر کچھ کیوں نہ کہے وہ قابلِ غور نہیں بقول شخصے گنگا گئے تو گنگارام جمنا گئے تو جمنا داس صفدر) میں ہے یعنی حضور کو علم غیب آتا ہے وہ تمہیں بھی تعلیم فرماتے ہیں اور وہابیہ دیوبندیوں کا یہ خیال ہے کہ کسی غیب کا علم حضور کو نہیں اپنے خاتمہ کا بھی علم نہیں (لعنۃ اللہ علی الکاذبین) پہلے مَاكُنْتَ

بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ الآیۃ کی تفسیر میں ہم اہلِ حق کے دلائل پیش کر آئے ہیں کہ کسی مسلمان کا یہ خیال نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے خاتمہ کا علم نہیں تھا، وہ تو نبوت کے پہلے ہی دن اپنے ناجی ہونے کا کامل یقین رکھتے تھے۔ البتہ خانصاحب بریلی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ آپ کو تقریباً انیس ۱۹ سال تک اپنی مغفرت کا علم نہیں تھا حتیٰ کہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الآیہ نازل ہوئی تو آپ کو اس کا علم ہوا کما مر مفصلاً۔ صفدر) دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں بلکہ حضور کے لیے علمِ غیب کا ماننا مشرک ہے۔ اھ" بلفظہ (الملفوظات حصہ اوّل ص۶۶ ونحوہ فی خالص الاعتقاد ص۲۵)۔

اور مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علمِ غیب ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو اس سے مطلع فرماتے ہوں" (بلفظہ جاء الحق ص۵۶ و ص۵۷)

اور مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر بخیل نہیں۔ اگر آپ کے پاس عطائی غیب کو بھی تسلیم نہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی یہ کلام معاذ اللہ جھوٹی ثابت ہوتی ہے کہ جو چیز آپ کے پاس ہی نہیں اُس پر بخل کیسا لہٰذا ثابت ہوا کہ آپکے پاس غیب تو ضرور ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطائی ہے" بلفظہ (مقیاس ص۳۰۳)

جواب فریقِ مخالف کا اس سے احتجاج بھی قابلِ سماعت نہیں ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ یہ آیت سورۃ تکویر کی ہے اور یہ سورت حسب تصریح امام سیوطیؒ مکہ مکرمہ میں ساتویں نمبر پر نازل ہوئی تھی (دیکھئے اتقان ج۱ ص۲۵) اور علامہ آلوسی رحمہ لکھتے ہیں کہ:۔

سورۃ التکویر مکیۃ بلا خلاف (روح المعانی ج۳۰ ص۴۹) کہ سورۃ تکویر بالاتفاق مکی سورت ہے

اگر فریقِ مخالف کے نزدیک اس آیت سے تمام علمِ غیب اور جمیع ماکان ومایکون کا علم مراد ہے تو وہ یہ بتائے کہ اور تو چھوڑیئے اس کے بعد قرآنِ کریم کی ایک سو سات سورتیں کیوں نازل ہوئی ہیں؟ اور پھر ان سورتوں میں سے بعض کے اندر بصراحت علمِ غیب کی نفی کیوں ہے؟

وثانیاً اس لیے کہ ھُوَ کے مرجع میں حضرات مفسرین کرام رہ کا اختلاف ہے۔ اکثر اس کا مرجع جنا

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو قرار دیتے ہیں اور بعض ہُوَ کا مرجع ایک تفسیر کے مطابق قرآن کریم کو بتاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

یعنی نیست ایں قرآن بہ بیان علم غیب بخل در زندہ وقصور کنندہ ہرچہ آدمی را در معاش و معاد از علم وعمل میباید دراں کوتاہی ندارد (تفسیر عزیزی پارہ عمّ ص۹۰)

یعنی یہ قرآن کریم علم غیب کے بیان کرنے میں بخل نہیں برتتا اور نہ کوئی کمی کرتا ہے جو کچھ کہ آدمی کو معاش و معاد میں علم وعمل کی ضرورت پڑتی ہے قرآن کریم اس کے بیان کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔

اور مولانا عبدالحق حقانی رح (المتوفی ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء) لکھتے ہیں کہ قرآنِ مجید غیب کی باتیں بتلانے میں بخل اور کمی نہیں کر رہا ہے۔ (تفسیر حقانی ج۸ ص۵۴)

وثالثاً اس لیے کہ اس آیت میں الغیب کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام رح کا بیان مختلف ہے حضرت قتادہ رح مشہور تابعی وغیرہ الغیب سے قرآن کریم مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ امام البغوی رح اور حافظ ابنِ کثیر رح نقل کرتے ہیں، واللفظ لہٗ

وقال قتادۃ رح کان القراٰن غیباً فانزلہ اللہ علیٰ محمدٍ فماضنّ بہ علی الناس بل نشرہ وبلغہ وبذلہ لکل من اراد وکذا قال عکرمۃ رح و ابن زید رح وغیر واحدٍ۔ (معالم برابن کثیر ج۹ ص۱۳۰ تفسیر ابن کثیر ج۴ ص۴۸۰)

حضرت قتادہ رح فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم غیب تھا سو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کیا اور اس کو بیان کرنے میں لوگوں سے کوئی بخل نہیں کیا بلکہ اس کی نشر واشاعت میں پوری کوشش کی جس نے بھی اس کو لینے کا ارادہ کیا اس کو آپ نے دینے میں کوئی کمی نہ کی اور اسی طرح حضرت عکرمہ اور ابن زید رح اور بے شمار حضرات مفسرین کرام نے کہا ہے۔

اس لحاظ سے الغیب صرف قرآنِ کریم ہوا اور اس کے علاوہ جو احکام احادیث وغیرہ کے ذریعہ سے حاصل ہوئے اور خصوصیت سے وہ امور جن کا تعلق دین اور منصبِ رسالت سے کچھ بھی نہیں اُن کا ثبوت اس آیت سے ہرگز نہیں ہوتا جیسا کہ فریقِ مخالف کا دعویٰ ہے۔

اور بعض دیگر حضرات مفسرینِ کرام رح نے وحی، بعض نے دیگر غیوب قصص اور انباء وغیرہ بھی مراد لی ہے چنانچہ علامہ خازن لکھتے ہیں کہ:۔

وما ھو یعنی محمداً صلی اللہ علیہ وسلم

اور نہیں ہیں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب

علیٰ الغیب ای الوحی وخبر السماء وما اطلع علیه مما کان غائبا عن علمه من القصص والانباء الخ (خازن ج ۴ ص ۲۴۲ ومثله فی المعالم ج ۴ ص ۲۴۲)

پر بخیل یعنی وحی اور آسمان کی خبر اور ہر اُس چیز پر جو قصص اور اخبار وغیرہ سے آپ کے علم سے غائب تھی الخ۔

اور علامہ ابو طاہر محمدؒ بن یعقوبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وما هو یعنی محمدا صلی اللہ علیه وسلم علیٰ الغیب علی الوحی الخ (تنویر المقباس ج ۶ ص ۲۶۶)

اور نہیں ہیں وہ یعنی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب یعنی وحی پر الخ (بخیل)

اور علامہ نسفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وما هو علی الغیب بضنین وما محمد علی الوحی بضنین. ببخیل من الضن وهو البخل لا یبخل بالوحی کما یبخل الکهان رغبة فی الحلوان بل یعلمه کما علم ولا یکتم شیئا مما علم (مدارک ج ۴ ص ۳۳۴)

یعنی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی پر بخیل نہیں جیسا کہ غیب کی خبریں بتانے والے کاہن بخل سے کام لیتے ہیں تاکہ لوگ ان کو اس پر کچھ شیرینی دیں بلکہ آپ تو تعلیم دیتے ہیں جیسا کہ آپ کو علم ہے اور جن اشیاء کا آپ کو علم ہے آپ نے ان میں سے ایک چیز بھی نہیں چھپائی۔

اور امام جلال الدینؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وما هو ای محمد علیه الصلوٰة والسلام علی الغیب ماغاب من الوحی وخبر السماء الخ (جلالین ص ۴۹۴)

نہیں ہیں وہ یعنی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب پر یعنی اُس چیز پر جو وحی اور خبر سماء سے مخفی اور غائب ہے۔ (بخل کرنے والے)

اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وما هو یعنی محمد صلی اللہ علیه وسلم علی الغیب ای علی مایخبره مایوحی الیه بضنین...... ای هو ببخیل عن تبلیغ مایوحی الیه وتعلیمه (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۱۱)

اور نہیں ہیں وہ یعنی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب پر یعنی اس چیز پر جو اُن کی طرف وحی کی جاتی ہے اور وہ اس کی خبر دیتے ہیں، بخیل یعنی آپ وحی کی تبلیغ و تعلیم کے بارے میں کوئی بخل نہیں کرتے۔

اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

یعنی و نیست پیغمبر شما بر امر غیب متہم

یعنی تمہارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر غیب پر متہم نہیں

کہ چیزے را نہ بیند و بگوید کہ من دیدہ ام زیرا کہ در امورِ جزئیہ سہل بروے تہمت دروغ نمی توانید بر ایں امر عظیم چہ قسم او را بدروغ نسبت خواہید کرد و تہمت خواہید نمود۔

(عزیزی ص۲۹۰)

ہیں کہ جو چیز آپ نے نہ دیکھی اور نہ معلوم کی ہو اس کے متعلق یہ فرما دیں کہ میں اس کو جانتا ہوں. کیونکہ جب آپ پر سہل ترین امورِ جزئیہ میں تم لوگ تہمت دروغ نہیں قائم کر سکتے تو اس وحی جیسے امر عظیم پر کس طرح آپ پر تم جھوٹ کی تہمت قائم کر سکتے ہو۔

الغرض یہ جملہ تفسیریں اس امر کو متعین کر دیتی ہیں کہ اس آیت میں الغیب سے وحی قصص اور اخبار وغیرہ ایسے امور مراد ہیں، جو منصبِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ باقی رہے وہ امور جن کا منصب نبوت اور تبلیغ و تعلیم سے کوئی تعلق اور لگاؤ ہی نہیں تو یہ آیت ہرگز ان کو ثابت نہیں کرتی اور یہی فریق مخالف کا مدعیٰ تھا جو باطل ہوا۔

ورابعاً حضرات مفسرین کرامؒ نے یہاں دو قرأتیں بیان کی ہیں۔ ایک ضاد کے ساتھ بضنین کی جس کے معنی بخل کرنے والے کے ہیں اور دوسری ظاء کے ساتھ جس کے معنی متہم کے ہیں چنانچہ جو ابھی ہم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تفسیر نقل کی ہے وہ بظنین ہی کی تفسیر ہے اور متعدد حضرات مفسرین کرامؒ نے بظنین بھی پڑھا ہے۔ چنانچہ تنویر المقباس ج ۶ ص۴۶۶، مدارک ج ۶ ص۴۶۶، بیضاوی ج ۶ ص۴۶۶، خازن ج ۶ ص۴۶۶ اور ابن کثیر ج ۴ ص۴۸۰ وغیرہ میں یہ قرأت بھی ذکر کی گئی ہے اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :۔

وکلاھما متواتر و معناہ صحیح (ج۴ ص۴۸۰)

یہ دونوں قرأتیں متواتر ہیں اور اس کا معنی صحیح ہے ۔

اور ثانی یعنی بظنین کا معنی حضرت شاہ صاحبؒ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ جب معمولی معمولی باتوں میں تم لوگ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر غلط بیانی اور جھوٹ کا اتہام نہیں رکھتے تو اتنے بڑے معاملہ میں بھلا وہ کیسے جھوٹ کہہ سکتے ہیں؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور علامہ نسفیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

ای بمتھم فینقص شیئا مما اوحی الیہ او یزید فیہ من الظنۃ وھی التھمۃ

(مدارک ج ۶ ص۴۶۶)

یعنی وہ اس میں متہم نہیں تاکہ وحی میں کسی چیز کی کمی یا اضافہ کریں یہ لفظ ظنۃ سے ہے جس کے معنی تہمت کے ہوتے ہیں۔

اور اس کے قریب قریب اس کا مطلب دوسرے حضرات مفسرین کرامؒ نے بھی لکھا ہے حیرت

اور حیف ہے فریقِ مخالف کی دیانت پر کہ وہ بضنین (ضاد کے ساتھ) کی قرأت کو تو ذکر کرتا ہے مگر بظنین کا نام تک نہیں لیتا حالانکہ وہ بھی متواتر قرأت ہے مگر چونکہ اس قرأت سے ان کا باطل مطلب برآمد نہیں ہوتا، اس لیے وہ اس کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر جاتا ہے، لاحول ولاقوۃ الّا باللہ تعالیٰ۔

یہ ہیں فریقِ مخالف کی تحقیقِ انیق کے شہ پارے۔ خان صاحب (وغیرہ) کے خالص الاعتقاد اور انباء المصطفیٰ وغیرہ میں جو دعاوی اور سرخیاں ملاحظہ کیجئے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جرمنی کا ہٹلر بول رہا ہے۔ مگر جب دلیل بیان کرتے ہیں تو اس سے ان کے باطل مدعیٰ کا عشرِ عشیر بھی ثابت نہیں ہوتا اور کیوں نہ ہو ؎ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

غرضیکہ اس آیت سے بھی اُن کا مدعیٰ کسی صورت میں ثابت نہیں ہوتا اور نہ کسی معتبر مفسر نے اس سے علمِ غیب کُلّی اور جمیع ماکان ومایکون مراد ہی لی ہے۔

دلیل پنجم: خانصاحب حسام الحرمین ص۱۰۸ اور ملفوظات حصہ اوّل ص۲۸ وغیرہ میں اور مولوی محمد عمر صاحب مقیاس ص۲۳۵ میں اور مفتی احمد یار خاں صاحب جاء الحق ص۴۸ میں لکھتے ہیں، واللفظ لہٗ

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ — اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو تم کو غیب کا علم دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے

(اس کے بعد چند تفسیروں کے حوالے پیش کئے ہیں جن میں سے ایک بیضاوی اور دوسری خازن بھی ہے۔ ہم اختصار کے پیشِ نظر عربی عبارت نہیں نقل کرتے۔ ہاں ترجمہ مفتی صاحب ہی کا عرض کئے دیتے ہیں) تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے:-

"خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اُس کفر اور ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے لیکن اللہ اپنی پیغمبری کے لیے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اُس کی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیوب کی اُن کو خبر دیتا ہے یا ان کے لیے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر رہبری کریں تفسیر خازن میں ہے، لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسُولوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ پس اُن کو خبردار کرتا ہے بعض علم غیب پر الخ

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:-

" اس آیت کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علمِ غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے جو فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علمِ الٰہی کے مقابلہ میں بعض اور کُل ماکان و مایکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے " انتہی بلفظہ (جاء الحق ص۹۹)

اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ الغیب میں الف اور لام استغراق کے ہیں لہٰذا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سب غیب پر مطلع نہیں کرتا۔ ہاں اپنے رسُولوں میں سے جس کو چُن لیتا ہے اس کو سب غیب پر مطلع کر دیتا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام رسُولوں میں چُنے ہوئے ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ آپ کو کُل غیب حاصل تھا۔ (محصلہ)

جواب اس آیت سے بھی فریق مخالف کا جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلی غیب پر استدلال بالکل مردود ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ یہ آیت غزوۂ احد کے موقع پر نازل ہوئی تھی جو شوال ۳ھ میں پیش آیا تھا اور یہ آیت سورۂ آل عمران کی ہے جس کے بعد قرآن کریم کی سولہ سورتیں نازل ہوئی ہیں (دیکھئے اتقان ج ۱ ص۲۵ وغیرہ) اگر اس سے کُل علم غیب مُراد ہوتی تو مناسب یہی تھا کہ اس کے بعد ایک حرف بھی قرآن کریم کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل نہ ہوتا حالانکہ دیگر احکام کے علاوہ صرف قرآن کریم کی سولہ سُورتیں اس کے بعد نازل ہوئی ہیں، پھر یہ بات کس طرح مانی جا سکتی ہے کہ اس آیت سے کل علمِ غیب مراد ہے ؟ اور اگر واقعی اس سے کُل علم غیب مراد ہوتی تو اس کے بعد نفی علمِ غیب کی کوئی آیت نازل نہ ہوتی حالانکہ سُورۂ نساء، سُورۂ النّور، سورۂ المنافقون اور خصوصیت سے سورۂ التوبہ (جو سب سے آخری سُورت ہے) میں نفی علمِ غیب کی صاف اور صریح متعدد آیات موجود ہیں جن کی پوری تفصیل پہلے عرض کر دی گئی ہے۔

وثانیاً حضرات مفسرین کرام رہ نے بھی اس آیت سے بعض علم غیب مراد لی ہے۔ تمام علم غیب اور جمیع ماکان و مایکون کا علم اس آیت سے کسی کے نزدیک مراد نہیں۔ قاضی بیضاوی رح اور علامہ خازنؒ کی عبارتوں کے ترجمے ہم نے بحوالہ مفتی احمد یار خان صاحب پیش کر دیے ہیں کہ ان میں ببعض المغیبات اور علیٰ بعض علم الغیب کی قید موجود ہے، ان کو دوبارہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور امام بغوی رح لکھتے ہیں کہ :-

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ — اور لیکن اللہ تعالیٰ چُن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا

فیطلعه علی بعض علم الغیب نظیره قوله تعالیٰ عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلیٰ غَیْبِهٖ اَحَدًا وقال السدی معناه وما کان اللہ لیطلع محمدؐ علی الغیب ولکنّ اللہ اجتباہ

(معالم ج ۱ ص۲۱۱)

ہے سو اس کو بعض علم غیب پر مطلع کر دیتا ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلیٰ غَیْبِهٖ اَحَدًا اور سدیؒ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب پر مطلع نہیں کرتا لیکن اُن کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے، (یعنی لکنّ سے استثناء منقطع ہے متصل نہیں)

اور علامہ معین بن صفی لکھتے ہیں کہ:-

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فیخبرہ ببعض المغیبات (جامع البیان ص۶۹)

اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے تو اُن کو بعض مغیبات کی خبر دے دیتا ہے۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:-

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فیطلعه علی البعض من علوم الغیب احیاناً کما اطلع نبیّه صلی اللہ علیه وسلم علی احوال المنافقین

(تفسیر مظہری ج ۲ ص۱۸۵)

اور لیکن اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے تو اس کو احیاناً بعض علوم غیب پر مطلع کر دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (اُحد کے موقع پر بعض) منافقین کے حالات پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا تھا۔

ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ الغیب سے بعض علم غیب مراد ہے اور یہی دوسرے دلائل اور براہین کے پیش نظر حق اور متعین ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لینا ہرگز جائز اور صحیح نہیں ہے۔

رہا مفتی احمد یار خان صاحب کا یہ کہنا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علم الٰہی کے مقابلہ میں بعض اور کُل ماکان وما یکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے، تو یہ جہالت یا خیانت کا ایک مضحکہ خیز اور حیرتناک مظاہرہ ہے کیونکہ ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ سے مراد یہ ہے کہ جو مخلوق، الناس اور بندوں کے علم سے غائب ہو اور شہادہ وہ جو ان کے علم اور مشاہدہ میں ہو۔ چنانچہ علامہ النسفی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:-

عالم الغیب ما یغیب عن الناس والشّهادة ما یشاهدونه۔

(مدارک ج ۲ ص۱۹۴)

عالم الغیب سے مُراد یہ ہے کہ وہ لوگوں سے جو چیز غائب ہے اس کو بھی جانتا ہے اور جو لوگوں کے مشاہدہ میں ہے اس کو بھی جانتا ہے۔

اور علامہ ابو طاہر محمدؒ بن یعقوب رحؒ لکھتے ہیں کہ:۔

عالم الغیب ما غاب عن العباد ویقال ما یکون والشھادۃ ما علمہ العباد ویقال ما کان (تنویر المقباس ج ۲ ص ۱۹۲)

عالم الغیب کا معنی یہ ہے کہ جو چیز بندوں سے غائب ہے اللہ اس کو بھی جانتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو آئندہ ہوگا اور الشھادۃ کا معنی یہ ہے کہ جس کو بندے جانتے ہیں اللہ اس کو بھی جانتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو کچھ ہو چکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض علم غیب سے علم الٰہی کے مقابلہ میں بعض مراد نہیں ہے بلکہ بعض سے وہ بعض مراد ہے جو الناس اور العباد کے علم غیب سے بعض ہے کہ ان کو تو اس غیب کا علم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں میں سے جس کو چاہے اس پر مطلع کر دے تو علم الٰہی کے بعض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ مراد ما کان و ما یکون سے بعض ہے اور الناس اور العباد سے جو غائب ہے اس سے بعض مراد ہے۔ مگر کیا کیا جائے مفتی صاحب کو تو عجیب و نزالا محکمہ افتاء ہاتھ آیا ہے اور ان کے ماننے والے بھی نرالے ہی ہیں ؎

وزیرے چنیں شہر یارے چنیں!

رہا یہ سوال کہ الغیب میں الف ولام استغراق کے لیے ہے تو یہ بھی باطل اور مردود ہے۔ اس لیے کہ علماء معانی اور عربیت نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ جب کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہو تو اصل الف اور لام میں عہد خارجی ہے نہ کہ استغراق۔ چنانچہ امام عربیت علامہ تفتازانی لکھتے ہیں کہ:۔

التعریف لا یلزم ان یکون للاستغراق بل العھد ھو الاصل (التلویح ص ۶۱)

الف اور لام تعریف میں یہ لازم نہیں کہ وہ استغراق کے لیے ہو بلکہ اصل عہد خارجی ہی ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

فنقول الاصل ای الراجح ھو العھد الخارجی لانہ حقیقۃ التعیین وکمال التمییز ثم الاستغراق اھ (التلویح ص ۱۴۷)

ہم کہتے ہیں کہ اصل اور راجح الف اور لام میں صرف عہد خارجی ہی ہے کیونکہ وہی حقیقی طور پر متعین اور کامل طور پر ممتاز ہے، اس کے بعد پھر استغراق کا درجہ ہے۔

اور شیخ الاسلام ابن دقیق العیدؒ (المتوفی ۷۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ الف اور لام پر جب معہود معین کا قرینہ موجود نہ ہو تو پھر یہ عموم کے معنی میں ظاہر ہے۔ (احکام الاحکام ج ۱ ص ۹۰)

اور علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی رحؒ (المتوفی ۱۰۶۷ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فالاصل فیہ العھد والجنس (حاشیہ مطول ۲۷) اصل لام تعریف میں عہد اور جنس ہی ہے۔

اور یہی علامہ دوسرے مقام پر یوں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

انما الفرق (ای بین الجنس والاستغراق) بان الجنس لا یحتاج الی مؤنۃ المقام الخطابی بخلاف الاستغراق (حاشیہ عبد الغفور ص۲) کہ جنس اور استغراق میں فرق یہ ہے کہ جنس میں مقام خطابی کے قرینہ کی ضرورت اور حاجت نہیں ہوتی بخلاف استغراق کے کہ وہ قرینہ کا محتاج ہوتا ہے

حاصل یہ نکلا کہ لام تعریف میں اصل اور راجح یہی ہے کہ وہ عہد خارجی اور جنس کے لیے ہے اور اس کو کسی قرینہ کی حاجت اور ضرورت بھی پیش نہیں آتی بخلاف استغراق کے کہ وہ محتاج قرینہ ہے اور جو محتاج قرینہ ہے، وہ مجاز ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حقیقت اور اصل کو چھوڑ کر مجاز کو لیا جائے؟ اور لطف یہ کہ وہ بھی بلا قرینہ صارفہ اور اس مقام پر کوئی قطعی الدلالہ قرینہ ایسا موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے الغیب میں استغراق مراد ہو اور اس کے خلاف بے شمار قرائن بلکہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلائل اور براہین موجود ہیں جیسا کہ آپ نے اس کتاب کے مختلف ابواب میں ان کا مطالعہ کیا ہے لہٰذا خلاف اصل بات سرے سے قابل سماعت ہی نہیں ہے۔ ان ہوائی قلعوں میں رہنا فریق مخالف ہی کو زیبا ہے ؎

ہوا پہ ہے قیام جسم خاکی رہنا اپنے مکاں کی ہے ہوا پہ

علاوہ ازیں اگر الغیب میں الف اور لام استغراق کے لیے بھی ہو اس قاعدے کے مطابق کہ مصدر پہ الف اور لام کبھی استغراق کے لیے بھی آتا ہے۔ تب بھی اس سے فریق مخالف کا استدلال باطل ہے کیونکہ اس لحاظ سے اس آیت کا معنی یہ ہوگا اور نہیں اللہ تعالیٰ کہ تمہیں تمام غیب پر اطلاع دے اور لیکن رسولوں میں سے جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ اور وہ چننا اخبار غیب اور انباء غیب کے لیے ہے کل غیب کے لیے نہیں کما مر مفصلاً یعنی مستثنیٰ منہ کی جانب مستغرق غیب ہے اور مستثنیٰ کی جانب استغراق ملحوظ نہیں فی الجملہ غیب ہے جیسا کہ حضرات مفسرین کرام نے تصریح فرمادی ہے۔

دلیل ششم

مفتی احمد یار خان صاحب (وغیرہ) لکھتے ہیں کہ:۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔ (پ۵۔ النساء۔ ۱۷) اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

(اس کے بعد انہوں نے چند تفسیروں کی عبارتیں اور ان کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ ہم ترجمہ مفتی صاحب ہی کا پیش کرتے ہیں) جلالین - یعنی احکام اور علم غیب۔ تفسیر کبیر۔ اللہ نے آپ پر قرآن اُتارا اور حکمت اُتاری اور آپ کو ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا اور ان کی حقیقتوں پر واقف کیا۔ خازن یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں اور کہا گیا ہے کہ آپ کو علم غیب میں وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کو چھپی چیزیں سکھائیں اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا اور منافقین کے مکر و فریب آپ کو بتا دیئے۔ مدارک، دین اور شریعت کے امور سکھائے اور چھپی ہوئی باتیں دلوں کے راز بتلائے الخ

پھر آگے لکھا ہے :-

"اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السّلام کو تمام آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دے دی گئی۔ کلمہ مَا عربی زبان میں عموم کے لیے ہوتا ہے تو آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام دنیا کے سارے واقعات لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں تھا سب ہی بتا دیا (یہ تحصیل حاصل کیوں؟ صفدر) اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں اپنی طرف سے قید ہے جو قرآن و حدیث اور امت کے عقیدے کے خلاف ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا" انتہیٰ بلفظہ

(جاء الحق ص۴۹، ۵۰ ونحوہ فی المقیاس ص۲۳)

جواب اس آیت سے بھی علم غیب کلی پر فریقِ مخالف کا استدلال بالکل خام ہے۔

اوّلاً اس لیے کہ یہ آیت اوائل ۵ھ میں نازل ہوئی ہے اور یہ سورۃ النساء کی آیت ہے جس کے بعد کئی سورتیں جن میں سورۃ التوبہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے، نازل ہوئی ہیں۔ اگر سب کچھ غیب اس آیت سے ثابت ہوتا تو اس کے بعد کسی حکم اور کسی سورت کے نازل ہونے کی مطلقاً کوئی ضرورت ہی پیش نہیں آنی چاہیئے تھی حالانکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ طعمہ بن ابیرق نامی منافق کے ایک مخصوص واقعہ میں منافقین کی ایک گہری اور ناپاک سازش کی حقیقت اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمائی اور اس موقع پر دیگر آیات کے علاوہ یہ آیت بھی نازل ہوئی، یہ الگ بات ہے کہ کوئی آیت اپنے شانِ نزول پر بند نہیں ہوتی مگر اس سے یقیناً وہ عموم اور استغراق

ہرگز ثابت نہیں ہوتا جس کا فریق مخالف دعوی کرتا ہے۔

وثانیاً یہ استدلال کلمۂ مَا کے عموم اور استغراق حقیقی پر مبنی ہے۔ حالانکہ متعدد دلائل اس پر گواہ ہیں کہ ہر مقام اور ہر جگہ پر کلمۂ مَا عموم اور استغراق حقیقی کے لیے نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ○ (پ۲۔ بقرہ۔ رکوع ۱۸) اور ہمارے رسول تم کو وہ باتیں سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔

دیکھئے اس آیت کریمہ میں اگر مَا کو عموم و استغراق حقیقی کے لیے مانا جائے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح حضرات صحابہ کرام رض کے لئے بلا واسطہ اور تمام اُمّت کے لیے بالواسطہ تمام علم غیب کلّی ماننا پڑے گا۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

وَعُلِّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا اَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ (پ۷۔ انعام۔ ع۱۱) یعنی تم کو ان باتوں کی تعلیم دی گئی جو تم نہیں جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے۔

واضح رہے کہ اکثر حضرات مفسرین کرام رح کے نزدیک اس آیت کے مخاطب یہودی ہیں اور آیت کا سیاق و سباق بھی یہی چاہتا ہے۔ کیونکہ اُوپر سے خطاب یہود ہی سے چلا آرہا ہے اور اگر اس کے مخاطب مسلمان ہی مراد لیے جائیں اور مَا کو عموم اور استغراق حقیقی کے لیے مانا جائے تو بھی اس سے فریق مخالف کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ پہلی صورت میں یہ لازم آئے گا کہ عہد نبوّت میں جو یہودی اس کے مخاطب تھے ان کو بھی علم غیب کلّی حاصل تھا، ورنہ مسلمانوں کے لیے تو بہر حال علم غیب کلّی تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔

اور سنیئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○ (پ۳۰۔ اقراء۔ ع۱) یعنی اللہ تعالےٰ نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔

انسان سے اس مقام پر بعض کے نزدیک ابوجہل اور اکثر کے نزدیک جنس انسان ہے جیسا کہ ابن کثیر ج ۴ ص۵۲۸ سے ظاہر ہے اور امام جلال الدین رح نے تو تصریح کردی ہے کہ الانسان سے مراد الجنس (جنس انسان) ہے۔ (جلالین ص۵۰۳)

اگر مَا کا لفظ عموم اور استغراق حقیقی میں نص قطعی ہو تو لازم آئے گا کہ ہر انسان عالم الغیب ہو عام اس سے کہ وہ مسلمان ہو یا کافر، موحد ہو یا مشرک، مرد ہو یا عورت وغیرہ وغیرہ، اس کا کون قائل ہے؟ ممکن ہے

فریق مخالف کرشن کنہیا کی طرح ہر ایک انسان کے لیے بھی یہ صفت ماننا ہو والا یُعبد فیہ عندھم۔

اور علامہ ابوالبرکات الحنفی رحؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وما ومن یحتملان العموم والخصوص و | ما اور من عموم اور خصوص دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔
اصلھما العموم (المنار مع نور الانوار ص۹۵) | اگرچہ اصل ان دونوں کا عموم ہے۔

مطلب واضح ہے کہ اگرچہ اصل وضع میں دونوں عموم کے لیے ہیں لیکن استعمال کے لحاظ سے عموم اور خصوص دونوں میں برابر ہیں لہذا استعمال کے اعتبار سے یہ عموم میں نص قطعی نہ ہوئے بلکہ امام عربیت مشہور نحوی اور متکلم سید شریف الجرجانی الحنفی رحؒ مَن اور ما وغیرہ موصولات کے بارے میں صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:۔

قلنا الموصولات لم توضع للعموم بل ھی للجنس تحتمل العموم والخصوص۔ (شرح مواقف ص۴۲۳ طبع نولکشور) | ہم کہتے ہیں کہ موصولات عموم کے لیے وضع ہی نہیں کئے گئے بلکہ یہ جنس کے لیے وضع کئے گئے ہیں جو عموم اور خصوص دونوں کا برابر احتمال رکھتے ہیں۔

لیجئے مفتی احمد یار خان صاحب! آپ اپنا یہ قول بھی دیکھ لیجئے کہ کلمہ ما عربی زبان میں عموم کے لئے ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم کے سابق مواقع استعمال کے علاوہ المنار اور خصوصیت سے امام عربیت سید سندؒ کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ کر لیجئے اور پھر قلم استفتاء کو ہاتھ لگائیے۔ قارئین کرام آپ نے ملاحظہ کیا کہ فریق مخالف کبھی تو لفظ کل سے اور کبھی لفظ شئ سے اور کبھی کلمہ ما کے عموم سے علم غیب کلی پر استدلال کرتا ہے جو سراسر باطل ہے اور اہل حق دلائل و براہین کی روشنی میں ایسے بے بنیاد استدلال کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں دیتے: ؎

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلاّ | کارِ طفلاں تمام خواہد شُد

وثالثاً جملہ معتبر اور مستند حضرات مفسرین کرامؒ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کی مد میں درجہ اوّل میں احکام اور امور دین وغیرہ کو شمار کرتے ہیں اور بعض کتاب و سنّت کو، جیسا کہ مفتی احمد یار خان صاحب نے بھی جلالین کبیر اور خازن و مدارک کے حوالہ سے لکھا ہے اور بالتبع باقی امور اس میں آتے ہیں اور ان کو بھی بعض تمریض کے صیغہ سے نقل کرتے ہیں۔ مثلاً بغویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ من الاحکام | وعلمک مالم تکن تعلم سے احکام مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے

وقیل من علم الغیب (معالم ج ۱ ص۲۵۵) کہ علم غیب مراد ہے۔

اور علامہ خازن کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ (بحوالہ مفتی صاحب)

وقیل علّمک من علم الغیب الخ (خازن ج ۱ ص۵۹۶) اور کہا گیا ہے کہ علّمک ما الخ سے علم غیب مراد ہے۔

اور بعض نے علّمک ما لم تکن تعلم سے قرآن و سنت وغیرہ مراد لی ہے جیسا کہ خود مفتی صاحب نے تفسیر کبیر کے حوالہ سے الکتاب والحکمۃ کے لفظ نقل کئے ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:

وما انزل علیہ من الکتاب وھو القرآن والحکمۃ وھی السنۃ وعلّمک ما لم تکن تعلم ای قبل نزول ذالک (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۵۵۴) اور جو کچھ کہ آپ پر کتاب اور سنت اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے اور آپ کو ان کی تعلیم دی کہ آپ ان کو ان کے نزول سے پہلے نہیں جانتے تھے۔

اور حکمت سے مراد سنت ہے جیسا کہ حضرت حسنؒ اور قتادہؒ اور مقاتلؒ بن حیانؒ اور ابو مالکؒ وغیرہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۱۸۴) اور حضرت امام شافعیؒ اور حافظ ابن قیمؒ وغیرہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ (دیکھئے رسالہ امام شافعیؒ المنضمہ مع الام ج ۷ ص۷ و کتاب الروح ص۹۲ لابن القیمؒ)۔

مفتی صاحب! ان حضرات مفسرین کرامؒ سے پوچھئے کہ آپ نے اپنی طرف سے احکام اور امور دین وغیرہ کی قید کیوں لگائی ہے؟

باقی جن بعض حضرات مفسرین کرامؒ نے علم غیب اور خفیات الامور اور ضمائر القلوب کا ذکر کیا ہے تو وہ بھی اپنے مقام پر صحیح ہے کیونکہ بعض امور غیب اور خفیات الامور اور دلوں کے اسرار پر اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع کیا ہے اس کا کس کو انکار ہے؟ لیکن ان حضرات مفسرین کرامؒ کی عبارتوں سے کلی علم غیب وغیرہ مراد لینا دیگر نصوص قطعیہ کے علاوہ خود ان کی اپنی تصریحات کے بھی خلاف ہے جیسا کہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کو یا بالفاظ دیگر مدعی سست اور گواہ چست یا کاسہ از آتش گرم تر، کو ہرگز کوئی سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

دلیل ہفتم فریق مخالف نے فاوحی الی عبدہ ما اوحی کی آیت سے بھی علم غیب کلی پر استدلال کیا ہے مگر بے سود ہے۔ کلمہ ما کے عدم عموم کے متعلق ہم بحث کر چکے ہیں۔ علاوہ بریں ارشاد معراج کی رات کا ہے اور اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی رات سب کچھ دیا جا چکا تھا۔

تو معراج تو ہجرت سے بھی پہلے واقع ہوئی تھی۔ اس کے بعد پھر اور کچھ نہ سہی تو قرآن کریم ہی کیوں نازل ہوا؛ اور اہل علم جانتے ہیں کہ اکثر حلال و حرام کے مسائل اور احکام اس کے بعد جب کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تھے، نازل ہوئے ہیں، کون باور کر سکتا ہے کہ اس آیت اور اس قسم کی دوسری آیات سے علم غیب کُلّی ثابت ہے۔ اس قسم کی اور بھی کئی آیات سے فریق مخالف نے علم غیب کلی کا مسئلہ کشید کیا ہے مگر ہم بخوفِ طوالت ان کو نظر انداز اور قلم انداز کرتے ہیں کیونکہ ان سے کسی ادنیٰ سمجھ والے کو بھی شبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ جن دلائل سے عوام الناس کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہو سکتا تھا اور جن پر فریق مخالف کے اس غلط اور بے بنیاد دعوے کی پاور ہوا عمارت کھڑی تھی وہ ہم نے عرض کر دیے ہیں اور ان کے مسکت جوابات بھی ساتھ ہی ہدیۂ قارئین کرام کر دیے ہیں، ہاں البتہ صرف ایک دلیل ان کی اور عرض کئے دیتے ہیں، ہاں البتہ صرف ایک دلیل ان کی اور عرض کئے دیتے ہیں جس سے انہوں نے استدلال کیا ہے تاکہ ان کے غیر ناطق دلائل کے لیے ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ کا مفہوم پورا ہو جائے۔

دلیلِ ہشتم

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ:-

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا، ماکان و مایکون کا بیان اس کو سکھایا۔ (پھر آگے چند تفسیروں کے حوالجات نقل کئے۔ ہم ان کا ترجمہ مفتی صاحب کی زبانی عرض کئے دیتے ہیں) تفسیر معالم التنزیل و حسینی، یہ ہی آیت اللہ نے انسان یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی پچھلی باتوں کا بیان سکھا دیا۔ تفسیر خازن یہ ہی آیت۔ کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو اگلے پچھلے امور کا بیان سکھا دیا گیا کیونکہ حضور علیہ السلام کو اگلوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے دن کی خبر دے دی گئی۔
روح البیان، یہ ہی آیت۔ یعنی ہمارے نبی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے قرآن اور اپنی ربوبیت کے بھید سکھا دیے جیسا کہ خود رب تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو سکھا دیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے۔ تفسیر مدارک یہ ہی آیت۔ کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ تمام باتیں سکھائیں جو نہ جانتے تھے الیٰ ان قال اِن آیتوں اور تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سارا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا گیا۔ انتہیٰ بلفظہٖ (جاء الحق ص۵۳، ۵۴ ونحوہ فی مقیاس

الحنفیہ ص۲۶۲)

جواب اس سے بھی مفتی صاحب وغیرہ کا استدلال درست نہیں ہے۔

اوّلاً اس لیے کہ اگر اس سے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کلی ثابت ہے تو آپ کا انسان ہونا بھی ثابت ہے، پھر نور وغیرہ کے دُور از کار جھگڑے کیوں؟ انکو صاف تسلیم کر لینا چاہیئے کہ آپ آدمی، بشر اور انسان ہیں۔

وثانیاً سورۃ رحمن مکی ہے۔ (دیکھئے ابن کثیر ج ۴ ص ۲۶۹ و جلالین ص ۴۴۳ وغیرہ) اور اگر آپ کے لیے ان آیات سے کُلّی علم غیب ملنا ثابت ہے تو اس کے بعد قرآن کریم کے نزول کا کوئی معنی نہیں؟ حالانکہ سورۃ بقرہ جیسی لمبی لمبی سورتیں تو اس کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں اور ان بعض سورتوں میں صاف طور پر علم غیب کی نفی بھی مذکور ہے۔

وثالثاً اکثر حضرات مفسرین کرام رح الانسان سے جنس انسان مراد لیتے ہیں (دیکھئے جلالین ص۴۴۳ وغیرہ) اور قرین قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ نہ تو لفظ البیان اور النطق جناب نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ لفظ البیان غیب اور ماکان و مایکون کا مقتضی ہے، اپنی مرضی سے اس میں یہ قیود لگانا کیونکر درست اور صحیح ہے؟

ورابعاً اگر اس مقام پر الانسان سے جناب نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی مراد ہو اور بیان سے ماکان و مایکون مراد ہو تب بھی درست ہے ما آپنے ماکان اور مایکون کی بے شمار خبریں بتائی ہیں۔ اس کا کسے انکار ہے؟ ہاں جمیع ماکان و مایکون اور کلی علم غیب اس سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔ اور یہی فریق مخالف کا بے سروپا دعوے ہے۔

قارئین کرام! آپنے ملاحظہ کیا کہ قرآن کریم کی جن جن آیات سے فریق مخالف نے اپنے مزعوم دعوے پر احتجاج کیا ہے وہ ہرگز ان کی مؤید نہیں ہیں بلکہ ان کے خلاف جاتی ہیں، اور کیوں نہ ہو قرآن کریم حق اور صداقت ہے اور حق و صداقت کبھی باطل اور جھوٹ کی تائید نہیں کر سکتا۔ فریق مخالف کو اب یہ شعر پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

چھپ نہیں سکتا چھپانے سے یہ حالِ اضطراب
فاش ہو کر رہ گئی شانِ ثباتِ ناثبات

بابِ دہم

اِس باب میں ہم وہ احادیث نقل کرتے ہیں جن سے فریقِ مخالف نے ازروئے جہالت یا خیانت جناب امام الانبیاء خاتم النبیین شفیع المذنبین محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کلی پر استدلال و احتجاج کیا ہے اور پھر ان احادیث کا صحیح مطلب اور معنی بھی صحیح احادیث کی روشنی میں اور معتبر علماء اُمت کے اقوال اور شراح حدیث سے نقل کر دیا جائے گا تاکہ کوئی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

پہلی حدیث خان صاحب بریلی اور مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں واللفظ للاوّل صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما ماترک شیئا یکون فی مقامہ ذالک الی قیام الساعۃ الا حدّث بہ حفظہ من حفظہ و نسیہ من نسیہ۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار ہم میں کھڑے ہو کر جب سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان فرما دیا کوئی چیز نہ چھوڑی جسے یاد رہا یاد رہا، جو بھول گیا بھول گیا۔

یہی مضمون احمد نے مسند بخاری نے تاریخ طبرانی نے کبیر میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کیا۔ بلفظہٖ (انباء المصطفےٰ ص۶ و جاء الحق ص۶۲)

دوسری حدیث خان صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب اور مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ لکھتے ہیں۔ واللفظ للاوّل صحیح بخاری شریف میں حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:۔

قام فینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم و اھل النار منازلھم حفظ ذالک من حفظہ ونسیہ من نسیہ۔

ایک بار سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ جانے تک کا کل حال ہم سے بیان فرما دیا۔ یاد رکھا جس نے رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔

بلفظہ انباء المصطفےٰ ص۷ و جاء الحق ص۶۲ و مقیاس ص۴۶۵

تیسری حدیث

خان صاحب اور مفتی احمدیار خاں صاحب اور مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ لکھتے ہیں۔ واللفظ للاول صحیح مسلم شریف میں حضرت عمر بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے، ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد غروب آفتاب تک خطبہ فرمایا۔ بیچ میں ظہر اور عصر کی نمازوں کے سوا کچھ کام نہ کیا فاخبرنا بما ھو کائن الی یوم القیمۃ فاعلمنا احفظنا اس میں سب کچھ بیان فرمایا۔ جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا ہم میں زیادہ علم اُسے ہے جسے یاد رہا۔ بلفظہ (انباء المصطفےٰ ص۷ و جاء الحق ص۶۲ وغیرہ و مقیاس ص۴۶۳)

چوتھی حدیث

فریق مخالف کی طرف سے یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضرت ابو سعید الخدری رضی فرماتے ہیں کہ:۔

قام فینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطیبا بعد العصر فلم یدع شیئا یکون الیٰ قیام الساعۃ الا ذکرہ حفظہ من حفظہ ونسیہ من نسیہ (الحدیث) (ترمذی ج۲ ص۴۲ و مستدرک ج۴ ص۵۰۵ و مشکوٰۃ ج۲ ص۴۳۷)

یعنی ایک دن عصر کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہمارے سامنے ایک خطبہ ارشاد فرمایا پس قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا اس میں سے کوئی چیز آپ نے ایسی نہ چھوڑی جو آپ نے بیان نہ کر دی ہو جس نے اس کو یاد رکھا سو یاد رکھا جو بھول گیا سو بھول گیا۔

ان جملہ روایات سے فریق مخالف نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کلی پر استدلال و احتجاج کیا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی کی روایت کی شرح میں علامہ عینی رح کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:۔

وفیہ دلالۃ علی انہ اخبر فی المجلس الواحد بجمیع احوال المخلوقات من ابتداءہا الی انتہاءہا (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص۱۱۰)

اس میں اس امر کی دلالت ہے کہ آپ نے ایک ہی مجلس میں مخلوقات کے جمیع احوال ابتداء سے لے کر انتہاء تک بیان فرمائیے۔

اور حافظ ابن حجر رح کا یہ ارشاد بھی پیش کیا ہے کہ:۔

ودلّ ذالک علی انہ اخبر فی المجلس الواحد بجمیع احوال المخلوقات منذ ابتدأت الی ان تفنیٰ الی ان تبعث۔

اور یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ آپ نے ایک ہی مجلس میں مخلوقات کے جمیع احوال بیان کر دیے جب سے دنیا پیدا ہوئی اور جب فنا ہوگی اور پھر

(فتح الباری ج ۷، ص۱۰۱) جب دوبارہ کھڑی کی جائے گی۔

اور اپنے خیال کے مطابق ان عبارات سے بھی انہوں نے اپنے دعوے کی تائید تلاش کی ہے۔ (دیکھئے جاء الحق ص۶۷ وغیرہ)

جواب ان جملہ روایات سے فریقِ مخالف کا استدلال ہرگز صحیح نہیں ہے۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت سے تو اس لیے کہ اس میں ماترك شیئاً الخ سے استغراقِ حقیقی اور عموم قطعی مراد نہیں ہے (اور عادۃً دن یا دن کے کسی حصہ میں تمام امور کا بیان ممکن بھی نہیں ہے) اولاً اس لیے کہ خود حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ:۔

واللہ ماترك رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من قائد فتنۃ الی ان تنقضی الدنیا یبلغ من معہ ثلاثمائۃ فصاعدًا الا قد سماہ لنا باسمہ واسم ابیہ واسم قبیلتہ۔ (ابوداؤد ج ۲ ص۲۲۶)

بخدا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اختتامِ دنیا تک کوئی ایسا قائدِ فتنہ نہیں چھوڑا جس کے ساتھ تین سو اور تین سو سے زائد لوگ شامل فتنہ ہوں مگر آپ نے ہمارے سامنے اس کا نام اور اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلہ کا نام بیان کیا لیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو چیز بیان فرمائی ہے وہ صرف فتنے تھے اور فتنے بھی اس عموم کے ساتھ بیان نہیں کئے کہ ہر کہ و مہ فتنہ بیان کیا ہو بلکہ فقط وہی فتنے بیان کئے جن میں لوگوں کی گمراہی کے اسباب زیادہ پائے جاتے ہوں اور قائدِ فتنہ کی مکاری اور حیلہ سازی سے اس کے چیلے چانٹوں کی تعداد تین سو اور اس سے زائد تک پہنچ سکتی ہو۔ اور حضرت حذیفہؓ کی ایک روایت میں یوں آیا ہے:۔

واللہ انی لاعلم بکل فتنۃ ھی کائنۃ فیما بینی و بین الساعۃ الحدیث (مسلم ج ۲ ص۳۹۰ و مسند احمد ج ۵ ص۳۸۸)

خدا تعالیٰ کی قسم میں اپنے اور قیامت کے درمیان ہر ہونے والے فتنہ کو بخوبی جانتا ہوں۔

اور وہ اکثر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فتنوں کی بابت ہی پوچھا کرتے تھے۔ چنانچہ خود ان کا اپنا بیان ہے کہ:۔

قال کان الناس یسئلون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخیر وکنت اسئالہ عن

لوگ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور میں آپ سے فتنہ اور شر کی بابت

الشر مخافة ان يدركني (مشكوة ج ۲ ص۴۶۱ وقال متفق علیہ بخاری ج۱ ص۵۰۹ و مسلم ص...)

پوچھا کرتا تھا محض اس خوف سے کہ کہیں بے خبری میں اس کا شکار نہ ہو جاؤں۔

اور یہ انہی فتن اور اشراطِ ساعت کی بکثرت معلومات حاصل ہونے کی وجہ سے حضرات صحابہ کرامؓ میں معروف و مشہور تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:-

ايكم يحفظ حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم في الفتنة فقلت انا احفظه الحديث (مشكوة ص۴۶۸ ج۲ وقال متفق علیہ بخاری ج۱ ص۷۵ و مسلم ج۲ ص۳۹۱)

تم میں فتنہ کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں کس کو سب سے زیادہ یاد ہیں؟ تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا مجھے سب سے زیادہ یاد ہیں۔

ان سب روایات کے پیشِ نظر یہی امر متعین ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جوامع کلم میں اگرچہ وقتِ یسیر کے اندر واقعاتِ کثیرہ بیان فرمائے مگر تھے وہ فتن اور اشراطِ ساعت و علاماتِ قیامت ہی کے بارے میں نہ کہ ہر ہر چیز کے بارے میں جس کا تعلق آپ کے منصب ہی سے نہ تھا۔

وثالثاً حضرت حذیفہؓ کا خود اپنا بیان ہے کہ:-

فلخبرني رسول الله صلى الله عليه وسلم بما هو كائن الى ان تقوم الساعة فما منه شيئ" الا قد سألته الا اني لم اسأله ما يخرج اهل المدينة من المدينة (مسلم ج۲ ص۳۹۱ مسند احمد ج۵ ص۳۸۶ ابوداؤد طیالسی ص۵۸ و مستدرک ج۴ ص۴۲۶)

مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر وہ چیز بتائی جو قیامت تک ہونے والی تھی اور ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کے بارے میں میں نے خود آپ سے دریافت نہ کیا ہو مگر میں آپ سے یہ نہیں پوچھ سکا کہ وہ کونسا فتنہ ہوگا جو اہلِ مدینہ کو مدینہ سے نکال دے گا۔

لیجئے اس صحیح روایت نے تو معاملہ اور صاف کر دیا کہ جس جس شر اور فتنہ کے بارے میں حضرت حذیفہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا، آپ نے اسی کا جواب دیا اور اسی کے متعلق واضح اور روشن نشانیاں اور علامات بیان فرماتے رہے مگر حضرت حذیفہؓ آپ سے یہ نہ پوچھ سکے کہ حضرت وہ فتنہ کون سا ہوگا اور وہ کون سی شر ہوگی جس کی وجہ سے اہلِ مدینہ کو مدینہ طیبہ جیسا پاک مقام ترک کرنا اور چھوڑنا پڑے گا؟ اور فتنوں کا تو سرے سے قصہ ہی چھوڑ دیجئے اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے تمام فتنے اور حالات بھی بیان نہیں فرمائے تھے، اور حضرت حذیفہؓ باوجود احادیثِ فتن کے باب میں احفظ ہونے کے یہ نہیں جان سکے کہ وہ کون سی مصیبت اور فتنہ ہوگا جو

اہلِ مدینہ کو نکلنے پر مجبور کرے گا۔

وثالثاً علامہ ابن خلدون المغربیؒ (المتوفی ۸۰۸ھ) حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابوسعید الخدریؓ وغیرہ کی مذکورہ روایات کو نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ :-

وھذہ الاحادیث کلھا محمولۃ علی ماثبت فی الصحیحین من احادیث الفتن والاشراط لاغیر لانہ المعھود من الشارع صلوات اللہ وسلامہ علیہ فی امثال ھذہ العمومات (مقدمہ ص۳۲۳)	یہ سب کی سب حدیثیں جیسا کہ بخاری ومسلم کی احادیث میں وارد ہے صرف فتن اور علاماتِ قیامت پر محمول ہیں کوئی اور چیز ان سے مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایسے عمومات کے بارے میں یہی منصب ہے (کہ جو ان کی شایانِ شان ہو صرف وہی اُمور بیان فرمائیں)

حضرت علامہؒ کی عبارت بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منصب اسی کا مقتضی ہے کہ آپ صرف وہی کچھ بیان کریں جو رسالت اور نبوت کے مناسب ہے اور وہ ایسے فتنے ہیں جن سے آگاہ کرنا آپ کا مقام تھا۔ اور آپ نے ایسے اکثر فتنے بیان فرما دیے ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

وقد بَیَّنَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر الفتن (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص۲۱۲)	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اکثر فتنے بیان فرما دیے ہیں۔

کیا فریق مخالف کا ضمیر اور ایمان اس کو گوارا کرتا ہے کہ اُس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر زمانہ کی مردم شماری تمام چھوٹے بڑے انسانوں، کافروں اور مسلمانوں بلکہ تمام حیوانوں، چرندوں، پرندوں حتّٰی کہ دریا کی مچھلیوں، مینڈکوں اور زمین کے کیڑوں مکوڑوں کی تفصیل تعداد اور ان کے مکمّل اور مفصل حالات بیان کئے تھے کہ وہ کیا کھاتے پیتے ہیں اور کتنی مرتبہ جفتی اور پیشاب و پاخانہ کرتے ہیں اور ان اُمور کا منصب نبوت اور دین سے آخر کیا تعلق ہے؟ کیا واقعی فریق مخالف کا یہ نظریہ اور عقیدہ ہے؟ بلکہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ ان کا ضمیر بھی اس کے خلاف ہوگا اور اگر نہیں تو پھر ان کو بروقت اس کا علاج کرانا چاہیے تربیت یافتہ نفس بفضلہٖ تعالیٰ خطرہ سے محفوظ رہتا ہے ؎

کوئی حملہ بھی طوفاں کا ڈبو سکتا نہیں اس کو
مہیا جو نئے ساحل پہ ہر موج رواں کر لے

رہی حضرت عمرؓ کی روایت تو اُس سے بھی عموم اور استغراقِ حقیقی مراد لینا باطل ہے۔ کیونکہ خود حضرت عمرؓ سُود کے متعلق فرماتے ہیں کہ :-

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قبض ولم یفسرھا لنا الحدیث (ابن ماجہ ص۱۶۵)

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے وفات پا گئے اور آپ نے سود کو ہمارے سامنے کھول کر بیان نہ کیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

مات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولم یبیّنہ لنا الحدیث (رواہ الحاکم وابن عدی ابن کثیر ج ۱ ص۳۲۸)

کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات پا گئے اور آپ نے ہمارے سامنے سُود کو بیان نہ فرمایا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ :-

ثلاث لان یکون النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بیّنھن لنا احب الی من الدنیا وما فیھا الخلافۃ والکلالۃ والربا (المستدرک ج۲ ص۳۰۴ قال الحاکمؒ والذہبیؒ علی شرطھما والطیالسی ص۱۲)

تین چیزیں اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے سامنے بیان فرما دیتے تو وہ مجھے دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہوتیں۔ ایک خلافت دوسری کلالہ (کی وراثت) اور تیسری چیز سود (کی پوری تشریح)۔

یعنی اگرچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشارات و کنایات اور طرزِ عمل سے حضرت ابوبکرؓ کا خلیفہ ہونا ظاہر کر دیا تھا مگر بطور نص کے نامزد نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے یہ عقدہ حل ہوا۔ اسی طرح کلالہ یعنی لاولد کی وراثت اور ربوٰا و سود کے اصول تو قرآن کریم اور احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ مگر وہ بقول حضرت عمرؓ نہایت مجمل ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھول کر ان کو بیان نہیں فرمایا۔ علاوہ بریں اگر حضرت عمرؓ کی حدیث سے ہر ہر چیز کا علم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہوتا تو حضرت عمرؓ کو بعض بعض مسائل اور احکام میں دیگر حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کی اور بعض احکام میں خود اجتہاد و قیاس کرنے کی کیا ضرورت اور حاجت تھی؟ باقی رہا حضرت عمرؓ کی روایت میں علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے اس قول بجمیع احوال المخلوقات سے علم کلی ثابت کرنا تو یہ فریق مخالف کی نری خوش فہمی ہے کیونکہ ہم علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی خود اپنی تصریحات سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم علم غیب کے بارے میں پوری تفصیل پہلے عرض کر چکے ہیں۔ عربی زبان میں لفظ جمیع اور اجمع کبھی سب کے معنیٰ میں اور کبھی اکٹھا اور یکجا کے معنی میں آتا ہے۔

چنانچہ صراح ص۳۰۵ وغیرہ میں ہے جمیع ضد منفرق الخ کہ جمیع کا لفظ متفرق کی ضد ہے۔ جمیع کو اس مقام پر ایسا ہی سمجھئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ یعنی ہم جنوں اور انسانوں کو اکٹھا کر کے ان سے جہنم کو پُر کریں گے۔ (پ۱۲۔ سورۃ ہود۔ ۱۰ ع)

یعنی دوزخ میں انسان وجن دونوں سزا میں اکٹھے ہوں گے یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ تمام انسان و جن دوزخ میں چلے جائیں گے ورنہ پھر جنت میں کون جائے گا جس کی وسعت آسمانوں اور زمینوں سے بھی زیادہ ہے؟ مگر ؎

اُسے کیا قدر ہوگی میری شانِ بے نیازی کی وہ پابندِ ہوس جو آستاں پہ آستاں بدلے

اور علماء اصول نے لفظ مفسّر کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ (کہ سب فرشتوں نے مل کر حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا)

میں لفظ اجمعون اس تاویل کے سدباب کے لیے آیا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ تو سب فرشتوں نے کیا مگر الگ الگ اور علیحدہ علیحدہ کیا کیونکہ لفظ اجمعون میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ سب فرشتوں نے مل کر اور اکٹھے ہو کر سجدہ کیا تھا۔ (دیکھئے حسامی ص۵ و نور الانوار ص۹۱ وغیرہ) تو اس لحاظ سے علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی عبارت کا یہ معنی ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں مخلوقات کے کچھ احوال (جو فتن و اشراطِ ساعت ساعت وغیرہ پر مشتمل تھے) اکٹھے بیان کئے گو اس سے قبل اور بعد کو بھی آپ نے کچھ کچھ حالات بیان فرمائے لیکن وہ متفرق تھے۔ اتنے اکٹھے حالات آپ نے صرف اسی معہود مجلس میں بیان فرمائے۔ اور اگر کسی کو لفظ جمیع کے بمعنی کل ہونے پر ہی اصرار ہو تو ہماری بلا سے، وہ اسی کتاب میں لفظ کل کی بحث ملاحظہ کر لے جس میں خانصاحب کا حوالہ بھی شامل ہے، کہ نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی ؎

شششِ جہاتِ گلستاں میں آئے گا وہ انقلاب
غنچۂ پژمردہ ہوگا جس سے خنداں ایک دن

اور اسی سابق بحث کے پیش نظر حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضؓ اور حضرت ابو سعید الخدریؓ کی احادیث کا جواب سمجھنا بھی کوئی مشکل نہیں ہے۔ ہم ان حدیثوں کا بھی صرف یہی مطلب لیتے ہیں کہ آپ نے

امورِ دین، کلیاتِ دین اور اسی طرح اہم فتن وغیرہ بیان فرماتے تھے نہ کہ دنیا کا ہر فتنہ۔ چنانچہ حضرت ابوسعید الخدری رض کی روایت میں فلم یدع شیئاً کی شرح میں حضرت ملا علی ن القاری الحنفی رح لکھتے ہیں کہ

ای مما یتعلق بالدین مما لا بد منہ (مرقات ج ۵ ص۔۔) یعنی آپ نے اس خطبہ میں دین کی ہر ضروری بات کو بیان فرمایا تھا۔

اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

ای مما یتعلق بالدین ای کلیاتہ اوھو مبالغۃ اقامۃ للاکثر مقام الکل (لمعات ہامش مشکوٰۃ ج ۲ ص۱۳۷) یعنی آپ نے اس خطبہ میں دین کی ہر ضروری بات کو بیان فرمائے یا مبالغہ کے طور پہ اکثر چیزوں کو کل کہا گیا۔

نیز لکھتے ہیں کہ :۔

فلم یدع شیئاً پس نگذاشت چیزے را از قواعدِ مہماتِ دین کہ واقع میشود تا قیامت مگر آنکہ ذکر کرد آنرا یا این مبالغہ است بگردانیدن اکثر در حکم کل الخ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص۱۸۱) سو آپ نے قیامت تک کے لیے قواعد اور مہمات دین میں سے کوئی چیز نہ چھوڑی جو بیان نہ فرمادی اور یا یہ مبالغہ ہے جس میں اکثر کو کل کے معنیٰ میں کر دیا گیا ہے۔

لیجئے اب تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ یہ وہی حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی ہیں جن کی بعض مجمل عبارات اور لفظ کلی، ہر، جمیع اور کل وغیرہ سے فریق مخالف علم غیب کلی پر استدلال کیا کرتا ہے مگر حضرت شیخ صاحب نے خود بیان فرما دیا کہ ایسے عام لفظ کو کبھی مبالغۃً اکثر کے معنیٰ میں لیا جاتا ہے اس سے ہر مقام پر کل حقیقی اور عموم استغراقی ہی مراد نہیں ہوتی اور جس جس مقام پر ایسے عام الفاظ آتے ہیں، ان سے دیگر دلائل کی رو سے یہی مطلب اور معنیٰ لیا جائے گا کہ مبالغۃً اکثر کو کل کے معنی میں لیا گیا ہے۔ کیا خوب ہے

چھپائے رازِ دل اپنا دہاں کوئی نہیں ممکن
کہ جس محفل میں خاموشی بھی شرحِ داستاں ٹھہرے

پانچویں حدیث

خان صاحب اور مفتی صاحب لکھتے ہیں، واللفظ للاول :۔

" جامع ترمذی شریف وغیرہ کتب کثیرہ ائمہ حدیث میں باسانید عدیدہ وطرق متنوعہ دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے اور یہ حدیث ترمذی کی معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فرأيته عزوجل وضع كفه بين كتفي فوجدت بردانا مله بين ثدي فتجلى لي على شيء وعرفت

میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا اس نے اپنا دستِ قدرت میری پشت پر رکھا کہ میرے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی اسی وقت ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے سب کچھ پہچان لیا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں هذا حديث حسن صحيح سألت محمد بن اسمٰعيل عن هذا الحديث فقال صحيح۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے میں نے امام بخاری سے اس کا حال پوچھا فرمایا صحیح ہے اسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی معراج منامی کے بیان میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فعلمت مافی السمٰوٰت والارض جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب میرے علم میں آگیا" (بلفظہ انباء المصطفیٰ صک وجاء الحق م۶۲-۶۳)

اور مولوی محمد عمر صاحب بزعم خود اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

فتجلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ تو کل شے میرے واسطے روشن ہوگئی وَعَرَفْتُ اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دستِ قدرت سے وہ علمِ کلی عطا فرمادے لیکن منکر پھر بھی آپ کے علم کلی کے عقیدہ رکھنے والے کو فتویٰ شرک لگا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے علمِ کلی کی تنقیص کرے" اھ (مقیاس ص۲۷۵)

جواب اس حدیث سے فریقِ مخالف کا استدلال غلط ہے:۔

اولاً اس لیے کہ اگرچہ امام ترمذیؒ نے امام بخاری رحمہ سے اس کی تحسین اور تصحیح نقل کی ہے لیکن یہ ترمذی کے متن میں نہیں بلکہ حاشیہ پر ایک نسخہ کا حوالہ دے کر یہ عبارت مع سند و متن حدیث کے نقل کی گئی ہے (دیکھئے ترمذی ج ۲ ص۱۵۶ اور یہ روایت بسند ابن عباس رضؓ مسند احمد ج ۱ ص۳۶۸ میں بھی ہے۔ اور حضرت معاذ بن جبل کی روایت میں (جسکی امام بخاریؒ سے تصحیح و تحسین نقل کی گئی ہے) عبدالرحمٰن بن عائش الحضرمیؒ ہے بعض نے ان کو صحابی بتایا ہے۔ لیکن امام ابوحاتم رحمہ کہتے ہیں کہ جس نے اس کو صحابی کہا ہے اس نے غلطی کی ہے اور امام ابوزرعہؒ کہتے ہیں کہ وہ معروف نہیں اور امام بخاری رحمہ فرماتے ہیں کہ:۔

له حديث واحد (وهو حديث الرؤية) الا انهم يضطربون فيه ـ وقال الذهبي وحديثه عجيب وغريب (تهذيب التهذيب ج ۶ ص۲۰۶ و

ان سے صرف حدیث رؤیت ہی منقول ہے مگر حضرات محدثین کرام رحمہ اس میں اضطراب کرتے ہیں اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث بڑی عجیب

میزان الاعتدال ج ۲ ص۱۰۸ محصلہ) دغریب ہے۔

اور مضطرب حدیث فن اصولِ حدیث کے رُو سے ضعیف ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے امام بخاریؒ کی تصحیح و تحسین خود متعارض ہو کر ساقط ہو جائے گی اور امام بیہقی رح اس حدیث کے بعض طرق کو لکھ کر آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

قد روی من طرق کلھا ضعاف وفی ثبوتہ نظر (کتاب الاسماء والصفات ص۲۲۰ طبع الہ آباد)

کہ یہ حدیث کئی سندوں کے ساتھ مروی ہے مگر سب سندیں اس کی ضعیف ہیں اور اس کے ثبوت میں کلام ہے۔

اور یہی عبارت علامہ خازن رح نے ج ۶ ص۵۴ طبع مصر میں اور امام سیوطی رح نے تفسیر درِ منثور ج ۵ ص۳۱۹ میں نقل کی ہے۔ لہذا ایسے اہم معاملہ اور بنیادی عقیدہ میں اس کو پیش کرنا اصول کے لحاظ سے درست نہیں ہے

وثانیاً اس روایت میں اس کا بھی ذکر ہے کہ آپ کو ملاء اعلےٰ کا علم ہو چکا تھا حالانکہ قرآن کریم میں صاف طور پر مذکور ہے کہ :۔

مَاکَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤی اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ○ (پ ۲۳ - ص - ع ۵)

(آپ فرما دیجئے) کہ مجھے ملاء اعلیٰ کا کوئی علم نہیں کہ وہ کس چیز میں اختلاف کر رہے ہیں۔

چونکہ قرآن کریم کی یہ نص قطعی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ملاء اعلےٰ کا عدم علم ثابت کرتی ہے اور حدیث مذکور کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی خبرِ واحد ہی ہو گی اور بقول مولوی احمد رضا خان صاحب عموم آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض ہرزہ بافی (ہے)" (انباء المصطفےٰ ص۳) لہذا کیونکر یہ حجت ہو سکتی ہے؟

وثالثاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :۔

ثم لیعلم انہ یجب ان ینفی عنھم صفات الواجب جل مجدہٗ من العلم بالغیب والقدرۃ علی خلق العالم الی غیر ذالک ولیس ذالک بنقص (الیٰ ان قال بعد عدۃ اسطر) و

پھر جاننا چاہیئے کہ واجب ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے باری تعالیٰ کی صفات کی نفی کی جائے مثلاً علم غیب اور جہان کے پیدا کرنے پر قدرت وغیرہ اور اس میں کوئی تنقیص نہیں ہے (پھر کئی سطور کے بعد فرمایا کہ) اور اگر کوئی شخص آپ کے علم غیب پر فتجلّٰی لی کل شیٍٔ

ان استدل بقوله عليه الصلوٰة والسلام فتجلى لى كل شئ قلنا هو بمنزلة قوله تعالى فى التوراة تفصيلا لكل شئ والاصل فى العمومات التخصيص بما يناسب المقام ولو سلم فهذا عند وضع الله يده بين كتفيه ثم لما سرى عنه ذالك فلا بعد من ان يكون تعليم تلك الامور ثانيا فى حالة اخرىٰ الخ

(تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص۲۴ و ص۲۵)

(کی حدیث) سے استدلال کرے تو ہم اس کو یوں جواب دیں گے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تورات کے بارے میں تفصیلاً لکل شیئٍ آیا ہے اور اصل عمومات میں مقام کے مناسب تخصیص کرنا ہے اور اگر یہ تجلی ہر ایک چیز کے لیے تسلیم بھی کرلی جائے تو یہ صرف اس وقت کے لیے تھی جب کہ اللہ تعالیٰ نے دستِ قدرت آپ کی پشت پر رکھا تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے دستِ قدرت اٹھایا تو یہ تجلی اور انکشاف بھی جاتا رہا سو اس میں کوئی بُعد نہیں کہ اس کے بعد دوسری حالت میں آپ کو دوبارہ ان اُمور کی تعلیم دی گئی ہو۔

غور کیجیے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کیا کہہ گئے ہیں؟ مولوی محمد عمر صاحب تو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کُلّی کی نفی کرنے والا تنقیص کرتا ہے مگر حضرت شاہ صاحب رہ فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے صفاتِ باری تعالیٰ مثلاً علمِ غیب وغیرہ کی نفی کرنا واجب ہے اور اس میں کوئی توہین وتنقیص نہیں ہے اور فتجلى لى كل شيئٍ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کُلّی پر استدلال کرنے والے کو حضرت شاہ صاحبؒ نے یوں جواب دیا کہ اس میں لفظ کُل عموم حقیقی کے لیے نہیں ہے بلکہ احکام دین اور امور شریعت وغیرہ سے مخصوص ہے جیسا کہ تورات کے بارے میں تفصیلاً لکل شیئٍ آیا ہے اور گذر چکا ہے کہ اس سے مراد اُمورِ دین اور احکام وغیرہ ہی ہیں ہر ہر ذرّہ مراد نہیں ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ خود اسی روایت میں اس کا قرینہ بھی موجود ہے وہ یہ کہ پہلے جب اللہ تعالیٰ نے آپ سے دریافت کیا کہ ملاء اعلےٰ (یعنی مقرّبین فرشتوں) کا اختلاف اور اختصام کس بات میں ہو رہا ہے؟ تو آپ نے فرمایا لا ادری میں نہیں جانتا۔ تین مرتبہ ایسا ہوا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت آپ کے دونوں شانوں اور کتفین پر رکھا۔ اور اس کے بعد آپ سے پوچھا کہ ملاء اعلےٰ کی خصومت کس امر میں ہو رہی ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں جانتا ہوں۔ فرمایا وہ کیا اُمور ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ پاؤں پر چل کر مسجدوں میں برائے نماز

پہنچنا اور مسجدوں میں نماز کی انتظار میں بیٹھنا اور تکالیف میں بھی وضو کی تکمیل اور اسباغ کرنا اور اس کے علاوہ مسکینوں کو کھانا کھلانا اور گفتگو میں نرم لہجہ اختیار کرنا اور رات کو جب لوگ سوئے ہوں۔ نماز پڑھنا وغیرہ (دیکھئے مشکوٰۃ ج ۱ ص۷۲ وقال رواہ الترمذی وقال حسن صحیح) یہی روایت خود اس کو واضح کرتی ہے کہ ملاء اعلیٰ کی جس بحث وتمحیص اور مکالمہ اور گفتگو کا آپ کو پہلے علم نہ تھا وہ یہی کفارات وغیرہ تھے جن کا ذکر ابھی ہوا اور باری تعالیٰ کے دستِ قدرت کے اثر سے یہی سب امور آپ پر منکشف ہو گئے اور فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَعَرَفْتُ کا مصداق پورا ہوا اور یہی چیز ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح اپنی سابق عبارات میں بیان فرماتے ہیں اور تفسیر درمنثور ج ۵ ص۳۲۰ میں محدث ابن نصرؒ طبرانی رح اور ابن مردویہ کے طریق سے حضرت ابو امامہ رض کی مرفوع روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں

فوضع یدہ بین ثدیی فعلمت فی منامی	جب اللہ تعالیٰ نے میری چھاتی پر ہاتھ مبارک رکھا تو میں نے
ذالک ماسألنی عنہ من امور الدنیا والآخرۃ	اپنے اسی خواب میں دنیا اور آخرت کی وہ چیزیں جان لیں جن کے
(الحدیث)	بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے سوال کیا تھا۔

اور دوسری چیز حضرت شاہ صاحب نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جتنے وقت تک آپ کی پشت مبارک پر اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت رہا اتنے عرصہ تک ہر چیز آپ پر اجمالی صورت میں منکشف ہو گئی اور جب دست قدرت اٹھا تو وہ حالت نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری حالت اور اوقات میں آپ کو ضرورت کی ہر ہر چیز کی تفصیلی طور پر باقاعدہ خداوندِ کریم کی طرف سے بذریعہ وحی تعلیم ہوتی رہی جیسا کہ نصوص قطعیہ متواترہ اس پر شاہد عدل ہیں۔ اور یہ وحی آخر وقت تک ہوتی رہی اور اس کے ذریعہ آپ کو احکام اور حالات کی اطلاع دی جاتی رہی۔ حضرت شاہ عبدالحق صاحبؒ نے اس حدیث کی تشریح میں جو یہ فرمایا کہ "عبارتست از حصول تمامہ علم کلی وجزوی واحاطہ آں" تو اس میں بھی کلی حقیقی واستغراقی مراد نہیں ہے کیونکہ حضرت شیخ رح کی متعدد عبارتیں جیسا کہ مختلف ابواب میں عرض کی جا چکی ہیں، اس کے خلاف جاتی ہیں اور نیز حضرت شیخ صاحبؒ اکثر کو مبالغۃً کل پر محمول کرنے کے بھی قائل ہیں۔ کما مر مفصلاً مولانا حکیم سید محمد برکات احمد صاحب ٹونکی نے اس حدیث کی تشریح اور جواب میں کئی باتیں فرمائی ہیں۔ ملخصاً ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

اوّل یہ کہ تجلی لی کل شئ اگر اپنے عموم پر ہو تو چاہیئے کہ آپ کو حقیقۃً کنہ باری تعالیٰ پر بھی اطلاع ہو

تو ضرور (یہ) عام مخصوص البعض ہوگا اور مخصص اس کا عقل ہے جیسے اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ میں مخصص حِس ہے۔ ثانی یہ کہ اگر تسلیم کریں کہ تجلّی لی کل شیٔ اس پر دال ہے کہ ہر شئے آپ پر متجلّی ہوئی مگر اس پر دال نہیں ہے کہ ہر شیٔ ہر وجہ سے متجلّی ہوئی جائز ہے کہ ہر شئے آپ پر بوجہ اجمالی متجلّی ہوئی ہو نہ بوجہ تفصیلی یا ہر شئے آپ پر ببعض الوجوہ متجلّی ہوئی ہو نہ بکل الوجوہ پس اگر ہر شئے ببعض الوجوہ متجلّی ہوئی تو بعض الوجوہ بھی بعض الاشیاء ہیں پس علم آپ کو بعض اشیاء کا ہوا نہ کل الاشیاء کا بحَيْثُ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ۔ ثالث یہ کہ آحاد میں سے ہے پس کیونکر ناسخ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ کی ہوسکتی ہے پس لامحالہ تجلّی لی کل شیٔ اپنے عموم پر باقی نہیں ہے۔ رابع یہ کہ ملا علی قاریؒ نے شرح شفا میں تصریح کی ہے کہ علم النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ببعض المغیبات ہے قال فی الشفا ومن ذالك ما اطلع علیہ من الغیوب ما کان و ما یکون والاحادیث فی ھذا الباب بحر لا یدرك قعرہ ولا ینزف غمرہ وھذہ الجملۃ من جملۃ معجزاتہ المعلومۃ علی القطع الواصل الینا خبرھا علی التواتر لکثرۃ رواتھا واتفاق معانیھا الدالۃ علی الاطلاع علی الغیب قال الشارح العلی القاریؒ ای اطلاعہ علی بعض المغیبات علامہ ابن حجر مکیؒ نے بعض اقوال کی تردید میں کہا ہے فان بعض من لم یرسخ فی الایمان یظن ذالك حتّٰی کان یری ان صحۃ النبوۃ تستلزم اطلاع النبی صلی اللہ علیہ وسلّم علی جمیع المغیبات پس معلوم ہوا کہ راسخین فی الایمان کا یہی عقیدہ ہے کہ آپ کو بعض المغیبات کا علم ہوا تھا مگر یہ بعض وہ ہیں کہ لا یدری کنہہ۔ ہماری غرض رفع ایجاب کلی ہے نہ کہ بعض بمعنی اقل کما یتوھم من قلیل خامس یہ کہ تجلّی لی کل شیٔ پر تفریع فعلمت مافی السمٰوٰت والارض اس پر دال ہے کہ آپ کو علم مافی السمٰوٰت والارض کا ہوا اور جو مافی السمٰوٰت والارض نہیں ہے جیسے کنہ باری تعالیٰ یا جو اشیاء وراء السمٰوٰت والارض ہونگی ان پر بھی علم محیط ہے؟ یہ ثابت نہیں پس معلوم ہوا کہ تجلّی لی کل شیٔ اپنے عموم پر نہیں بہرحال ہمارے نزدیک جناب نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو وہ علم دیا گیا جو کسی کو نہیں دیا گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو علم الاولین و الآخرین عطا فرمایا ہے اور ماکان و مایکون کا علم آپ کو دیا ہے إلّا ماخصّہ النصوص القرآنیہ مگر نہ تو آپ کو علم غیب ہے جیسے نصوص قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے اور نہ آپ کو ہر شئے کا علم ہر وجہ سے ہے ظاہر ہے کہ آپ کو اگر ہر شئے کا علم ہر وجہ سے ہو تو تساوی معلومات ذاتیہ اور معلومات عرضیہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم میں لازم آویگی جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے الخ (فصل الخطاب فی العلم بما غاب ص ۳۰ طبع الھلالی دہلی)

خانصاحب نے خالص الاعتقاد ص۲۷ و ص۳۹ اور انباء المصطفےٰ ص۱۱ میں اور مفتی احمد یار خان صاحب نے جاء الحق ص۱۲ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی فیوض الحرمین سے چند حوالجات نقل کیے ہیں کہ جب کوئی بندہ اور عارف مقامِ قدس اور مقامِ حق تک پہنچتا ہے :-

فیتجلّٰی لہ کل شیٔ — تو ہر شے اس پر روشن ہو جاتی ہے۔

و نیز لکھا ہے کہ وُہ :-

والبلوغ الی حقیقۃ کل علم و حال — ہر علم اور حال کی حقیقت کو پہنچ جاتا ہے۔

وغیرہ وغیرہ۔ اس سے خانصاحب نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کُلّی پر استدلال کیا ہے مگر بے سود ہے۔ کیونکہ حضرت شاہ صاحب رحؒ نے تفہیمات کی سابق اور واضح عبارت میں یہ بیان کر دیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے علمِ غیب کی نفی کرنا واجب ہے اور فتجلّٰی لی کل شیٔ کی حدیث سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علمِ غیب ثابت کرنا غلط ہے کیونکہ اس میں لفظ کل عموم اور استغراق کے لیے نہیں ہے جیسا کہ تورات کے بارے میں تفصیلاً لکل شیٔ استغراقِ حقیقی کے لیے نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی لفظ کُل کے بارے میں اس اصطلاح اور تصریح کو معلوم کر لینے کے بعد کون عقلمند اور منصف مزاج دھوکا کھا سکتا ہے؟ اسی طرح فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض میں لفظ مَا سے استغراقِ حقیقی مراد لینا بھی غلط ہے۔ ہم لفظ مَا کی بحث پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں۔ اس حدیث کا مفاد بھی صرف اتنا ہے۔ کہ میں نے آسمانوں میں ملاء اعلیٰ اور فرشتگانِ مقربین کی بحث و تمحیص اور دربارۂ مسائل اختصام و اختلاف کو جان لیا اور زمین میں مشی الاقدام الی المساجد اور وضوء علی المکارہ اور اطعام الطعام اور لین الکلام وغیرہ کے مسائل جان لیے جیسا کہ خود اس حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس سے وہ مطلب لینا جو فریقِ مخالف نے لیا ہے ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے بے شمار نصوص قطعیہ کا ابطال ہوتا ہے جو بجائے خود یقیناً باطل اور مردود ہے۔

چھٹی حدیث

خان صاحب اور مفتی احمد یار خاں صاحب وغیرہ لکھتے ہیں۔ واللفظ للاوّل :- امام احمد مسند اور ابن سعد طبقات اور طبرانی معجم میں بسندِ صحیح حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو یعلیٰ و ابن منیع و طبرانی حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی :-

لقد ترکنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و — نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال پر چھوڑا کہ ہوا

سلم وما یحرك طائر جناحیه فی السماء الا ذکر لنا منه علماً۔ ہیں کوئی پرندہ پر مارنے والا ایسا نہیں جس کا علم حضور نے ہمارے سامنے بیان نہ فرما دیا ہو۔

نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض وشرح زرقانی للمواہب میں ہے۔

ھذا تمثیل لبیان کل شیٔ تفصیلاً تارۃً واجمالاً اُخریٰ۔ یہ ایک مثال دی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر چیز بیان فرمادی کبھی تفصیلاً کبھی اجمالاً۔

اھ (بلفظہٖ انباء المصطفیٰ صہ وجاء الحق ص۶۳)"

جواب اس سے بھی فریق مخالف کا احتجاج درست نہیں ہے:

اولاً اس لیے کہ مسند احمد ج ۵ ص۱۵۳ وغیرہ میں اس کی سند یوں آتی ہے اد عمش نا منذرنا اشیاخ من التیم قالوا قال ابوذر رض الخ، معلوم نہیں کہ یہ اشیاخ کون اور کیسے تھے؟ ثقہ یا ضعیف تھے؟ ایسی مجہول سند سے حضرات محدثین کرام رح احتجاج کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہیں چہ جائیکہ باب عقائد میں خانصاحب کا بحوالہ مسند احمد اس سند کو صحیح کہنا عجیب جہالت یا خیانت ہے۔

وثانیاً خود حضرت ابوذر رض کی روایت اس مجمل روایت کی تفسیر اور تشریح کرتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں کہ:-

عن ابی ذر رض قال ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما من طائر یقلب جناحیہ فی الھواء الا وھو یذکر لنا منہ علماً قال و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بقی شیٔ یقرب من الجنۃ ویباعد من النار الا وقد بُیّن لکم۔

(تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۱۲۸)

حضرت ابوذر رض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس حالت میں چھوڑا کہ کوئی پرندہ ہوا میں پر ہلانے والا ایسا نہ چھوڑا مگر یہ کہ اس سے ہمارے لیے کچھ علم بیان فرما دیا اور نیز حضرت ابوذر رض نے فرمایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی چیز ایسی باقی نہیں جو تمہیں جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کرتی ہو مگر وہ تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہے۔

حافظ ابن کثیر رح نے اپنے محدثانہ اور مفسرانہ صنیع سے یہ بات آشکارا کر دی ہے کہ پرندوں کے کچھ حالات آپ نے ایسے بیان کئے (مثلاً حلال وحرام ہونے وغیرہ کے) جن پر عمل پیرا ہو کر جنت حاصل کی جاسکتی اور جہنم سے اجتناب کیا جاسکتا ہے اور منہ علماً اس کا واضح قرینہ ہے اس سے علم غیب پر استدلال یقیناً

باطل ہے۔

وثالثاً مشہور حنفی محدث علامہ محمد طاہر رح لکھتے ہیں کہ:۔

ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما طائر یطایر الا عندنا منہ علم یعنی استوفی بیان الشریعۃ حتیٰ لم یبق مشکل نفسر یہ مثلا وقیل اراد انہ لم یترک شیئا الا بینہ حتی احکام الطیر وما یحل وما یحرم و کیف وما الذی یفدی منہ المحرم اذا اصابہ ونحوہ۔

(مجمع البحار ج ۲ ص ۳۲۷)

کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا کہ کوئی اُڑنے والا پرندہ ایسا نہیں جس کا علم ہمیں نہ ہو یعنی آپ نے شریعت کو کماحقہ پورا بیان فرمایا ہے حتیٰ کہ کوئی مشکل باقی نہیں رہی اور یہ ارشاد بطور مثال آپ نے بیان فرمایا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوئی چیز آپ نے نہ چھوڑی جو آپ نے نہ بیان کی ہو۔ حتیٰ کہ پرندوں کے احکام اور ان میں جو حلال اور حرام ہیں اور اس قسم کی دیگر کیفیت اور یہ کہ جب محرم کسی جانور کو قتل کرے تو اس پر کیا کفارہ لازم آتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس صریح عبارت سے معلوم ہوا کہ پرندوں کے متعلق آپ نے صرف وہ احکام بیان فرمائے ہیں جو حلال وحرام وغیرہ احکام سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کا شریعت میں بیان کرنا ضروری ہے اور یہ کہ محرم بحالت احرام اگر کسی جانور اور پرندے کو قتل کرے تو اس پر کیا فدیہ عائد ہوگا وغیرہ وغیرہ اور ظاہر ہے کہ یہ جملہ شرعی احکام ہیں اور منصب نبوت اور رسالت کے عین مطابق ہیں نہ یہ کہ وہ جانور پیشاب و پاخانہ کس طرح کریں گے؟ اور جفتی وغیرہ کیسے کریں گے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ! ان امور کا "منصب رسالت" سے بھلا تعلق ہی کیا ہے؟

ستاویں حدیث

مولوی محمد عمر صاحب بحوالہ بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۳ اور مفتی احمد یار خان صاحب بحوالہ بخاری وخازن ایک روایت پیش کرتے ہیں جس کا ترجمہ مفتی صاحب کی زبانی یوں ہے کہ:۔

"حضور علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوئے۔ پس قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں۔ پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے۔ قسم خدا کی جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے۔

ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا، میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں۔ عبداللہؓ بن حذافہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ۔ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔"

"خیال رہے کہ جہنمی یا جنتی ہونا علوم خمسہ میں سے ہے کہ سعید ہے یا شقی اسی طرح کون کس کا بیٹا ہے؟ (مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے اور بحث پہلے مفصل گذر چکی ہے کہ اہل حق کا جھگڑا اہل بدعت سے علوم خمسہ کے جزئیات میں نہیں ہے وہ تو باذن اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بذریعۂ وحی اور حضرات اولیائے عظام رح کو کشف اور الہام کے طور پر معلوم ہو سکتے ہیں، جھگڑا صرف کلیات میں ہے اور اس میں فریق مخالف کے پاس ایک دلیل بھی موجود نہیں ہے۔ میدان وسیع ہے۔ طبع آزمائی کر دیکھیں۔ صفدر) "یہ ایسی بات ہے کہ جس کا علم سوائے اس کی ماں کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ قربان ان نگاہوں کے جو کہ اندھیرے اُجالے دنیا و آخرت سب کو دیکھتی ہیں"۔ انتہیٰ بلفظہ۔ (جاء الحق ص۱۲۴ ومقیاس ص۲۶۲)

جواب اس روایت سے بھی فریق مخالف کا علم غیب کلی پر استدلال باطل ہے۔

اوّلاً اس لیے کہ آپ کا یہ فرمانا سلونی کہ مجھ سے سوال کرو، اظہارِ ناراضگی کی وجہ سے تھا۔ چونکہ لوگوں نے دُور از کار اور لایعنی سوالات کرنے شروع کر دیئے تھے اس لیے آپ نے بطور غصہ اور ناراضگی کے یہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ:۔

قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اشیاء کرھھا فلما اکثروا علیہ المسألۃ غضب وقال سلونی الحدیث (بخاری ج۲ ص۱۰۸۳ ومسلم ج۲ ص۲۶۴)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسی اشیاء کے بارے میں سوال کیا گیا جن کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے جب لوگوں کے سوالات بڑھ گئے تو آپ نے طیش میں آکر فرمایا پوچھو مجھ سے الخ

جب بعض لوگوں نے آپ کی منشاء کو نہ سمجھا اور سوالات شروع کر دیئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ان کے جوابات آپ کو بتلائے جاتے رہے، نہ یہ کہ آپ کو مغیبات کا علم تھا۔ چنانچہ امام نووی رح اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

قال العلماء ھذا القول منہ صلی

حضرات علماء کرامؒ کا کہنا ہے کہ یہ قول جناب رسول اللہ صلی

وسلم محمول علی انه اوحی الیه والا فلا یعلم کل مایسأل عنه من المغیبات الا باعلام الله تعالیٰ قال القاضی وظاهر الحدیث ان قوله صلی الله علیه وسلم سلونی انما کان غضبًا کما فی الروایة الاخری سئل النبی صلی الله علیه وسلم عن اشیاء کرهها فلما اکثر علیه غضب ثم قال للناس سلونی وکان اختیاره صلی الله علیه وسلم ترك تلك المسائل لکن وافقهم فی جوابها لانه لا یمکن رد السوال لما رأه من حرصهم علیها والله اعلم بلفظه

(شرح مسلم ج ۲ ص ۲۶۳)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس بات پر محمول ہے کہ آپ کو اس کی وحی ہوئی تھی ورنہ آپ کو تمام مغیبات کا جن کے بارے میں آپ سے سوالات ہوتے تھے کوئی علم نہ تھا مگر جتنا خدا تعالیٰ چاہتا تھا اطلاع دے دیتا تھا حضرت قاضی عیاض رح فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ کا سلونی فرمانا ناراضگی پر مبنی تھا کیونکہ دوسری روایت میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب بکثرت ایسی چیزیں پوچھی گئیں جن کو آپ پسند نہیں کرتے تھے تو آپ نے غصہ میں آکر لوگوں سے فرمایا مجھ سے پوچھو آپ صرف اسی امر کو پسند کرتے تھے کہ یہ سوالات نہ ہوں لیکن جب لوگوں نے آپ سے پوچھنا شروع کیا تو آپ نے ان کو جواب دینے میں (نظر باخلاق کریمانہ) ان کی موافقت کی کیونکہ لوگ جب پوچھنے پر حریص واقع ہوتے تو آپ کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ ان کو بے نیل مرام واپس کر دیتے

حضرت عمر رض بن الخطاب وغیرہ جلیل القدر صحابی جو صحیح معنی میں مزاج شناس رسول تھے انہوں نے اس موقع پر آپ کی ناراضگی کا گہرا احساس کرتے ہوئے

فبرك عمر علی رکبتیه فقال رضینا بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا قال فسکت رسول الله صلی الله علیه وسلم حین قال عمر رض ذلك

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۳ ومسلم ج ۲ ص ۲۶۳)

دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور یہ فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر راضی ہیں جو ہمارا رب ہے اور اسلام پر راضی ہیں جو ہمارا دین ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر راضی ہیں جو ہمارے رسول ہیں۔ جب آپ نے حضرت عمر رض سے یہ سنا تو پھر آپ نے سکوت اختیار فرمایا۔

ان جملہ صحیح روایات سے معلوم ہوا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سلونی الخ فرمانا

اس امر پر مبنی نہ تھا کہ آپ کو علمِ غیب تھا اور آپ اس کا اظہار لوگوں پر کرنا چاہتے تھے بلکہ یہ ارشاد آپ نے لوگوں کے لایعنی اور بے کار سوالات کا دروازہ بند کرنے کے لیے ارشاد فرمایا تھا۔

وثانیاً اگر اس ارشاد کو غصّے پر محمول نہ بھی کیا جائے تب بھی صحیح روایات میں اس امر کی واضح اور روشن دلیل موجود ہے کہ آپ نے امورِ عظام اور بڑے بڑے اہم مسائل کے بارے میں سوال کرنے کی اجازت دی تھی، نہ یہ کہ ہر کہ و مہ امر کی اجازت آپ نے لوگوں کو دی تھی۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک کی روایت میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

قام علی المنبر فذکر الساعة وذکر ان بین یدیها اموراً عظاماً ثم قال من احب ان یسأل عن شیءٍ فلیسأل عنه فو اللہ لا تسألونی عن شیءٍ الا اخبرتکم به مادمت فی مقامی هذا الحدیث	منبر پر کھڑے ہوئے تو آپ نے قیامت کا ذکر فرمایا اور یہ بیان فرمایا کہ قیامت سے قبل بڑے بڑے واقعات رونما ہوں گے جو شخص کسی چیز کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے تو پوچھے۔ بخدا جب تک میں اس مقام پر موجود ہوں تم مجھ سے جو کچھ بھی پوچھو گے۔ تو میں تم کو بتا دوں گا۔
(بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۳ و مسلم ج ۲ ص ۲۶۳)	

ضرورت تو نہیں مگر صرف بطور شاہد و تائید حضرت عمرؓ کی یہ روایت بھی سن لیجئے:۔

وخصّ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ابواب الغیب وقال سلونی ولا تسألونی عن شیءٍ الا نبأتکم به (الحدیث)	کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیب کے بعض ابواب اور امور کی تخصیص فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پوچھو تم مجھ سے جو کچھ بھی (ان مخصوص امورِ غیب میں سے) سوال کرو گے تو میں تمہیں اس کی اطلاع دے دوں گا۔
(ابوداؤد طیالسی ص ۸)	

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ابوابِ غیب کی ان باتوں کو بیان کرنا یا پہلی صورت میں ناپسندیدہ اور لایعنی امور کے جوابات سے اجتناب کرنا اور بصورتِ اصرار سائل بذریعہ وحی اس کا جواب دینا آپ کے منصبِ نبوت سے متعلق تھا۔ جیسا کہ امام نووی رہ کی عبارت میں اس کی تصریح گزر چکی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی اسی کا متقاضی ہے:۔

لَا تَسْأَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْأَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ	مت سوال کرو تم ایسی اشیاء کے بارے میں کہ جب وہ تم پر ظاہر کر دی گئیں تو تم پریشان ہو گے اور اگر تم اس وقت

القرآن تبد لكم الآية
(پ ۷ - مائدہ - ع۱۴)

ان کے بارے میں سوال کروگے جب کہ قرآنِ کریم نازل ہو رہا ہے تو وہ اشیاء تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔

اور نزولِ قرآن کے زمانہ سے نزولِ وحی کا زمانہ مراد ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:-

ای وان تسألوا عن هذه الاشياء التي نهيتم عن السؤال عنها حين ينزل الوحي على رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم تبين لكم
(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۱۰۶)

یعنی اگر تم ان اشیاء کے بارے میں سوال کروگے جن سے تمہیں روکا گیا ہے جب جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے تو وہ اشیاء ضرور تم پر واضح کر دی جائیں گی (اور پھر تم پریشان ہوگے)

بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلونی ضروری مسائل دریافت کرنے کے لیے بھی ارشاد فرمایا ہے مگر صرف وہ اُمور جن کی لوگوں کو حاجت تھی اور وہ منصبِ نبوت کے مناسب بھی تھے۔ چنانچہ ایک مقام پر سلونی کی شرح کرتے ہوئے امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ:-

قوله صلى الله عليه وسلم سلوني. هذا ليس بمخالف للنهي عن سواله فان هذا المامور به هو فيما يحتاج اليه وهو موافق لقوله تعالى فسئلوا اهل الذكر انتهى بلفظه
(نووی شرح مسلم ج ۱ ص۲۹)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ مجھ سے پوچھو یہ اُس قول کے مخالف نہیں ہے جس میں آپ نے سوال سے منع کیا تھا کیونکہ جس سوال کی آپ نے اجازت دی تھی وہ تو صرف ان اُمور میں ہے جن کی لوگوں کو حاجت ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے موافق ہے کہ اہلِ علم سے پوچھو۔

ان تمام دلائل سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ سلونی الخ سے علم غیب کلی کا اثبات خدا تعالیٰ اور اُس کے جناب رسولِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور علماء امت کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اسی حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

واشد من ذلك في كثرة السؤال البحث عن امور مغيبة ورد الشرع بالايمان بها مع ترك كيفيتها ومنها مالا يكون له شاهد في عالم الحس كالسؤال عن وقت الساعة وعن الروح وعن مدة هذه الامة الى امثال ذلك مما لا

اور اس سے بڑھ کر کثرتِ سوال میں وہ بحث ہے جو ایسے اُمورِ غیبیہ کے بارے میں ہو جن کے بارے میں شریعت نے صرف ایمان لانے کا حکم دیا ہے بغیر اس کے کہ ان کی کیفیت معلوم کی جائے اور ان میں ایسے اُمور بھی ہیں جن کی عالمِ حس میں کوئی مثال ہی نہیں جیسے قیامت کے وقت کا علم اور روح

يعرف الا بالنقل الصرف والكثير لم يثبت فيه شئ فيجب الايمان به من غير بحث۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۲۵)

اور اس امت کی مدت کا علم وغیرہ جو صرف خالص نقل ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور ان میں سے کثیر امور کے بارے میں کوئی حدیث اور نقل ثابت ہی نہیں ہے کہ یہ امور کب ہوں گے؟ لہٰذا ان پر ایمان ہی لانا ضروری ہے۔

اور شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی الحنفی رحمہ لکھتے ہیں کہ:۔

فان قلت من این عرف رسول الله عليه الصلوة والسلام انه ، ابنهٗ قلت اما بالوحی وهو الظاهر او بحكم الفراسة او بالقياس او باده ستلماق

(عمدۃ القاری ج ۹ ص ۵۰۹)

سو اگر تو یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہؓ حذافہ کے بیٹے ہیں؟ تو میں جواب میں یہ کہوں گا کہ آپ کو وحی کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا تھا اور یہی ظاہر ہے یا فراست یا قیاس یا استلحاق کے حکم سے آپ نے یہ فرمایا تھا۔

اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب کلی حاصل ہوتا جیسا کہ فریق مخالف کا بے بنیاد دعوے ہے تو جب حضرت عبداللہؓ بن حذافہ نے سوال کیا تھا مَنْ اَبِیْ کہ میرا باپ کون ہے؟ اور آپ نے فرمایا کہ حذافہ، تو شیخ الاسلام عینی رحمہ کو صاف یہ فرما دینا چاہیئے تھا کہ چونکہ آپ کو یہ کلی غیب تھا اس لیے یہ فرما دیا۔ انہوں نے یہ کیوں فرمایا ہے کہ اس وقت آپ پر وحی آئی تھی اور اس کے مطابق آپ نے حضرت عبداللہؓ کو یہ جواب دیا اور فرماتے ہیں وھو الظاھر کہ ظاہر بات صرف یہی ہے کہ آپ[1] پر وحی نازل ہوئی تھی اور نیز فرماتے ہیں کہ یا آپ نے فراست یا قیاس یا استلحاق کے اصول کے پیش نظر جواب دیا جس کو علم غیب کلی حاصل ہو اس کو فراست اور قیاس وغیرہ کی کیا ضرورت ہے؟ غرضیکہ فریق مخالف کا اس روایت سے علم غیب کلی پر استدلال کرنا سو فیصدی باطل ہے وَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ ۔

مفتی احمد یار خان صاحب تفسیر خازن پارہ ۴ زیر آیت مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الآیۃ ایک روایت پیش کرتے ہیں جس کا ترجمہ مفتی صاحب کی زبانی یوں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت پیش فرمائی گئی ، اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جس طرح کہ حضرت آدمؑ پر پیش ہوتی تھی۔ ہم کو بتا دیا گیا کون ہم پر ایمان لاوے گا اور کون کفر کرے گا یہ خبر منافقین کو پہنچی تو وہ ہنس کر کہنے لگے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کو لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مومن کی خبر ہو گئی ہم

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۹۶ ج ۱۱ میں اسی روایت میں ہے: عن انسؓ بن مالک قال خرج الینا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ذات یوم وھو غضبان ونحن نری ان معه جبرائیل ... الخ

تو ان کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہچانتے یہ خبر حضور علیہ السلام کو پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا کہ قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعنے کرتے ہیں اب سے قیامت تک کی کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم ہم سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم میں طعنے کرنا منافقوں کا طریقہ ہے دوسرے یہ کہ قیامت تک کے واقعات سارے حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔" (بلفظہٖ جاء الحق صـ۶۹)

جواب مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایسی بے سر وپا روایتوں سے یہ مورچہ ہرگز فتح نہیں ہو سکتا۔ اس روایت کی سند مبارک یوں ہے قال السُّدی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث (دیکھئے معالم و مظہری وغیرہ) اور لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ کی تشریح میں ہم سُدی کا ذکر خیر کر چکے ہیں کہ حضرات محدثین کرام رح کے نزدیک اس کا روایت میں کیا پایہ ہے؟ پھر سُدی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان کتنے راوی ہیں؟ اور ہیں وہ کیسے؟ ثقہ یا ضعیف؟ ان وسیع مفاوز اور جنگلات کو یک جنبش پھاند کر آگے چلا جانا مفتی صاحب اور ان کی لائق جماعت ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفی رح اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ:

قال الشیخ جلال الدین السیوطی رح لم اقف علی ھذہ الروایۃ اھ (تفسیر مظہری ج۴ صـ۱۸۵)	امام جلال الدین سیوطی رح فرماتے ہیں کہ میں اس روایت کی سند اور صحت پر مطلع نہیں ہو سکا۔

ممکن ہے مفتی صاحب کو بطور کشف و الہام اس روایت کی سند اور اس کی صحت پر آگاہی حاصل ہو گئی ہو جس کی وجہ سے وہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب اور ان کی جماعت کو دین کی سمجھ عطا فرمائے مگر شرک و بدعت کے ساتھ دین کی سمجھ حاصل ہی کہاں ہو سکتی ہے، کما مر عن السیوطی۔ مفتی صاحب کو ارشاد الساری کا وہ حوالہ جس میں نبی کے لیے علم غیب کا ضروری ہونا منافقوں کا نظریہ قرار دیا گیا ہے اور پھر حضرات فقہاء احناف رح کی تکفیری عبارات بخوبی ملاحظہ کرنی چاہئیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ طبیعت بالکل صاف ہو کر سنٹر پر آجائے گی۔

آٹھویں حدیث مفتی احمد یار خان صاحب مشکوٰۃ باب المعجزات سے حضرت ابوہریرۃ رضی کی ایک روایت نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ "شکاری آدمی نے کہا کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کر رہا ہے تو بھیڑیا بولا کہ اس سے عجیب بات یہ ہے کہ ایک

صاحب (حضور علیہ السلام) دو میدانوں کے درمیانی نخلستان (مدینہ) میں ہیں اور تم کو گذشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں " انتہیٰ بلفظہٖ (جاء الحق صلا ۶۹)

جواب اس روایت کا صحیح مطلب بالکل واضح ہے کہ آپ نے ماسبق اور آئندہ کی بے شمار خبریں بتا دی ہیں مگر اس سے مفتی صاحب کا استدلال لفظ مَاؔ کے عموم استغراقی پر مبنی ہے کیونکہ روایت کے یہ الفاظ ہیں (یخبرکم بما مضیٰ وما ھو کائن بعدکم) اور ہم پہلے تفصیل سے عرض کر چکے ہیں کہ مَاؔ عموم میں نص قطعی نہیں ہے ۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں آپ نے دیکھا کہ فریقِ مخالف کی گاڑی اکثر چار پہیوں پر چلتی ہے لفظ کلّ ، لفظ مَا اور لفظ شیٔ وغیرہ کا عموم اور اُلٹی سمجھ ، اور اس گاڑی کے اوپر جو ڈھانچہ ہے وہ توحید و سنت اور حق اور اہلِ حق سے نفرت اور گریز ہے ۔ صدق اللہ تعالیٰ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۔

نویں حدیث مولوی محمد عمر صاحب ترمذی ج ۲ صلا ۳۶ کے حوالہ سے حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ سے ایک روایت نقل کر کے پھر اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں کہ " عبداللہؓ بن عمرو رضؓ سے روایت ہے کہ ہم پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۔ آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں تو آپ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کتابیں کیسی ہیں ؟ تو ہم نے عرض کی نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر یہ کہ آپ ہمیں ارشاد فرمائیں تو آپ نے فرمایا یہ کتاب جو میرے دائیں ہاتھ میں ہے یہ رب العٰلمین کی طرف سے ہے اس میں تمام جنتیوں کے نام اور ان کے آباد کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام درج ہیں پھر اُن کے اخیر پر میزان لگائی گئی ہے ، تو ان میں نہ زیادہ کیا جائے گا اور نہ کم کیا جائے گا ہمیشہ تک ۔ پھر فرمایا یہ جو کتاب میرے بائیں ہاتھ میں ہے ۔ یہ رب العٰلمین کی طرف سے ہے ۔ اس میں تمام دوزخیوں کے نام ہیں اور ان کے آباد کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام پھر ان کے اخیر پر میزان لگائی گئی ہے نہ ان میں کچھ زیادہ کیا جاتے گا اور نہ کم ہمیشہ کے لیے " اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جنتیوں اور تمام دوزخیوں کی فہرستیں اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی ہوئی ہیں جن میں ان کے اعمال بھی شامل ہیں ، اب تم کہو کہ آپ کو غیب کُلّی نہیں تو تمہاری بات کو سچا مانا جائے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ۔ بہر صورت اس حدیث پاک کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہر مسلمان کو علمِ غیب کُلّی تسلیم کرنا عین ایمان ہے " انتہیٰ بلفظہٖ (مقیاس صلا ۲۶۷)

جواب اس سے بھی فریق مخالف کا استدلال باطل ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ یہ دونوں کتابیں حقیقی تھیں یا محض مثالی؟ شراح حدیث نے دونوں قول نقل کئے ہیں دیکھئے مرقات ہامش مشکوٰۃ ج ۱ صا۲ حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے بارے میں اسنادہ حسن کہہ کر اس قول کو زیادہ پسند کرتے ہیں کہ یہ دونوں کتابیں حسّی تھیں اور حضرات صحابہ کرام رضنے بھی دیکھی تھیں (ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۸۷) مگر ان دونوں کتابوں کے مثالی ہونے کا بھی انہوں نے تذکرہ کیا ہے۔ اور حضرت شیخ محدث عبدالحق صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:۔ "دراں تمثیل و تصویر کرد معنی حاصل را در قلب شریف را بچیزیکہ گویا در دست اوست وحال آنکہ در خارج کتابی نیست و نوشتہ نہ الخ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۹۴ طبع نولکشور لکھنوء) جب ان کتابوں کے حسّی اور مثالی ہونے میں ہی شراح حدیث کا اختلاف ہے تو فریق مخالف کا دعوےٰ ان کو علی التعیین حقیقی اور سمجھ کر کیسے صحیح ہوگا؟

وثانیاً اگر یہ دونوں کتابیں حسّی بھی ہوں اور حضرات صحابہ کرامؓ نے ان کو دیکھا بھی ہو تب بھی اس روایت میں صرف اس کا ذکر ہے کہ جنتیوں کے اور ان کے آباء کے اور ان کے قبیلوں کے نام اور اسی طرح دوزخیوں کے اور ان کے آباء کے اور قبیلوں کے نام درج تھے۔ اس میں اس کا ذکر کہاں ہے کہ ہر ہر آدمی کی زندگی کے پورے اور تفصیلی حالات بھی ان میں درج تھے اور اس کا ذکر اس میں کہاں ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو ان کتابوں کے اندر درج شدہ پورے ناموں کی مکمل تفصیل کا بھی علم تھا؟ اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان کتابوں میں جنتیوں اور دوزخیوں کے درج شدہ تمام ناموں کا آپ کو تفصیلی علم تھا تو فریق مخالف بتائے کہ جانوروں اور کیڑے مکوڑوں وغیرہ کا جو غیر مکلّف مخلوق ہے اور جنت اور دوزخ میں نہیں جائیں گے (الا اذا ثبت فی البعض) تو ان کا ذکر ان کتابوں میں کہاں ہے؟ علم غیب کُلّی صرف مکلّف مخلوق کے ناموں اور ان کے اجمالی وتفصیلی حالات ہی کا نام تو نہیں ہے بلکہ علم غیب کُلّی تو زمین کے ہر ہر ذرّہ اور درخت کے ہر ہر پتّہ اور دریا کے ہر ہر قطرہ وغیرہ وغیرہ کا نام ہے اور اس روایت سے ان کے بارے میں علم غیب کا ہرگز کوئی ثبوت نہیں ہوتا جیسا کہ بالکل عیاں ہے۔

وثالثاً اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو تمام جنتیوں اور دوزخیوں کے علی التعیین نام معلوم تھے تو آپ نے ابوطالب اور عبداللہ بن اُبی وغیرہ کے لیے جو خدا تعالےٰ کے علم میں دوزخی تھے کیوں مغفرت کی دعا کی؟ اور اس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے تنبیہ اور نہی کیوں نازل ہوئی؟ کیا آپ نے جان بوجھ کر دوزخیوں کے

لیے دعائے مغفرت کی؟ الحاصل اس روایت سے علم غیب کلّی ثابت کرنا نرا جنون ہے بشرطیکہ کسی کو سمجھ اور انصاف سے کچھ حصّہ ملا ہو۔

دسویں حدیث

خان صاحب، مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں:- واللفظ لہٗ شرح مواہب لدنیہ للزرقانی میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ کی روایت ہے:-

اِنَّ اللّٰہَ رُفِعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَ اِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ

اللہ تعالےٰ نے ہمارے سامنے ساری دُنیا کو پیش فرمایا پس ہم اس دنیا کو اور اسمیں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہے جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں۔

(جاء الحق ص۶۳ - انباء المصطفٰے ص۸ و مقیاس ص۲۹۵)

البتہ خانصاحب اس میں بحوالۂ طبرانی اور کتاب الفتن لنعیم بن حماد اور حلیہ لابی نعیم کے حوالہ سے کفّی ھٰذہ کے بعد یہ ٹکڑا بھی زیادہ روایت کرتے ہیں کہ:-

جلیا نا من اللہ جلاہ لنبیّہٖ صلی اللہ علیہ وسلم کما جلاہ للنبیین

اللہ نے اپنے نبی کے لیے روشن فرمائی جیسے مجھ سے پہلے انبیاء کے لیے روشن کی تھی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس حدیث سے روشن کہ سمٰوٰت والارض اور جو کچھ اُن میں ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا اس کا علم انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کو بھی عطا ہوا اور حضرت عز جلالہ نے اس تمام ماکان و مایکون کو اپنے اُن محبوبوں کے پیشِ نظر فرما دیا مثلاً شرق سے غرب تک سماک سے سمک تک ارض سے فلک تک اھ (بلفظہٖ انباء المصطفٰے)

جواب

یہ روایت حلیہ لابی نعیم رح ج ۶ ص۱۰۱ میں سعید بن سنان الرھاوی کی سند سے مذکور ہے بلاشک یہ روایت فریقِ مخالف کے لیے بڑی کار آمد بلکہ اکسیر تھی مگر کاش کہ صحیح نہیں ہے کیونکہ امام طبرانی رح کی جملہ تصانیف حضرات محدثین کرام رح کے نزدیک کتب حدیث کے طبقۂ ثالثہ میں داخل ہیں اور اس طبقہ کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ: "واکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہا نشدہ اند بلکہ اجماع برخلاف آنہا منعقد گشتہ" (عجالۂ نافعہ ص۶) جب تک اس حدیث کی اصول حدیث کی رُو سے صحت ثابت نہ کی جائے اس سے احتجاج درست نہیں ہے۔ اور امام ابونعیم رح کی جملہ تالیفات طبقۂ رابعہ سے ہیں جن کے بارے میں فیصلہ یہ ہے "ایں احادیث قابلِ اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود

(ایضاً مٹ) نہ صرف یہ کہ یہ روایت محض طبقۂ ثالثہ اور رابعہ کی ہے بلکہ ضعیف بھی ہے چنانچہ مشہور حنفی محدث حافظ علی متقی رہ (المتوفی ۹۷۵ھ) لکھتے ہیں کہ سندہ ضعیف (کنز العمال ج ۶ ص ۱۵) کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ اور علامہ نور الدین علیؒ بن ابی بکر الہیثمیؒ (المتوفی ۸۰۷ھ) استاد حافظ ابن حجرؒ طبرانیؒ کے حوالہ سے یہ روایت حضرت عمرؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں جس میں کفی ھٰذا کے الفاظ بھی موجود ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کے باقی راوی تو ثقہ ہیں مگر علی ضعف کثیر فی سعید بن سنان الرھاوی ۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷) اس میں سعید بن سنان الرھاوی بہت ہی زیادہ ضعیف ہے۔ اور ضعیف حدیث کی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت اور پھر اس سے نصوص قطعیہ کے خلاف عقیدہ ثابت کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ خانصاحب نے ایک مقام پر کیا ہی خوب کہا ہے کہ "حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لیے ثبوت چاہیئے بے ثبوت نسبت جائز نہیں اور قول مذکور ثابت نہیں" ملخصہ (عرفان شریعت حصہ سوم ص ۲۷)

اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں اور نہ اس سے کوئی عقیدہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ قارئین کرام! فریق مخالف کی طرف سے اس کے علاوہ بھی بعض احادیث پیش کی گئی ہیں جن کا اکثر حصہ ہم نے عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ کی تشریح اور دیگر مختلف ابواب میں نقل کر کے جوابات دے دیئے ہیں اور ان کے علاوہ بھی بعض حدیثیں باقی ہیں مگر ان سے کسی کو علم غیب کے اثبات پر بہت کم شبہ ہو سکتا ہے۔ جن روایات پر فریق مخالف کے دعوی کا مدار تھا وہ ہم نے عرض کر دی ہیں اور ساتھ ہی جوابات بھی عرض کر دیئے گئے ہیں تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۔

اب ہم فریق مخالف کو ایک عمدہ اور جائز ورد بتاتے ہیں وہ صبح و شام اس کو پڑھا کرے، اور یقین رکھے کہ وہ ورد ناجائز نہیں ہے۔ وردِ مبارک یہ ہے ؎

اے میرے باغِ آرزو کیسا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو، کوئی کلی کھلی نہیں

اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیئے کہ وہ ہمیں قرآن کریم اور سنت صحیحہ اور حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ و فقہاء کرام رہ و محدثین عظام رہ اور سلف صالحینؒ کی صحیح اتباع اور پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو نورِ توحید اور شمعِ سنت سے منور کرے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت اور عادت ہے کہ اگر

کوئی اس سے لینے والا ہو تو وہ ضرور عطا فرماتا ہے۔ اکبرؔ نے کیا خوب کہا ہے ؎

سرور و نور و وجد و حال ہو جائے گا سب پیدا
مگر لازم ہے پہلے ہو ترے دل میں طلب پیدا
نہ گھبرا کفر کی ظلمت سے تو اے نور کے طالب
وہی پیدا کرے گا دن بھی کی ہے جس نے شب پیدا

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وجمیع امتہ الیٰ یوم القیامۃ

آمین

وانا العبد الاحقر ابوالزاھد محمد سرفراز خان صفدر الھزاروی تولّدًا والسواتی نسبًا والحسینی مشربًا والدیوبندی مسلکًا

خطیب جامع گکھڑ ضلع گوجرانوالہ ومدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مؤرخہ ۱۹ محرم الحرام سنہ ۱۳۷۹ھ
۲۶ جولائی ۱۹۵۹ء